مجموعۂ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

و دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفہ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرۃ مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

جلد ۱۴-۱۵-۱۶

مجموعۂ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

و دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفہ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرۃ مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری رحمہ اللہ

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
☎061-540513-519240

نام کتاب.........انوار الباری جلد ۱۴-۱۵-۱۶

تاریخ اشاعت............جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ

ناشر...... اِدارۂ تَالِیفَاتِ اَشْرَفِیہ ملتان

طباعت..............سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

ادارہ اسلامیات انارکلی، لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور

مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

بک لینڈ اردو بازار لاہور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

ضروری وضاحت: ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

بسم الله الرحمن الرحیم

انوار الباری
۱۴
اردو شرح
صحیح البخاری

تقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الشفیع الکریم اما بعد

انوارالباری کی نشاۃ ثانیہ

راقم الحروف نے انوارالباری کے کام کی ابتداء نظر بہ فضل خداوندی صرف اپنے بھروسہ پر کی تھی اور محض اس کے ہی فضل وانعام سے ۱۳ حصوں تک اشاعت ہوگئی تھی، اس کے بعد یکا یک حالات کا رخ پلٹا، پاکستان کے لئے کتب ورسائل جانے پر پابندی لگ گئی، زیادہ تعداد خریداروں کی پاکستان میں تھی اور وہ بھی ایسے قدردان کہ پابندی لگنے پر بھی کچھ لوگ طلب کرتے رہے، ان پر انوارالباری منگانے کی وجہ سے مقدمے قائم ہوئے، جرمانے ہوئے، کتاب ضبط ہوئی، پھر بھی وہ حجاز وکویت وغیرہ کے ذریعے منگاتے رہے، ادھر مالی حالات اور دوسرے موانع آئندہ تالیف واشاعت کے کام میں سدراہ ہوئے کئی سال ہمت وحوصلہ کی شکستگی اور تعطل کی نذر ہوگئے، اس کے بعد پھر فضل ورحمت ایزدی نے دستگیری کی اور افریقہ کے احباب ومخلصین مولانا اسماعیل گارڈی، مولانا قاسم محمد سیما، مولانا احمد محمد گردا، مولانا عبدالقادر ملکپوری، مولانا یوسف عمرواڑی، مولانا عبدالحق عمرجی، الحاج ایم ایس ڈوکرات، الحاج ایم موسیٰ بوڈھانیہ، الحاج ابراہیم بھائی کوساڈیہ، مفتی برادرس وغیرہم نے خصوصی توجہ کی، راقم الحروف کو افریقہ بلایا اور کتاب مذکور کی آئندہ تالیف، تکمیل و اشاعت کو ضروری سمجھتے ہوئے کام کو پھر سے جاری رکھنے کی تحریک وتجویز کی، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے اور مجھے توفیق بخشے کہ ان حضرات کی نیک توقعات کو پورا کرسکوں، آمین۔

نوعیت کار کی تبدیلی

احباب افریقہ کی خواہش یہ بھی ہوئی کہ میں اس تالیف کو مختصر کر کے ۲۵ یا ۲۷ جلدوں میں مکمل کردوں اور عجلت کار کے خیال سے یہ بھی تجویز ہوئی کہ میں اپنے ساتھ ایک دو معاون رکھ لوں اس پر میں نے کچھ عرصہ تک دو حضرات کو ساتھ رکھا، مگر افسوس کہ وہ میرے طریق کار کا ساتھ نہ دے سکے۔ اس لئے پھر حسب سابق اس منزل کا تن تنہا سفر کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ رفیق محترم مولانا سید محمد یوسف صاحب، بنوری مرحوم کو اپنی بے پایاں جمتوں سے نوازے، ان کی خواہش تھی کہ میں کراچی جا کر ان کے پاس رہوں اور انوارالباری و معارف السنن کے کام کو ہم دونوں باہمی مشورے اور تعاون سے مکمل کریں، انوارالباری کی پاکستان میں توسیع اشاعت کے لئے بھی وہ بہت کچھ کرنا چاہتے تھے، مگر آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔

ہم دونوں نے جو حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی صحبت و معیت اور استفادات کی بدولت ایک راہ اپنائی تھی کہ احقاق حق بلا خوف لومۃ لائم کرتے رہیں گے اور محققین اکابر امت کے تفردات پر بھی بحث و نظر اور تعقبات و استدراکات کا سلسلہ دلائل و براہین کی روشنی میں علی وجہ البصیرت جاری رکھیں گے، خدا کا شکر ہے کہ اس کو بڑی حد تک نباہا اور چلایا مگر اب میں اس راہ میں اکیلا رہ گیا ہوں، **واللہ المستعان و علیہ التکلان**۔

اس لئے اختصار کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ آئندہ اقساط میں متن بخاری شریف کی جگہ صرف ابواب بخاری کا حوالہ دیا جائے اور مکمل ترجمہ احادیث کی جگہ تشریح مطالب ضروریہ پر اکتفا کی جائے اور اہم مسائل میں اعیان و اکابر امت کی تحقیقات و آراء کے ساتھ ان کے تفردات کی نشاندہی کرتے ہوئے تعقبات اور استدراکات درج کردیئے جائیں۔ **والتوفیق من اللہ تعالیٰ جل مجدہ**۔

انوارالباری کا مقصد

جیسا کہ اب تک کی شائع شدہ جلدوں سے یہ بات پوری طرح روشنی میں آچکی ہے کہ مؤلف کا مطمح نظر مسائل مہمہ میں اکابر علماء کی تحقیقات کو پیش کرنا ہے اور چونکہ حضرت الاستاذ المعظم شاہ صاحبؒ کی علمی و تحقیقی شان بہت ہی ارفع و اعلیٰ تھی، آپ کے وسیع و عمیق مطالعہ نے علوم سلف و خلف کو آپ کے لئے کف دست کی طرح نمایاں کردیا تھا اور بقول حضرت تھانویؒ کے آپ کسی معاملہ میں بھی ادنیٰ سی کجی یا غلطی کو بھی برداشت نہیں کرسکتے تھے اور یہی حقیقت بھی تھی، لہٰذا آپ کے افادات کو بھی پیش کرنا ہے۔

۱۳۴۵ھ میں حضرتؒ نے دارالعلوم دیوبند میں آخری درس مکمل بخاری و ترمذی شریف کا دیا تھا، ہونہار، ذی استعداد طلبہ حدیث سامنے تھے، ایک عالم رامپور کے جو پہلے سے فارغ التحصیل تھے اور حضرتؒ کی خدمت میں تکمیل علم حدیث کے لئے حاضر ہوئے تھے، وہ حرمین شریفین میں بھی کافی عرصہ رہ چکے تھے اور علامہ ابن تیمیہ کے علم و فضل و تبحر سے بہت زیادہ متاثر تھے، بلکہ ان کو درجۂ اجتہاد پر فائق سمجھتے تھے، ایک روز درس میں ائمہ مجتہدین کے مراتب اجتہاد پر بحث تھی اور حضرتؒ ائمہ اربعہ کے مراتب اجتہاد پر تقریر فرما رہے تھے، یہ عالم سوال کر بیٹھے کہ کیا علامہ ابن تیمیہ مجتہد نہیں تھے؟

حضرتؒ نے فرمایا کیا آپ مجتہد کا وظیفہ جانتے ہیں؟ بتلائیں، وہ خاموش ہوئے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ مجتہد کا منصب یہ ہے کہ وہ کسی کلی

کواس کی جزئیات پر منطبق کرے اور جزئیات کو ان کی کلی میں پہنچائے اگر وہ اپنے اس وظیفہ و منصب میں غلطی کرتا ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے، پھر حضرتؒ نے متواتر تین روز تک مثالوں سے ثابت و واضح کیا کہ علامہ ابن تیمیہ نے فلاں کلی کو دوسری کلی کے جزئیات پر منطبق کرکے غلطی کی اور فلاں جزئی کو بجائے اس کی اپنی کلی کے دوسری کلی میں پہنچا دیا، کیا اتنی کثرت سے غلطی کرنے والے کو آپ مجتہد کا درجہ دیں گے؟ ان عالم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے، میرے بے موقع سوال کی وجہ سے حضرتؒ کو ابن تیمیہ کے بارے میں اتنی تفصیل کی ضرورت ہوئی۔

یہ ایک ادنیٰ مثال تھی کہ حضرتؒ نے ایک فاضل طالب کے دلی شبہات کا اندازہ فرما کر اس کو پوری طرح مطمئن کرنے کی سعی فرمائی، ورنہ اکثریت تو ایسے ہی طلبہ کی ہوتی تھی جو حضرتؒ کی اونچی تحقیقات نہ سمجھ سکتے تھے، حالانکہ اس دور کے طلبۂ حدیث آج کل کے طلبۂ حدیث کی نسبت سے بہ لحاظ فہم و ذکاء، استعداد و مطالعہ کہیں اعلیٰ وارفع تھے۔

کاش! حضرتؒ کے پورے درس حدیث میں حضرت علامہ عثمانیؒ یا مولانا مفتی سید مہدی حسنؒ ایسے فضلا مخاطب ہوتے اور دورہ حدیث بجائے ایک سال کے دس سال میں پورا ہوتا اور یہ حضرات آپ کے امالی درس کو قلم بند کرتے، تو لوگ یقیناً علوم و افادات انوریہ کے انوار کی روشنی ماہتاب و آفتاب کی طرح مشاہدہ کرسکتے تھے۔

راقم الحروف نے دو سال پابندی سے جامعہ ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحبؒ کے درس بخاری شریف میں شرکت کی اور دونوں سال آپ کے درسی افادات منضبط کئے، خارج اوقات میں بھی استفادہ کرتا رہا، اس وقت اس بات کا خیال و وہم بھی نہ تھا کہ انوار الباری ایسی کوئی تالیف مرتب کرکے شائع کی جائے گی ورنہ ممکن تھا کہ مہمات میں حضرتؒ سے خارج میں اور زیادہ استفادات کرتا، کیونکہ خدا کے فضل سے حضرتؒ احقر سے بہت مانوس ہوگئے تھے اور ایک بار مولانا بشیر احمد صاحب بھٹہ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ "یہ صاحب اگر ہمیں پہلے سے جڑ جاتے تو ہم بہت کام کرلیتے" اب خدا نے یہ چیز دل میں ڈال دی کہ جو کچھ اور جیسا بھی کچھ حاصل کیا تھا، وہ پیش کردوں بقول حضرت علامہ جامیؒ۔

بیا جامی رہا کن شرمساری　　نہ صاف و درد پیش آر آنچہ داری

کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ میری آخرت سنوارنے کا اسی کو بہانہ بنا دے۔

باب الانتقاد: مولانا بنوریؒ نے نفحۃ العنبر ص ۱۸۲ میں لکھا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ علماء وسلف کا نہایت ادب و احترام فرماتے تھے اور ان پر نقد کرنے میں بہت ہی محتاط تھے، حتیٰ کہ جب پہلی بار حافظ ابن حجرؒ سے غزوۂ ذات الرقاع کے بارے میں مناقشہ کا ارادہ فرمایا (کیونکہ انہوں نے وہی رائے اختیار کی ہے جو امام بخاری کی ہے کہ وہ غزوۂ خیبر کے بعد ہوا ہے) تو چار ماہ تک متامل رہے اور سوچتے رہے کہ میرے لئے ان پر تعقب کرنا درست ہے یا نہیں تا آنکہ آپ کا قلب اس کے لئے مطمئن ہوگیا اور اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے قلب میں تشویش تھی لہٰذا میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوا اور مراقبہ میں آپ کی روح انور کی طرف متوجہ ہوا تو مجھے اس بارے میں اجازت حاصل ہوگئی، پھر میں نے کئی ورق میں ان پر تعقب کیا اور اس کے بعد میری یہ عادت ہوگئی کہ تمام ہی ادعیان واکابر امت کے تفردات پر استدراک و تعقب کرنے لگا، لیکن اس طرح دلائل و براہین کے ساتھ کہ اس کو ہر سلیم الذوق و صحیح الوجدان قبول کرلے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ تفردات اکابر پر انتقاد و تعقب یا ان کی نشان دہی پورے ادب و احترام کے ساتھ مولانا مرحوم بنوری کی تالیفات میں بھی

ملے گی اور راقم الحروف بھی اس کا عادی ہے، جس کو کچھ لوگ تشدد کا نام دھرتے ہیں، یا اپنے کسی تعلق یا عقیدت کی وجہ سے اوپرا بھی سمجھتے ہیں لیکن اپنا گمان یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت یا عقیدت کے تحت اس کو برا یا قابل شکایت سمجھنے کا مزاج بنتا رہا تو خدانخواستہ وہ وقت دور نہیں ہوگا کہ حق و باطل کا امتیاز اٹھ جائے گا اور صرف وہ اہل قلم قابل پذیرائی رہیں گے جو ''مصلحت بین و کار آسان کن'' پر عمل پیرا ہوں گے۔

ایک زمانہ ہمارا وہ تھا کہ مولانا بنوریؒ نے مقدمہ مشکلات القرآن میں بعض مشاہیر پر نقد کیا تھا اور راقم الحروف نے حضرت مولانا سید سلمان ندویؒ کی سیرۃ النبی کے کچھ تفردات و اغلاط پر تعقب کیا تھا، پھر خدا کے فضل و انعام سے وہ وقت بھی آیا کہ سید صاحبؒ نے اپنی غلطیوں سے رجوع فرمالیا (اگرچہ اس رجوع کو دارالمصنفین والوں نے نظر انداز کر دیا اور وہ رجوع شدہ غلطیاں ابھی تک چھپ رہی ہیں) اور بعد کو سید صاحب ہی نے جب کہ وہ حضرت تھانویؒ سے بیعت و منسلک ہوکر خود بھی پختہ دیوبندی مسلک اختیار کر چکے تھے راقم الحروف کو اپنے ایک مکتوب میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ ''بڑے درد کے ساتھ پوچھتا ہوں کہ دیوبند کدھر جا رہا ہے؟ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بعض تفردات کی تائید بعض علماء دیوبند کی طرف ہوئی تھی اور سید صاحب کا منشاء یہ تھا کہ علماء دیوبند جو کبھی احقاق حق بلاخوف لومۃ لائم کا فرض ادا کرنے میں ممتاز رہے ہیں اب کسی غلطی کی تائید و ہمنوائی میں پیش پیش کیوں ہیں؟ اور اس سے بھی یہ اندازہ لگائیے کہ دور سابق بلکہ قریبی زمانہ میں ہی مکتب دیوبند کے بارے میں صرف اپنوں کے ہی نہیں دوسرے لوگوں کے خیالات کیا تھے اور اس کی کتنی زیادہ وقعت و ساکھ لوگوں کے دلوں میں تھی؟!

انوارالباری کی اس پیش نظر جلد میں ص ۱۵۲ پر ''لامع الدراری'' ص ۲۰۷ کا ایک تسامح نظر سے گذرے گا یہ ممکن تھا کہ اس عبارت کو ہی مرتب علام مسودہ میں سے حذف کرا دیتے کہ اس مسامحت کی نسبت حضرت مرتب کے والد علام یا حضرت اقدس گنگوہیؒ کی طرف نہ ہوسکتی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس کو باقی رکھ کر اور تسامح کا اعتراف فرما کر یہ تاثر دیا ہے کہ غلطی سے مبرا اپنے اکابر بھی نہیں تھے اور معصوم صرف انبیاء علیہم السلام تھے اور بس، واللہ تعالیٰ اعلم۔

آخر میں ناظرین کرام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ میری غلطیوں پر مجھ کو بھی متنبہ فرما کر ممنون کریں میں آئندہ جلدوں میں ان کا استدرک کر دوں گا، ان شاء اللہ

وانا الاحقر

سید احمد رضا عفا اللہ عنہ

بجنور نومبر ۱۹۷۷ء

باب عظة الامام الناس فی اتمام الصلوٰة وذکر القبلة

(امام کی لوگوں کونصیحت کہ نماز پوری طرح پڑھیں اور قبلہ کا ذکر)

(۴۰۴) حدثنا عبداللہ بن یوسف قال انا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرةؓ ان رسول اللہ ﷺ قال هل ترون قبلتی ههنا فواللہ ما یخفی علی خشوعکم ولا رکوعکم انی لا راکم من ورآء ظهری.

(۴۰۵) حدثنا یحیی بن صالح قال نا فلیح بن سلیمان عن هلال بن علی عن انس ابن مالک قال صلے لنا النبی ﷺ صلوٰة ثم رقی المنبر فقال فی الصلوٰة و فی الرکوع انی لاراکم من ورآئی کما اراکم.

ترجمہ ۴۰۴: حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا یہ خیال ہے کہ میرا رخ (نماز میں) قبلہ کی طرف ہے، خدا کی قسم مجھ سے نہ تمہارا خشوع چھپتا ہے نہ رکوع میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

ترجمہ ۴۰۵: حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں ایک مرتبہ نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ نماز میں اور رکوع میں تمہیں اسی طرح دیکھتا رہتا ہوں جیسے اب دیکھ رہا ہوں۔

تشریح، مناسبت ابواب ومطابقت ترجمۃ الباب

پہلے باب میں ادب سکھایا تھا کہ حالت نماز میں تھوک بلغم کا غلبہ ہو تو اس کو دفع کرنے کے وقت سمت قبلہ کی عظمت وادب کو ملحوظ رکھے، اس باب میں ارکان نماز کو پوری طرح ادا کرنے کا حکم بتلایا اور اس میں بھی سمت قبلہ کی طرف رخ کرنے کا ذکر ضمناً آ گیا ہے، لہذا باب سابق سے مناسبت ظاہر ہے اور اسی توجیہ کو کلی طور سے محقق عینیؒ نے اور جزوی طور پر حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے، ان دونوں اکابر کی توجیہ ومناسبت ابواب کو بعید وابعد قرار دے کر لامع الدراری کی اس توجیہ کو ہم اوجہ ماننے میں متردد ہیں کہ دونوں باب میں مسجد اور جماعت کے احکام پر متنبہ کیا گیا ہے کیونکہ نہ باب سابق "اذا بدره البزاق فلیأ خذ بطرف ثوبه" میں مسجد وجماعت کا ذکر تھا اور نہ اس باب عظۃ الامام میں اتمام صلوۃ کا حکم مسجد وجماعت کے ساتھ مخصوص ہے، اتمام صلوۃ تو ہر نماز میں ضروری ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا جماعت کے ساتھ اور مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو مصالح حجۃ اللہ میں ذکر کئے ہیں وہ بھی مساجد کے ساتھ خاص نہیں، مطلق جماعت کے لئے ہیں اور خود امام بخاریؒ نے بھی یہاں ابواب المساجد کا عنوان کہاں قائم کیا ہے؟ کتاب الصلوٰۃ کے تحت مساجد، غیر مساجد سب ہی کے احکام مختلف عنوانات قائم کر کے بیان کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ واضح ہو کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری میں باب عظۃ الامام اور اس سے قبل کے بھی متعدد ابواب کا ذکر نہیں ہے۔

مطابقت ترجمہ ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں وعظ وتذکیر ہے اور ساتھ ہی تنبیہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے توجہ قبلہ کے وقت بھی تمہارے افعال رکوع وسجود اور احوال خشوع وخضوع مخفی نہیں ہوتے کیونکہ وہ سامنے کی طرح پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔

بحث ونظر

علامہ عینیؒ نے مزید افادہ کیا کہ یہاں علماء امت نے دو باتوں پر غور وفکر کیا ہے، ایک یہ کہ رؤیت سے کیا مراد ہے؟ کچھ حضرات نے کہا

کہ علم مراد ہے خواہ وہ بطریق وحی ہو کہ اس کے ذریعہ آپ کو مقتدی صحابہ کی کیفیت افعال بتادی جاتی ہوگی یا بطریق الہام مگر یہ رائے درست نہیں کیونکہ اس سے پیٹھ پیچھے دیکھنے کی قید بے فائدہ ہو جاتی ہے، دوسرے حضرات نے کہا کہ حضور علیہ السلام دائیں بائیں کے لوگوں کو کسی قدر التفات نظر کے ساتھ دیکھ لیتے ہوں گے، مگر یہ رائے بھی بے وزن ہے اور جمہور کی رائے جو صواب و صحیح بھی یہ ہے کہ سامنے کی طرح پیچھے بھی دیکھنا حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے تھا اور وہی علم وادراک کا حقیقی سبب تھا، جو بطریق خرق عادت کے آپ کو حاصل تھا اور اسی لئے امام بخاریؒ نے اس حدیث کو علامات نبوت میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث اشاعرہ کے لئے دلیل بھی ہے جو رؤیت کے لئے مواجہت و مقابلہ کو شرط نہیں مانتے، بلکہ انہوں نے اس امر کو بھی جائز و ممکن کہا کہ چین میں بیٹھا ہوا ایک اندھا اندلس کے کھٹمل یا پسو کو دیکھ لے، میں کہتا ہوں کہ اہل سنت کے نزدیک یہی حق ہے کہ رؤیت کے لئے عقلاً نہ کسی عضو خاص کی شرط ہے نہ مقابلہ و قرب کی اور اسی لئے انہوں دار آخرت میں جواز رؤیت خداوندی کا فیصلہ کیا ہے، بخلاف معتزلہ کے وہ سرے سے رؤیت ہی کے منکر ہو گئے اور مشبہ وکرامیہ نے کہا کہ رؤیت باری چونکہ بغیر مواجہہ و مکان کے نہیں ہو سکتی لہذا وہ جہت و مکان میں واقع ہوگی، ان دونوں فرقوں کے خلاف اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ بلا جہت و مکان اور بلا کیف ہوگی، اور اس کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے (عمدہ ۳۳۳ ج ۲)

معتزلہ کے دلائل

انہوں نے آیات واحادیث میں تاویل کر کے رؤیت کو بمعنی علم ضروری قرار دیا، انکار رؤیت اس لئے کیا کہ اس کے واسطے مبصر و مرئی کا مقابل اور مکان و جہت میں ہونا ضروری ہے اور خدا مکان و جہت و مقابلہ سے منزہ ہے اور مرئی جسم ہوتا ہے حالانکہ باری تعالیٰ جسم نہیں ہے، نیز مرئی یا جوہر ہوتا ہے یعنی متحیز بالاستقلال یا عرض ہوتا ہے یعنی متحیز بالتبعیۃ اور خدا تحیز سے منزہ ہے، مرئی یا کل ہوگا تو محدود ہو جائے گا، یا بعض تو متبعض ہوگا اور یہ سب امور خدا کے لئے محال ہیں، بہت سے معتزلہ نے یہ بھی کہا کہ خدا اپنے آپ کو یا دوسروں کو بھی نہیں دیکھتا کیونکہ دیکھنا حواس کے ذریعہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ حواس سے منزہ ہے، انہوں نے کہا کہ خدا کو حواس کے ذریعہ یا بغیر حواس کے دوسرے بھی نہیں دیکھ سکتے کچھ معتزلہ نے کہا کہ باری تعالیٰ اپنے آپ کو تو دیکھتا ہے مگر حادث مخلوق اس کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ اس کی رؤیت حواس اور شعاعوں کے اتصال پر موقوف ہے جن کے لئے مرئی کا جسم ہونا ضروری ہے۔ (ص ۷۶ اوص ۱۸۱ کتاب الارشاد لامام الحرمین الجوینی)

مجسمہ: معتزلہ کے بالکل مقابل دوسرا گروہ مجسمہ کا ہے، جو رؤیت کو تو قائل ہیں مگر انہوں نے پوری طرح حق تعالیٰ کی تشبیہ و تجسیم کر دی ہے بلکہ بعض نے کہا کہ وہ گوشت پوست سے مرکب ہے، بعض نے تو بصورت انسان قرار دیا، بعض نے اس کو جہت فوق میں اور سطح اعلیٰ عرش کے ساتھ مماس بتلایا اور اس کے لئے حرکت وانتقال و تبدل جہات کو بھی جائز کہا اور کہا کہ اس کے بوجھ کے باعث عرش سے آواز نکلتی ہے اور وہ عرش سے بقدر چار انگل کے زائد ہے وغیرہ یہ سب تفصیل عقائد عضدیہ کے شارح علامہ دوانی کی ہے، پھر انہوں نے لکھا کہ اکثر مجسمہ ظاہری ہیں جو ظاہر کتاب وسنت کا اتباع کرتے ہیں، جن میں بہت سے محدثین بھی ہیں اور ابن تیمیہ اور ان کے اصحاب کا بھی بہت بڑا رجحان اثبات جہت کی طرف ہے اور وہ نفی جہت کرنے والوں پر سخت تنقید بھی کرتے ہیں اور ان کو اصحاب تعطیل قرار دیتے ہیں بلکہ ان کی بعض تصانیف میں ہے کہ بداہت عقل کے نزدیک یہ بات کہ وہ باری تعالیٰ معدوم ہے اور یہ بات کہ میں نے اس کو سب جگہ ڈھونڈا اور نہ پایا دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے (ص ۶۶ علی العقائد العضدیہ) علامہ ملا علی قاری نے ص ۱۱۶ ضوء المعانی شرح قصیدہ بدء الامالی میں لکھا:-

''کرامیہ حق تعالیٰ کے لئے جہت علو بغیر استقرار علی العرش کے ثابت کرتے ہیں اور مجسمہ حشویہ استقرار علی العرش کے بھی قائل ہیں اور ظاہر آیت (الرحمن علی العرش استوی) سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس سے استقرار پر استدلال کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے''۔

علامہ موصوف نے ص۳۴۳ شرح فقہ اکبر میں لکھا:- باری تعالیٰ کسی مکان میں متمکن نہیں ہے نہ اوپر، نہ نیچے اور نہ کسی سمت میں، نہ اس پر زمانہ کا اجراء کرنا درست ہے جیسا کہ مشبہ، مجسمہ اور حلولیہ کرتے ہیں'' اور ص۹۷ میں لکھا:- ''اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی رؤیت کسی جہت میں نہ ہوگی اور حدیث **کما ترون القمر لیلۃ البدر میں تشبیہ رؤیت بالرؤیت فی الجملہ** ہے نہ کہ تشبیہ مرئی بالمرئی من جمیع الوجوہ اور اس بارے میں شارح عقیدہ طحاویہ سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے رؤیت بلا مقابلہ کو غیر معقول کہا''۔

شیخ محمد نووی شافعیؒ نے ص۴۰ فتح المجید میں لکھا:- حدیث مذکور میں تشبیہ رؤیت درباۂ عدم شک وخفا ہے، تشبیہ مرئی کے لئے نہیں ہے، لہٰذا رؤیت بلا انحصار فی جہت ہوگی، کہ وہ نہ فوق میں ہوگی، نہ یمین میں، نہ شمال میں نہ سامنے وغیرہ معتزلہ جو کہتے ہیں کہ رؤیت بلا مقابلہ نہیں ہوسکتی اگر باری تعالیٰ کے لئے رؤیت جائز قرار دیں تو اس سے اس کا جہت ومکان میں ہونا لازم آئے گا اور وہ محال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب امور بطور عادت ہیں اور جائز ہیں کہ خدا بلا مقابلہ ہی کے رؤیت کرادے، جس طرح نبی اکرم ﷺ کو یہ خصوصیت دنیا میں ہی عنایت کردی تھی کہ آپ آگے کی طرح پیچھے بھی دیکھتے تھے، ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے درس بخاری شریف میں فرمایا:- ''امام احمدؒ نے **کما اراکم من امامی** کو نبی کریم ﷺ کا معجزہ قرار دیا ہے اور اب یورپ کی تحقیق ہے کہ تمام جلد انسانی میں قوت بصارت موجود ہے، معجزہ میں یہ ضروری نہیں کہ وہ امر مستحیل ہو، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس وقت کسی سے نہ ہوسکے مقابلہ میں، خواہ بعد کو وہ ہوا کرے''۔

ص۱۴ حاشیہ عقباوی علی عقیدۃ الشیخ احمد الدردیر میں ہے:- معتزلہ مرئی کا مقابل رائی ہونا ضروری سمجھتے ہیں جو خدا کے لئے محال ہے، لیکن یہ شرط رؤیت حادث میں ہے، رؤیت قدیم میں نہیں ہے، لہٰذا بلا کیف وانحصار ہوسکتی ہے، بلا کیف اس لئے کہ خدا کے لئے جسم کالا جسام عقیدہ یا جہت کا عقیدہ عند البعض کفر ہے اور عند البعض ابتداع ہے۔

علامہ محدث پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری ص۱۴۲ ج۱۰ میں لکھا:- اہل سنت کے نزدیک رؤیت کا توقف صرف وجود مرئی پر ہے دوسری سب شرائط عادی ہیں اور غائب کو شاہد پر قیاس کرنا درست نہیں اور جب حق تعالیٰ اپنی مخلوقات مادی ومجردات کو بغیر مسافت وخروج شعاع کے دیکھتا ہے تو اس کے مرئی ہونے کا انکار کیوں کیا جائے، ادھر سے بھی اس کی رؤیت بغیر عادی شرائط کے ہوسکتی ہے، اس موقع پر آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ قدس سرہ کی عجیب وغریب تحقیق مکتوب نمبر۱۰۰ جلد سوم مکتوبات سے نقل کی کہ جنت میں رؤیت بلا کیف کیوں کر ہوگی۔

محقق عینیؒ نے دوسری احادیث الباب کے قولہ من ورائی کے ذیل میں لکھا:- علامہ کرمانیؒ نے کہا اس حدیث اور خاص طور سے لفظ حدیث سابق کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی رؤیت ورائی نماز وغیرہ سب ہی حالات میں تھی، لیکن سیاق حدیث سے حالت نماز کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے، علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ آپ کا یہ وصف تمام احوال میں تھا پھر قولہ لما اراکم کے تحت لکھا:- حافظ بقی[1] بن مخلد سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ تاریکی میں بھی ایسا[2] ہی دیکھتے تھے جیسا روشنی میں دیکھتے تھے (عمدہ ص۳۴۴ ج۲)

---

[1] الامام شیخ الاسلام ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد القرطبیؒ م ۲۷۶ھ، حافظ ابن ابی شیبہؒ کے نامور شاگرد اور صاحب مسند کبیر وتفسیر جلیل تھے، جس کے بارے میں حافظ ابن حزم نے کہا کہ اس جیسی تفسیر نہیں لکھی گئی، آپ نے اپنے فیضان حدیث سے سارے اندلس کو سیراب کردیا تھا، فرماتے تھے ''میں نے اندلس میں ایسی مضبوط جڑوں کے درخت لگادیئے ہیں جو خروج دجال سے پہلے نہ اکھڑ سکیں گے'' بڑے متواضع تھے، جنازوں پر حاضری کا التزام کرتے تھے، بعض اوقات مطالعہ کتب میں اس قدر منہمک ہوجاتے کہ کئی کئی روز تک صرف کرم کلا (سبزی) پر گذارا کرتے، امام احمدؒ کے خواص میں سے اور بخاری، مسلم ونسائی کے ہم پلہ تھے فرمایا کہ طلب علم کے لئے جس استاد کی خدمت میں گیا ہوں، پیدل ہی حاضر ہوا، مستجاب الدعوات تھے، ہر روز تہجد کی تیرہ رکعات میں قرآن مجید ختم کرتے تھے، مسلسل روزے رکھتے اور ستر غزوات میں شرکت کی تھی (تذکرۃ الحفاظ ص۶۲۹ ج۲)

[2] فتح الباری ص۳۴۸ ج۱ میں بھی شیخ بقیؒ کا قول مذکور نقل کیا گیا ہے کہ مگر اس میں تقی بن مخلد غلط چھپ گیا ہے اور غالباً اسی سے فتح الملہم ص۶۳ ج۶ میں بھی غلط نقل ہوا ہے، فلیتنبہ لہ۔ (مؤلف)

نبی اکرم ﷺ اور خواص اہل جنت

انبیاء کرام بنیۂ اہل جنت پر مخلوق ہوتے ہیں اور یہ بھی احادیث میں ہے کہ وہ اس دنیا میں بھی خواص جنت سے سرفراز ہوتے ہیں اور غالباً اسی سے ہے کہ (۱) حضور علیہ السلام تمام اوقات و حالات میں آگے کی طرح پیچھے بھی دیکھ سکتے تھے (۲) تاریکی میں بھی ایسا ہی دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے (۳) نیند کی حالت میں آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا، اور خود ارشاد فرمایا کہ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کا حال تھا (بخاری) (۴) نماز کسوف کی حالت میں اسی دنیا میں رہتے ہوئے آپ نے جنت و دوزخ کا مشاہدہ فرمایا (بخاری و مسلم) نیز (۵) شب معراج میں بھی ان دونوں کا مشاہدہ فرمایا ہے (۶) شب معراج میں حضور علیہ السلام[۱] دیدار الٰہی کی نعمت سے بھی مشرف ہوئے ہیں جیسا کہ پوری تحقیق انوار الباری میں گذر چکی ہے (۷) غزوہ موتہ کے وقت پورا جنگ کا میدان آپ کی نظروں کے سامنے تھا اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر سینکڑوں میل دور کے حالات و واقعات صحابہ کرام کو بتلائے کہ اب ایسا ہو رہا ہے اور پھر وہ سب باتیں صحیح ثابت ہوئیں (۸) معراج معظم کی صبح کو مسجد اقصیٰ کے ستونوں کی تعداد وغیرہ برائی العین مشاہدہ فرما کر کفار مکہ کو بتلاتے رہے (۹) نبی کریم ﷺ فرشتوں کو دیکھتے اور ان سے ہم کلام ہوتے تھے (کمافی البخاری وغیرہ) (۱۰) حضور علیہ السلام عذاب قبر کی آواز سن لیتے تھے (کمافی مسلم) (۱۱) حضور علیہ السلام کی آواز بطور خرق عادت دور دراز جگہوں تک پہنچ جاتی تھی، چنانچہ ایک دفعہ آپ نے خطبہ میں لوگوں سے فرمایا "بیٹھ جاؤ" یہ آواز عبداللہ بن رواحہؓ کے کانوں تک پہنچ گئی جو اپنے ریوڑ کے ساتھ دور جنگل میں تھے اور حضور کی آواز سنتے ہی بیٹھ گئے یہ بھی صحابہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے منیٰ میں خطبہ دیا تو اس کی آواز ہم سب نے اپنے اپنے مقامات و منازل میں اچھی طرح سنی (۱۲) انبیاء علیہم السلام چونکہ اپنی صفات میں اہل جنت کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں اس لئے ان کے جسم بعد موت بھی تغیر و فنا سے محفوظ رہتے ہیں (۱۳) انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں بھی عبادت نماز وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں (۱۴) ان کو قبور میں رزق بھی دیا جاتا ہے (ابن ماجہ) (۱۵) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا درود و سلام دور سے مجھے فرشتے پہنچاتے ہیں اور قریب سے میں خود سن کر جواب دیتا ہوں (ابوداؤد) ان کے علاوہ بیسیوں خصائص نبویہ ہیں جن کی تفصیل خصائص کبریٰ (علامہ محدث امام سیوطیؒ) وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے یہاں یہ دکھلانا ہے کہ جس طرح یہاں دنیا میں انبیاء علیہم السلام کو اہل جنت کے صفات و خصائص دیئے گئے، جنت میں سارے مومنوں کو وہ سب صفات حاصل ہو جائیں گی، لہٰذا وہ دیکھنے میں بھی جہت و سمت مقابل کے محتاج نہ ہوں گے نہ یہ کہ دنیا کی طرح صرف قریب کی چیز دیکھیں دور کی نہ دیکھ سکیں اور ان امور کا ثبوت نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں بلکہ آپ کے صدقہ میں صحابہ کرامؓ اور اولیائے امت میں بھی حاصل ہو چکا ہے۔

پھر حدیث الباب تو بخاری و مسلم کی یعنی سب سے اونچی حدیث ہے، جس میں ہے کہ میں اپنے پیچھے بھی آگے کی طرح دیکھتا ہوں، مگر اس کے باوجود بعض حضرات نے یہ رائے قائم کر لی کہ جنت میں جو دیدار خداوندی ہوگا وہ صرف مقابل کی جہت سے ہوگا اور وہ بھی صرف اوپر کی جہت سے ہوگا۔

---

[۱] خیال یوں بھی ہوتا ہے واللہ اعلم کہ دنیا میں دنیا کی چیزیں دیکھنے کے لئے چونکہ عادۃً تقابل و جہت وغیرہ ضروری ہوتی ہے، اسی لئے دنیا میں دیدار الٰہی عوام کے لئے ممنوع ٹھہرا، لیکن انبیاء علیہم السلام چونکہ بنیۂ اہل جنت پر مخلوق ہوئے ہیں، اس لئے وہ اس حکم ممانعت سے مستثنیٰ ہوں گے اور شاید اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنے لئے درخواست کی تھی (جبکہ قوم کا مطالبہ تو یہ تھا کہ ہمیں خدا کا دیدار کرا دیجئے!) پھر چونکہ حضور علیہ السلام کو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے بھی زیادہ فضائل و خصائص و امتیازات حاصل تھے اور وہ دنیا کی چیزوں کو بھی بلا تقابل و جہت کے دیکھ سکتے تھے اور اندھیرے میں بھی اجالے کی طرح دیکھتے تھے، وغیرہ اس لئے کیا عجب ہے کہ دیدار خداوندی کا شرف بھی اسی امتیاز کے سبب سے حاصل ہوا ہو، یہ توجیہ اس کے سوا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دیدار کا شرف شب معراج، اس عالم سے الگ ملاء اعلیٰ میں ہوا ہے، مگر ہمارے دل کو مذکورہ توجیہ زیادہ لگتی ہے یعنی جنت میں چونکہ سب ہی اہل جنت کو یہ وصف حاصل ہو جائے گا کہ وہ بلا تقابل و جہت کے تمام چیزوں کو دیکھیں گے اور ان کے لئے تقابل جہت و مسافت وغیرہ کی عادی شرائط باقی نہ رہیں گی، اس لئے ان کے لئے دیدار خداوندی بھی ممنوع نہ رہے گا اور حسب درجات وعدہ خداوندی اس سے مشرف بھی ہوتے رہیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حافظ ابن تیمیہ وابن قیم

حافظ ابن قیمؒ نے اپنے قصیدہ عقیدۂ نونیہ میں فرمایا:- و ثالث عشر ها اخباره انا نراه فی الجنة وهل نراه الا من فوقنا، اذروية لا فی مقابله من الرائی محال[1] لیس فی الامکان ۔(تیرھواں عقیدہ یہ ہے کہ ہم خدا کو جنت میں دیکھیں گے، اور کیا ہم اس کو بجز اوپر کی جہت دیکھ سکیں گے جبکہ کوئی رؤیت بھی بغیر مقابلۂ رائی کے محال ہے اور اس کا امکان کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا) پھر یہی بات انھوں نے شفاء العلیل ص ۱۵۹ میں بڑے دعوے کے ساتھ کہی ہے، حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ ''الفتوی الحمویۃ الکبریٰ'' ص ۱۵۶ میں لکھا:- کل یراه فوقه قبل وجهه، کما یری الشمس و القمر (ہر شخص اللہ تعالیٰ کو اوپر کی طرف اپنے سامنے سے دیکھے گا جس طرح سورج و چاند کو دیکھتا ہے) اس رسالہ میں موصوف نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستقر و متمکن ہونے کا بھی اثبات کیا ہے اور اس کے لئے جہت فوق متعین کرنے کی سعی بلیغ کی ہے جو اہل علم کے مطالعہ کی چیز ہے اس میں ص ۸۹ پر یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ کتاب وسنت، کلام صحابہ و تابعین اور کلام سائر امت سے بھی یہی بات ثابت ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں سے اوپر ہے اور وہ آسمانوں پر عرش کے اوپر ہے[2] اور اس کے ثبوت میں حدیث ادعال بھی پیش کی، جو اکابر محدثین کے نزدیک نہایت ضعیف، مضطرب، شاذ اور منکر ہے، ص ۱۱۸ میں ''باب الایمان بالکرسی'' کا عنوان قائم کر کے بحوالہ محمد بن عبداللہ نقل کیا کہ اہل سنت کا قول ہے کہ کرسی عرش کے سامنے ہے اور وہ موضع القدمین ہے، (یعنی خدا کے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ ہے) اور ابن عباس کا اثر ذکر کیا کہ جو کرسی آسمانوں اور زمین کو واسع ہے وہ موضع القدمین ہے، حافظ ابن تیمیہؒ نے دوسرے رسالہ ''عقیدۂ واسطیہ'' میں ذیل عنوان ''آیۃ الکرسی'' لکھا:- اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت وجلال سے خبر دی ہے اور یہ بھی کہ کرسی جو اللہ تعالیٰ کے لئے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ ہے، وہ آسمانوں، زمین اور مافیہا سے زیادہ وسیع ہے اور اسی نے ان دونوں کی حفاظت زوال اور تزلزل سے کی ہے،...... اور صحیح یہ ہے کہ کرسی عرش کے علاوہ ہے،...... پس اللہ سبحانہ کے لئے علو مطلق ہے تمام وجوہ سے، علو ذات بھی کیونکہ وہ تمام مخلوقات سے اوپر اور عرش پر مستوی ہے اور علو قدر بھی کہ اس کے لئے ہر صفت کمال کا اعلیٰ درجہ ہے، الخ (ص ۱۴۹ الکواشف الجلیہ عن معانی الواسطیہ)

حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ تدمریہ میں لکھا:- نص شرعی میں نہ لفظ جہت کا اثبات ہے اور نہ نفی ہے...... جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں ہے، تو اس سے پوچھو کیا اس کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم کے اوپر ہے، اگر یہ مراد ہے بتلائے تو وہ حق پر ہے اور اگر یہ مراد

---

[1] اگر رؤیت بلا مقابلہ ناممکن ومحال ہے تو حضور علیہ السلام کو رؤیت من وراء کیوں کر حاصل ہوگئی؟ کیا صحاح کی اس حدیث الباب سے حافظ ابن قیم واقف نہ تھے؟ یا ان کے نزدیک خوارق عادات محال وممتنع ہونے کے باوجود انبیاء واولیاء سے ان کا صدور ہو جاتا ہے۔ امید ہے کہ حافظ ابن تیمیہ وابن قیمؒ کے متبعین سلفی وتیمی و وہابی حضرات اس کا جواب دیں گے۔ (مؤلف)

[2] رسالہ حمویہ ص ۱۱۳ میں فقہ اکبر امام اعظمؒ کے حوالہ سے بھی چند عبارتیں اس طرح نقل کی ہیں کہ امام اعظم بھی گویا تیمی المسلک تھے، حالانکہ یہ غلط ہے، علامہ نعمانی عم فیضہم نے مقدمہ کتاب التعلیم ص ۱۸۸ میں اس مغالطہ کا دفعیہ کیا ہے اور لکھا:- ''ابن تیمیہ نے فقہ اکبر سے جو فتاویٰ حمویہ میں حق تعالےٰ کے لئے تعیین مکان اعلیٰ علیین نقل کی ہے، وہ بے اصل ہے، کیونکہ امام اعظمؒ کے اصحاب وغیر اصحاب میں سے کسی بھی ثقہ راوی نے اس کو نقل نہیں کیا ہے، اور حقیقت میں ایسی عبارت عبداللہ انصاری نے اپنی طرف سے بطور تعلیل کلام کے بڑھائی ہے جس سے ابن تیمیہ اور ان کے متبعین کو دھوکہ ہوا ہے، علامہ ملا علی قاری حنفیؒ نے لکھا:- ''شیخ ابن عبدالسلام نے اپنی کتاب ''حل الرموز'' میں امام اعظمؒ سے نقل کیا کہ ''(جو شخص ایسا کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یا زمین میں تو وہ کافر ہے)'' کیونکہ اس قول سے ابہام ہوتا ہے کہ قائل مذکور خدا کے لئے مکان سمجھتا ہے، لہٰذا وہ مشبہ ہے''۔ ظاہر ہے کہ ابن عبدالسلام بڑے جلیل القدر اور ثقہ عالم تھے، لہٰذا ان ہی کی نقل پر اعتماد ضروری ہے۔ علامہ کوثریؒ نے ''الفقہ الابسط'' کی تعلیق میں اس بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے''۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر ص ۴۶ میں امام اعظمؒ کا قول کتاب الوصیۃ سے نقل کیا اس میں بھی استواء بلا کیف کا اقرار اور استوا بمعنی استقرار کی صراحۃً نفی موجود ہے۔ افسوس ہے کہ حافظ ابن تیمیہ کی نقول میں غلطیاں اور مغالطے بہت ملتے ہیں، علامہ سبکیؒ نے بھی الدرۃ المضیۃ ص ۱۵ تا ۱۸ میں نقل کی کئی غلطیاں درج کی ہیں۔ (مؤلف)

بتلائے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات میں سے کسی چیز میں داخل ہے تو یہ باطل ہے (ص ۲۶) ائمہ سنت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں پر عرش کے اوپر ہے، اور اپنی مخلوق سے جدا ہے (۲۷) تمام نصوص سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے علو وفوقیت ہے تمام مخلوقات پر، اور اس کے لئے استوا بھی ہے عرش پر، پھر ایک وہم کرنے والا یوں وہم کرتا ہے کہ اس کا استواء بھی کشتی اور چوپایہ پر انسان کے استواء اور سوار ہونے کی طرح ہوگا اور وہ بھی انسان کی طرح عرش کا محتاج ہوگا، لہٰذا اس کا استواء قعود واستقرار کی صورت میں نہ ہونا چاہئے اور اس شخص نے یہ نہ سمجھا کہ احتیاج کے ساتھ تو خدا کے لئے صرف استواء کا اثبات بھی نہیں ہوسکتا، پھر استواء اور قعود واستقرار کے درمیان کیا فرق رہا، لہٰذا خدا کے لئے بلا احتیاج کے ان میں سے ہر چیز کو ثابت کر سکتے ہیں اور ایک کو ثابت کرنا، دوسرے کی نفی کرنا خلاف انصاف ہے اور عدم احتیاج کو سمجھنے کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کی بہت سی مخلوقات اوپر نیچے پیدا کی ہیں لیکن پھر بھی اوپر والی نیچے والی کی محتاج نہیں ہے، جیسے ہوا زمین کے اوپر ہے مگر وہ زمین کی محتاج نہیں، اور بادل زمین کے اوپر ہیں، پر اس کے محتاج نہیں، آسمان زمین کے اوپر ہیں مگر انہیں ضرورت نہیں کہ زمین ان کو اٹھائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عرش کے اوپر ہونے کو سمجھنا چاہئے کہ وہ اس کو اٹھانے کا محتاج نہیں۔ (ص ۳۱، ۳۳)

اس طرح علامہ نے اس استبعاد کو گویا ختم کر دیا جو استواء بمعنی استقرار وقعود وجلوس ہوسکتا ہے اور گویا ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عرش وقعود وجلوس واستقرار ماننے سے اللہ تعالیٰ کے لئے جسم وحیز ومکان ماننا پڑتا ہے اور وہ جسم وحیز ومکان سے منزہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے خود ہی اپنے فتاویٰ ص ۴، ۵ میں لکھا:- ''میرے مقابل علماء کا مجھ سے یہ مطالبہ ہے کہ میں اس امر کا اعتقاد کروں کہ اللہ تعالیٰ جہت وتحیز سے منزہ ہے اور اس سے ان کی نفی کرنی چاہئے اور میں کلام باری کے لئے یہ نہ کہوں کہ وہ حرف وصوت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے، بلکہ معنی قائم بذاتہ تعالیٰ کا عقیدہ کروں اور یہ بھی کہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف انگلیوں کے حسی اشارہ نہیں کیا جاسکتا اور یہ مطالبہ بھی مجھ سے کرتے ہیں کہ میں عوام کے سامنے آیات صفات واحادیث صفات کی تشریح نہ کروں اور نہ ان کو لکھ کر دوسرے شہروں کو بھیجوں اور نہ ان سے متعلق فتویٰ دوں۔'' تو میں نے فوراً ہی جواب لکھا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے کلام میں کہیں بھی لفظ وجہت کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے، کیونکہ میں اس لفظ کے اطلاق نفیاً واثباتاً دونوں کو بدعت سمجھتا ہوں اور میں تو صرف وہی بات کہتا ہوں جو کتاب وسنت سے ثابت ہے اور اگر وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں پر رب نہیں ہے اور نہ عرش کے اوپر خدا ہے اور نبی کریم ﷺ شب معراج میں اپنے رب کی طرف چڑھ کر نہیں گئے تھے اور عالم کے اوپر عدم محض ہے تو یہ سب امور باطل ومخالف اجماع امت ہیں اور اگر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوقات احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ وہ مخلوقات کے اندر ہے تو یہ ضرور میرے کلام میں موجود ہے اور ایسی صورت میں مجھے بتایا جائے کہ اس کی تجدید کرانے سے کیا فائدہ ہے؟!

فتاویٰ ابن تیمیہ کی پانچویں جلد میں ساری بحث عقائد ہی کی ہے اور تقریباً دوثلث میں کلام باری کے حرف وصوت ہونے کا اثبات اور جمہور سلف ومتقدمین کا رد ہے، متفرق مواضع میں تقریباً ستر صفحات مسئلہ استواء وجہت سے متعلق ہیں اور تقریباً ۳۵ صفحات میں مسئلہ رؤیت باری کی بحث ہے، ہر بحث میں ایسی ضعیف روایات وآثار ضرور ذکر کرتے ہیں، جن سے خدا کے لئے جسم وجہت ثابت ہونے کا ابہام ہوتا ہے، مثلاً ص ۸۷ میں طبرانی سے حضرت ابن عباسؓ کا اثر کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتا ہے تو اپنا کچھ حصہ زمین کے لئے ظاہر کرتا ہے اور اس وقت زلزلہ آجاتا ہے، دوسرا اثر ابن عباس کہ خدا کی تجلی جبل کے لئے فقط ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے برابر ہوئی تھی جس سے پہاڑ مٹی کے برابر ہوگیا، تیسرا اثر مجاہد حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں، آیت **وان له عندنا لزلفی و حسن مآب** کی تفسیر میں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سے قریب کرتا تھا، یہاں تک کہ وہ اس کے بعض کو مس بھی کر لیتے تھے، چوتھا اثر مجاہد عسیٰ **ان یبعثک ربک مقاما محمودا** میں مقام محمود کی تفسیر کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو اپنے پاس عرش پر بٹھائے گا۔

---

[۱] اسی طرح حافظ ابن تیمیہؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم من جنس المخلوقات نہیں کہہ سکتے گویا نفس جسم کا اثبات کر سکتے ہیں۔ (مؤلف)

مسلک حق پر تنقید

اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ حافظ ابن تیمیہؒ کے مقابل علماء جو جسم ولوازم جسم جہت وحیز ومکان وغیرہ کا خدا کے لئے انکار کرتے تھے ان کی اس بات کو حافظ ابن تیمیہ وابن قیم اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے بلکہ اس کو اپنے زعم میں عقیدہ صحیح کے خلاف خیال کرتے تھے چنانچہ فتاویٰ مذکورہ کا ص ۳۱۰ سے ۳۱۵ تک (الوجہ الثانی مس عشر الخ) مطالعہ کر لیجئے، ہماری یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ''سلف سے بہت سے مسائل میں معتزلہ کی موافقت ثابت ہے جبکہ تم نے ان مسائل میں بھی معتزلہ کی مخالفت کی ہے، مثلاً بعض سلف سے سماع[1] موتیٰ کا انکار منقول ہے اور بعض سلف نے معراج جسمانی کا بھی انکار کیا ہے وغیرہ مگر تم نے ان مسائل میں سلف کے خلاف بھی معتزلہ کی مخالفت کی، پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تم نے ایسی باتوں میں معتزلہ کی موافقت کر لی جو سلف سے بھی منقول نہیں ہوئے مثلاً (۱) یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نہ داخل عالم ہے نہ خارج اور (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ عالم کے اوپر نہیں اور (۳) تم جو خدا سے جسم ولوازم جسم کی نفی کرتے ہو، تمہاری ان امور میں موافقت معتزلہ کے لئے سلف[2] میں سے کسی کی بھی تائید حاصل نہیں ہے'' (ص ۳۱۲)

''اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ تم نے بعض متفقہ امور سلف کا بھی انکار کر دیا، مثلاً یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا، حالانکہ یہ مسئلہ صحابہ میں نزاعی تھا، یا تم کہتے ہو کہ حضور علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے خدا کا دیدار کیا حالانکہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں تھا[3] پھر تم یہ بھی کہتے ہو کہ حضور علیہ السلام معراج میں خدا کی طرف[4] نہیں چڑھے، کیونکہ خدا (تمہارے نزدیک) آسمانوں پر نہیں ہے، لہٰذا تم سلف کی اتفاقی اجماعی باتوں کا تو انکار کرتے ہو اور متنازع امور کو مانتے ہو، اور ان باتوں کو جن کا قائل کوئی بھی نہیں ہوا ہے''۔

''معتزلہ نے رؤیت خداوندی کا انکار کر کے گمراہی اختیار کی، حالانکہ ان کے پاس کچھ ظاہری دلائل بھی موجود تھے، تم لوگوں نے اس مسئلہ میں تو معتزلہ کی مخالفت کی، مگر اس سے کہیں زیادہ بڑے مسائل میں معتزلہ کی موافقت کر لی، مثلاً خدا کے مخلوقات سے جدا ہونے اور اس کے عرش پر ہونے سے انکار کر دیا، حالانکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا عرش پر[5] ہونا بہ نسبت اس کی رؤیت کے کہیں زیادہ

---

[1] اس سے حافظ ابن تیمیہؒ یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں کہ قبور سے استفادہ وغیرہ کو خلاف بعض سلف ہونے کی وجہ سے ممنوع سمجھا جائے۔ (مؤلف)

[2] ہم نے کئی جگہ پر تحقیق نقل کر دی ہے کہ سلف وجمہور امت کے نزدیک خدا کے لئے جسم ولوازم جسم، جہت، حیز ومکان وغیرہ کا اثبات کرنا درست نہیں ہے۔ (مؤلف)

[3] ہم نے جلد نہم انوار الباری میں حدیث معراج کے تحت سلف کے دیدار خداوندی برؤیۃ العین کا اثبات اچھی طرح کر دیا ہے، اس کو پڑھ کر مذکور دعوے کا کھوکھلا پن واضح ہوگا۔

[4] یہ تعبیر غلط ہے، البتہ ہم امام مالکؒ کی طرح معراج نبوی کے وقت حضور علیہ اسلام کے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہونے اور حضرت یونس علیہ السلام کے بطن حوت و قعر بحر میں ہونے کی حالت کو برابر درجہ میں سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ کو دونوں صورتوں میں جہات سے منزہ یقین کرتے ہیں، امام مالکؒ نے نفی جہت کے لئے حدیث نہی عن التفضیل علی یونس علیہ السلام کو دلیل قرار دیا ہے اور قاضی عیاضؒ نے شفا میں لکھا کہ جن حضرات نے اثبات جہت کو کفر قرار دیا ہے ان کی تعداد ائمہ امت میں سے بہت ہی زیادہ ہے، ملاحظہ ہو السیف الصقیل ص ۳۶ لیکن حافظ قیمؒ نے بڑی جراءت کر کے امام الحرمین کو اسی قول کو تحریف والحاد قرار دے دیا ہے، عقیدہ نونیہ میں ارشاد ہوتا ہے ـ "ھذا ھو الالحاد حقابل ھو التحریف محضا ابروا الھذیان اور فرمایا "امثال ذا التاویل افسد ھذہ الادیان حین سری الی الادیان"
السیف الصقیل میں قصیدۂ نونیہ کی اس قسم کی تحقیقات عالیہ کا مدلل رد کیا گیا ہے اور راقم الحروف کا ارادہ بھی اس پر اردو میں مستقل طور سے لکھنے کا ہے، بلکہ دوسرے حضرات اہل علم وتحقیق اس طرف توجہ کریں تو بہتر ہو، میرا تو آخری وقت ہے، اگر انوار الباری ہی مکمل ہو سکے تو غنیمت ہے۔ (مؤلف)

[5] حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کے نزدیک سب سے زیادہ تصریح شدہ مسئلہ حق تعالیٰ کے عرش اعظم پر مستقر ومتمکن ہونے کا ہے، جس کو وہ ایمان وکفر کا مسئلہ سمجھتے تھے اور جو لوگ عرش پر استقرار وتمکن یا خدا کے لئے جہت ومکان کے اثبات کی تعبیرات کو خلاف تنزیہ کہتے تھے، ان سب کو یہ دونوں بزرگ اور ان کے متبعین آج بھی نفاۃ الصفات کا لقب دیتے ہیں، یعنی ان کے علاوہ ساری امت کے علماء اور سواد اعظم معاذ اللہ خدا کی صفات کے منکر ہیں، کیونکہ سب سے بڑی صفت اللہ تعالیٰ کے سب سے اوپر اور الگ عرش پر مستقر ومتمکن ہونے اور اس پر بیٹھ کر دونوں پاؤں کرسی پر رکھنے ہی کی جب نفی کر دی گئی تو گویا ساری ہی صفات کی نفی کر دی گئی اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ اسی بات کی رٹ سلفی، تیمی ووہابی حضرات اس زمانہ میں بھی لگا رہے ہیں جب کہ جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واضح طور سے ثابت ہے اور اس انکار کی بنیاد صرف یہ وہم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے''۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کہ ہم زمین پر بسنے والوں کے لئے ملاء اعلیٰ کے لحاظ سے نہ کوئی جہت فوق ہے نہ تحت ہے، دن کے وقت جو جہت ہمارے لئے فوق ہوتی ہے وہی رات کے وقت تحت ہو جاتی ہے اور امریکہ والوں کے لئے برعکس ہوتا رہتا ہے کیونکہ زمین اپنی محوری گردش ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دن ورات میں پوری کرتی ہے اور سورج کے مقابل ہونے نہ ہونے سے زمین پر دن ورات کا وجود ہوتا ہے، پھر دوسری گردش زمین کی سورج کے گرد ہوتی ہے، جو ساٹھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ایک سال میں پوری ہوتی ہے، تیسری گردش زمین کی سورج اور اس کے دوسرے بڑے آٹھ سیاروں کے ساتھ اسی فضاء تحت السماء میں ہوتی رہتی ہے جس کی رفتار بیس ہزار میل فی گھنٹہ ہے، تو بھلا اس نئی تحقیق اور ریسرچ کے دور میں قرآن مجید سے ثابت شدہ سب سے بڑا مسئلہ فوق وتحت کے عقیدہ کا بنالینا کیا عقلمندی ہے اور کیا اس طرح تکذیب قرآن کی طرف دعوت دینا نہیں ہے؟ اور زمین کے کردی ہونے کا ثبوت کتاب وسنت کے تحت حافظ ابن تیمیہ سے بھی بہت پہلے سے ابن حزم کی الفصل ص ۹۷ج ۲ میں موجود ہے۔

اس دور کے سلفی حضرات نے تو حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کے متبوع وامام دارمی سجزی کی کتاب النقض بھی شائع کر دی ہے۔ جس میں ص ۱۰۰ پر ہے کہ'' تم میں سے کون ایسی غیر معقول بات کہہ سکتا ہے کہ پہاڑ کی چوٹی خدا سے زیادہ قریب نہیں ہے؟ جبکہ مینارہ کا اوپر کا حصہ بھی بہ نسبت اسفل کے خدا سے زیادہ اقرب ہے'' اور ص ۹۷ میں لکھا کہ'' حق تعالیٰ اپنی مخلوق سے بہت ہی دور اپنے عرش پر ہے اور درمیان میں بہت بڑا فوجہ اور خلا ہے، یعنی ساتوں آسمان اس کے اور مخلوق ارضی کے درمیان حائل ہیں'' ساری کتاب ایسے ہی عجائب وغرائب سے بھری ہے اور جب اس کتاب پر اعتراضات ہوئے تو حرمین کے سلفی حضرات نے اس کی اشاعت غیر ضروری قرار دی ہے، اسی لئے حرمین میں کم ملتی ہے اور دوسری کتابیں کتاب التوحید لا بن خزیمہ اور کتاب السنہ بعبد اللہ بن الامام احمد تو تلاش سے بھی نہیں ملتیں، حالانکہ ان تینوں کتابوں میں حافظ ابن تیمیہ وابن قیم کے نظریات کی تائید ملتی ہے۔

شیخ دارمی سجزی: حافظ ابن تیمیہؒ نے فتویٰ حمویہ کبریٰ ص ۹۷ میں اپنی متبوع وامام دارمی مذکور کا تعارف کرایا کہ وہ ائمہ مشاہیر میں سے امام بخاری کے زمانہ میں تھے اور لکھا کہ'' ان کی کتاب النقض پڑھ کر عاقل ذکی سلف کے علوم کی حقیقت تک رسائی حاصل کرے گا اور ان کے طریق استدلال کی قوت اور مخالفین کی ضعف حجت معلوم کرے گا'' یہ دارمی سجزی م ۲۸۰ھ ہیں، دیکھو تذکرۃ الحفاظ ص ۶۲۱ ج ۲ اور صاحب سنن ومسند عالی حافظ حدیث، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ کے استاذ حدیث دارمی سمرقندی م ۲۵۵ھ دوسرے ہیں اور وہ دارمی سجزی سے متقدم ہیں جن کو ذہبی نے الامام شیخ الاسلام اور صاحب المسند العالی لکھا اور بہت زیادہ تعریف کی ہے یہ بھی لکھا کہ وہ غیر معمولی عقل وسمجھ اور نہایت فضل وعلم کے مالک تھے (تذکرہ ص ۵۳۴ ج ۲) صاحب الرسالۃ المطرفہ نے لکھا کہ'' ان کے یہاں اسانید عالیہ وثلاثیات ہیں بلکہ ان کی ثلاثیات .... امام بخاری سے زیادہ ہیں'' بعض محدثین نے سنن دارمی کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے (فتح الملہم ۹۵ ج ۱) دارمی سجزی کی بھی مسند ہے مگر وہ عالی نہیں ہے تاہم حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب اجتماع الجیوش الاسلامیہ'' میں لکھا:- شیخ دارمی کی کتاب النقض'' اور کتاب'' الرد علی الجہمیہ'' سنت کے بارے میں تصنیف شدہ جلیل القدر وانفع کتابوں میں سے ہے، ہر طالب سنت جو طریق صحابہ وتابعین وائمہ سے واقف ہونا چاہے اس کو ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان دونوں کتابوں کے بارے میں بہت زیادہ وصیت کیا کرتے تھے اور ان کی نہایت عظمت کرتے تھے اور ان میں توحید اور اسماء وصفات باری کی تحقیق وتقریر ایسی ہے کہ دوسری کتابوں میں نہ ملے گی، (ک مقدمہ کتاب النقض)

ان دونوں شیوخ سلفیین کی اتنی بلند بانگ مدح وتوصیف کے بعد کتاب النقض کے مطبوعہ نسخہ میں سلفی کبیر ناشر کتاب محمد حامد الفقی رئیس جماعت انصار السنۃ المحمدیہ کی کتاب مذکور پر تنقیدات بھی ک مقدمہ، ص ۲۰، ص ۲۳، ص ۲۵، ص ۷۱ اور ص ۱۶۴ میں پڑھ لی جائیں تو ع'' بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا'' اور'' علامہ کوثری'' کی مکمل تنقیدات'' مقالات کوثری'' میں پڑھ لی جائیں تو واضح ہو جائے گا کہ علم کلام وعقائد پر دارمی سجزی کو کتاب مذکور لکھنے کا حق ہی نہ تھا، جس طرح محدث ابن خزیمہ م ۳۱۱ھ علم کلام سے عاری تھے اور اسی لئے ان کے کلامی اقوال کو محققین نے نظر انداز کیا ہے، ملاحظہ ہو امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۰ اور مشکلات القرآن علامہ کشمیری ص ۱۴۹ وغیرہ۔

افسوس ہے کہ حافظ ابن تیمیہ وابن قیم نے اور ان کے اتباع میں اس دور کے سلفی علماء نے بھی عقائد میں ان دونوں اور ان جیسے دوسرے سلفی حضرات شیخ عبداللہ بن الامام احمد ۲۹۰، ابن حامد بغدادی م ۴۰۳ھ، قاضی ابو یعلی حنبلی م ۴۵۸ھ اور زاغونی حنبلی م ۵۲۷ھ کا اتباع کیا ہے حالانکہ محقق ابن جوزی حنبلی م ۵۹۷ھ نے ان سب کے غلط مزعومات کا ردوافر بھی کر دیا تھا اور نہایت مدلل ومفصل طریق سے ثابت کر دیا تھا کہ ان کے عقائد جمہور امت وسلف اور امام احمدؒ کے بھی خلاف ہیں اور یہ بھی کہ علم سلف وہ نہیں تھا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے، آپ شیخ عبداللہ کی کتاب السنہ اور ابن خزیمہ کی کتاب التوحید بھی طبع ہو کر سامنے آ گئی ہیں جن میں جمہور امت وسلف کے خلاف عقائد موجود ہیں، واللہ المستعان علیٰ مایصفون۔

یہاں حدیث ترمذی شریف بھی سامنے رہے'' **انکم لو ولیتم بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ ثم قرأ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیء علیم** (رواہ احمد الترمذی) یعنی اگر تم ایک رسی زمین کے نچلے حصے تک ڈالو گے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچے گی کیونکہ اس کی ذات سب سے اول وقدیم ہے، جس کی ابتدا نہیں اور وہی آخر وباقی ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں اور وہی ظاہر ہے باعتبار صفات کے اور باطن ہے باعتبار ذات کے، قال الترمذی وھو علی العرش کما وصف نفسہ فی کتابہ، علامہ طیبیؒ نے لکھا:- یعنی عرش پر اس کا استواء اسی طرح ہے جس طرح اس نے اپنی صفت اپنی کتاب میں بتلائی اور استواء کی پوری حقیقت وعلم صرف خدا کے پاس ہیں، امام ترمذی کا مقصد یہ ہے کہ لھبط علی اللہ میں تاویل علم وقدرت وسلطان کی کی جائے اور استواء علی العرش کا علم بھی خدا ہی کی طرف مفوض کیا جائے اور اس کی تاویل نہ کی جائے جیسا پہلے گذر چکا کہ بعض خلاف ظاہر امور تاویل کے محتاج ہوتے ہیں اور بعض امور میں غور وخوض کرنا چاہئے (مرقاۃ ص ۲۵۵ ج ۵) اس حدیث پر امام ربانی حضرت مجدد قدس سرہ نے مکتوب نمبر ۱۲۱ جلد سوم میں روشنی ڈالی ہے۔ (مؤلف)

ص ۳۱۴ ج ۵ میں لکھا: - فضلا اگر غور و تدبر کریں تو یہ بات روشن ہے کہ رؤیت کے مسئلہ میں جو تم معتزلہ کی مخالفت کی ہے وہ صرف ظاہری ہے اور حقیقت میں تم نے ان کی موافقت[1] کی ہے، کیونکہ تم نے رؤیت کا اقرار ایسے طور سے کیا ہے، جو معتزلہ کے خلاف نہیں ہوتا'' کیونکہ وہ تو جہت و مکان سے بچنا چاہتے تھے، تم نے ان دونوں باتوں کا انکار کر کے بلا جہت کے رؤیت مان لی تو پھر کیا اختلاف باقی رہا؟

ص ۳۲۶ میں حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا: -''بہت ہی اہم و عظیم بات اور نہایت بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ تم لوگ اور معتزلہ بھی بہت سے اصول دین و عقائد کو ضعیف و فاسد طریقوں سے ثابت کرتے ہو، جبکہ اس سے بہت سے دوسرے اصول دین و عقائد کی تکذیب و تغلیط بھی لازم آتی ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ علامہ موصوف اپنی بیماری دوسروں میں دیکھتے تھے، جس طرح یرقان کا مریض ہر چیز کو ہرا دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، علامہ ابن جوزی حنبلی م ۵۹۷ھ کی کتاب ''دفع شبهة التشبيه والرد على المجسمه'' دیکھی جائے جس میں حافظ ابن تیمیہؒ کے ممدوحین و متبوعین (ابن حامد م ۴۰۳ھ و قاضی ابویعلی حنبلی م ۴۵۸ھ و زاغونی حنبلی م ۵۲۷ھ وغیرہ) کا رد کیا گیا ہے اور ساٹھ احادیث کے مطالب و معانی واضح کئے ہیں، جن کے غلط مفہوم لے کر ان لوگوں نے مسلک جمہور و مذہب امام احمد کے خلاف الگ اپنا مذہب بنایا تھا ان احادیث میں سے شاذ و منکر اور ضعیف روایات کی بھی نشان دہی کر دی ہے اور حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم نے اپنے ان ہی متبوعین کے اتباع میں ان کے دلائل کو پھر سے دہرا دیا ہے۔

دعوت مطالعہ

علامہ ابن جوزی کی کتاب مذکور اور علامہ حصنی م ۸۲۹ کی کتاب ''دفع شبہ من شبہ و تمرد و نسب ذلک الی الامام الجلیل احمد'' کا مطالعہ تمام علماء کو کرنا چاہئے، تا کہ وہ اس دور کے سلفی، تیمی و وہابی فتنہ کو علی وجہ البصیرت سمجھ سکیں خاص طور سے میں حضرت علامہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے تلامذہ و مسترشدین کو اس طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں کیوں کہ اس دور کی اہم ترین علمی و دینی ضرورت کا احساس کر کے ان دونوں حضرات نے تفردات ابن تیمیہ کے رد میں غیر معمولی توجہ صرف کی تھی۔

ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ معمولی و سطحی مطالعہ سے ہرگز کام نہ چلے گا، معقول و منقول کی پوری استعداد رکھنے کے ساتھ حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا اور جتنا لٹریچر رد میں آٹھویں صدی سے اب تک لکھا گیا ہے سب ہی کو سامنے رکھ کر حقائق واضح ہو سکیں گے، کیونکہ ان دونوں حضرات کی کتابوں میں بڑے بڑے گھماؤ، پھراؤ، بچاؤ اور تناقضات و اغلاط و مغالطات نقول بھی ہیں، ناقص الاستعداد اور کم مطالعہ والے دھوکہ کھا سکتے ہیں، ہمارے ان دونوں اکابر اور علامہ کوثریؒ کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا کرے کہ اس فتنہ کی طرف توجہ دی اور دلائی، راقم الحروف کو ان تینوں حضرات سے تلمذ کے صدقہ میں کچھ لکھنے کی توفیق ملی ہے، لیکن سر دست میری ساری توجہ شرح بخاری شریف کے کام کی طرف ہے، مجبوراً اور ضمناً کچھ لکھنا پڑتا ہے ضرورت ہے کہ صرف اس کام پر پوری توجہ صرف کر کے مستقل کتابیں کامل تحقیق کے ساتھ لکھی جائیں اور بڑے پیمانہ پر ان کی اشاعت کی جائے جس طرح سلفی حضرات کی طرف سے حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کی کتابوں کی اشاعت بڑے اہتمام کے ساتھ اور مفت کی جارہی ہے اور ان کے عقائد و نظریات و تفردات کو بطور ''دعوت'' کے پیش کیا جارہا ہے۔

افسوس ہے کہ ''علماء دیوبند'' جن کا عظیم مقصد احقاق حق و ابطال باطل ہے اس دور کے بیشتر علمی فتنوں سے بڑی حد تک غافل ہیں **ولعل الله يحدث بعد ذلک امرا**۔ (علامہ فراہیؒ کی تالیفات بھی پھر سے شائع کرنے کا منصوبہ لاکھوں روپے جمع کر کے بنایا جارہا ہے، ان کی تفسیری غلطیوں کا نمونہ قصص القرآن مولانا حفظ الرحمٰن و تفہیم القرآن مولانا مودودی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

---

[1] اس طرح دوسری طرف حافظ ابن تیمیہ کو بھی الزام دے سکتے ہیں کہ آپ نے معتزلہ اور مجسمہ دونوں کی موافقت کر لی ہے اور اہل حق کی مخالفت، کیونکہ معتزلہ بغیر جہت کے رؤیت کو محال سمجھتے تھے، آپ نے بھی یہی کیا اور پھر مجسمہ کا ساتھ دے دیا کہ جہت فوق متعین کر کے اللہ تعالیٰ کو اجسام کی طرح عرش پر مستقر، جالس اور قاعد بھی ثابت کیا، اہل حق تو جس طرح حضور علیہ السلام کی حدیث الباب والی رؤیت کو بلا شرط جہت و مقابلہ یہاں درست مانتے ہیں، رؤیت خداوندی کو بھی مانتے ہیں۔ (مؤلف)

یہاں رؤیت باری کی بحث بخاری کی حدیث الباب کے تحت ضمناً آ گئی اور حافظ ابن حجر و محقق عینی کی تشریحات کی وجہ سے آ گئی، کیونکہ جب اہل حق کا مسلک واضح و معین ہو چکا اور بخاری و مسلم کی ایسی احادیث صحیحہ قویہ کی روشنی میں متحقق ہو گیا کہ رؤیت کے لئے نہ کوئی فاصلہ کی شرط ہے نہ تقابل (آمنے سامنے ہونے) کی اور حضور علیہ السلام کا بلا تقابل و جہت کے پیچھے والی چیزوں کو بھی آگے کی طرح دیکھ لینا، بلکہ اندھیرے میں بھی اجالے کی طرح دیکھنا وغیرہ امور ثابت ہو گئے تو آخرت میں دیدار خداوندی کیلئے تقابل اور فاصلہ و جہت کی شرطیں کس لئے؟ اور حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم کا رؤیت کو جہت مقابل وفوق کے ساتھ لازم کرنا اور بلا تقابل کے رؤیت کو ناممکن و محال تک بتلا دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟!

"الصراع بین السلام الوثنیة للقیصمی" ص ۵۲۶ ج ۱ میں ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں بہت سی جگہ اور دوسری تالیفات میں بھی لکھا کہ:- "یہ کہنا صحیح نہیں کہ خدا کسی جہت[۱] میں ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ وہ کسی جہت میں نہیں ہے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ وہ جسم ہے یا جسم[۲] نہیں ہے، ہم ان سب کی نہ نفی کر سکتے ہیں نہ اثبات، کیونکہ ان کا اثبات و نفی کتاب و سنت میں وارد نہیں ہوا اور نہ سلف امت[۳] سے منقول ہوا ہے"۔

اس بڑے دعوے کے مقابلے میں یہاں صرف اتنی سی مختصر بات عرض ہے کہ کتاب و سنت میں ہزاروں باتوں کی نفی خدائے برتر کی منزہ ذات سے نہیں کی گئی، تو کیا ان کے بارے میں بھی یہی چھوٹ دے دی جائے گی؟ اور کیا **لیس کمثلہ شیء** اور **افمن یخلق کمن لا یخلق** کی تصریح کے بعد ایسی کچی بات کا دعوے درخور اعتنا ہو بھی سکتا ہے؟ اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۳۷ ج ۲ میں بحوالہ حافظ عراقیؒ، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اشعری باقلانی سے نقل ہوا کہ ان سب کے نزدیک خدا کے لئے جہت کا اعتقاد[۴] رکھنے والا کافر ہے۔ اور امام احمد سے نفی جہت و نفی تشبیہ و تمثیل کو محققانہ بحث علامہ ابن جوزی حنبلی و علامہ حصنی وغیرہ نے کر دی ہے جس کے بعد حافظ ابن تیمیہؒ کا دعویٰ

---

[۱] پھر فتاویٰ ص ۳۵ میں جہت فوق کو خدا کے لئے کیوں ثابت کیا ہے۔؟ [۲] حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ ص ۲۳۰ ج ۵ میں لکھا:- اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جس شخص نے رب کو جسم من جنس المخلوقات قرار دیا وہ ضلالت و گمراہی کے لحاظ سے اعظم المبتدء میں سے ہے یہاں جسم کے ساتھ قید لگا کر تیسری صورت نکال لی۔ ص ۲۴۴ میں نقل کیا کہ حضرت امام مالکؒ سے اہل بدعت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:- "وہ ایسے لوگ ہیں جو باری تعالیٰ کے اسماء، صفات، کلام، علم و قدرت میں کلام کرتے ہیں اور ان باتوں کے کہنے سے نہیں رکتے جن سے صحابہ و تابعین نے سکوت کیا تھا"۔ اس دور کے سلفی و تیمی انصار السنہ نے شیخ عبداللہ بن الامام احمدؒ کی کتاب السنہ بھی شائع کر دی ہے جس میں ہے ص ۵ کیا استواء بغیر جلوس کے ہو سکتا ہے؟ ص ۷۰ میں ہمارا رب کرسی پر بیٹھتا ہے تو اس سے نئے کجاوے کی طرح آواز نکلتی ہے، ص ۷۱ وہ کرسی پر بیٹھتا ہے تو اس سے صرف چار انگل کی جگہ بچتی ہے، ص ۱۴۲ شروع دن میں رحمٰن کا بوجھ حاملین عرش پر زیادہ بھاری ہوتا ہے جب مشرک عبادت کرتے ہیں، پھر جب مومنین عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں تو وہ بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے وغیرہ اور حافظ ابن تیمیہ کے ممدوح امام دارمی سجزی کی کتاب النقض کے ص ۹۲ اور ص ۱۸۲ میں ہے کہ حدیث ابی داؤد میں اطیط عرش کا جو ذکر ہے وہ خدا کے عرش پر بوجھ کی وجہ سے ہے، کیونکہ اس کا بوجھ لوہے پتھروں کے ٹیلوں کی طرح ہے۔

[۳] حافظ ابن قیم نے اپنے عقیدہ نونیہ میں کہا:- اللہ تعالیٰ عرش و کرسی پر ہے اور کرسی پر اس کے دونوں قدم ہیں اور وہ اوپر سے ہی مخلوق کو دیکھتا اور ان کی باتیں سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن محمد ﷺ کو اپنے قریب کرے گا یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ عرش پر بیٹھے ہوئے دیکھے جائیں گے، کیا یہ یا اسی قسم کے الفاظ سلف امت سے منقول ہوئے ہیں؟ **بینوا توجروا** (مؤلف)

[۴] تفہیم القرآن ص ۴۰۰ میں آیت ۴ **ء امنتم من فی السماء** کے ذیل میں لکھا:- اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر رہتا ہے الخ ص ۵۷ ج ۱ میں خدا کے عرش پر بیٹھے ہوئے اور اس کے لئے جسم، جہت و مقام کی نفی کی ہے، ص ۳۰۹ ج ۶ میں مخلوقات سے تشبیہ دینے کے ہر پہلو کو فاسد عقیدہ قرار دیا ہے، ص ۳۳۳ ج ۶ میں خدا کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے عقیدہ کی نفی کی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا:- "امام رازی کا قول کتنا اچھا ہے کہ خدا کو جسم ماننے والا کبھی بھی خدا کی عبادت نہیں کرتا، کیونکہ وہ تو اپنے غلط عقیدے کی وجہ سے ہر اس چیز کی عبادت کرتا ہے جس کی صورت اس کے ذہن میں قائم ہے حالانکہ خدا ان سب مخلوقاتی تصورات سے منزہ ہے اور لکھا:- "حق تعالیٰ تمام اوصاف اجسام سے منزہ ہے اور نہ وہ کسی اوپر یا نیچے کے مکان میں متمکن ہے، نہ اس پر زمان کا اطلاق و اجراء ہو سکتا ہے، نہ وہ کسی چیز کے اندر حلول کرتا ہے یہ سب شبہ، مجسمہ اور حلولیہ کے اوہام ہیں"۔ (شرح فقہ اکبر ص ۴۳) ص ۴۴ میں لکھا:- **الرحمٰن علی العرش استوی** وغیرہ آیات میں صفات متشابہات بیان ہوئی ہیں، جن کی کیفیت مجہول ہے اور ان سب پر بلا کیف و تشبیہ وغیرہ کے ایمان لانا چاہئے۔ (مؤلف)

مذکور محض دعوے بلا دلیل رہ جاتا ہے اور کیا ان کے نزدیک ائمہ اربعہ اور دوسرے اکابر امت سلف امت میں داخل نہیں تھے؟ واضح ہو کہ یہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وجلیل القدر محققانہ کتاب (ملا علی قاری حنفیؒ کی) ہے کہ اس کی محققانہ نقول پر سلفی وتیمی حضرات بھی اعتماد کرتے ہیں اور قریبی دور کے علامہ مبارکپوریؒ نے تو اپنی شرح ترمذی شریف ''تحفۃ الاحوذی'' میں سینکڑوں عبارتیں اس سے نقل کی ہیں اگرچہ بغیر حوالہ کی نقول بھی کثرت سے ہیں اور یہ بات علامہ مرحوم کے لئے مناسب نہ تھی۔

حرف آخر

ائمہ اربعہ کے دور مبارک ومیمون میں احادیث وآثار صحابہ وتابعین اور تعامل خیر القرون کو پوری طرح سامنے رکھ کر لاکھوں فروعی مسائل کے صحیح فیصلے مدون ہو چکے تھے اور تمام اسلامی ملکوں میں فقہ اسلامی کے احکام بھی جاری ہو چکے تھے اور امام بخاریؒ وغیرہ سے پہلے ایک سو ۱۰۰ کے قریب احادیث صحاح وآثار صحابہ وتابعین کے مجموعے تالیف ہو کر منظر عام پر آ گئے تھے کہ امام بخاریؒ نے اسحاق بن راہویہ کی تحریک پر صحیح مجرد کی تالیف کی اور آثار صحابہ وتابعین کو درمیان سے ہٹا دیا، جس کے نتیجہ میں عدم تقلید ائمہ اربعہ کا دروازہ کھل گیا اور صرف احادیث کو سامنے رکھ کر ہر شخص اپنے اجتہاد سے فیصلے کرنے کا مستحق بن گیا، خواہ وہ علم رجال سے بھی واقف نہ ہو، حالانکہ فن حدیث کا نصف علم رجال کی واقفیت پر مبنی ہے اور اس کی ضرورت واہمیت کسی زمانہ میں بھی کم نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی، لیکن ہم نے اپنی آنکھوں سے یہ انحطاط عظیم بھی دیکھ لیا کہ اب بہت سے شیوخ حدیث اور بڑے بڑے مدارس کے بخاری پڑھانے والے بھی علم رجال سے نابلد اور شروح وکتب حدیث کے مطالعہ سے عاری ہونے لگے، اس طرح بقول ایک علامہ حدیث کے ایسے اساتذہ بخاری شریف پڑھائیں گے تو ان کے تلامذہ غیر مقلد ہی بنیں گے الا ماشاء اللہ، یہ بات تو فروعی مسائل سے متعلق تھی، علم اصول وعقائد کی تاریخ یہ ہے کہ صحابہ وتابعین وائمہ اربعہ واصحاب ائمہ کے دور تک زیادہ ضرورت پیش نہ آنے کے باعث بہت کم مسائل کی تحقیق وتنقیح ہو سکی تھی، البتہ بعد کے حضرات نے حسب ضرورت و اہمیت زیادہ توجہ کی چنانچہ امام احمدؒ کے بعد علامہ محدث محمد بن یحییٰ ذہلی م ۲۵۹ھ (تلمیذ امام اعظمؒ بیک واسطہ) نے خلق قرآن کے مسئلہ پر نہایت زور دیا وہ ارباب صحاح کے استاذ تھے اس لئے اپنے تلمیذ امام بخاریؒ کی تلفظ بالقرآن والی مسامحت بھی برداشت نہ کر سکے اور اعلان کر دیا کہ لفظی بالقرآن مخلوق کہنے والا بھی مبتدع ہے اس طرح استاذ محترم کی طرف سے اپنے وقت کے امام حدیث بلکہ امیر المومنین فی الحدیث کو ابتداع کا داغ لگ گیا کیونکہ باب عقائد میں بال کی کھال نکالی جاتی ہے اور کسی کے ساتھ ادنیٰ رعایت بھی نہیں کی جاتی، امام ذہلیؒ کے بعد اکابرین سے امام طحاوی حنفی م ۳۲۱ھ نے عقائد پر مستقل تالیف کی عقیدہ الطحاوی اور کتاب فی النحل واحکامہا ۴۰ جزو۔ پھر ابو الحسن اشعریؒ م ۳۳۰ھ نے اول الابانہ لکھی تھی بعد کو مقالات الاسلامیین، پھر علامہ ابو منصور ماتریدی م ۳۳۳ھ نے تمام مسائل اصول وعقائد پر عمدہ کتابیں لکھیں اور ان کے بعد مندرجہ ذیل حضرات کبار محدثین ومتکلمین محققین امت کی خدمات سامنے آئیں:- علامہ ابو القاسم لالکائی م ۴۱۸ھ، شیخ ابو اسحٰق اسفرائنی م ۴۱۸ھ، علامہ ماوردی شافعی م ۴۵۰ھ علامہ بیہقی م ۴۵۸ھ (جن کی کتاب الاسماء والصفات تعلیقات کوثری کے ساتھ بھی مصر سے شائع ہو گئی ہے) علامہ ابن عبد البر م ۴۶۳ھ، علامہ قشیری م ۴۶۵ھ، علامہ ابو المظفر اسفرائنی م ۴۷۱ھ (جن کی التبصیر فی الدین علامہ کوثریؒ کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہوئی اور نہایت مفید کتاب ہے) علامہ باجی م ۴۷۶ھ (استاذ امام الحرمین شافعی م ۴۷۸ھ، (استاذ امام غزالیؒ) شیخ الاسلام ہروی ۴۸۱ھ، امام غزالی ۵۰۵ھ، علامہ کلوذانی م ۵۱۰ھ، علامہ ابن عقیل حنبلی م ۵۱۳ھ، قاضی عیاض م ۵۴۴ھ، علامہ ابوبکر بن العربی م ۵۴۶ھ (صاحب عارضۃ الاحوذی شرح سنن الترمذی، والعواصم والقواصم)، علامہ ابن الجوزی حنبلی م ۵۹۷ھ، علامہ موفق بن قدامہ حنبلی م ۶۲۰ھ، علامہ ابن نقطہ حنبلی م ۶۲۹ھ، علامہ عز الدین بن عبد السلام م ۶۶۰ھ (جنہوں نے متاخرین حنابلہ کے ابتداع

حف وصوت کے خلاف احقاق حق کیا اور تاتاریوں کے خلاف جہاد میں بھی دادشجاعت دی) علامہ فضل اللہ تور بشتی م ۶۶۱ھ، علامہ قرطبی ۶۶۵ھ، علامہ نووی م ۶۷۶ھ، علامہ نسفی ۶۸۶ھ وغیرہ۔

ان سب اکابرامت نے جن مسائل اصول وعقائد کے محققانہ فیصلے کردیئے تھے، حافظ ابن تیمیہؒ م ۷۲۸ھ نے آ کران سب کو الٹ پلٹ دیا اور بہت سے اہم معتقدات میں اپنی الگ رائے قائم کرلی اور اپنے تفردات پر اس قدر سختی سے جم گئے کہ کسی کی نہ سنی، ہر تفرد کے ساتھ بڑے بڑے دعوے کئے جو ثابت نہ ہوسکے، اپنی تائید میں بڑوں کے اقوال پیش کئے تو وہ صحیح نہ نکلے، اپنے نظریات خلاف جمہور کے لئے ضعیف اور شاذ ومنکر احادیث کا سہارا لیا اور دوسروں کی حسن وضعیف حدیثوں کو باطل قرار دیا جس کے لئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت کافی ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے رد شیعی کے زور میں آ کر احادیث جیاد (عمدہ معتبر روایات) کو بھی رد کردیا۔ لسان المیز ان ص ۳۱۹ ج ۶، ساری احادیث زیارۃ وتوسل کو موضوع وباطل کہہ دیا اور آج بھی شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز چانسلر مدینہ جیسے ذمہ دار اکابرج وزیارت پر کتابچے لکھ کر مفت شائع کرتے ہیں تو ان میں بھی احادیث زیارۃ کو موضوع کہتے ہیں گویا ان حضرات کے دماغ حافظ ابن تیمیہ کے تفردات کی طرف سے ایک انچ بھی ہٹنے کیلئے تیار نہیں ہیں اور اس جمود وتعصب مفرط کے ساتھ مرکز اسلام حرمین شریفین کے بڑے بڑے علمی ودینی عہدوں پر فائز ہیں، والی اللہ المشتکی۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے امام الحرمین اور حجۃ الاسلام امام غزالی کی تکفیر کی بلکہ ان کے کفر کو یہود ونصاریٰ کے کفر سے زیادہ سخت بتلایا، تمام علماء مذہب اور سلاطین مصر وشام وغیرہ نے حافظ ابن تیمیہ سے متفقہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ آیات واحادیث صفات باری سے تعرض نہ کریں اور ان کے بارے میں اپنے متفرد نظریات لوگوں میں نہ پھیلائیں تو خود موصوف ہی کا بیان ہے کہ میں نے اس مطالبہ کے جواب میں کہہ دیا کہ قرآن وحدیث میں علم چھپانے پر سخت وعید وارد ہے، اس لئے کسی عالم کو ایسی بات کا حکم نہیں کیا جاسکتا، جس کے ارتکاب سے وہ خدا کی لعنت کا مستحق بنے، دونوں قاصد میرا جواب لے کر چلے گئے اور عرصہ تک نہ آئے پھر آئے تو کوئی کام کی بات لے کر نہ آئے اور صرف میرے بلانے اور حاضری کا مطالبہ کیا تو اس پر میں نے بہت سخت جواب دیا اور بلند آواز میں ان سے کہا:-''اے شریعت کو بدلنے والو! اے شریعت سے ارتداد کرنے والو! اے زندیقو'' اور اسی قسم کے بہت سے سخت جملے میں نے ان کو کہے، پھر میں کھڑا ہوگیا اور دروازہ کھلوا کر اپنی جگہ لوٹ گیا، ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۵ ج ۵، مطبوعہ مصر ۱۹۶۶ء۔

بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ حافظ ابن تیمیہ ہی کے زمانہ میں بڑے بڑے علماء شام ومصر ومغرب نے ان کے تفردات کا رد کیا تھا اور ان کے تفردات علماء اہل سنت کی نظر میں مردود تھے، تو ان کی مخالفت پر اب کیا رد وقدح کا موقع ہے؟ جب حافظ ابن تیمیہ کی نظر میں امام الحرمین و امام غزالی کے عقائد کفریہ تھے اور تمام علماء وقت کے متفقہ مطالبہ کو ٹھکرا کر ان سب کو بھی مرتد وزندیق بتلایا گیا تو کیا ہمارے واسطے اس امر کی کھوج لگانی ضروری نہیں ہوجاتی کہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے مقابل جمہور علماء متقدمین ومتاخرین کے مابین اختلاف اتنا شدید کیسے ہوا؟ اور بنیادی نقاط اختلاف کیا کیا ہیں؟ اور آج جو تفردات حافظ ابن تیمیہ کی طرف دعوت عام بڑے وسیع پیمانے پر دی جارہی ہے، اس سے جمہور امت کے مسلک پر کیا کچھ اثرات پڑیں گے، ظاہر ہے ان سے غفلت برتنا سخت مضر ہوگا۔ اللّٰہ یرحمنا و ایاھم

راقم الحروف نے طرفین کی کتابوں کا پورا مطالعہ کیا ہے اس لئے حسب ضرورت کچھ لکھنا پڑتا ہے ورنہ ضرورت اس کی ہے کہ جس طرح تفصیل سے ہم نے یہاں اور اس سے پہلی جلد میں زیارت وتوسل پر لکھا ہے اس طرح الگ سے کتابیں لکھی جائیں اور ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے تاکہ اس دعوت عامہ کا تدارک وجواب ہوسکے، جو سلفی، تیمی ووہابی حضرات کی طرف سے حافظ ابن تیمیہؒ کے تفردات خلاف جمہور وسلف کی بڑے پیمانہ پر اشاعت سے برپا ہورہی ہے۔ واللّٰہ الموفق وھو الھادی الیٰ طریق مستقیم، نسأل اللہ تعالیٰ لنا ولجمیع المسلمین ان یوفقھم لما یحب و یرضیٰ۔

باب هل يقال مسجد بني فلان؟

(کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسجد فلاں لوگوں کی ہے؟)

۴۰۶. حدثنا عبدالله بن يوسف قال انا مالک عن نافع عن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ سابق بين الخيل التي اضمرت من الحفيآء و امدها ثنية الوداع وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية الىٰ مسجد بني زريق و ان عبدالله بن عمر كان فيمن سابق بها.

ترجمہ: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا کہا کہ ہمیں مالک نے نافع کے واسطہ سے خبر پہنچائی وہ عبداللہ بن عمرؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان گھوڑوں کی جنہیں (جہاد کیلئے) تیار کیا گیا مقام حفیاء سے دوڑ کرائی اس دوڑ کی حد ثنیۃ الوداع تھی اور جو گھوڑے ابھی تیار نہیں ہوئے تھے، ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک کرائی، عبداللہ بن عمر نے بھی اس گھوڑ دوڑ میں شرکت کی تھی۔

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ آں حضور ﷺ کے عہد مبارک میں کسی مسجد کی اس طرح نسبت کی جاتی تھی اگرچہ قرآن مجید میں ہے کہ مسجدیں خدا کی ہیں لیکن ان کی نسبت اس میں نماز پڑھنے والوں یا اس کے بنانے والوں کی طرف کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، جس گھوڑ دوڑ کا حدیث میں ذکر ہے اس میں شریک ہونے والے دو گھوڑے تھے جنہیں جہاد کے لئے تیار کیا گیا تھا (اس سے متعلق مفصل احادیث اور ان پر بحث کتاب الجہاد میں آئے گی، ان شاءاللہ تعالیٰ)

حافظ نے لکھا کہ جمہور کے نزدیک اس نسبت کا جواز ہی ہے، البتہ ابراہیم نخعی اس کو مکروہ کہتے تھے **لقوله تعالىٰ وان المساجد لله**، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت تمیز کے لئے ہے ملکیت بتلانے کے لئے نہیں۔ (فتح الباری ص ۳۴۸ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حجاج بھی اپنے زمانہ میں اس نسبت کو ناپسند کرتا تھا اور یہی دلیل دیتا تھا وہ اس امت کا ظالم ترین شخص ہوا ہے، امام احمدؒ سے ایک روایت اس کی تکفیر کی بھی ہے جیسا کہ انہوں نے یزید کی بھی تکفیر کی ہے، ترمذی میں ہے کہ اس نے صحابہ و تابعین میں سے ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد قتل کئے تھے۔ (فیض الباری ص ۳۸ ج ۲)

باب القسمة و تعليق القنو في المسجد

(مسجد میں (کسی چیز کی) تقسیم اور خوشے کا لٹکانا)

قال ابوعبد الله القنوا لعذق والاثنان قنوان والجماعة ايضاً قنوان مثل صنو و صنوان وقال ابراهيم يعني ابن طهمان عن عبد العزيز بن صهيب عن انس قال اتى النبي ﷺ بمال من البحرين فقال انثروه في المسجد و كان اكثر مال اتى به رسول الله ﷺ فخرج رسول الله ﷺ الى الصلوٰة ولم يلتفت اليه فلما قضى الصلوٰة جآء فجلس اليه فما كان يرىٰ احداً الا اعطاه اذ جاءه العباس فقال يا رسول الله اعطني فاني فاديت نفسي و فاديت عقيلا فقال له رسول الله ﷺ خذ فحثا في ثوبه ثم ذهب يقله، فلم يستطع فقال يا رسول الله! مر بعضهم يرفعه الي قال لا قال فارفعه انت علي قال لا فنثر منه ثم ذهب يقله، فقال يا رسول الله ! مر بعضهم يرفعه علي قال لا قال فارفعه انت علي قال لا فنثر منه ثم احتمله فالقاه علىٰ كاهله ثم انطلق فما زال رسول الله ﷺ يتبعه بصره حتى خفي علينا عجباً من حرصه فما قام رسول الله ﷺ و ثمه منها درهم.

ترجمہ: ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا کہ قنو کے معنی عذق (خوشۂ کھجور) کے ہیں، دو کے لئے قنوان آتا ہے اور جمع کے لئے بھی یہی لفظ آتا ہے جیسے صنو اور صنوان، ابراہیم بن طہمان عبدالعزیز بن صہیب کے واسطے سے حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے یہاں بحرین کا مال آیا، آپ نے فرمایا کہ اسے مسجد میں پھیلا دو یہ ان تمام مالوں سے زیادہ تھا جو اب تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ چکے تھے پھر نبی کریم ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، جب آپ نماز پوری کر چکے تو آ کر مال کے قریب تشریف فرما ہوئے آپ اس وقت جسے بھی دیکھتے اسے عطا فرماتے، اتنے میں حضرت عباسؓ تشریف لائے اور فرمایا یا رسول اللہ مجھے بھی عطا کیجئے کیونکہ میں نے اپنا بھی فدیہ دیا تھا اور عقیل کا بھی (یہ دونوں حضرات غزوہ بدر میں مسلمانوں کے قیدی تھے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لیجئے، انہوں نے اپنے کپڑے میں لیا، پھر اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن نہ اٹھا سکے (وزن کی زیادتی کی وجہ سے) انہوں نے کہا یا رسول اللہ کسی کو حکم فرمایئے کہ اٹھانے میں میری مدد کرے، آپ نے فرمایا نہیں، انہوں نے کہا کہ پھر آپ ہی اٹھا دیجئے، آپ نے اس پر بھی انکار کیا، اس لئے حضرت عباسؓ نے اس میں سے تھوڑا سا حصہ گرا دیا اور باقی ماندہ کو اٹھانے کی کوشش کی (لیکن اب بھی نہ اٹھا سکے) پھر فرمایا یا رسول اللہ ﷺ کسی کو میری مدد کرنے کا حکم دیجئے، آپ نے انکار کیا تو انہوں کہا کہ پھر آپ ہی اٹھا دیجئے، لیکن آپ نے اس سے بھی انکار کیا، اس لئے اس میں سے تھوڑا سا اور سامان گرا دیا، اب اسے اٹھا سکے اور اپنے کاندھے پر لے لیا، رسول اللہ ﷺ کو ان کی حرص پر اتنا تعجب ہوا کہ آپ اس وقت تک ان کی طرف برابر دیکھتے رہے جب تک وہ ہماری نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے، رسول اللہ ﷺ وہاں سے اس وقت تک نہ اٹھے جب تک ایک درہم بھی باقی رہا۔

تشریح: چونکہ احادیث میں مساجد کے اندر عبادت کے سوا دوسرے امور کی ممانعت آئی ہے، مثلاً ارشاد ہے کہ ان مساجد میں لوگوں کے لئے دوسرے کام مناسب نہیں، (لامع ص ۱۶۰ ج ۱) اور مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جو شخص مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کر کے تلاش کرے تو اس سے کہنا چاہئے کہ خدا تیری چیز نہ لوٹائے کیونکہ مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں، ایک حدیث سنن میں مساجد کے اندر خرید و فروخت کی ممانعت ہے اور اشعار پڑھنے کی بھی، بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے طائف کے دو شخصوں سے کہا:- اگر تم شہری باشندے ہوتے تو میں تمہاری مرمت کرتا، تم مسجد نبوی میں بلند آواز سے بول رہے ہو، ان کے علاوہ دوسری احادیث کنز العمال میں بہ تفصیل مذکور ہیں، حتیٰ کہ یہ بھی وارد ہے کہ مسجد میں ہنسنے سے قبر میں تاریکی ہوگی اور یہ کہ مسجد میں ہر کلام لغو ہے، بجز قرآن مجید و ذکر اللہ اور کسی خیر کے لین دین کے۔ (حاشیہ لامع ص ۱۶۰ ج ۱)

حافظ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کی، شاید اس لئے کہ اس کی احادیث ان کی شرط کے مطابق نہ ہونگی، لہٰذا نسائی وغیرہ کی حدیث کی طرف اشارہ کر گئے، جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی اجازت سے لوگ صدقہ کے خرمائی خوشے مسجد نبوی میں لا کر لٹکا دیا کرتے تھے کہ جس طرح وہ مستحقین ومحتاجین کے لئے ہوتے تھے، یہ بحرین سے آیا ہوا مال بھی ضرورت مند لوگوں کے لئے تھا۔ (فتح الباری ص ۳۴۸ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- (۱) امام بخاریؒ نے یہاں سے ان افعال کا ذکر شروع کیا جو جنس نماز و اذکار سے خارج ہیں، اور پھر بھی مسجد میں کئے گئے ہیں اور اس سے وہ اپنے وسیع مسلک کی تائید کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اس باب میں تقسیم مال ثابت کی، جبکہ ہمارے فقہاء مسجد کے اندر کلام و طعام وغیرہ کو مکروہ فرماتے ہیں اور تقسیم اموال وغیرہ کو بھی، کیونکہ مساجد ان کاموں کے لئے موزوں نہیں ہوتیں، امام بخاری دور تک ایسی احادیث کا ذکر کریں گے، حالانکہ وہ سب خاص خاص واقعات تھے، جن کا انکار فقہا کو بھی نہیں ہے اور وہ ان امور کو صرف بطور عادت اختیار کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اگر ایک دو بار ایسا ہو جائے تو وہ ان کے نزدیک بھی جائز ہے، لہٰذا امام بخاری اگر ان جزوی واقعات سے مسجد کے احکام میں توسع پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو دوسرے افعال احیاناً ثابت ہوئے

ہیں، ظاہر ہے کہ مساجد ان کے لئے نہیں بنائی گئیں، پھر جبکہ نفل نمازوں کے لئے بھی مستحب یہ ہے کہ وہ گھروں میں پڑھی جائیں اور مساجد میں صرف فرائض ادا ہوں، تو دوسرے اعمال وافعال کے لئے مستقل طور سے گنجائش نکالنے کی سعی کا کیا موقع ہے؟! قضا حنفیہ کے نزدیک مسجد میں بھی جائز ہے، کیونکہ وہ عبادت کے حکم میں ہے، شافعیہ کے یہاں ممنوع ہے، تدریس میں بھی اختلاف ہے۔ حنفیہ اس کو مسجد میں بلا اجرت جائز اور اجرت کے ساتھ نا جائز قرار دیتے ہیں۔ (کیونکہ وہ عبادت کے حکم میں نہ رہی)

(۲) حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ مجھے اس امر میں بھی تردد ہے کہ تقسیم اموال بحرین وغیرہ معاملات مسجد کے اندر پیش آئے تھے، کیونکہ علامہ سمہودیؒ نے ذکر کیا ہے کہ مسجد نبوی کا قبلہ پہلے بیت المقدس کی طرف تھا پھر جب تحویل قبلہ ہوئی تو دوسری مقابل جانب میں ہو گیا اور وہ حصہ مسقف ہو گیا جبکہ پہلا حصہ صفہ کہلایا جانے لگا۔ کتب فقہ میں یہ بھی ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو بوقت ضرورت اس سے خارج بھی کر سکتے ہیں، لہٰذا یہ سب توسعات جو امام بخاریؒ نے ذکر کی ہیں، پہلے حصہ میں ہوئی ہوں گی جو بعد کو مسجد کے حکم میں داخل نہ رہا تھا، اگر چہ بعد کو بھی اس حصہ کو مسجد کہا جاتا رہا۔ راویوں نے بھی توسع کر کے اس کو مسجد ہی کہا اور عرفاً اس کی گنجائش بھی تھی، علامہ ذہبی نے بھی لکھا ہے کہ صفہ اجزاء مسجد میں سے تھا پھر اس سے خارج کر دیا گیا تھا، اس تحقیق پر بھی امام بخاریؒ کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور ان کے لئے یہ اجمالی جواب ہر جگہ جاری ہوگا۔

(۳) اس کے سوا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بحرین کا مال (جو تقریباً ایک لاکھ درہم تھا) مسجد میں اس لئے بھی جمع کرنا پڑا تھا کہ اس وقت تک بیت المال نہیں بنا تھا اور اس کو کسی صحابی کے یہاں رکھنا بھی بدگمانیوں کا سبب بن سکتا تھا اور خود حضور علیہ السلام بھی اس متاع دنیوی کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔

ان سب قرائن وشواہد کے موجود ہوتے ہوئے اگر حضور اکرم ﷺ نے وہ سب مال مسجد نبوی میں ڈھیر کرا کر فوراً ہی تقسیم بھی کرا دیا تو کیا یہ بات موزوں ومناسب قرار دی جا سکتی ہے کہ اس کو قاعدہ کلیہ بنا لیا جائے؟ نہیں بلکہ اس کو بطور ایک واقعہ جزئیہ خاصہ کے سمجھنا زیادہ بہتر ہے، اور ہر انصاف پسند یہی فیصلہ کرے گا۔

فائدہ مہمہ: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ وضع تراجم ابواب کے بارے میں سباق غایات ہیں، یعنی ان کی یہ فضیلت ومزیت بے مثال ہے، مگر اس میں جہاں امت محمدیہ کے لئے غیر معمولی منافع وفوائد ہیں، وہاں ایک بڑی مضرت ونقصان بھی ہے، کیونکہ ایک حدیث کسی خاص حادثہ کے موقع پر وارد ہوتی ہے اور قرآئن بتلاتے ہیں کہ اس وقت آپ نے کیا حکم اور کس وجہ سے دیا تھا، مگر امام بخاری کے ترجمۃ الباب اور توسع کی وجہ سے دوسرا شخص مغالطہ میں پڑ جاتا ہے اور اس حکم نبوی کو حکم مطرد وعام سمجھنے لگتا ہے۔

حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا:- حضرت عباسؓ نے زیادہ مال کی ضرورت فدیہ دینا بتلائی کیونکہ ایسے معاملات کے لئے کثیر رقوم کی ضرورت ہوتی ہے، یہ نہیں کہ وہ اپنا افلاس وفقر بتلانا چاہتے تھے، جو بعض شارحین نے غلط طور سے سمجھا ہے کیونکہ وہ بعد تک اچھے مالدار صحابہ میں سے تھے، حضور علیہ السلام غریب مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ان سے ان کے مال کی دو دو سال کی زکوٰۃ وصول کر لیا کرتے تھے وغیرہ۔ (لامع ص ۱۶۱ ج ۱)

حدیث الباب کے آخری جملوں پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام حضرت عباسؓ کا بہت زیادہ لحاظ واحترام کرتے تھے ایک بار حضرت عمرؓ اور ان کا جھگڑا ہوا اور حضور کے پاس آئے تو آپ نے فاروق اعظم کو فرمایا کیا تم نہیں جانتے "عم الرجل صنو ابیه" (چچا کا درجہ باپ کے برابر ہے) یہ بھی ثابت ہے کہ کچھ چھوٹا موٹا کام بھی آپ حضرت عباسؓ کے یہاں جا کر کر دیا کرتے تھے۔ **واللہ اعلم و علمه اتم.**

سخن ہائے گفتنی

راقم الحروف کو یہاں بلا تمہید کچھ ضروری معروضات بطور حاصل مطالعہ وذاتی تاثرات پیش کرنی ہیں، واللہ الموفق والمعین:- امام

بخاریؒ نے جن حالات و ماحول میں صحیح بخاری شریف تالیف کی تھی اور خود امام بخاری کے ضروری حالات و سوانح۔ ان کی تمام تالیفات کا تعارف وغیرہ مقدمہ انوارالباری جلد دوم میں مذکور ہیں اور ان کا اپنے اذہان میں حاضر رکھنا تمام ناظرین انوارالباری کے لئے نہایت ضروری ہے، ورنہ وہ اس تالیف سے پوری طرح استفادہ نہ کرسکیں گے، یہاں اتنی بات ضرور تازہ کرلیں کہ امام بخاریؒ نے شیخ اسحٰق بن راہویہ وغیرہ اپنے خصوصی اساتذہ واصحاب کے مشورہ سے صحیح بخاری کی تالیف کا تہیہ کیا، جس میں صرف صحیح مجرد احادیث جمع کیں، گویا سابق طرز محدثین کے خلاف طریقہ اپنایا جو احادیث کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین بھی جمع کرتے تھے، مثلاً محدث ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ) و محدث عبدالرزاق بن ہمام م ۲۱۱ھ) ان دونوں نے اپنے اپنے مصنف میں احادیث کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین بھی جمع کئے تھے جن سے سنن نبویہ اور حضور علیہ السلام کے اقوال و افعال کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، ان دونوں کے مصنف نے فقہائے محدثین اور ائمہ مجتہدین کے استنباطی مسائل اور مدارک اجتہاد تک رسائی حاصل کرلینا نہایت آسان کردیا تھا اور اب کہ مصنف عبدالرزاق ۱۴ جلدوں میں ''مجلس علمی'' ڈابھیل و کراچی سے شائع ہوگئی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ کی بھی چار جلدیں حیدرآباد سے شائع ہوگئی ہیں، ان سے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہوسکتی ہے، مگر جیسا کہ اسحٰق بن راہویہؒ کہا کرتے تھے کہ امام بخاریؒ نے ''التاریخ الکبیر'' لکھ کر گویا سحر کردیا ہے، مجھے بھی یہ کہنے دیجئے کے امام بخاریؒ نے ''صحیح بخاری شریف'' تالیف کرکے بھی سحر کا ہی کام کیا تھا جس سے ان سے قبل کے تقریباً ایک سو اکابر محدثین کی حدیثی تالیفات اور پھر بعد کی کتب صحاح بھی سحر زدہ سی ہوکر رہ گئیں، حالانکہ خود امام بخاریؒ نے فرمایا تھا کہ میں نے حدیث کی ایک مختصر کتاب لکھی ہے جس میں صحیح روایات کا التزام کیا ہے، اور چھ لاکھ احادیث میں سے (ان ۲۵۱۳ غیر مکرر کا) انتخاب کیا ہے اور بہ کثرت احادیث صحاح کو طوالت کے خوف سے ترک کردیا ہے، اور یہ منتخب ذکر کردہ احادیث میرے لئے اللہ تعالیٰ اور میرے درمیان حجت کا کام دیں گی (مقدمہ صحیح بخاری ص ۴) گویا بقول خود امام بخاری کا ارادہ صرف اپنے فقہی مسلک کے مطابق احادیث یکجا کرکے پیش کرنا تھا تاکہ حق تعالیٰ کی جناب میں اپنے اختیار کردہ مسلک کے لئے حجت پیش کرسکیں، یہ مقصد نہ تھا کہ وہ دوسرے تمام فقہی مسالک کو حدیثی نقطہ نظر سے باطل قرار دیں، کیونکہ وہ یقیناً جانتے تھے کہ دوسرے مسالک کے لئے بھی صحیح احادیث اور آثار صحابہ و تابعین موجود ہیں، اسی لئے برملا اعتراف فرماتے تھے کہ میں نے بہ کثرت صحیح احادیث بوجہ طوالت ترک کردی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ایک طبقہ اسی وقت سے برابر اب تک ایسا بھی موجود رہا جو صحیح بخاری کی آڑ لے کر دوسرے فقہی مذاہب کی تغلیط کرتا رہا اور ایک جماعت اہل ظاہر محدثین کی بھی ائمہ مجتہدین کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتی رہی۔

امام بخاریؒ کے مذکور مقصد کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ وہ صرف اپنے فقہی مسلک کے موافق احادیث پیش کرتے ہیں اور دوسرے مذاہب ائمہ کی مستدل احادیث پیش نہیں کرتے، برخلاف دوسرے محدثین صحاح امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد و امام نسائی وغیرہ کے کہ وہ سب ہی احادیث ماثورہ صحیحہ ذکر کردیتے ہیں خواہ وہ کسی بھی فقہی مذہب کی مؤید ہوں اور ساتھ ہی آثار صحابہ و تابعین بھی لاتے ہیں اگرچہ محدث ابن ابی شیبہ و محدث عبدالرزاقؒ کی طرح استقصاء نہیں کرتے، یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ امام بخاریؒ کا فقہی مسلک کسی دور میں بھی جاری نہ ہوسکا نہ اس کو تلقی بالقبول حاصل ہوسکی، حتیٰ کہ خود ان کے تلمیذ رشید امام ترمذی بھی جہاں دوسرے فقہی مذاہب بہ تفصیل ذکر کرتے ہیں، امام بخاری کا مسلک ذکر نہیں کرتے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ امام اوزاعی وغیرہ ایسے جلیل القدر فقہاء کے فقہی مسلک بھی صرف تھوڑی مدت تک چل کر ختم ہوگئے تھے، جو مسلک شروع سے اب تک قائم ہیں، وہ صرف ائمہ اربعہ کے ہیں، ان میں سے امام اعظمؒ کے پیرو سب سے زیادہ (تقریباً دو تہائی افراد امت محمدیہ) رہے ہیں، پھر یہاں یہ بھی محفوظ کرلیجئے کہ چار ائمہ و مذاہب فقہیہ کو علمائے امت نے ''کاسرۃ واحدۃ'' قرار دیا ہے، یعنی سب ایک خاندان کے فرد تھے، جنہوں نے اپنے اپنے علم و فہم اور بصیرت و اجتہاد کے موافق قرآن مجید، احادیث نبویہ اور آثار و تعامل صحابہ و تابعین کی روشنی میں مسائل غیر منصوصہ کے احکام مستنبط کئے ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ، ان کے علاوہ

جو فقہی مسالک اہل ظاہر وسلفیوں کے وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہے ان کی بنیادیں نہایت کمزور ہیں۔

مذاہب اربعہ کے تین چوتھائی مسائل میں کوئی اختلاف نہیں ہے، باقی ایک ربع میں بھی جواز عدم جواز یا حلت وحرمت کا اختلاف بہت تھوڑا ہے، زیادہ تر مسنون، غیر مسنون اور افضل غیر افضل کا ہے، جو زیادہ اہم نہیں ہے اور اس معمولی اختلاف کی وجہ سے باہم نزاعات کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے، ہر مذہب والے کو دوسرے کا احترام کرنا چاہئے اور نہایت فراخدلی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر کی طرح رہنا چاہئے، خصوصاً اس لئے بھی کہ کچھ مدت سے اس دور کے اہل ظاہر وسلفی حضرات نے مقلدین مذاہب خصوصاً مذہب حنفی کے خلاف سخت ناموزوں رویہ اور غلط پروپیگنڈے کا طریقہ اختیار کرلیا ہے۔

پھر یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ مذاہب اربعہ میں باہم کچھ فروعی مسائل میں اختلاف تو ہے بھی، مگر اصول وعقائد میں سب متفق ایک زبان ہیں جبکہ اہل حدیث وغیر مقلدین کے اصول وعقائد بھی ان سے مختلف ہیں، مثلاً ائمہ اربعہ کے یہاں تقلید جائز اور ان کے یہاں وہ شرک ہے، توسل نبوی آئمہ مجتہدین اور جمہور سلف وخلف کے نزدیک جائز ہے مگر اہل حدیث وغیر مقلدین کے یہاں وہ شرک وحرام ہے، یہ لوگ حافظ ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ کی تقلید میں خدا کے لئے جہت ومکان اور استقرار علی العرش وغیرہ تجویز کرتے ہیں، جبکہ جمہور سلف وخلف و ائمہ اربعہ کے نزدیک ایسے عقائد باطل اور حق تعالیٰ کی تنزیہ کے خلاف ہیں، یہ لوگ منکر وشاذ احادیث سے عقائد کا اثبات کرتے ہیں جبکہ آئمہ اربعہ کے اصول سے منکر وشاذ روایات تو کجا، ضعیف احادیث سے بھی عقائد واصول کا اثبات درست نہیں، بلکہ ضعیف احادیث سے صرف فضائل اعمال ثابت ہو سکتے ہیں، شریعت کے احکام حلال وحرام تک بھی ان سے ثابت نہیں کئے جا سکتے، پھر یہ حضرات یہاں تو ہر تعظیم غیر اللہ کو بھی شرک قرار دیتے ہیں اور سفر زیارت نبویہ ودیگر زیارت قبور کو جائز کہنے والوں کو قبوری (قبر پرست) بتلاتے ہیں، جبکہ صرف اس فعل زیارت میں کوئی بھی شائبہ شرک یا عقیدہ کی خرابی نہیں مگر خود ایک ضعیف حدیث کی وجہ سے "**عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا**" (آیت اسراء) کی تفسیر میں مقام محمود سے مراد یہ بتلاتے ہیں کہ حق تعالیٰ روز قیامت میں حضور علیہ السلام کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا اور عرش الٰہی میں تھوڑی سی جگہ حضور کو بٹھانے کے لائق خالی رکھی گئی ہے، کیا قیامت کی توحید یہاں سے مختلف ہوگی یا خدا کی تنزیہ جسم ومکان وغیرہ سے وہاں ختم ہو جائے گی، علامہ ابن تیمیہ کے تلمیذ خصوصی حافظ ابن کثیرؒ نے مقام محمود کی تفسیر میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں مگر اس روایت مجاہد کا کوئی ذکر نہیں کیا، جبکہ ان کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ اس کی تفسیر میں ابن تیمیہ وابن قیم اس روایت کو قبول کر چکے ہیں اور اس پر علماء نے نکیر بھی کی ہے، البتہ علامہ آلوسی نے کچھ کوشش اس امر کی کردی ہے کہ اس روایت کو بھی کوئی مقام ضرور مل جائے لیکن حیرت ہے کہ وہ اس ضمن میں حدیث طواف باری للارض کو بھی نقل کر گئے (جس کو علامہ ابن قیم نے بھی زاد المعاد میں ذکر کیا ہے اور توثیق کی سعی کی ہے) جبکہ علماء محدثین نے اس حدیث کو منکر وشاذ قرار دیا ہے، اور ابن قیم پر سخت نکیر کی ہے، ایسی احادیث ضعیفہ منکرہ وشاذہ کو ضمناً بھی ذکر کرنا اس امر کی بڑی دلیل بن سکتی ہے کہ یا تو جیسا کہا گیا ہے کہ تفسیر روح المعانی میں حذف والحاق کرا دیا گیا ہے یا صاحب روح المعانی فن حدیث ورجال میں کامل نہ تھے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بحال عبادہ ولا نحب ان نقول الا ما یرضی بہ ربنا تبارک وتعالیٰ۔**

(مزید تفصیل کے لئے اس مقام پر روح المعانی کا مطالعہ ضروری ہے ص۱۴۱ج۱۵ تا ۱۴۳ج۱۵) ہمارا خیال یہ بھی ہے کہ علامہ ابن کثیر نے باب عقائد میں اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہ کا زیادہ ساتھ نہیں دیا اور پوری طرح ہر باب میں ہمنوائی صرف علامہ ابن قیم ہی نے کی ہے۔ واللہ اعلم۔

عجیب بات ہے کہ یہ حضرات "حوادث لا اول لہا" کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں، یعنی ایسی احادیث ومخلوق بھی موجود مانتے ہیں جس کی کوئی ابتدا نہیں اور اس کو خدا کے ساتھ ہمیشہ سے مانتے ہیں اور وہ حدیث بخاری سے استدلال کرتے ہیں، کتاب التوحید میں امام بخاری نے عمران سے یہ روایت کی "**کان اللہ ولم یکن شیء قبلہ و کان عرشہ علی الماء ثم خلق السمٰوت والارض**" الخ جبکہ بدء الخلق میں

امام بخاری نے عمران ہی سے **کان اللہ ولم یکن شیء غیرہ و کان عرشہ علی الماء** بھی روایت کی ہے۔(ان کا استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قبل کوئی نہ تھا لہٰذا اس کے ساتھ ہو سکتا ہے) کتاب التوحید میں حافظؒ نے لکھا:- پہلے امام بخاری نے بدء الخلق میں یہ روایت بہ لفظ **ولمن یکن شیء غیرہ** روایت کی ہے اور روایت ابی معاویہ میں **کان اللہ قبل کل شیء** وارد ہے جو بمعنی **کان اللہ و لا شیء غیرہ** ہے اور وہ زیادہ صریح ہے ان کے رد میں جو روایت الباب سے ''حوادث لا اول لہا'' کے قائل و مثبت ہیں، اور یہ ان شنیع و قبیح مسائل میں سے ہے جو ابن تیمیہ کی طرف منسوب ہیں، میں نے ان کے اس کلام کا مطالعہ کیا ہے جو اس پر انہوں نے کیا ہے اور اس باب کی روایت کو دوسری روایات پر ترجیح دی ہے، حالانکہ جمع بین الروایتین کے قاعدہ سے اس روایت کو بدء الخلق والی روایت پر محمول کرنا چاہئے تھا، نہ کہ برعکس جو انہوں نے کیا اور یوں بھی جمع کی صورت ترجیح پر بالاتفاق مقدم ہوتی ہے۔

آخر میں حافظ نے لکھا کہ **ولم یکن شیء غیرہ** سے حدوث عالم پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ اس سے تو ہم معیت کی نفی کی گئی ہے، لہٰذا ہر شی سوائے خدا کے عالم وجود میں آئی ہے بعد اس کے کہ وہ موجود نہ تھی۔(فتح الباری ص ۳۱۹ ج ۱۳)

اس سے قبل حافظ نے **قولہ و کان عرشہ علی الماء وھو رب العرش العظیم** پر لکھا کہ جس نے **کان اللہ ولم یکن شیء قبلہ و کان عرشہ علی الماء** سے یہ سمجھا کہ عرش ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا، اس کا مذہب باطل ہے اور ایسے ہی فلاسفہ کا قول بھی غلط تھا جو عرش کو خالق و صانع کہتے تھے، پھر لکھا کہ یہ بھی فرقہ جسمیہ کا قول باطل ہے کہ استواء کے معنی استقرار علی العرش کے ہیں، کیونکہ استقرار صفت اجسام کی ہے اور اس سے حلول و تناہی خدا کے لئے لازم آتی ہے جو اس کی ذات اقدس کے لئے محال ہے، البتہ استواء بمعنی علو صحیح ہے اور وہی مذہب حق اور قول اہل سنت کا ہے، الخ (فتح الباری ص ۳۱۴)

واضح ہو کہ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے متبعین عرش کو قدیم بالنوع کہتے ہیں اور عرش پر حق تعالیٰ کا تمکن و استقرار بھی مانتے ہیں جو عقائد جمہور سلف و خلف کے خلاف ہے۔

حافظ نے لکھا کہ ملائکہ کے صبح و شام نزول و عروج و سماوی اور حق تعالیٰ کے سوال عن العباد والی احادیث کے ظواہر کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ حق تعالیٰ جہت علو میں ہے، حالانکہ صحیح مراد علو مرتبت ہے کیونکہ جہت علو دوسری جہات سے اشرف و افضل ہے اور وہی حق تعالیٰ کے شایان شان ہے(فتح الباری ص ۳۲۱ ج ۱۳ و ۳۲۴ ج ۱۳)

حافظ نے بدء الخلق والی روایت بخاری **کان اللہ ولم یکن شیء غیرہ** پر لکھا کہ روایت غیر بخاری میں **ولم یکن شی معہ** مروی ہے اور قصہ ایک ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ راوی نے روایت بالمعنی کی ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے سوا نہ پانی تھا، نہ عرش اور نہ دوسری اشیاء کیونکہ یہ سب غیر اللہ ہیں اور **و کان عرشہ علی الماء** کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا پھر عرش کو پانی پر پیدا کیا۔

حفاظ نے تنبیہ کے عنوان سے یہ بھی لکھا کہ علامہ ابن تیمیہ نے روایت ''**کان اللہ و لا شی معہ وھو الآن علی ما علیہ کان**'' کے بارے میں لکھا کہ یہ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، تو ان کا یہ ریمارک صرف دوسرے جملے کیلئے صحیح ہے، کیونکہ لفظ **و لا شی معہ** اور بخاری کی روایت کا لفظ **و لا شی غیرہ** دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، پھر اس کی نفی کیسے ہو سکتی ہے؟!

پھر حافظ نے **و کان عرشہ علی الماء** پر لکھا کہ دوسری احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ عرش سے پہلے پانی پیدا کیا گیا اور یہ بھی وارد ہے کہ پانی سے قبل کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی،(فتح الباری ص ۱۸۱ ج ٦) گویا عرش کا قدیم اور ہمیشہ سے خدا کے ساتھ ہونا یوں بھی باطل ہے۔ واللہ اعلم۔

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہؒ بھی علامہ ابن تیمیہ سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے تھے اور غالباً اسی سبب سے ان کا رجحان بھی قدم عالم اور حوادث لا اول لہا کی طرف ہو گیا تھا۔(ملاحظہ ہو فیض الباری ص ا ج ۴)

شاہ ولی اللہ اور شیخ ابراہیم کردی

بظاہر صورت ایسی ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب موصوف جب ۱۱۴۳ھ میں ہندوستان سے حجاز تشریف لے گئے تو وہاں مشائخ حرمین سے استفادہ فرمایا، ان مشائخ میں شیخ ابراہیم کردی بھی تھے جو ایک وسیع المشرب سلفی عقیدہ کے عالم تھے اور علامہ ابن تیمیہ کے زبردست حامی اور ہم خیال تھے، چنانچہ ابن آلوسی بغدادی نے بھی جلاء العینین ص ۲۶ میں ان کے متعلق لکھا کہ وہ "سلفی العقیدہ اور ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع کرنے والے تھے"

علامہ ابن تیمیہ پر نقد

شاہ صاحب بھی ان کی صحبت میں رہ کر علامہ ابن تیمیہ کے گرویدہ ہو گئے تھے اور تفہیمات وغیرہ میں ان کی طرف سے دفاع بھی کیا ہے، بلکہ جوش عقیدت میں آ کر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "جن لوگوں نے ان پر اعتراض کیا ہے ان کو ان کے علم کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا ہے" حالانکہ ان کا رد کرنے والے خود ان کے دور کے بھی اکابر علماء امت کی بہت بڑی تعداد تھی اور اس وقت تک ان پر تنقید کرنے والے علماء کبار کی تعداد سو ۱۰۰ کے قریب پہنچ گئی ہے جو میرے پاس محفوظ ہے، پھر بقول حضرت علامہ کشمیریؒ کے شیخ تقی الدین سبکیؒ تو ان سے ہر علم میں برتر و افضل تھے اور یہاں ہم ابھی حافظ الدنیا ابن حجر کا نقد بھی فتح الباری سے نقل کر چکے ہیں اور حافظ نے فتح الباری میں متعدد جگہ ان کا رد کیا ہے اور اپنی دوسری تالیفات میں بھی سخت رد کرتے ہیں تو کیا کوئی بھی بالبصیرت ومتیقظ یہ کہہ سکتا ہے کہ ابن تیمیہ حافظ الدنیا سے بھی بڑے عالم تھے، درحقیقت اصل قیمت تبحر و وسعت علمی سے زیادہ ایک عالم کے صواب و ناصواب فیصلوں سے معلوم ہوتی ہے اور جس عالم یا علامہ کے تفردات اور جمہور امت سے ہٹ کر الگ فیصلے زیادہ ہوں اس کو ہم زیادہ تقدم دے کر شریعت حقہ کی حمایت ونصرت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

علامہ ابن تیمیہ اور شاہ عبدالعزیزؒ

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شاہ عبدالعزیز کے سامنے علامہ ابن تیمیہ کا معاملہ پیش کیا گیا اور رائے معلوم کی گئی تو آپ نے صاف طور سے کہہ دیا کہ میں تو ان کی منہاج السنہ کا مطالعہ کر کے بہت ہی متوحش ہو گیا ہوں اور میں نے ان کی وہ کتابیں بھی مطالعہ کیں جو حضرت والد صاحبؒ کے مطالعہ میں نہیں آئی تھیں اس لئے میری ان سے خوش عقیدگی قائم نہ رہ سکی، پھر قریبی دور کے اکابر دیوبند میں سے حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے بھی علامہ موصوف کو مطبوعہ ومخطوطہ تالیفات کا مطالعہ کر کے جو کچھ نقد ان پر کیا ہے، وہ بھی ہم نے پہلے لکھ دیا ہے اور آئندہ بھی حسب موقع مسائل کے ذیل میں لکھتے رہیں گے، ان شاء اللہ۔ علامہ کوثری، علامہ سبکی اور علامہ حصنیؒ وغیرہ کی تالیفات بھی اب شائع شدہ ہیں پھر بھی اگر کوئی آنکھیں بند کر کے صرف تعریفوں کے پل باندھتا رہے تو اس کو نہ کوئی روک سکتا ہے نہ اس کی ضرورت، اس علمی وضروری نقد کے ساتھ علامہ کے فضل وتبحر علمی اور خدمات جلیلہ عالیہ سے منکر ہم بھی نہیں ہیں، کاش! ان کے بارے میں مختلف الخیال جید علماء ایک جگہ بیٹھ کر کوئی معتدل صحیح فیصلہ جلد کر لیتے!! تا کہ کم علم لوگ مغالطہ میں نہ پڑتے، واللہ الموفق۔

شاہ ولی اللہ اور علامہ ابن تیمیہؒ

مدت ہوئی "الفرقان" کے شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۴۷ میں "شاہ صاحب کا ایک علمی مأخذ" کے عنوان سے مولانا محمد اویس صاحب نگرانی ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، اس میں لکھا تھا کہ "شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی مصنفات میں جا بجا علامہ ابن تیمیہ کے خیالات ملتے ہیں اور بعض جگہ تو پوری کی پوری عبارت نقل فرما دی ہیں لیکن نام نہیں لیا ہے، اس کی وجہ غالباً اہل زمانہ کا تعصب ہے، مثلاً حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۶۴ مطبوعہ بریلی کی عبارت **وقد كان في الصحابة و من بعدهم من يقرأ البسملة و منهم من لا يقرأه و منهم من يجهر بها و منهم**

من لا یجر بها، تا فقال کیف لا اصلی خلف الامام مالک و سعید بن المسیب ،بعینہ یہی عبارت فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۳۸۰ ج ۲ میں پائی جاتی ہے، وغیرہ۔ ان تصریحات کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچیں کہ شاہ صاحب کے علمی انقلاب میں علامہ ابن تیمیہ کے خیالات کو ضرور دخل ہے تو شاید بے جانہ ہو''۔

بہت ممکن ہے حضرت شاہ صاحبؒ کے خیالات ورجحانات پر شیخ کردی کا اثر سلفیت کا بھی پڑا ہوا اور اسی لئے ان کا مزاج تقلید کے خلاف بھی بن چکا تھا، جس کو وہ خود بتلاتے ہیں، فیوض الحرمین ص ۶۴، ۶۵ میں ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے تین امور کا استفادہ کیا جو میرے رجحان ومزاج کے خلاف تھیں، ان میں سے دوسری یہ ہے کہ آپ نے مجھے مذاہب اربعہ کا پابند رہنے کے لئے وصیت فرمائی کہ میں ان سے باہر نہ ہوں، اسی فیوض الحرمین کے ص ۴۸ میں یہ بھی ہے کہ ''حضور اکرم ﷺ نے مجھے سمجھایا کہ مذہب حنفی کے اندر ایسا صاف ستھرا راستہ موجود ہے جو دوسرے سب راستوں سے زیادہ سنت نبویہ کے ساتھ موافق ومطابق ہے، جس کی تدوین وتنقیح امام بخاری وغیرہ محدثین کے زمانہ میں ہوگئی ہے''۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنن نبویہ کی تدوین وتنقیح حضور ﷺ کی نظر مبارک میں وہ پسندیدہ ہے جو نہ صرف امام بخاری بلکہ امام ترمذی وغیرہ سب محدثین کی جمع کردہ سنن کی روشنی میں حاصل ہوا اور غالباً ہمارے علامہ کشمیریؒ اسی لئے فرمایا کرتے تھے کہ کبھی ایک دو متن حدیث پر فیصلہ نہ کرنا چاہئے، بلکہ ہر حدیث کے سارے طرق ومتون کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے، ہمارے سلفی واہل حدیث حضرات کے یہاں یہی کمی ہے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق امام بخاریؒ کی طرح صرف ایک دو متن کے اوپر فیصلہ کر لیتے ہیں اور جھنڈا اٹھا کر دوسروں کو مطعون کرنے لگتے ہیں، اگر وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے نقل کردہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد مذکور پر عمل کریں تو بہت سے نزاعات واختلافات یکدم ختم ہو سکتے ہیں ابھی اوپر گذرا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے رجحان کے مطابق بخاری کی کتاب التوحید والے متن حدیث کو لے لیا اور بدء الخلق والے متن کو نظر انداز کر دیا اور نہ دوسرے محدثین کے روایت کردہ متون پر دھیان دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جمہور امت کے خلاف ایک الگ رائے قائم کر لی، جس پر حافظ الدنیا ابن حجرؒ نے بھی ان پر سخت نقد کیا اور بات بھی کوئی معمولی افضل غیر افضل یا جائز وناجائز وغیرہ احکام کی نہ تھی بلکہ عقیدہ سے متعلق تھی، جس کے ثبوت کے لئے نص قطعی (قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع صحابہ وغیرہ) کی ضرورت تھی یعنی ''حوادث لا اول لہا'' کا عقیدہ کہ حق تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی حادث ومخلوق قدیم ہو سکتی ہے یا ہے جبکہ حدوث عالم کا عقیدہ سب جانتے ہیں کہ امت کا مجمع علیہ عقیدہ ہے، بیشک علامہ ابن تیمیہ بڑے ہی جری وبہادر تھے کہ بقول حافظ ابن حجر وعلامہ ذہبی وغیرہ ایسے ایسے بڑے فیصلے کر گئے، جن کے ادنیٰ ترین تصور سے بھی ساری امت مرحومہ کے اکابر علماء امت لرز جاتے تھے، اور کسی نے بھی آج تک ایسے جراءت مندانہ فیصلے نہیں کئے تھے، اللہ رحم کرے، ہمیں اس سلسلہ میں کافی لکھنا پڑا اور بہت کچھ باقی ہے۔ **وما ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔**

سحر کے اثرات

''سحر'' کے کم سے کم اثرات یہ ہوتے ہیں کہ وہ کچھ وقفہ کے لئے بعض امور سے غفلت طاری کر دیتا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ پر بھی ایسا ہی معمولی اثر ہوا تھا، ہمارے بعض اکابر امت کے اثرات بھی شاید سحر سے ہی کچھ ملتے جلتے ہوتے ہیں، جیسا کہ اسحق بن راہویہ نے امام بخاری کی التاریخ الکبیر کے بارے میں ''سحر'' کا ہی لفظ استعمال کیا تھا اور ہم اس سے یہی سمجھ سکے ہیں کہ جن شخصیتوں کو انہوں نے نمایاں کر دیا وہ سامنے آگئیں اور جن کو چاہا زاویہ خمول میں ڈال دیا تا کہ وہ پردے کے پیچھے چلی جائیں مثلاً امام اعظمؒ کے بارے میں لکھ دیا وہ ''مرجئی تھے اور لوگوں نے ان سے ان کی رائے سے اور ان کی یث روایت کرنے سے سکوت اختیار کیا''۔ (تاریخ کبیر)

یقیناً اس وقت بھی اور ایک مدت تک اس سحرؔ نے اپنا کام کیا، مگر جب امام صاحب کی فقہ اور حدیث کی اشاعت عام ہوتی چلی گئی اور شرق سے غرب تک، شمال سے جنوب تک ان کے علوم کی روشنی پھیل گئی تو اس سحر کے اثرات بھی کم ہونے لگے۔

ارجاء کا الزام

یہاں بات میں بات نکلتی چلی جارہی ہے اور میں مختصر کرنا چاہتا ہوں اس لئے عرض کرنا یہ ہے کہ امام بخاری نے امام صاحبؒ کو مرجیٔ سمجھا تھا اور یہی باور کرانے کی سعی کی اور کتاب الایمان میں بھی روئے سخن ارجاء کا رد ہی ہے، جس میں تقریباً چالیس ابواب قائم کر کے حتی الامکان ہر عمل کو جزو ایمان بتلانے کی سعی کی ہے، تاکہ ارجاء کی جڑ تو کٹ ہی جائے، خواہ اس کو کاٹنے میں اعتزال کی حدود میں سے بھی بادل ناخواستہ گذرنا پڑ جائے، یہاں اس سے بحث قطعاً نہیں کہ حقیقت کیا تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خدانخواستہ امام صاحبؒ اور ان کے متبعی مرجیٔ تھے اور نہ امام بخاریؒ کسی درجہ میں معتزلی تھے، بلکہ جو کچھ بھی افراط تفریط پیش آئی اس کے وجوہ واسباب مقدمہ انوارالباری میں ذکر ہو چکے ہیں، وہاں دیکھ لئے جائیں۔

امام بخاری اور فقہ اربعہ

یہاں امام بخاری نے چونکہ باب القسمة و تعليق القنو في المسجد سے شروع کر کے باب السترہ تک تقریباً پچاس ابواب قائم کر کے فقہاء[1] اربعہ کے ان مسائل کا رد کیا ہے جو مساجد سے متعلق ہیں، کیونکہ فقہاء مجتہدین امام اعظم، امام مالک، امام شافعی وامام احمدؒ کے نزدیک مساجد صرف عبادت کے لئے ہیں، دوسرے امور کی اجازت وقتی طور سے حسب ضرورت ہو سکتی ہے، جس کی گنجائش احادیث وآثار سے بھی ملتی ہے، مگر امام بخاریؒ چونکہ قیاس کی حجیت سے منکر ہیں اور فقہاء کے بہ کثرت مسائل مستنبطہ سے برہم ہیں، بلکہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق تو یہ ہے کہ وہ اس بارے میں ظاہری جیسے ہیں (ملاحظہ ہو فیض الباری ۵۰۷ ج ۴) اس لئے نہ صرف امام اعظمؒ بلکہ دوسرے فقہاء ثلاثہ کے مسائل کا بھی رد کر جاتے ہیں، بلکہ ان کی حدیثی روایات کو بھی اہم نہیں سمجھتے، چنانچہ امام صاحب سے تو بخاری میں روایت کرنے کا سوال ہی نہ تھا کہ امام صاحب اور ان کے اکثر متبعین کو غلط فہمی کی وجہ سے مرجیٔ سمجھتے تھے، اپنے شیخ واستاذ فن حدیث امام احمد ایسے محدث اعظم سے ساری بخاری میں صرف دو روایات لی ہیں (وہ بھی شاید کسی مجبوری سے لی ہوں گی) امام شافعیؒ سے کوئی ایک روایت بھی نہیں لی جبکہ وہ بھی امام بخاری کے شیخ الشیخ تھے، البتہ امام مالکؒ سے کچھ روایات لی ہیں۔

اب مجھے ایک بات اور ضروری عرض کرنی ہے، جو میرا حاصل مطالعہ ہے کہ امام اعظمؒ کی فقہ سب سے پہلے وجود میں آئی، مدون بھی ہو گئی اور بڑی ہی آن بان وشان سے آئی کہ اس کی روشنی ونورانیت سے بڑوں بڑوں کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور ایسی عظیم ترین کامیابی سے حاسد طبائع کا اثر لینا بھی ضروری تھا، تو اس کے توڑ کے لئے ظاہرین وعدم تقلید ائمہ مجتہدین کے جراثیم بھی اسی وقت سے پیدا ہو گئے تھے اور میں بہت ہی مختصر کر کے اس دور سے لے کر اس وقت تک کی چند عظیم شخصیات کا ذکر یہاں کئے دیتا ہوں۔ والعلم عند اللہ۔

۱۔ حضرت امام اوزاعیؒ م ۱۵۷ھ

آپ امام اعظمؒ اور ان کی فقہ کے ایک زمانہ تک سخت مخالف رہے مگر پھر جب غلط فہمیاں دور ہو گئیں تو نادم ہوئے اور اپنی رائے سے رجوع فرمالیا تھا، حالانکہ وہ خود اپنی دور کے بہت بڑے فقیہ ومحدث تھے اور ان کی فقہ کے متبعین بھی غالباً کئی صدی تک رہے ہیں۔

۲۔ حضرت سفیان ثوریؒ ۱۶۱ھ

---

[1] ہر باب میں ہم یہ بھی نشان دہی کریں گے کہ کس فقیہ کے خلاف وہ باب قائم کیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ۔

یہ بھی امام صاحب کے معاصر اور جلیل القدر محدث وفقیہ تھے، ایک عرصہ تک امام صاحب کے فقہی فیصلوں پر معترض رہے، مگر پھر انہوں بھی رجوع فرمالیا تھا اور امام صاحب کے بڑے مداحین میں سے ہوگئے تھے۔

۳۔ محدث عبدالرحمٰن بن مہدی م ۱۹۸ھ

حافظ نے لکھا کہ وہ امام مالک وغیرہ کے تلمیذ حدیث تھے اور عبداللہ بن مبارک و یحییٰ بن معین نے ان سے روایت کی، اگرچہ عبداللہ بن مبارک ان کے شیوخ میں سے تھے، فقہ میں وہ بعض مذاہب اہل الحدیث اور رائے مدنیین کو اختیار کرتے تھے (تہذیب ص ۲۷۹ ج ۶) یہاں اتنی بات تو محفوظ کرہی لیجئے کہ علامہ محدث ابن عبدالبر مالکی شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ اہل حدیث امام ابوحنیفہؒ کے دشمن ہیں اور اس وقت بحث بھی یہی چل رہی ہے کہ اہل حدیث واصحاب ظاہر فقہاء کے مخالف ہوتے ہیں۔

یہ عبدالرحمٰن بن مہدی بھی امام صاحب کے سخت دشمن تھے اور اسحٰق بن راہویہ کو بھی انہوں نے ہی حنفی سے ظاہری بنایا تھا، پھر اسحٰق بن راہویہ نے امام بخاری پر اپنے اثرات ڈالے، اس کے لئے ایک واقعہ امام احمدؒ کی کتاب الورع سے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے اسحٰق بن راہویہ نے کہا کہ پہلے میں صاحب رائے تھا، جب حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان میں سے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے موافق ومؤید احادیث نکالیں جو تقریباً تین سو تک پہنچ گئیں، میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان کے بارے میں عبداللہ بن مبارک کے مشائخ سے سوال کروں گا جو حجاز و عراق میں ہیں اور میرا یقین یہ تھا کہ کوئی بھی امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت کی جراءت نہ کرے گا جب میں بصرہ پہنچا تو عبدالرحمٰن بن مہدی سے ملا انہوں نے کہا، تم کہاں کے ہو؟ میں نے کہا اہل مرد سے، اس پر وہ عبداللہ بن مبارک کو یاد کرکے ان کے لئے دعائے رحمت ومغفرت کرنے لگے کہ ان کے ساتھ نہایت محبت کرتے تھے، پھر پوچھا کیا تمہیں کوئی مرثیہ بھی یاد ہے، جو ان کے لئے کہا گیا ہو؟ میں کہا یاد ہے، پھر میں نے ابوتمیلہ شاعر کا مرثیہ شروع کردیا وہ اشعار سنتے رہے اور روتے رہے اور میں برابر پڑھتا رہا، جب میں نے یہ شعر پڑھا:- وبرأى النعمان كنت بصيرا، حين تبغى مقائس النعمان تو وہ فوراً بول پڑے کہ بس چپ ہوجاؤ، تم نے تو سارا قصیدہ ہی خراب کردیا، میں نے کہا اس کے بعد دوسرے اشعار بہت اچھے ہیں، کہنے لگے نہیں ان کو بھی چھوڑ دو، تذکرہ روایت عبداللہ عن ابی حنیفۃ تو ان کے مناقب میں داخل ہوگیا جبکہ عراق کی سرزمین میں ان کی کوئی بھی لغزش اور خطا بجز روایت عن ابی حنیفہ کے نہیں ہے اور میری بڑی تمنا یہ تھی کہ وہ ان سے روایت نہ کرتے پھر میں اس کے فدیہ میں اپنے مال ودولت کا بڑا حصہ قربان کردیتا، (یہ عبدالرحمٰن بن مہدی بڑے صاحب ثروت ومال بھی تھے) میں نے کہا اے ابوسعید! آپ ابوحنیفہ سے اتنے برہم کیوں ہیں؟ کیا یہ سب صرف اس بات کی وجہ سے ہے کہ وہ رائے سے کلام کرتے تھے، اگر یہ بات ہے تو امام مالک، اوزاعی اور سفیان بھی رائے سے کلام کرتے تھے، کہا تم ابوحنیفہ کو ان لوگوں کے ساتھ ملاتے ہو؟ علم میں ابوحنیفہ کی مثال تو اس اکیلی اونٹنی جیسی ہے جو ایک الگ سرسبز[1] وادی میں چرتی ہو اور دوسرے سب اونٹ دوسری وادی میں۔

اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے نظر کی تو دیکھا کہ لوگوں کے خیالات امام ابوحنیفہ کے بارے میں اس کے خلاف ہیں جو ہمارے خراسان میں تھے۔ (کتاب الورع عن الامام احمد بن حنبلؒ ص ۷۵، ۷۶ طبع مصر)

---

[1] محققین امت نے یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ سارے احکام شرع کے ذخیرہ میں بیس مسئلے بھی ایسے نہ ملیں گے جن میں امام اعظم متفرد ہوں یا ان کا کوئی قول یا امام ابو یوسف ومحمدؒ کا کوئی قول امام شافعی، امام مالک وامام احمد کے موافق موجود نہ ہو اور ہم اوپر یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ تین ارباع مسائل فقہ میں چاروں ائمہ باہم متفق ہیں پھر یہ بات کتنی غلط اور بے بنیاد کہہ دی گئی کہ امام صاحب الگ وادی میں تھے اور باقی سب دوسری وادی میں، شاید بہت سے بڑے جو بڑے نہ بن سکے، اس کی وجہ ان کے ایسے ہی غلط نظریات وتنگ نظری ہوگی۔ واللہ اعلم (مؤلف)

یہ حال عراق کا تھا جہاں امام اعظم اوران کے ۴۰ شرکاء تدوین فقہ نے فقہی مسائل کا ایسا نادر روزگار مجموعہ تیار کیا تھا، جس کی نظیر مذاہب عالم پیش کرنے سے عاجز ہیں اور جو دنیائے اسلام کے لئے رہتی دنیا تک کے لئے مکمل ترین قانونی نظام ہے، جہاں قدر کرنے والے اس عظیم ترین احسان کی صحیح قدر و قیمت پہنچاتے رہے اور تا قیامت پہنچانیں گے، خدا کی شان ہے کہ وہاں عبدالرحمٰن بن مہدی ایسے ناقدرے بھی ہوئے ہیں اور اب بھی اہل حدیث غیر مقلدین و سلفی حضرات اس غلط راہ پر چل رہے ہیں اور ہمارا مقصد یہاں صرف ایسے ہی اہل حدیث یا اہل ظاہر کا ذکر ہے جو فقہاء اربعہ یا ان کی فقہ سے بیر رکھتے ہیں یا کسی فقہی مکتب خیال کی طرف منسوب ہوتے ہوئے بھی بڑے بڑے مسائل فروع و اصول میں ان کے الگ تفردات ہیں۔

۴۔ محدث ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی م ۲۲۰ھ

ان کے بارے میں مقدمۂ انوارالباری میں کافی لکھ چکا ہوں، افسوس ہے کہ امام بخاریؒ کا ذہن فقہ حنفی اور امام اعظمؒ وغیرہ کی طرف سے ہٹانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے ورنہ امام بخاریؒ کا کارنامے آج ائمۂ مجتہدین سے کم درجہ میں امت مرحومہ کے لئے مفید نہ ہوتے اور اب ہمیں امام بخاریؒ کی جلالت قدر اور عظیم خدمات حدیث کی وجہ سے کوئی صحیح و ضروری نقد کرنے میں بھی تامل ہوتا ہے۔

۵۔ محدث جلیل حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ م ۲۳۵ھ

آپ کی جلیل القدر حدیثی تالیف دنیائے حدیث کے لئے احسان عظیم ہے اور اگر یہ کتاب پہلے شائع ہو جاتی تو بہت سے نزاعات کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ آپ نے احادیث نبویہ کے ساتھ ساتھ آثار صحابہ و تابعین و تعامل امت کی روشنی بھی دکھلا دی تھی، اگرچہ امام اعظمؒ کی فقہ پر آپ نے مستقل نقد بھی کر دیا ہے، جس کا بڑا حصہ غلط فہمیوں کے سبب سے ہے، تاہم اس کا جواب بھی کافی وشافی شائع ہو چکا ہے خود بھی نقد کرتے ہیں اس لئے ہر نقد صحیح کو پسند کرتے ہیں۔

۶۔ محدث اسحٰق بن راہویہ م ۲۳۸ھ

یہ خود پہلے صاحب رائے تھے، بلکہ غالباً حنفی بھی، جیسا کہ خود ان کے بیان سے مترشح ہوتا ہے، پھر اہل حدیث بن گئے اور امام بخاری کو بھی سبق پڑھایا کہ مجرد صحیح کا مجموعہ تیار کرو، امام بخاری جو آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے، یہ بھی ممکن ہے ان ہی کا اثر ہو، بہرحال! امام بخاری نے ان کے مشورہ سے صحیح بخاری لکھی اور حدثنا کے بعد صرف حدیث مجرد اور وہ بھی صرف اپنے مسلک کے مطابق والی لاتے ہیں دوسری کا ذکر فکر کچھ نہیں، البتہ اپنے خیال کے لئے مؤید اگر کوئی صحابی کا قول و فعل ہو تو اس کو ترجمۃ الباب میں لے آتے ہیں۔

۷۔ امام بخاریؒ م ۲۵۶ھ

آپ کا مفصل تذکرہ مقدمہ انوارالباری جلد دوم میں مع تعارف تالیفات ہو چکا ہے، انوارالباری کا مطالعہ کرنے والے اس کو اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیا کریں، تو فائدہ زیادہ ہوگا، حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو علماء ظاہر سے اشبہ کہا ہے اور میرے پاس بھی اس کے قرائن ہیں، ممکن ہے پھر کہیں لکھنے کا موقعہ نکلے، باقی جن مسائل میں ظاہریت اختیار کی ہے یا فقہاء و مجتہدین کے خلاف امام بخاری نے رائے قائم کی ہے، ان کی جواب دہی ہم کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ و بہ نستعین۔

۸۔ شیخ داؤد ظاہریؒ م ۲۷۰ھ

یہ مشہور ظاہری محدث گذرے ہیں جنہوں نے فقہ اربعہ کی مخالفت میں جھنڈے گاڑے تھے۔

۹۔ محدث ابن خزیمہ م ۳۱۱ھ

یہ بھی مشہور محدث تھے، علم کلام میں حذاقت تو درکنار درک بھی نہیں تھا، اسی لئے اپنی کتاب التوحید میں بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں اور ہماری بدقسمتی کہ ان کے بہت سے اصول وعقائد کے مسائل میں علامہ ابن تیمیہ نے ان کو اپنا متبوع بنالیا ہے ان کی صحیح ابن خزیمہ نادرۂ روزگار تھی اب ۲۔۳ جلدیں شائع ہوگئی ہیں اور یہ بھی امام بخاریؒ کی طرح اپنے مسلک کی تائیداور دوسروں کی تردید کیلئے بڑے بڑے تراجم الابواب اورعنوانات قائم کرتے ہیں، دوجلدیں میرے پاس آچکی ہیں، اس لئے اب ان کا ذکر بھی مسائل کی بحث میں آئے گا۔ ان شاءاللہ

۱۰۔ علامہ ابن حزم ظاہری م ۴۵۷ھ

نہایت مشہور ومعروف محدث تھے، مگر ظاہری یانئی اصطلاح میں سلفی ائمہ مجتہدین وکبار امت پر سخت تنقید کرنے والے بلکہ توہین کی حد تک ان کی زبان، حجاج کی تلوار کی طرح تیز تھی، پھر علامہ ابن تیمیہ کی طرح اپنی ہی کہتے ہیں دوسروں کی نہیں سنتے، ان کی ''محلی'' احادیث و آثار صحابہ وتابعین کا نہایت گراں قدر مجموعہ ہے جو دس بڑی جلدوں میں شائع شدہ ہے، کوئی محدث ان کی اس کتاب کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا، وغیرہ فوائد مع نقائص ظاہریت وسب وشتم ائمہ۔

۱۱۔ علامہ تقی الدین بن تیمیہ م ۷۲۸ھ

نہایت جلیل القدر محدث اور علم وفضل کے بحر ناپیدا کنار، حتیٰ کہ بعض علماء امت نے تو یہ رائے بھی قائم کردی کہ ان کا علم ومطالعہ ان کی عقل وفہم سے بھی کوسوں آگے بڑھ گیا تھا اور شاید اسی لئے تفردات کا ایک ڈھیر لگا گئے اور وہ بھی صرف فروعی مسائل تک نہیں رکے بلکہ عقائد و اصول میں بھی داخل ہوگئے، جیسے قدم عرش استقرار عرش، اثبات جہت اللہ تعالیٰ کے لئے وغیرہ، ان کے رد میں علامہ سبکی وحصنی وغیرہ کی تالیفات قابل مطالعہ ہیں بعد عقائد اور طلاق ثلث وغیرہ مسائل میں انہوں نے امام احمدؒ کی بھی مخالفت کی ہے، جو ان کے متبوع ومقلد بھی ہیں اور بہت سے مسائل میں ظاہریت اختیار کی ہے۔

۱۲۔ علامہ ابن القیم م ۷۵۱ھ

آپ نے اپنے استاذ محترم علامہ ابن تیمیہ کی تمام مسائل وعقائد میں مکمل پیروی کی ہے، بجز اس کے علامہ ابن تیمیہ کا رویہ حنفیہ اور فقہ حنفی کے ساتھ نرم ہے، بلکہ بہت سے مسائل میں تائید کا پہلو اختیار کیا ہے، لیکن ابن قیم نے حنفیہ کی مخالفت میں کسر اٹھا نہیں رکھی، ملاحظہ ہو اعلام الموقعین، اگرچہ دوسرے مذاہب فقہ کی بھی مخالفت اور ظاہریت کے مظاہرے کئے ہیں، سلوک وتصوف کے مسائل میں اپنے استاد سے بہت نرم ہیں۔

۱۳۔ مجدالدین فیروز آبادی ۸۱۷ھ

آپ کا میلان بھی ظاہریت کی طرف تھا اور اپنی کتاب ''سفر السعادۃ'' میں حنفیہ کے خلاف ہنگامے برپا کئے ہیں، جن کے جوابات علامہ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعادۃ میں دیئے ہیں، تفصیل فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ (اردو) میں ہے اور اس میں شیخ موصوف اور شاہ ولی اللہ کے علوم وخدمات کا موازنہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

۱۴۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی ۱۲۰۲ھ

آپ کی خدمات جلیلہ دربارہ ردو بدعت وشرک قابل مدح وستائش ہیں، مگر اس کے ساتھ جو کچھ افراط وتفریط پیدا ہوئی اور علامہ ابن تیمیہ کی تقلید، نیز ظاہریت کی تائید واشاعت وغیرہ وہ لائق نقد ہے، چونکہ اس وقت نجد وحجاز میں ان ہی کا سکہ رائج ہے، ضرورت ہے کہ اجتماع حج کے موقعہ پر علمائے اسلام جمع ہو کر حالات ومسائل کو اعتدال پر لانے کے لئے جدو جہد کیا کریں اور اتحاد کلمہ کی راہ نکالیں، غلطی بجز انبیاء علیہم السلام کے ہر ایک سے ہو سکتی ہے اور ہم میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہے، واللہ الموفق لما یحب ویرضی۔

۱۵۔علامہ شوکانی م ۱۲۵۰ھ

بڑے محدث وعلامہ تھے، حدیثی خدمات بھی نہایت قابل قدر ہیں، مگر عدم تقلید وظاہریت کے میلانات نے قدر وقیمت کم کر دی ہے بعض مسائل میں جراءت کے ساتھ علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ کے خلاف بھی لکھا ہے، ہمارے زمانہ کے اہل حدیث ان کا اتباع وتقلید کرنے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔

۱۶۔نواب صدیق حسن خان م ۱۳۱۷ھ

یہ بھی اپنے زمانہ میں ظاہریت وعدم تقلید کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے کارہائے نمایاں انجام دے گئے ہیں، اگرچہ بعض مواقع میں جراءت کے ساتھ اپنے حزب کے خلاف کلمۂ حق بھی کہہ دیتے تھے جید عالم تھے، مفید علمی کتابیں شائع کیں، ایسے بااثر حضرت اگر اتحاد کلمہ کے لئے سعی کرتے تو کامیابی ضرور ہوتی، مگر اللہ کی مشیت کہ ایسا نہ ہو سکا۔

۱۷۔محدث نذیر حسین صاحب م ۱۳۲۰ھ

علامہ محدث نے مدتوں درس حدیث دیا اور علمی روشنی پھیلائی مگر ظاہریت وعدم تقلید پر ایسے جامد تھے کہ فقہاء کے لئے ناموزوں کلمات تک نکالنے سے بھی باک نہ تھا۔ عفا اللہ عنہ

۱۸۔محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری م ۱۳۵۳ھ

محدث جلیل صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، آپ بھی اہل حدیث کے بڑے عالم تھے، اور حدیثی خدمات قابل قدر انجام دیں، بعض اوقات مسائل متنازعہ کے اندر بحث وکلام میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، ملا علی قاری حنفیؒ کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے بہ کثرت نقول ذکر کرتے ہیں، ہمارے اساتذہ واکابر دیوبند کی تردید میں بڑی دلچسپی لی ہے اور خلیج اختلافات کو بڑھایا ہے۔

۱۹۔محدث عبیداللہ مبارکپوری دام فیضہم

علامہ محدث، صاحب مرعاۃ شرح مشکوٰۃ بحث ونظر میں اچھی اچھی نقول ذکر کی ہیں اور شروع جلدوں کی نسبت بعد کی جلدوں میں اعتدال وسلامت روی کا رجحان زیادہ ہے جو فال نیک ہے، ۶ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، خدا کرے کتاب مذکور باحسن اسلوب مکمل ہو کر شائع ہو اور اختلافات کی خلیج پاٹنے کا سامان زیادہ سے زیادہ میسر ہو تعصب وتنگ نظری سے دور ہو کر جو بھی حدیثی خدمت ہو وہ سب ہی اہل علم و عوام کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اور ہمیں سب ہی کو اپنی مرضیات کی توفیق دے۔

امام بخاری کے ابواب المساجد اور خلاف فقہاء مہم کی تقریب سے مذکورہ بالا حضرات اہل ظاہر کا تذکرہ ہوا ہے اور امام بخاری اگرچہ بکل معنی الکلمہ ظاہری نہیں تھے، تاہم اشبہ بالظاہری ضرور تھے اور ایسے مواقع میں جہاں وہ کسی فقیہ کے خلاف مسئلہ کا اثبات کرتے ہیں یا

صرف اپنی ہی مؤید حدیثیں ذکر کرتے ہیں، مقابل جانب کی نہیں، وہاں صحیح بخاری کے مدرس کو بہت ہی بڑے وسیع علم ومطالعہ کی ضرورت ہے جیسا کہ ہمارے دور میں علامہ کشمیری یا حضرت مدنیؒ کا تھا، مگراب تو بیشتر مدارس میں دورہ حدیث ہونے لگا ہے اور وہاں کا شیخ الحدیث جو صحیح معنی میں درس بخاری وترمذی کا اہل نہیں ہوتا، صحیح بخاری وترمذی کا درس دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیشتر فضلا وفارغین نیم سلفی بن کر نکلتے ہیں اور وہ اپنے وطن جا کر سلفی عوام تک کی جواب دہی بھی پوری طرح نہیں کر سکتے۔ فیاللاسف ولضیعۃ علم الحدیث والی اللہ المشتکی۔

باب من دعی لطعام فی المسجد و من اجاب منه

(جسے مسجد میں کھانے کے لئے بلایا جائے وہ اسے قبول کرلے)

(۴۰۷) حدثنا عبدالله بن یوسف قال انا مالک عن اسحق بن عبدلله انه سمع انسا قال و جدت النبی ﷺ فی المسجد و معه ناس فقمت فقال لی ارسلک ابو طلحة فقلت نعم قال لطعام قلت نعم فقال لمن حوله قوموا فانطلق و انطلقت بین ایدیهم.

ترجمہ: حضرت انسؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چند اصحاب کے ساتھ پایا، میں کھڑا ہو گیا تو آں حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے، میں نے کہا جی ہاں، آپ نے پوچھا کھانے کے لئے (بلایا ہے) میں نے عرض کی کہ جی ہاں (کھانے کے لئے بلایا ہے) آپ نے اپنے قریب موجود لوگوں سے فرمایا کہ چلو سب حضرات آنے لگے اور میں ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔

تشریح: حسب تحقیق حضرت شاہ ولی اللہؒ اس باب کا مقصد مسجد میں کلام مباح کا جواز بتلانا ہے، کیونکہ مسجدیں عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں اور حدیث میں کلام دنیا کی ممانعت بھی وارد ہے، اس وہم کو دفع کیا گیا۔

باب القضاء و العان فی المسجد بین الرجال و النساء

(مسجد میں مقدمات کے فیصلے کرنا اور مردوں اور عورتوں میں لعان کرانا)

(۴۰۸) حدثنا یحییٰ نا عبدالرزاق نا ابن جریج انا ابن شهاب عن سهل بن سعد ان رجلاً قال یا رسول الله ارایت رجلا وجد مع امرأته رجلاً یقتله فتلاعنا فی المسجد و انا شاهد.

ترجمہ: سہل بن سعد نے بیان کیا کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ایسے شخص کو آپ کیا حکم دیں گے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر کو دیکھتا ہے کیا اسے قتل کر دینا چاہئے؟ پھر اس مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ مسجد میں لعان کیا اور اس وقت میں موجود تھا۔

تشریح: لعان اس کو کہتے کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو ملوث دیکھے یا اس قسم کا کوئی یقین اسے ہو لیکن معقول شہادت اس سلسلے میں اس کے پاس کوئی نہ ہو تو شریعت نے خاص شوہر اور بیوی کے تعلقات کی رعایت سے اس کی اجازت دی کہ دونوں قاضی کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کریں اور ایک دوسرے پر جھوٹا ہونے کی صورت میں لعنت بھیجیں، تو پھر دونوں کے درمیان جدائی کرادی جائے گی، قضا مسجد میں عندالحنفیہ جائز ہے بلا کراہت اور یہی مذہب امام مالک واحمد کا ہے لیکن عندالشافعیہ مکروہ ہے۔ حافظ نے اس مسئلہ پر باب من قضی ولا عن فی المسجد (کتاب الاحکام) میں بحث وتفصیل کی ہے۔ جو فتح الباری کے ص ۱۲۵ ج ۱۳ پر ہے (اس باب میں امام بخاری نے شافعیہ کا رد کیا ہے)۔

باب اذا دخل بیتاً یصلی حیث شآء او حیث امر ولا یتجسس

(جب کسی کے گھر جائے تو کیا جس جگہ اس کا جی چاہے وہاں نماز پڑھے یا جہاں اسے نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے وہاں پڑھے اور (اندر جا کر) تجسس نہ کرنا چاہئے)

(۴۰۹) حدثنا عبداللہ بن مسلمة نا ابراھیم بن سعد عن ابن شھاب عن محمود بن الربیع عن عتبان بن مالک ان النبی ﷺ اتاہ فی منزلہ فقال این تحب ان اصلی لک من بیتک قال فاشرت لہ الیٰ مکان فکبر النبی ﷺ و صففنا خلفہ فصلی رکعتین.

ترجمہ: حضرت عتبان بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے آپ نے پوچھا کہ تم اپنے گھر میں کہاں پسند کرتے ہو کہ میں اس جگہ تمہارے لئے نماز پڑھوں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا پھر نبی کریم ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم آپ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہو گئے، آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شارحین بخاری نے دونوں صورتوں کو امام بخاری کا مقصد بتلایا ہے کہ جو چاہے اختیار کرلے مگر میں سمجھتا ہوں کہ مقصد ترجمہ تو حسب امر صاحب الدار ہی ہے، مگر پھر یہ خیال کر کے کہ حکم شارع کو اسی پر منحصر نہ سمجھ لیا جائے دوسری صورت بھی ذکر کر دی، احقر عرض کرتا ہے کہ شاید اسی لئے تجسس کو منع کیا، کیوں کہ جہاں چاہے کسی کے گھر میں نماز پڑھنے میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی جگہ پڑھنا چاہے جہاں جانا گھر والے کو پسند نہ ہو یا پردے و حجاب کے خلاف ہو یا اسی جگہ ایسا گھریلو سامان ہو جس کو وہ اس پر ظاہر نہ کرنا چاہتا ہو وغیرہ۔ البتہ اگر صاحب بیت ہی عام اجازت دے دے کہ جہاں چاہے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

یہ تو عام بات ہوئی لیکن اگر کوئی شخص کسی ولی بزرگ کو بلا کر اپنے گھر کے کسی حصہ کو بابرکت بنانے کے لئے یا نماز خانگی کے لئے جگہ متعین کرانا چاہے تو بہتر یہی ہے کہ وہ بزرگ جگہ دریافت کرلے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمالیا، واللہ اعلم۔

اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کا ثبوت ہوا اور سلفی حضرات جو ان امور کو بے حیثیت گردانتے ہیں اس کا رد ہوا حرمین شریفین کے مآثر متبرکہ حتی کہ مولد نبوی اور بیت مبارک حضرت خدیجہؓ کو معطل و بے نشان کر دیا گیا ہے اور اس کو خالص توحید کا نام دیا جاتا ہے، یعنی ان چند لوگوں کے سوا اور ساری دنیائے اسلام کے کروڑوں مسلمان عوام اور علماء سب کی توحید ان کے مقابلہ میں ''نخالص'' ہے، مگر کیا یہی حدیث بخاری اس بات کا کامل ثبوت نہیں کہ حضور علیہ السلام کے کسی ایک جگہ پر صرف ایک نماز نفل پڑھ لینے سے صحابہ کرام اس مقام کو کتنا متبرک سمجھتے تھے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس جگہ کو حضرت عتبان بن مالک نے بت پرستوں کی طرح پرستش کی جگہ بنالیا تھا؟! پھر کیا وجہ ہے کہ جس بیت مبارک میں حضور علیہ السلام کی پیدائش ہوئی برسوں اس میں آپ نے عبادت کی، شب و روز گذارے اور بیت حضرت خدیجہؓ میں کتنی ہی بار وحی الٰہی نازل ہوئی ہوگی اور اس میں حضور نے نہ صرف سینکڑوں نوافل بلکہ فرائض بھی ادا کئے ہونگے پھر یہ کہ تیرہ سو برس تک ہر دور کے حجاج و زائرین ان مقامات متبرکہ کی زیارت کرتے رہے اور حضرت عتبانؓ کی طرح وہاں برکت حاصل کرنے کے لئے نفل نمازیں بھی پڑھتے رہے، چودھویں صدی میں آکر ان مقدس مقامات کو صرف اس خطرۂ موہوم کو آڑ بنا کر کہ لوگ وہاں شرک کریں گے، ان کے آثار تک مٹا دیئے گئے، یا کچھ باقی ہیں تو ان کو مقفل کر دیا گیا ہے، کیا وہاں بھی دیگر مساجد و مقامات مدینہ طیبہ وغیرہ کی طرح سپاہیوں کا پہرہ بٹھا کر مزعوم شرک کی روک تھام نہ ہو سکتی تھی، دوسرے صحابہ کرام کے بیسیوں واقعات سے استبراک ثابت ہے، تو کیا ان سے بھی بڑھ کر یہ لوگ کسی

توحید خالص کے ماننے والے ہیں، میری عاجزانہ درخواست موجودہ علماء وامراءنجد سے ہے کہ وہ تلافی مافات کی طرف جلد توجہ فرمائیں،
علامہ ابن قیمؒ نے زادالمعاد کے شروع ہی میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی حدیث مسلم شریف سے نقل کی ہے کہ انہوں نے جبۂ مبارکہ نبویہ نکالا
اورفرمایا کہ یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آخرتک رہاان کے انتقال کے بعد میرے پاس آیا، چونکہ نبی کریم علیہ السلام اس کو پہنا کرتے تھے، اس لئے
ہم اس کودھوکر مریضوں کو پانی پلاتے ہیں اوران کوشفا ہوتی ہے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ جن کے حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں سات ماہ
تک مہمان رہے، حضرت ابوایوب اور زوجہ محترمہ کا معمول رہا کہ دونوں وقت حضور علیہ السلام کے لئے کھانا پیش کرتے اور جو بچتا وہ کھاتے،
کوئی نجدی مزاج کہے گا کہ ایسا تو سب ہی کرتے ہیں مگر ابھی اور دیکھئے کہ حضرت ابوایوبؓ برکت حاصل کرنے کے لئے وہیں انگلیاں ڈالتے
ہیں جہاں حضور اکرم علیہ السلام کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوا دیکھتے تھے (زرقانی، وفاء الوفا، حاکم واصابہ)

افسوس ہے کہ ہمارے نجدی بھائی اوران کے ہم خیال ایسی باتوں کو مہمل خیال کرتے ہیں، حدیث سے جماعت نوافل کا بھی ثبوت ہوا، مگر جتنا ثبوت ہے، اتنا ہی رہنا چاہئے، کیونکہ نہ اس جماعت کے لئے کوئی تداعی یا اہتمام ہوا نہ اس کا بار بار تکرار ہوا، بلکہ مسجد نبوی میں تو تراویح و کسوف کے علاوہ دوسرے نوافل کی حضور علیہ السلام نے جماعت کرائی ہی نہیں، اس لئے فقہاء نے یہ استنباط بجا کیا کہ نوافل کی جماعت تراعی واہتمام کے ساتھ خلاف سنت ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تداعی واہتمام کی صورت اصل مذہب میں متعین نہ تھی، بعد کے مشائخ نے وضاحت کردی لہٰذا اب وہی معمول بہا رہے گی، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ نماز تہجد وغیرہ کی جماعت رمضان میں بھی مکروہ تحریمی ہے اگر چار مقتدی ہوں خواہ خود جمع ہوں یا بطلب آئیں، تین میں اختلاف ہے اور دو میں کراہت نہیں کذا فی کتب الفقہ (فتاوی رشیدیہ ص۲۸۹وص۲۹۹)

باب المساجد فی البیوت وصلی البرآء بن عازب فی مسجد فی داره جماعةً

(گھروں کی مسجدیں اور براء بن عازبؓ نے اپنے گھر کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھی)

(۴۱۰) حدثنا سعید بن عمیر قال نا اللیث قال حدثنی عقیل عن ابن شهاب قال اخبر نی محمود بن الربیع الانصاری ان عتبان بن مالک و هو من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ممن شهد بدراً من الا نصار انه الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله قد انکرت بصری و انا اصلے لقومی فاذا کانت الا مطار سال الوادی الذی بینی و بینهم لم استطع ان اٰتی مسجد هم فا صلی بهم و وددت یا رسول الله انک تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذه مصلی قال فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم سا فعل ان شاء الله تعالی قال عتبان فغدا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم و ابوبکر حین ارتفع النهار فاستاذن رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذنت له فلم یجلس حین دخل البیت ثم قال این یحب ان اصلے من بیتک قال فاشرت له الی ناحیة من البیت فقام رسول الله صلی الله علیه وسلم فکبر فقمنا فصففنا فصلے رکعتین ثم سلم قال و حبسناه علی خزیرة صنعنا ها له قال فثاب فی البیت رجال من اهل الدار ذوو عدد فاجتمعوا فقال قائل منهم این مالک بن الدخیشن فقال بعضهم ذلک منافق لا یحب الله و رسوله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تقل ذلک الا تراه قد قال لا اله الا الله یرید بذلک وجه الله قال الله ورسوله اعلم قال فانا نریٰ وجهه و نصیحته الی المنافقین قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فان الله عزو جل قد حرم علے النار من قال لآ اله الا الله یبتغی بذلک وجه الله قال ابن شهاب ثم سالت الحصین بن محمد الانصاری وهو احد بنی سالم وهو من سراتهم عن حدیث محمود بن الربیع فصدقه بذلک.

ترجمہ: حضرت محمود بن ربیع انصاری نے خبر دی کہ حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور غزوہ بدر کے شرکاء میں تھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میری بینائی میں کچھ فرق آگیا ہے اور میں اپنی قوم کے لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں، لیکن جب موسم برسات آتا ہے تو میرے اور میری قوم کے درمیان جو نشیبی علاقہ ہے وہ بھر جاتا ہے اور میں انہیں نماز پڑھانے کے لئے مسجد تک جانے سے معذور ہوجاتا ہوں اور یا رسول اللہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور کسی جگہ نماز ادا فرمائیں تاکہ میں اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہاری اس خواہش کو پورا کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، عتبان نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق عنہ دوسرے دن جب دن چڑھا تو تشریف لائے، رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور میں نے اجازت دی، جب آپ گھر میں تشریف لائے تو بیٹھے نہیں بلکہ پوچھا کہ تم اپنے گھر کے کس حصہ میں مجھ سے نماز پڑھنے کی خواہش رکھتے ہو، انہوں نے کہا کہ میں نے گھر میں ایک طرف اشارہ کیا، رسول اللہ ﷺ (اس جگہ) کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی ہم بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور صف بستہ ہو گئے، آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی پھر سلام پھیرا، کہا کہ ہم نے آپ کو تھوڑی دیر کے لئے روکا اور آپ کی خدمت میں حریرہ پیش کیا جو آپ ہی کے لئے تیار کیا گیا تھا، عتبان نے کہا کہ محلّہ والوں کا ایک مجمع گھر میں لگ گیا، مجمع میں سے ایک شخص بولا کہ مالک بن دخیشن یا (یہ کہا) ابن دخشن دکھائی نہیں دیتا، اس پر دوسرے نے لقمہ دیا کہ وہ تو منافق ہے جسے خدا اور رسول سے کوئی تعلق نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ نہ کہو، دیکھتے نہیں کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہے اور اس سے مقصود خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، منافقت کا الزام لگانے والے نے (یہ سن کر) کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے، ہم تو اس کی توجہات اور ہمدردیاں منافقوں کے ساتھ دیکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے لا الٰہ الا اللہ کہنے والے پر اگر اس کا مقصد خدا کی خوشنودی ہو، دوزخ کی آگ حرام کردی ہے، ابن شہاب نے بیان کیا کہ پھر میں نے حصین بن محمد انصاری سے جو بنو سالم کے ایک فرد ہیں اور ان کے سرداروں میں سے ہیں محمود بن ربیع کی (اس حدیث) کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

تشریح: یہاں مسجد سے مراد یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ مخصوص کرلی جائے، اس لئے اس پر عام مساجد کے احکام نافذ نہیں ہوں گے اور جس شخص کو یہ گھر وراثت میں ملے گا مسجد بھی اسی کے ساتھ ملے گی، منیۃ المصلی میں ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی مسجد میں جو گھر کے احاطہ میں اس نے بنائی ہے نماز باجماعت پڑھے تو وہ مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت سے محروم رہے گا مگر تارک جماعت نہ ہوگا، یہ مسئلہ صرف اسی میں ہے اور گھروں میں نماز جماعت کا ثبوت امراء جور کے زمانہ میں اور دوسرے اعذار کے وقت بھی ہوا ہے (فیض الباری ص ۱۴۱ ج ۲)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عتبان نے فرمایا اصابنی فی بصری بعض الشیء جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بینائی بالکل نہیں جاتی رہی تھی، عتبان بن مالک کو آں حضور ﷺ نے جماعت چھوڑنے کی اجازت دی تھی لیکن ابن ام مکتوم کو اس کی اجازت نہیں دی تھی کیونکہ یہ مادرزاد نابینا تھے، خزیرہ عرب کا ایک کھانا، گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلئے جاتے تھے، پھر پانی ڈال کر انہیں پکایا جاتا تھا جب خوب پک جاتا تو اوپر سے آٹا چھڑک دیتے، اسے عرب خزیرہ کہتے تھے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ گوشت کو رات بھر کچا چھوڑ دیتے تھے، پھر صبح کو مذکورہ صورت سے پکاتے تھے۔

حاطب بن ابی بلتعہ مومن صادق تھے لیکن اپنی بیوی اور بچوں کی محبت میں آں حضور ﷺ کی لشکر کشی کی اطلاع مکہ کے مشرکوں کو دینے کی کوشش کی، یہ ان کی ایک بہت بڑی غلطی تھی لیکن اس سے ان کے ایمان واسلام میں کوئی فرق نہیں آیا، ممکن ہے مالک بن دخشن کی دنیاوی ہمدردیاں بھی منافقوں کے ساتھ اسی طرح کی ہوں اور عام صحابہ نے ان کی اس روش کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا ہو لیکن نبی کریم ﷺ کی اس تصریح کے بعد آپ کے مومن ہونے کی پوری طرح تصدیق ہوجاتی ہے، آپ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ساتھ تھے اور حضرت

ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے آپ کی منافقوں کے ساتھ ہمدردانہ روش پر شبہ کا اظہار کیا تو آں حضور ﷺ نے یہی فرمایا تھا کہ کیا غزوۂ بدر میں وہ شریک نہیں تھے؟!

باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ وکان ابن عمر یبداء برجلہ الیمنی فاذاخرج بدأ برجلہ الیسری

(مسجد میں داخل ہوئے اور دوسرے کاموں میں داہنی طرف سے ابتداء کرنا! ابن عمرؓ مسجد میں داخل ہونے کے لئے داہنے پاؤں سے ابتداء کرتے تھے اور نکلنے کے لئے بائیں پاؤں سے)

(۴۱۱) حدثنا سلیمان بن حرب قال نا شعبة عن الا شعث بن سلیم عن ابیه عن مسروق عن عائشة قالت کان النبی ﷺ یحب التیمن ما استطاع فی شأنه کله فی طهوره و ترجله وتنعله.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام کاموں میں جہاں تک ممکن ہوتا داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے، طہارت کے وقت بھی، کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں بھی۔

تشریح: (۴۱۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے یہ افعال بطور عادت تھے، بطور عبادت کے نہیں جیسا کہ شارح وقایہ نے لکھا اور نہ حضور کی مواظبت و ہمیشگی سے یہ افعال مسنون ہو جاتے، کیونکہ تعبد وتعود میں فرق ہے، لہٰذا مستحب ہوں گے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تراجم میں لکھا۔

باب هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد لقول النبی ﷺ لعن الله الیهود اتخذوا قبور انبیائهم مساجد و مایکره من الصلٰوة فی القبور ورآی عمر بن الخطابؓ انس بن مالک یصلی عند قبر فقال القبر القبر ولم یامر بالاعادة

(کیا دور جاہلیت میں مرے ہوئے مشرکوں کی قبروں کو کھود کر ان پر مساجد کی تعمیر کی جا سکتی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا نے یہودیوں پر لعنت بھیجی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنالیں اور قبروں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت انس بن مالکؓ کو ایک قبر کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ قبر سے بچو، قبر سے بچو، لیکن آپ نے ان سے اعادہ کے لئے نہیں فرمایا)

(۴۱۲) حدثنا محمد بن المثنیٰ قال نا یحییٰ عن هشام قال اخبرنی ابی عن عائشة ان ام حبیبة و ام سلمة ذکر نا کنیسة راینها بالحبشة فیها تصاویر فذکر تا ذلک للنبی ﷺ فقال ان اولٰئک اذا کان فیهم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبره مسجداً و صورو فیه تلک الصور فاولٰئک شرار الخلق عند الله یوم القیٰمة.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے بتلایا کہ ام حبیبہ اور ام سلمہ نے ایک کلیسا کا ذکر کیا جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصویریں تھیں، انہوں نے اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے بھی کیا، آپ نے فرمایا کہ ان کا یہ حال تھا کہ اگر ان کا کوئی نیکوکار صالح شخص فوت ہو جاتا تو وہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں یہی تصویریں بنا دیتے، یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں قیامت کے دن بدترین مخلوق ہوں گے۔

تشریح: (۴۱۲) انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر نماز پڑھنے میں ایک طرح ان کی تعظیم وتکریم کا پہلو نکلتا ہے اور کفار اور یہود اسی طرح گمراہی

میں مبتلا ہوئے اس لئے یہودیوں کے اس فعل پر لعنت ہے خدا کی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں اوران میں تصاویر بنا کر پرستش کی، لیکن مشرکین کی قبروں کو اکھاڑ کران پر مسجد کی تعمیر میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان کی تعظیم کا خیال ہی پیدا نہیں ہوسکتا اس کے علاوہ مشرکوں کی قبروں کی اہانت جائز ہے، اس لئے آں حضور کی حدیث اور آپ کے عمل میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۴۱۳) حدثنا مسدد قال ثنا عبدالوارث عن ابی التیاح عن انس بن مالک قال قدم النبی ﷺ المدینة فنزل اعلے المدینة فی حی یقال لهم بنو عمر و بن عوف فاتام النبی ﷺ فیهم اربعاً وعشرین لیلة ثم ارسل الی بنی النجار فجاء و متقلدین السیوف فکانی انظر الی النبی ﷺ علے راحلته و ابو بکر رفه و ملأ بنی النجار حوله حتی القی بفناء ابی ایوب و کان یحب ان یصلے حیث ادرکته الصلوٰة و یصلی فی مرابض الغنم و انه امر ببناء المسجد فارسل الی ملاء بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا، قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الی الله عز و جل قال انس فکان فیه ما اقول لکم قبور المشرکین وفیه خرب و فیه نحل فامر النبی ﷺ بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسویت و بالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد وجعلوا عضادتیه الحجارة وجعلوا ینقلون الصخر وهم یرتجزون النبی ﷺ معهم وهو یقول اللهم لا خیر الا خیر الأخره فاغفر الانصار و المهاجره.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہاں کے بالائی علاقہ میں بنوعمرو بن عوف کے یہاں (قبامیں) ٹھہرے نبی اکرم ﷺ نے یہاں چوبیس دن قیام فرمایا پھر آپ نے بنونجار کو بلا بھیجا تو وہ لوگ تلواریں لٹکائے ہوئے آئے، گویا میری نظروں کے سامنے یہ منظر ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر تشریف فرما ہیں، ابوبکر صدیقؓ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں اور بنونجار کی جماعت آپ کے چاروں طرف ہے، اسی حال میں ابوایوب کے گھر کے سامنے آپ نے اپنا سامان اتارا اور نبی کریم ﷺ یہ پسند کرتے تھے کہ جہاں بھی نماز کا وقت آجائے فوراً نماز ادا کرلیں، آپ بکریوں کے باڑوں میں بھی نماز پڑھا کرتے تھے اور آپ نے یہاں مسجد بنانے کے لئے فرمایا، چنانچہ آپ نے بنونجار کے لوگوں کو بلوا کر فرمایا کہ اے بنونجار! تم اپنے اس باغیچہ کی قیمت لے لو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں یارسول اللہ ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے، ہم تو صرف خداوند تعالیٰ سے اس کا اجر مانگتے ہیں۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ میں جیسا کہ تمہیں بتارہا تھا یہاں مشرکین کی قبریں تھیں اس احاطہ میں ایک ویران جگہ تھی اور کچھ کھجور کے درخت تھے نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی قبروں کو حکم دے کر اکھڑ وادیا، ویرانہ کو صاف اور برابر کرایا اور درختوں کو کٹوادیا، لوگوں نے ان درختوں کو مسجد کے قبلہ کی جانب نصب کردیا اور پتھروں کے ذریعہ مسجد کی دونوں جانب کو مضبوط بنادیا، صحابہ پتھر اٹھاتے ہوئے رجز پڑھتے تھے اور نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ آخرت کی بھلائی کے علاوہ اور کوئی بھلائی (قابل توجہ) نہیں، پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمایئے۔

تشریح: جب عرب کسی بڑی شخصیت سے ملنے جاتے تو ان کی یہ ایک وضع تھی کہ تلوار گردن سے لٹکا لیتے تھے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ کھجور کے ان درختوں سے قبلہ کی دیوار بنائی گئی تھی اور کھڑا کر کے اینٹ اور گارے سے انہیں استوار کردیا گیا تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چھت کا وہ حصہ جو قبلہ کی طرف تھا اس میں ان درختوں کا استعمال کیا گیا تھا، رجز شعر سے مختلف چیز ہے، یہ نام عرب جاہلیت کا رکھا ہوا ہے، اس کی صورت فقرہ بندی یا تک بندی کی سی ہوتی تھی۔

علامہ کرمانی نے لکھا کہ حدیث میں چونکہ لعنت کو قبور انبیاء علیہم السلام اکھاڑ کر مساجد بنانے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، اس لئے جائز ہوگا کہ غیر انبیاء وصالحین کی قبور مسمار کر کے اس جگہ مساجد بنالی جائیں، جیسا کہ خود حضور علیہ السلام نے مسجد نبوی کے لئے بھی کیا ہے، علامہ

قسطلانی وحافظ نے لکھا کہ قبور مشرکین کے لئے چونکہ کوئی حرمت نہیں ہے اس لئے ان کو اکھاڑ کر مسجد بنانا جائز ہوا بخلاف قبور انبیاء اوران کے اتباع کے کہ ان کی قبور کو اکھاڑنے میں ان کی اہانت ہے، لہٰذا حضور اکرم ﷺ کے ارشاد وفعل میں کوئی تعارض نہیں ہے، البتہ علامہ نے مشرکین کے ساتھ لا ذمۃ لہم کی قید بڑھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل ذمہ مشرکین کی قبور کو نہ اکھاڑا جائے، غالباً اس لئے کہ اہل ذمہ کے اموال واعراض بھی اہل اسلام کی طرح قابل احترام ہوتے ہیں اوران کی قبور کی اہانت درست نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ نے لعنت کی وجہ تشبیہ بعبدۃ الاوثان بتلائی، یعنی یہود ونصاریٰ اس لئے ملعون قرار پائے کہ پہلے انہوں نے بطور یادگار انبیاء وصالحین کی قبور پر مسجدیں بنائیں پھران میں تصاویر رکھ کر بت پرستوں کی طرح پوجا کرنے لگے تھے، گویا لعنت کی وجہ یہ تشبہ تھی، لہٰذا اگر مقابر مسلمین کی زمین ہموار کرکے مسجد بنالیں تب بھی جائز ہوگا، کیونکہ تشبہ نہ ہوگا، البتہ قبور مشرکین کو اگر بغیر نبش کے یونہی زمین ہموار کرکے مساجد بنائیں گے تو وہ درست نہ ہوگا، کیونکہ وہ محل عذاب ہے بوجہ وجود اجسام مشرکین تحت الارض البتہ مسلمانوں کی قبور اگر نماز کے وقت قدموں کے نیچے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں (جیسا کہ حطیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مرقد ہے اور وہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ حاشیہ) پھر لکھا کہ اگر باوجود اس کے بھی مقابر میں نماز پڑھی جائے گی خواہ قبور صالحین کی ہوں یا دوسری، تو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ہوگی (لامع الدراری ص ۱۶۵ ج ۱) اس آخری مسئلہ میں تامل ہے، کیونکہ جامع صغیر سے حضرت علامہ کشمیریؒ نے نقل کیا تھا کہ اگر قبر اور مصلی کے درمیان سترہ ہو تو نماز بلا کراہت درست ہے اور اگر قبر کے سامنے نہ ہو بلکہ جوانب میں ہو تب بھی نماز میں کراہت نہ ہوگی، ممکن ہے حضرتؒ نے بلا سترہ والی نماز مراد لی ہو۔

علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ علماء نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کی ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ کہیں تعظیم میں مبالغہ کی صورت نہ بن جائے اور لوگ عقیدہ ضعیف کرکے فتنہ میں نہ پڑ جائیں کہ پھر یہی چیز کفر وشرک تک پہنچا سکتی ہے، جیسا کہ پہلی امتوں میں ہو چکا ہے اور اسی لئے جب صحابۂ کرام نے مسجد نبوی میں توسیع کی ضرورت محسوس کی تو قبر نبوی کو بڑی بڑی دیواروں کے ساتھ گھیر دیا تاکہ قبر مبارک ظاہر نہ رہے ورنہ عوام وجہال اسی کی طرف نماز پڑھنے لگتے، محقق امت علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ ممانعت نبوی کا مقصد قبور انبیاء پر سجود سے روکنا ہے اور بعض کے نزدیک قبلہ بنانے سے روکنا ہے کہ اس کی طرف نماز نہ پڑھیں، علامہ ملا علی قاریؒ نے لکھا کہ سبب لعنت یا تو یہ ہے کہ یہود قبور انبیاء پر تعظیمی سجدہ کرتے تھے، جو شرک جلی تھا یا یہ تھا کہ وہ خدا کی نماز بھی مقابر انبیاء ہی میں ان کی قبور کی طرف توجہ کرکے پڑھتے تھے کہ عبادت خدا کی اور تعظیم مفرط انبیاء کی دونوں ایک ساتھ انجام دیں جو شرک خفی تھا، کیونکہ اس میں مخلوق کی تعظیم حدود اذن خداوندی سے متجاوز ہوگئی تھی اس کو ہمارے ائمہ میں سے بعض شارحین نے ذکر کیا ہے (اوجز ص ۲۱۰ ج ۲) ہم نے زیادہ تفصیل یہاں اس لئے دیدی ہے کہ اکابر کے سب اقوال کی روشنی میں وجوہ ممانعت اچھی طرح واضح ہو جائیں اور پھر جو کچھ افراط وتفریط پہلے لوگوں سے ہوگئی ہے وہ بھی سمجھ لی جائے اور خاص طور سے یہ بات بھی ذہن نشین ہو جائے کہ ہر تعظیم غیر اللہ کو شرک قرار دیدینا بھی کوئی دینی وعلمی خدمت نہیں ہے، اب حال یہ ہے کہ ایک طرف تو ہر تعظیم شرک سے کم نہیں اور دوسری طرف وہ تعظیم بھی جائز مطلق جو حدود مالم یأذن به الله میں داخل ہے، چونکہ ہمارے بعض اکابر متاخرین سے بھی کہیں بے جا تساہل اور کہیں بے جا تشدد ہوگیا ہے اور ان کی وجہ سے نزاعات کی خلیج بہت بڑھی ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ متقدمین کے فیصلوں کو نظر انداز کرنے کی روش ختم ہو اور اتحاد کلمہ کے لئے راہیں ہموار ہوں۔ واللہ المیسر۔

مقصد نبوی: حضور اکرم ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ میری قبر پر میلہ کی طرح اجتماع نہ ہو اور نہ میری قبر کی اتنی زیادہ تعظیم کی جائے کہ یہود ونصاریٰ اور بت پرستوں کے مشابہ ہو جائے جس کو صحابہ کرام نے یحذر ما صنعوا سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ غایت تعظیم کا درجہ ہی عبادت ہے، جو غیر اللہ کے لئے جائز نہیں، لیکن اس درجہ سے نازل جتنے بھی درجات ہیں وہ سب درجہ بدرجہ شعائر اللہ انبیاء عظام واولیاء کرام اور

مقامات مقدسہ کے لئے نہ صرف جائز بلکہ واجب و مستحب بھی ہیں، اس کے خلاف جو بھی فیصلہ کرے وہ افراط و تفریط میں مبتلا ہے۔

مسجد بجوار صالحین

یہاں یہ مسئلہ بھی لائق ذکر ہے کہ مقابر کے اندر یا قبور صالحین کے پاس مسجد بنانا کیسا ہے؟ نجدی حضرات نے تو حرمین شریفین کے پختہ مزارات صحابہ و تابعین کا انہدام کیا تھا تو جن مزارات کے ساتھ مساجد تھیں وہ بھی منہدم کرادی تھیں، حالانکہ اکابر اہل سنت نے اگرچہ مزارات پختہ بنانے کو ناجائز قرار دیا مگر جو بن گئے تھے ان کا انہدام بھی کبھی پسند نہیں کیا تھا، کیونکہ اس سے بھی مقبورین کی توہین ہوتی ہے، اور اس اہانت سے بچنا چاہئے تھا تاہم انہدام مساجد کی تو کوئی بھی شرعی معقولیت نہ تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علماء وعوام نے ان مساجد کو مقابر کی مساجد قرار دیا، حافظ نے لکھا کہ امام احمد و اہل ظاہر مقبرہ میں نماز کو ناجائز فرماتے ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ مقبرہ حمام نماز کی جگہ نہیں ہے، امام احمد وغیرہ نے اس کے ظاہر پر عمل کیا اور دوسرے اس کی علت نکال کر اس پر مدار رکھتے ہیں، مثلاً امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مقبرے میں اگر قبریں ٹوٹی پھوٹی یا ادھڑی پڑی ہوں اور مقبورین کے لحم و شحم خون و پیپ وہاں کی مٹی میں مل گیا ہو تو ایسے مقبرہ میں نماز نہ پڑھی جائے اور اگر پاک صاف جگہ ہو تو نماز جائز بلا کراہت ہے، امام مالک بھی مقبرے میں نماز بلا کراہت جائز فرماتے ہیں، امام ابوحنیفہ، ثوری و اوزاعی کراہت کے قائل ہیں، بوجہ نجاست وغیرہ۔

علامہ بیضاوی نے لکھا کہ یہود و نصاریٰ قبور انبیاء علیہم السلام کو سجدہ تعظیمی کرتے اور ان کو قبلہ بناتے تھے کہ نماز بھی ان ہی کی طرف کو پڑھتے تھے، اس لئے ان پر لعنت کی گئی لیکن اگر کسی صالح کے قرب میں محض برکت کے خیال سے مسجد بنائی جائے تو وعید میں داخل نہ ہوگی، غرض ممانعت صرف اس ڈر سے ہے کہ قبر کو وثن و بت نہ بنالیا جائے، لیکن اس سے امن و اطمینان ہو تو کوئی ممانعت نہ ہوگی، البتہ بعض لوگوں نے سد ذرائع کے طور پر روکا ہے تو یہ بھی معقول وجہ ہے (فتح الباری بحوالہ فتح الملہم ص ۱۲۱ ج ۲) علامہ ابن حزم نے پانچ صحابہ سے **ممانعت صلوٰۃ عند القبر** نقل کی ہے اور پھر یہ بھی دعویٰ کیا کہ اس کے خلاف کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے، حالانکہ علامہ خطابی نے معالم السنن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رخصت **صلوٰۃ فی المقبرہ** نقل کی ہے اور حسن بصری نے بھی مقبرہ میں نماز پڑھی ہے (فتح الملہم ص ۱۲۱ ج ۲) حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع سے پوچھا کہ ابن عمر وسط قبور میں نماز کو مکروہ سمجھتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے خود حضرت عائشہ و حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ بقیع کے قبرستان میں پڑھی ہے، حضرت ابو ہریرہ امام تھے اور مقتدی حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ تھے (اوجز ص ۲۱۱ ج ۲ از سنن بیہقی ص ۴۳۵ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ طیبیؒ نے فرمایا جو شخص کسی صالح کے جوار میں مسجد بنائے اس طرح کہ اس کی قبر مسجد سے باہر رہے اور مقصد اس کے قرب سے برکت حاصل کرنا ہو، اس کی تعظیم یا اس کی طرف رخ کرنا نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے نفع کی بھی امید ہے۔ (فیض الباری ص ۴۲ ج ۲)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جس طرح دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے مقبرہ میں مسجد ہے یا حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قبور سے متصل مسجد ہے یا سرہند شریف و دیگر مقامات میں اولیاء عظام کے قرب میں مساجد بنی ہوئی ہیں وہ سب جواز بلا کراہت کے تحت ہیں اور ان کے اندر نماز بھی بلا کراہت جائز ہے۔

کیونکہ جامع صغیر کے حوالہ سے سترہ کے ساتھ نماز میں عندالحنفیہ کسی قسم کی بھی کراہت نہیں ہے چونکہ ایک زمانہ میں علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کے تشددات کا اثر دور دور تک پھیلا تھا، تو خیال ہوتا ہے کہ اس کے اثرات ہندوستان میں بھی آئے تھے، اور بعض مسائل میں ہمارے

اکابر کا تشدد بھی شاید اسی کے تحت ہوا ہو، چنانچہ یہ بھی نقل ہوا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جو مسجد شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مزار پر بنوائی ہے، اس کو شاہ اسحٰق صاحب اچھا نہ جانتے تھے، کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ قبرستان میں مسجد نہیں بنوانا چاہئے اور استدلال میں یہی بخاری والی حدیث پیش کرتے تھے جس کی یہ تشریح چل رہی ہے اور اسی لئے شاہ اسحٰق صاحب اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھتے الا نادراً ایک مرتبہ قبروں پر مسجد بنانے کے متعلق کسی نے آپ سے پوچھا تو فرمایا کہ نہ چاہئے، اس نے کہا کہ پھر آپ کے نانا نے کیوں بنوائی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان سے پوچھو، میرا مسلک یہی ہے (ارواح ثلاثہ ص ۹۰)

ایسا ہی ایک واقعہ ص ۳۳ پر بھی ہے وغیرہ جس سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مسلک میں توسع اور شاہ اسحٰق صاحب کے مزاج میں تشدد ثابت ہوتا ہے اور حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ کے مزاج میں بھی غیر معمولی تشدد تھا، حضرت شاہ اسحٰقؒ نے ''اربعین'' ''مأتہ مسائل'' میں بھی شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے خلاف رائے و تشدد مسئلہ استمداد قبور وغیرہ میں اختیار کیا ہے اور ہمارے حضرت علامہ کشمیریؒ کی رائے میں توسع اور عدم تشدد ان کے رسالہ ''تحلیل الذبائح فی حریم الضرائح'' سے ثابت ہے جو کشمیر سے شائع ہوا تھا اور احقر کے پاس ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جن مسائل میں حنفی مسلک پر گنجائش نکل سکتی ہو، ان میں تشدد مناسب نہیں اور اس بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا اعتدال ہمارے لئے اسوہ بنے تو اچھا ہے۔ **واللہ المسؤل ان یوفقنا لما یحب یرضاہ.**

ہمارے حضرت علامہ کشمیریؒ بھی بہ نسبت تشدد کے سہولت و توسع کو زیادہ پسند فرماتے تھے، ایک دفعہ امکان کذب کے بارے میں فرمایا کہ تعبیر اچھی نہیں، لوگ متوحش ہوں گے اور عوام اردو دان کیا سمجھیں گے کہ امکان ذاتی کیا ہے اور امتناع بالغیر کیا وہ تو یہی سمجھیں گے کہ خدا بھی ہماری طرح جھوٹ بول سکتا ہے اور اپنا عقیدہ خراب کرلیں گے، کچھ ایسا ہی حال مسئلہ امکان نظیر اور علم غیب کلی و جزئی وغیرہ کا بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ اربعا و عشرین لیلۃ: -حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا اس بات سے ثابت ہوا کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے پہلا جمعہ بنی سالم (مدینہ منورہ) میں ادا فرمایا ہے، جس کو سب ہی مانتے ہیں، حالانکہ جمعہ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکا تھا، تو اگر جمعہ دیہات میں ہوسکتا تو آپ قبا کے ۲۴ روزہ قیام میں ضرور ادا فرماتے۔ (لامع ص ۱۶۵) حاشیہ لامع ص ۸ ج ۲ میں ہے کہ حافظ ابن قیم[1] نے جو صرف چار روز قیام کی بات لکھی وہ روایات بخاری کے خلاف ہے، کیونکہ بخاری میں **باب مقدم النبی** ﷺ مدینہ میں صرف ایک دوسری روایت ۱۴ رات کی ہے اور حافظ نے اس کی تصویب بھی کی ہے، پھر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ میرے نزدیک اوفق بالروایات ۲۴ والی ہے کیونکہ اکثر روایات کی رو سے حضور علیہ السلام پیر کے دن قبا میں داخل ہوئے تھے اور جمعہ کے روز وہاں سے کوچ فرمایا، اس صورت میں دخول و خروج کا دن نکال دیں تو ۲۴ دن ہی بیٹھتے ہیں اور ۱۴ والی کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہوتی (الابواب والتراجم ص ۲۱۴ ج ۲) حافظ ابن حجر اور حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۴ والی روایت کی تصویب کی ہے شاید اس لئے کہ مسلم میں بھی ۱۴ کی روایت ہے (شرح المواہب ص ۳۵۲ ج ۱)

دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خوارزمی سے دخول قبا کا دن جمعرات کا منقول ہے، لہٰذا دخول و خروج کے دو دن نکال کر ۱۴ یوم قیام کی بات بھی درست ہوگی بلکہ نقل مذکور پر ۲۴ یوم کی صورت مرجوح ہو جاتی ہے اور ممکن ہے کہ حافظ ابن حجر اور شاہ صاحب نے اس سبب سے بھی ۱۴

---

[1] زاد المعاد میں ۱۴ دن لکھے ہیں، پھر معلوم نہیں علامہ ابن قیم کی طرف چار دن کی بات کیوں منسوب ہوگئی، سیرۃ النبی ص ۲۷۵ ج ۱ میں تمام مورخین و ارباب سیر کی طرف چار دن کا قول منسوب کیا ہے، بظاہر یہ عمومی دعویٰ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ محقق مورخ ابن جریر طبری نے ذکر کیا کہ حضرت علیؓ حضور علیہ السلام کے بعد تین روز تک مکہ معظمہ میں ٹھیرے، پھر پیدل چل کر قبا پہنچے اور حضور علیہ السلام سے قبا ہی میں مل گئے اور حضرت اسماءؓ بھی آپ کی موجودگی قبا کے دوران مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر قبا پہنچ گئیں، بظاہر حضرت زبیرؓ نے مکہ معظمہ پہنچ کر ان کو مدینہ منورہ کے لئے روانہ کیا ہوگا (جو حضور علیہ السلام سے شام سے واپسی میں ملے تھے) اور کچھ وقت ان کو مکہ معظمہ پہنچنے میں بھی لگا ہوگا پھر یہ سب ۳، ۴ روز میں کیونکر ممکن تھا؟ اور شرح مواہب میں بھی جو سیرت کی اہم ترین کتاب ہے ۱۴ رات کا قیام قبا کا ذکر ہے، پھر اگر کسی تاریخ یا سیرت کی کتاب میں چار کا قول بھی دوسرے اقوال کے ساتھ نقل ہوا ہے تو یہ کہہ دینا کیا مناسب ہے کہ تمام مورخین اور ارباب سیر نے چار دن لکھے ہیں۔

کی تصویب کی ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ حضور علیہ السلام سیدھے مدینہ میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اوپر کے حصے سے قبا کی طرف سے داخل ہوئے تھے اور دخول اعلی المدینہ (قبا) کی صواب تر تاریخ ۸ ربیع الاول ۱ھ ہے جو ۲۴ جون ۶۲۲ء روز جمعرات کے مطابق ہوتی ہے۔

اس طرح مکمل ۱۴ روز قیام کے بعد جمعہ ۲۳ ربیع الاول ۱ھ، جولائی ۶۲۲ء کو شہر مدینہ منورہ میں داخلہ صحیح ہوتا ہے، دخول قبا والا دن جمعرات اور دخول مدینہ طیبہ کا دن جمعہ حساب میں نہ لگے گا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ذکی الدین مصری ہیئت جدید وقدیم کا ماہر تھا، اس نے فرانسیسی میں کتاب لکھی ہے جس میں شمسی تاریخوں کو قمری کے مطابق کیا ہے اور حضور علیہ السلام کے زمانہ کے کسوف کو بھی متعین کیا ہے اس کتاب کا عربی ترجمہ "افادۃ الافہام" کے نام سے ہوا ہے اور اچھی کتاب ہے۔

حضرتؒ نے اس ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ میں صرف حرمین میں رہا ہوں، مصر نہیں گیا، فصیح عربی بولنے میں علماء حرمین کو میرے ساتھ تکلف ہوتا تھا، البتہ بغداد کے ایک عالم اور صاحب رسالہ حمیدیہ کہ وہ میرے ساتھ ایک ماہ رہے مگر وہ بھی بعض اوقات تکلف سے اور سوچ سوچ کر میری باتوں کا جواب دیتے تھے، احقر عرض کرتا ہے کہ حرمین مصر وغیرہ کے علماء کا حال ہمارے زمانہ قیام حرمین ومصر میں بھی ایسا ہی تھا، کیونکہ وہ لوگ گفتگو میں وارجہ زبان کے عادی ہوگئے ہیں، اس لئے فصیح زبان میں ان کو تکلف ہوتا ہے، تاہم لکھنے کی زبان ان لوگوں کی بہت اعلیٰ ہے، دوسری وجہ حضرتؒ کے ساتھ تکلف کی یہ بھی ہوگی کہ حضرتؒ بحر العلوم تھے، ان کا ساتھ علماء عصر نہ دے سکتے تھے اور حضرت کے آخری جملہ سے بھی یہی بات نکلتی ہے، نیز معلوم ہوا کہ حیات انور ص ۲۲۴ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم کے مضمون میں جو یہ چھپ گیا ہے کہ حضرتؒ مصر گئے تھے، وہ غلط ہے، کاش! وہ مصر، ترکی اور شام وعراق گئے ہوتے اور علامہ کوثری ایسے علماء عصر سے ملتے تو بات ہی کچھ اور ہوتی اور دنیائے علم میں انقلاب عظیم آجاتا۔ واللہ غالب علی امرہ۔

افادۂ علمیہ مہمہ: قوله وهو يقول اللهم لا خير الا خير الآخرة پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- اخفش (امام نحو) کی رائے ہے کہ رجز بحور اشعار میں سے نہیں ہے، دوسرے علماء نحو اسی میں سے مانتے ہیں مگر میرے نزدیک اخفش کی رائے دقیق وقوی ہے، رجز اردو کے فقرہ بندی وتک بندی کی طرح ہے اور شعر ورجز کو مقابل سمجھا جاتا تھا، چنانچہ تبابع یمن کے ہاں راجز بھی ہوتے تھے اور شاعر بھی اور تمام شعراء کے بعد راجز سناتا تھا، لہٰذا رجز شعر کے علاوہ ہے پھر جو لوگ رجز کو شعر میں داخل مانتے ہیں وہ بھی اس میں قصد وارادہ کو ضروری سمجھتے کہتے ہیں، تو حضور اکرم ﷺ سے انشاء شعر تو کسی طرح ثابت نہیں ہے یعنی آپ نے خود شاعری نہیں کی، نہ کوئی شعر کبھی کہا کیونکہ آپ کی شان گرامی کے لئے مناسب وموزوں نہ تھا، البتہ دوسروں کے اشعار یا رجز پڑھے ہیں اور اشعار پڑھنے میں بھی جان بوجھ کر وزن توڑ دیتے تھے جن پر حضرت ابوبکر صدیقؓ فرما بھی دیا کرتے تھے کہ حضرت! اس طرح نہیں ہے، اور آپ جواب میں فرمادیتے تھے کہ میں شاعر نہیں ہوں، آپ سے یہ شعر بھی پڑھنا ثابت ہے، جس کے اسناد میں ائمہ نحو ہیں۔

تفاء ل بما تهوىٰ يكن فلقلما يقال لشيء كان الا تحقق

اصل شعر میں تحققا الف کے ساتھ تھا جس کو آپ نے توڑ دیا۔ العرف الشذی اور فیض الباری میں تحققاً چھپا ہے جو غلط[1] ہے کیونکہ سنن

---

[1] "العرف الشذی" حضرت شاہ صاحبؒ کے درس ترمذی دیوبند کی یادگار ہے، جو ایک طالب علم نے قلمبند کی تھی، اس میں سینکڑوں غلطیاں ضبط وکتابت وطباعت کی ہیں اور حضرتؒ اس سے خوش نہ تھے، مجلس علمی ڈابھیل کے زمانہ میں حضرتؒ کی زندگی میں کئی بار امالی درس بخاری شریف کی اشاعت کے لئے بھی تحریک ہوئی مگر حضرتؒ مطمئن نہ ہوئے پھر وفات کے بعد راقم الحروف نے حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی ثم مدنیؒ سے یہ کام کرایا جس کو نصب الرایہ کے ساتھ ہی فیض الباری کے نام سے مصر میں ہم لوگوں نے طبع کرادیا تھا وہاں نصب الرایہ کے مسودات پر نظر ثانی اور تصحیح و پروف کا کام احقر کے سپرد تھا اور فیض الباری کا رفیق محترم

بیہقی ص ۳۴۳ ج ۷ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا حضور علیہ السلام نے کبھی پورا شعر نہیں پڑھا، مگر ایک، اور پھر یہی مذکورہ بالا شعر ذکر کیا، اس کے بعد امام بیہقی نے فرمایا کہ رجز پڑھنے کا ثبوت حضور علیہ السلام سے ضرور ہوا ہے اور پھر سندوں کے ساتھ آپ کے پڑھے ہوئے بہت سے رجزوں کا ذکر کیا، پھر یہ اختلاف ہے کہ قرآن مجید سے شعر میں اقتباس جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً

ایها الناس اتقوا ربکم–زلزلة الساعة شیء عظیم–ومن یتق الله یجعل له–و یرزقه من حیث لا یحتسب

یہاں ایک ایک لفظ کم کر کے شعر بنا دیا ہے، اس طرح شافعیہ کے یہاں جائز ہے، مگر ہمارے یہاں جائز نہیں ہے اور اس سے مجھے تو خوف ہی ہے، اگر بغیر کم کئے ہو جائے تو خیر!

باب الصلوٰة فی مرابض الغنم

(بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا)

(۴۱۴) حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن ابی التیاح عن انس بن مالک قال کان النبی ﷺ یصلی فی مرابض الغنم ثم سمعته بعد یقول کان یصلی فی مرابض الغنم قبل ان یبنی المسجد.

ترجمہ: حضرت ابوالتیاح کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھتے تھے، پھر میں نے انہیں یہ کہتے سنا کہ نبی کریم ﷺ بکریوں کے باڑوں میں نماز مسجد کی تعمیر سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: عرب بکریاں اور اونٹ پالتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، جہاں رات کے وقت انہیں لا کر وہ باندھتے تھے ان میں ایک طرف اپنے اٹھنے بیٹھنے کی بھی جگہ بنا لیا کرتے تھے جس کی صفائی کا بھی التزام رکھتے تھے، چونکہ مساجد کی ابھی تعمیر نہیں ہوئی تھی اور نماز پڑھنے کے لئے اسلام میں کسی خاص جگہ کی قید نہیں تھی، اس لئے آں حضور ﷺ نے بھی اور صحابہؓ نے بھی بکریوں کے ان باڑوں میں نماز ادا فرمائی پھر یہاں کی بھی کوئی تخصیص نہیں تھی، جہاں بھی نماز کا وقت ہو جاتا آپ فوراً ادا کر لیتے، جب مسجد کی تعمیر ہو گئی تو اب عام حالات میں نماز مسجد ہی میں پڑھنا بہتر قرار پایا۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری سے متعلق تھا، موصوف نے مولانا موصوف کے علم و فضل اور تالیفی محاسن کے اعتراف کے ساتھ ہی اس کی فروگذاشتوں کا بھی مقدمہ میں ذکر کر دیا تھا تا کہ العرف الشذی کی طرح حضرتؒ ماخوذ نہ ہوں، اور جتنی اصلاحات وہ کر سکے وہ کر بھی دی تھیں، لیکن افسوس ہے کہ جو لوگ مقدمہ نہیں پڑھتے وہ اب بھی غلطیوں کو حضرتؒ کی ہی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور حال ہی میں ایک مضمون بطور تبصرہ حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات و علمی کارناموں سے متعلق ''اسلام اور عصر جدید'' جامعہ نگر نئی دلی، (جولائی ۱۹۷۶ء) میں مولانا قاضی زین العابدین سجاد صاحب میرٹھی کا شائع ہوا ہے، اس میں ص ۱۰۹ پر آپ نے لکھا:- کہ'' آپ کے امالی میں فیض الباری جسے آپ کے ممتاز شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی نے آپ کی زندگی ہی میں آپ کی نظر ثانی کے بعد مرتب کیا ہے علماء و فضلا کا مرجع ہے''۔ دوسری جگہ ص ۱۱۲ پر لکھا:- ''فیض الباری حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر سے گذر چکی ہے اس سے زیادہ مستند مجموعہ آپ کے امالی کا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا''۔

احقر (سابق مدیر مجلس علمی ڈابھیل) نے یہ تبصرہ حیرت سے پڑھا اور محترم قاضی صاحب کو لکھا کہ ان کی یہ دونوں باتیں بے سند اور خلاف واقعہ ہیں، نہ فیض الباری حضرتؒ کی زندگی میں مرتب ہوئی تھی اور نہ حضرتؒ کی نظر ثانی سے مشرف ہو سکی، اگر ایسا ہوتا یا حضرتؒ اپنے قلم سے بخاری و ترمذی پر کچھ لکھ جاتے تو حضرتؒ کے علوم سے استفادہ کرنے والوں کی انتہائی خوش نصیبی ہوتی، مگر قاضی صاحب موصوف نے کوئی جواب نہیں دیا، نہ اس بے سند بات کی تردید شائع کی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہوں گے اور اس کے تسامحات و فروگذاشتوں کو بھی جو ضبط الفاظ و فہم معانی کی کمی یا حوالوں کی عدم مراجعت کی وجہ سے ہوگئی ہیں حضرتؒ کی طرف منسوب کریں گے، حالانکہ اسی سے بچانے کیلئے مولانا بنوری نے مقدمہ لکھا تھا۔

انوارالباری میں اب تک فیض الباری کے بیشتر تسامحات اور فروگذاشتوں کی اصلاح اور حوالوں کی تصحیح ہو چکی ہے، جو صاحب دونوں کو سامنے رکھ کر مقابلہ کریں گے، وہ اس کو محسوس کر لیں گے، احقر کے نزدیک اس وقت حضرتؒ کے امالی درس کے مجموعات میں سے اولویت کا شرف مولانا بنوری کی معارف السنن کو ہے، پھر انوار المحمود کو کہ اس کا کچھ حصہ حضرتؒ کے مطالعہ میں بھی آ گیا تھا اور مؤلف نے محنت بھی کافی کی تھی، ان کے بعد العرف الشذی وغیرہ ہیں، پھر بھی یہ بات حقیقت کا اظہار ہے کہ حضرتؒ کی جامعیت علوم و فنون، پورے علوم سلف و خلف کے بے نظیر وسعت مطالعہ اور آپ کی اعلیٰ تحقیق و توفیق کا ادنیٰ ترین عکس بھی کسی امالی میں نہیں آ سکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب الصلوٰة فی مواضع الابل

(اونٹوں کے رہنے کی جگہ میں نماز پڑھنا)

(۴۱۵) حدثنا صدقة بن الفضل قال حدثنا سليمان بن حيان قال حدثنا عبيد الله عن نافع قال رايت ابن عمر يصلي الىٰ بعيره وقال رايت النبي ﷺ يفعله.

ترجمہ: حضرت نافع نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو اپنے اونٹ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے دیکھا اور حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح پڑھتے دیکھا تھا۔

تشریح: اس باب وحدیث سے امام بخاری کو یہ بتلانا ہے کہ اونٹوں کے طویلہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت جن احادیث میں موجود ہے وہ دوسری وجوہ سے ہے کہ بعض اونٹ شریر ہوتے ہیں، بدک جائیں تو نماز اطمینان سے پڑھنی مشکل ہو وغیرہ، ورنہ وہ اگر سدھائے ہوئے ہوں اور سواری کے ہوں جو اکثر بہت ہی زیادہ شریف مزاج ہوتے ہیں تو ان کے پاس نماز میں کوئی حرج نہیں ہے اور حدیث الباب سے یہی بات ثابت کی ہے کہ اونٹ کو سترہ بنا کر نماز پڑھی گئی ہے، اگر ان کے قرب میں فی نفسہ کوئی خرابی نماز میں آسکتی تو حضور علیہ السلام خود کیوں نماز پڑھتے، لیکن امام احمدؒ نے یہاں فقہی وقت نظر سے کام نہ لے کر ظاہری ممانعت حدیث کی وجہ سے اونٹوں کے طویلہ میں نماز کو نادرست قرار دیا ہے اور اسی کا رد امام بخاریؒ نے کیا ہے، حافظ نے یہاں لکھا کہ ممانعت والی احادیث امام بخاری کی شرط پر نہ ہوں گی، اس لئے ان کو ذکر بھی نہیں کیا، مگر میں کہتا ہوں کہ امام بخاری دوسروں کے مسلک والی احادیث روایت کرنے کا التزام ہی کب کرتے ہیں تا ویل مذکور کی جائے۔ واللہ اعلم۔

باب من صلى وقدامه تنور او نار او شيء مما يعبد فارا دبه وجه الله عزو جل وقال الزهري اخبرني انس بن مالك قال قال النبي ﷺ عرضت على النار انا اصلي

(جس نے نماز پڑھی اور اس کے سامنے تنور، آگ یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی عبادت کفار و مشرکین کے یہاں کی جاتی ہے اور نماز پڑھنے والے کا مقصد اس وقت صرف خدا کی عبادت ہو، زہری نے کہا کہ مجھے انس بن مالک نے خبر پہنچائی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے آگ (دوزخ کی) لائی گئی اور اس وقت میں نماز پڑھ رہا تھا)

(۴۱۶) حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالك عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار عن عبدالله بن عباسؓ قال انخسفت الشمس فصلى رسول الله ﷺ ثم قال اريت النار فلم ار منظرا كاليوم قط افظع.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ سورج گہن ہوا تو نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی اور فرمایا کہ مجھے دوزخ دکھائی گئی اور آج کے منظر سے بھیانک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ہمارے فقہاء حنفیہ اس حالت میں نماز کو مکروہ کہتے ہیں کہ جلتی ہوئی آگ یا انگارے سامنے موجود ہوں کیونکہ مجوسی ان کو پوجتے ہیں لیکن اگر چراغ وغیرہ سامنے ہو تو حرج نہیں کیونکہ مجوسی ان کو نہیں پوجتے اور ممکن ہے امام بخاری نے حنفیہ کی طرف تعریض کی ہو، لیکن ان کا استدلال "عرضت على النار" سے نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ عالم غیب کی چیز تھی جو بحث سے خارج ہے، البتہ امام بخاری کی طرف سے یہ عذر کیا جاسکتا ہے کہ وہ چونکہ مسائل کا فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرنا چاہتے ہیں اور احادیث کے اندر وہ متشدد ہیں تو لامحالہ اس قسم کی مناسبات بعیدہ سے فائدہ اٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں، پھر یہ کہ احادیث میں مسائل فقہیہ صراحۃً کہاں مل سکتے ہیں؟

حافظ نے لکھا کہ ابن سیرین کی طرف اشارہ ہوگا، جو تنور کی طرف نماز کو مکروہ کہتے ہیں، علامہ قسطلانی نے کہا کہ حنفیہ نے تشبہ بالعبادۃ کی

وجہ سے مکروہ کہا ہے، شرح کبیر میں ہے کہ آگ کی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے، امام احمد نے بھی قبلہ کی جانب تنور ہوتو اس کی طرف نماز سے روکا ہے بلکہ چراغ وقندیل بھی سامنے ہوتو نماز ان کے نزدیک مکروہ ہے (حاشیہ لامع ۱۶۶ج ۱ والابواب والتراجم شیخ الحدیث ۲۱۵) گویا امام بخاری نے اس باب سے حنفیہ امام احمد وغیرہ سب پر تعریض کی ہے، جبکہ استدلال کمزور ہے اور کوئی صریح حدیث بھی ان کے خلاف نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

باب کراهیة الصلوٰة فی المقابر

(مقبروں میں نماز پڑھنے کی کراہت)

(۴۱۷) حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن عبید الله بن عمر قال اخبرنی نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال اجعلو فی بیوتکم من صلوٰتکم ولا تتخذوها قبورا.

ترجمہ: حضرت نافع نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو اور انہیں بالکل قبریں نہ بنالو۔

تشریح: امام بخاریؒ ترجمۃ الباب کے مطابق کوئی حدیث نہیں لائے، حافظ نے لکھا کہ امام بخاری نے گویا حدیث ترمذی وابوداؤد کی طرف اشارہ کیا، جو ان کی شرط پر نہ ہوگی کہ ساری زمین نماز کی جگہ ہے سواء مقبرہ وحمام کے اور حدیث الباب کے جملہ "ولا تتخذوها قبورا" سے یہ استنباط کیا کہ قبریں محل عبادت نہیں ہیں، لہٰذا ان کے درمیان نماز مکروہ ہوگی۔

پہلے ذکر ہوا کہ امام احمد واہل ظاہر مقبرہ میں نماز کو حرام قرار دیتے ہیں، امام مالک بلا کراہت جائز اور حنفیہ کراہت کے ساتھ بلاسترہ کے اور سترہ ہوتو سامنے قبر میں بھی کراہت نہیں اور جانب قبلہ کے علاوہ قبور ہوتب بھی کراہت نہیں، پس اس باب سے بڑا رد تو امام مالک کا ہوتا ہے اور دلائل مذاہب کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔

افادہ انور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- حدیث الباب کی شرح مختلف طور سے کی گئی ہے، ایک یہ کہ اپنی میتوں کو گھروں میں دفن نہ کرو مگر وہ یہاں مناسب نہیں کہ بیان نماز کا ہے، دفن کا نہیں ہے، دوسرے یہ کہ گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو، گھروں کو مقابر کی طرح مت کرو کہ ان میں بغیر سترہ کے نماز نہیں پڑھ سکتے، ان جیسا گھروں کو مت بنادو۔

تیسرے یہ کہ گھروں کو قبور کی طرح معطل نہ کرو، کہ جیسے اہل قبور قبروں میں نماز نہیں پڑھتے تم بھی گھروں میں نہ پڑھو اس صورت میں ترجمۃ الباب سے مناسبت نہ رہے گی کیونکہ اس شرح میں مقبرہ میں جواز عدم جواز نماز کی بات نہ نکلے گی جبکہ امام بخاری نے فقہی کراہت کا ترجمہ وعنوان قائم کیا ہے، اگرچہ میرے نزدیک یہ شرح سب سے زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، دوسرے یہ شرح میری خاص تحقیق کے بھی خلاف ہے کیونکہ میرے نزدیک قبور میں تعطل نہیں ہے، بلکہ ان میں قراءۃ قرآن مجید، نماز، اذان وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا حج بھی ثابت ہے، شرح الصدر امام سیوطیؒ میں بھی تفصیل ہے اور اہل کشف بھی ان کے قائل ہیں، جو ہم سے زیادہ ان امور سے واقف ہوتے ہیں، لہٰذا ہم بھی ان کا انکار نہیں کرسکتے الا یہ کہ شرع میں ان کی صراحت سے انکار وارد ہوتا۔ حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ اگرچہ قبور کے اندر اصل تو تعطل ہی ہے اور مذکورہ بالا واقعات بطور مستثنیات کے ہیں، گو مستثنیات کی بھی کمی نہیں ہے، تاہم عام طور سے بھی چونکہ یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہاں تعطل ہے، اس لئے حدیث کا ظاہر درست ہی رہے گا۔

پھر فرمایا:- اگرچہ عالم دو ہیں (۱) عالم شہادۃ اور (۲) عالم غیب مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ (۳) شریعت عام لوگوں کے علم واحساس کو بھی واقعہ ونفس الامر کی طرح قرار دے دیتی ہے، جیسے آیت **والشمس تجری لمستقرلها** میں بظاہر عام ادراک واحساس کی رعایت کی

گئی ہے، پھر ہوسکتا ہے کہ نفس الامر واقعہ بھی ایسا ہی ہو یا فلک کا جریان مع اپنی جگہ ثبوت شمس کے ہو یا جیسے حدیث میں نیند کو اخ الموت کہا گیا، حالانکہ نیند میں آدمی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے یا اموات خدا کی مشیت کے ساتھ ہماری باتیں سنتے بھی ہیں (اور حضرات انبیاء علیہم السلام تو بالاتفاق سنتے ہیں، ان کے بارے میں تو کوئی اختلاف ہے ہی نہیں)

باب الصلوٰۃ فی مواضع الخسف والعذاب

ویذکر ان علیاً رضی کرہ الصلوٰۃ بخسف بابل

(عذاب کی وجہ سے دھنسی ہوئی جگہوں میں اور عذاب کے مقامات میں نماز کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بابل کی دھنسی ہوئی جگہ میں (عذاب کی وجہ سے) نماز کو ناپسند فرمایا)

(۴۱۸) حدثنا اسمٰعیل بن عبداللہ قال حدثنی مالک عن عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لا تدخلو علیٰ ھٰؤلاء المعذبین الا ان تکونو باکین فان لم تکونو اباکین فلا تدخلو علیھم لا یصیبکم ما اصابھم.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ان معذب قوموں کے آثار سے اگر تمہارا گذر ہو تو روتے ہوئے گذرو، اگر تم اس موقع پر رونہ سکو تو ان سے گذرو ہی نہ، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آجائے جس نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

تشریح: ان مقامات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگرچہ حدیث میں جو اس عنوان کے تحت دی گئی ہے نماز سے متعلق کوئی تصریح موجود نہیں ہے، لیکن اس میں اس بات کو بتلایا گیا ہے کہ ایک مومن کے دل میں ان مقامات سے گذرتے ہوئے کس طرح کا تاثر ہونا چاہئے، اس سے پہلے ایک حدیث گزرچکی ہے کہ ایک سفر میں جب رات کے آخری حصہ میں آں حضور ﷺ نے صحابہ کے ساتھ پڑاؤ ڈالا تو فجر کی نماز کا وقت گذر گیا اور آپ بیدار نہ ہوئے سورج نکلنے کے بعد جب آنکھ کھلی تو فوراً صحابہ سے فرمایا کہ یہاں سے نکل چلو کیونکہ یہاں شیطان کا اثر ہے اور تھوڑی دور جا کر آپ نے نماز ادا فرمائی اس لئے جن مقامات پر خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے وہاں بھی شیطانی اثرات ضرور ہوں گے۔

باب الصلوٰۃ فی البیعۃ وقال عمر رضی انا لا ندخل کنا ئسکم من اجل التماثیل التی فیھا الصور و کان ابن عباس یصلی فی البیعۃ الا بیعۃ فیھا التماثیل

(کلیسا میں نماز، حضرت عمرؓ کلیسا میں نماز پڑھتے تھے، لیکن جن میں مجسمے رکھے ہوتے ان میں نہیں پڑھتے تھے)

(۴۱۹) حدثنا محمد بن سلام قال اخبرنا عبدۃ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ ان ام سلمۃ ذکرت لرسول اللہ ﷺ کنیسۃ راتھا بارض الحبشۃ یقال لھا ماریۃ فذکرت لہ ما رات فیھا من الصور فقال رسول اللہ ﷺ اولٰئک قوم اذا مات فیھم العبد الصالح او الرجل الصالح بنوا علےٰ قبرہ مسجدا و صورو فیہ تلک الصور اولٰئک شرار الخلق عند اللہ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک کلیسا کا ذکر کیا ہے جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اسے ماریہ کہتے تھے، انہوں نے ان مجسموں کا بھی ذکر کیا جنہیں اس میں دیکھا تھا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسے لوگ تھے کہ اگر ان میں کوئی نیک بندہ (یا یہ فرمایا کہ) نیک شخص مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں اسی طرح کے مجسمے رکھتے یہ لوگ خدا کی بدترین مخلوق ہیں۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ کنیسہ میں نماز بلا کراہت جائز ہے، بشرطیکہ وہاں تصاویر وتماثیل نہ ہوں۔ (لامع ص ۱۷۰ ج ۱)

باب: (۴۲۰) حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی عبید الله بن عتبة ان عائشة وعبدالله بن عباس قالا لما نزل برسول الله ﷺ طفق یطرح خمیصة له علیٰ وجهه فاذا اغتم به کشفها عن وجهه فقال وهو کذلک لعنة الله علی الیهود و النصاری اتخذوا قبورا انبیآئهم مساجد یحذر ما صنعوا.

(۴۲۱) حدثناء عبدالله بن مسلمة عن مالک عن ابن شهاب عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال قاتل الله الیهود واتخذوا قبور انبیاء هم مساجد.

ترجمہ ۴۲۰: حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ مرض الوفات میں اپنی چادر کو بار بار چہرے پر ڈالتے تھے جب گھبراہٹ ہوتی یا دم گھٹتا تو چادر ہٹا دیتے آپ نے اس اضطراب و پریشانی کی حالت میں فرمایا خدا کی یہود ونصاریٰ پر لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں یہود ونصاریٰ کی بدعات سے آپ لوگوں کو ڈرا رہے تھے۔

ترجمہ ۴۲۱: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودیوں پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالی ہیں۔

تشریح: آپ نے اپنے مرض الوفات میں خاص طور سے یہود ونصاریٰ کی اس بدعت کا ذکر کیا اور ان پر لعنت بھیجی کیونکہ آپ بھی نبی تھے اور سابق میں انبیاء وصالحین کے ساتھ ایک معاملہ گزر چکا تھا، اس لئے آپ چاہتے تھے کہ اپنی امت کو اس بات پر خاص طور سے متنبہ کردیں۔

باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض مسجداً و طهوراً

(نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ مجھے روئے زمین کے ہر حصہ پر نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے)

(۴۲۲) حدثنا محمدبن سنان قال حدثنا هشیم قال حدثنا سیار هو ابو الحکم قال حدثنا یزید الفقیر قال حدثنا جابر بن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ اعطیت خمساً .... لم یعطهن احد من الانبیاء قبلی نصرت بالرعب مسیرة شهرو جعلت لی الارض مسجد و طهورا و ایمارجل من امتی ادرکته الصلوٰة فلیصل واحلت لی الغنائم و کان النبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس کافة و اعطیت الشفاعة.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء کو نہیں دی گئی تھیں، میرا رعب ایک مہینہ کی مسافت تک دشمنوں پر پڑتا ہے اور میرے لئے تمام زمین میں نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے، اس لئے میری امت کے جس فرد کی نماز کا وقت (جہاں بھی) آجائے اسے وہیں نماز پڑھ لینی چاہئے اور میرے لئے غنیمت حلال کی گئی ہے، پہلے انبیاء اپنی خاص قوموں کی ہدایت کے لئے بھیجے جاتے تھے لیکن مجھے دنیا کے تمام انسانوں کی (قیامت تک) ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔

تشریح: حافظ نے لکھا کہ شاید امام بخاری اس باب اور حدیث سے اس امر کی طرف اشارہ کر گئے کہ سابقہ ابواب میں کراہت تحریم کے لئے نہ تھی کیونکہ تمام زمین کو مسجد فرمادیا گیا۔ (فتح الباری ص ۳۵۹ ج ۱)

باب نوم المراۃ فی المسجد

(عورت کا مسجد میں سونا)

(۴۲۳) حدثنا عبید بن اسمٰعیل قال حدثنا ابو اسامة عن هشام عن ابیه عن عائشة ان ولیدة کانت سوداء لحی من العرب فاعتقوها فکانت معهم قالت فخرجت صبیة لهم علیها وشاح احمر من سیور قالت فوضعته او وقع منها فمرت به حدیاة وهو ملقی فحسبته لحما فخطفته قالت فالتمسوه فلم یجدوه قالت فاتهمونی به قالت فطفقوا یفتشونی حتیٰ فتشوا قبلها قالت والله انی لقائمة معهم اذ مرت الحدیاة فالقته قالت فوقع بینهم قالت فقلت هذا الذی اتهمتمونی به زعمتم وانا منه بریئة وهو ذا هو قالت وجاءت الی رسول الله ﷺ فاسلمت قالت عائشة فکانت لها خبا فی المسجد او حفش قالت فکانت تاتینی فتحدث عندی قالت فلا تجلس عندی مجلسا الا قالت. ویوم الوشاح من تعاجیب ربنا الا انه من بلدة الکفر انجانی. قالت عائشة فقلت لها ماشانک لا تقعدین معی مقعدا الا قلت هذا قالت فحدثتنی بهذا الحدیث.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ عرب کے کسی قبیلہ کی کسی کالے یا سانولے رنگ کی باندی تھی، انہوں نے اسے آزاد کر دیا اور وہ ان ہی کے ساتھ رہتی تھی، اس نے بیان کیا کہ ان کی ایک لڑکی کہیں باہر گئی وہ تسمے کا سرخ جڑاؤ پہنے ہوئے تھی اس باندی نے بتایا کہ یا تو لڑکی نے اسے خود کہیں چھوڑ دیا تھا یا اس سے گر گیا تھا پھر اس طرف سے ایک چیل گزری وہ سرخ جڑاؤ پڑا ہوا تھا، چیل اسے گوشت سمجھ کر جھپٹ لے گئے بعد میں قبیلہ والوں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن ملتا کہاں سے ان لوگوں نے اس کی تہمت مجھ پر لگا دی اور میری تلاشی لینی شروع کر دی، انہوں نے اس کی شرم گاہ تک کی تلاشی لی اس نے بیان کیا کہ واللہ میں ان کے ساتھ اسی حالت میں کھڑی تھی کہ وہی چیل آئی اور اس نے ان کا زیور گرا دیا وہ ان کے سامنے ہی گرا، میں نے (اسے دیکھ کر) کہا یہی تو تھا جس کی تم مجھ پر تہمت لگاتے تھے، تم لوگوں نے مجھ پر اس کا الزام لگایا تھا حالانکہ میں اس سے بری تھی، یہی تو وہ زیور ہے، اس نے کہا کہ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام لائی حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ اس کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگا دیا گیا (یا یہ کہا کہ) چھوٹا سا خیمہ لگا دیا گیا، حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ وہ باندی میرے پاس آتی تھی اور مجھ سے باتیں کرتی تھی، جب بھی وہ میرے پاس آتی تو یہ ضرور کہتی، جڑاؤ کا دن ہمارے رب کی عجیب نشانیوں میں سے ایک ہے، اسی نے مجھے کفر کے شہر سے نجات دی، حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے کہا، آخر بات کیا ہے، جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو یہ بات ضرور کہتی ہو، آپ نے بیان کیا کہ پھر اس نے مجھے یہ واقعہ سنایا۔

تشریح: یہ ایک خاص واقعہ ہے اور زیادہ سے زیادہ رخصت کے درجہ میں، اس سے کوئی مسئلہ اخذ کیا جا سکتا ہے کیونکہ سوتے وقت مسجد کا جو واقعی احترام ہے وہ قائم نہیں رکھا جا سکتا حضرت عمرؓ کے عہد میں دو اجنبی بلند آواز سے گفتگو کر رہے تھے، آپ نے جب سنا تو انہیں بلا کر فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے باشندے ہوتے تو میں تمہیں اس کی سزا دیئے بغیر نہ رہتا نبی کریم ﷺ کی مسجد میں اس طرح بلند آواز سے گفتگو کرتے ہو! جب مسجد کی حرمت وعزت اس درجہ ملحوظ ہے تو عام حالات میں سونے کی اجازت کس طرح دی جا سکتی ہے اور وہ بھی عورتوں کے لئے؟ حنفیہ کے یہاں مسافروں کا اس سے استثناء ہے ورنہ مردوں کے لئے بھی مسجد میں سونا عام حالات میں ان کے نزدیک مکروہ ہے غالباً اس نو مسلم لونڈی کا خیمہ مسجد نبوی کے شمالی حصہ میں لگوایا گیا ہوگا، جو تحویل قبلہ کے بعد سے فقہی لحاظ سے داخل مسجد بھی نہ رہا تھا اور اس کا ایک حصہ اصحاب

صفہ کے لئے بھی تھا تو ایسے واقعات کو احکام مسجد ثابت کرنے کے لئے لانا ہی کیا ضروری تھا، دوسرے بقول حضرت شاہ صاحبؒ امام بخاری نے ایسے خاص ووقتی واقعات بجائے رخصت کے درجہ میں رکھنے کے عزیمت کے درجہ میں پہنچا دیا، اور یہ فقہ البخاری ہے کہ جن امور کا احتمال اور نظر انداز کرنا مناسب تھا ان کو وسعت دے کر عمل کے لئے پیش کر رہے ہیں جس کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ کم فہم لوگ ان امور کو بھی سنت سمجھ کر عمل کرنے لگیں گے، مثلاً امام بخاری ایک باب لائیں گے ص ۶۶ پر ادخال البعیر فی المسجد اور ص ۶۷ پر لائیں گے باب رفع الصوت فی المسجد تو بعض مسجد تو بعض لوگوں نے سنت سمجھ کر مسجد حرام میں بیت اللہ کا طواف اونٹ پر کیا تھا اور کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں گھوڑے بھی باندھے گئے اور ہاون دستہ بھی کوٹا اور کھڑ کھڑایا گیا تھا اور ہمارے سلفی بھائی بھی کہا کرتے ہیں کہ یہاں کیا رکھا ہے (یعنی مسجد نبوی یا مزار اقدس میں) اور مواجہ مقدسہ میں بیٹھنے کو برا سمجھتے ہیں اور اپنے زعم میں ان امور کو خالص توحید کے عقیدہ سے منافی سمجھتے ہیں، کیونکہ ایک واقعہ جزئیہ امام بخاری نے رفع الصوت فی المسجد کے جواز کا پیش کر دیا تھا اگر چہ دوسرا واقعہ حضرت عمرؓ کی ممانعت کا بھی روایت کر دیا ہے یہ سب افراط وتفریط ہے۔ واللہ اعلم۔

باب نوم الرجال فی المسجد وقال ابو قلابة عن انس بن مالک قدم رهط من عكل علی النبی ﷺ وكانو فی الصفة وقال عبدالرحمن بن ابی بكر كان اصحاب الصفة الفقراء

(مسجد میں مردوں کا سونا) اور ابو قلابہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ عکل کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور صفہ میں ٹھہرے، عبدالرحمٰن ابن ابی بکر نے فرمایا کہ صفہ میں رہنے والے اصحاب فقراء تھے)

(۴۲۴) حدثنا مسدد قال حدثنا يحيیٰ عن عبيد الله قال حدثنی نافع قال اخبرنی عبد الله بن عمر انه كان ينام وهو شآب اعزب لا اهل له فی مسجد النبی ﷺ.

(۴۲۵) حدثنا قتيبة بن سعيد قال حدثنا عبدالعزيز بن ابی حازم عن ابی حازم عن سهل بن سعد قال جآء رسول الله ﷺ بيت فاطمة فلم يجد عليا فی البيت فقال اين ابن عمک كان بينی و بينه شیء فغاضبنی نخرج فلم يقل عندی فقال رسول الله ﷺ لانسان انظر اين هو فجاء فقال يا رسول الله هو فی المسجد را قد فجاء رسول الله ﷺ وهو مضطجع قد سقط ردآه عن شقه و اصابه تراب فجعل رسول الله ﷺ يمسحه عند و يقول قم ابا تراب قم ابا تراب.

ترجمہ: حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ وہ اپنی جوانی کے زمانے میں جب بیوی بچے نہیں تھے نبی کریم ﷺ کی مسجد میں سوتے تھے۔

تشریح: صفہ مسجد نبوی میں ایک طرف سایہ دار جگہ تھی جہاں فقراء و مساکین رہا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے اپنی جوانی کا جو واقعہ بیان کیا ہے اسے مسجد میں سونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ حضرت ابن عمر اس دور میں مدینہ میں بے وطن تھے نہ گھر تھا نہ بار اس لئے آپ مسجد میں سوتے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے خود فرمایا کہ میں نے چاہا کہ ایک جھونپڑی ڈال لوں مگر افسوس کے مخلوق خدا میں سے کسی نے میری مدد نہ کی، لہٰذا وہ تو مسافر سے بھی زیادہ مسجد میں اقامت کے مستحق تھے اور مسافر کے لئے اجازت ہے۔

ترجمہ: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہا کہ ہم سے عبدالعزیز بن ابی حازم نے بیان کیا حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ حضرت علیؓ گھر میں موجود نہیں ہیں اس لئے آپ نے حضرت فاطمہؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے چچا کے لڑکے کہاں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ ناگواری پیش آگئی اور وہ مجھ پر خفا ہو کر کہیں

باہر چلے گئے ہیں اور میرے یہاں قیلولہ بھی نہیں کیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے کہا کہ علیؓ کو تلاش کریں کہ وہ کہاں ہیں وہ آئے اور بتایا کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے، حضرت علیؓ لیٹے ہوئے تھے، چادر آپ کے پہلو سے گر گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی، رسول اللہ ﷺ جسم سے دھول جھاڑتے جاتے تھے اور فرما رہے تھے، اٹھو ابو تراب اٹھو۔

تشریح: چونکہ آپ کے بدن پر مٹی زیادہ لگ گئی تھی اسی مناسبت سے آپ نے ابوتراب فرمایا، تراب کے معنی مٹی کے ہیں، حضرت علیؓ کو اگر بعد میں کوئی اس کنیت کے ساتھ خطاب کرتا تو آپ بہت خوش ہوتے تھے، نبی کریم ﷺ چاہتے تھے کہ جو ناگواری پیش آگئی ہے وہ دور ہو جائے اس واقعہ سے اسلام میں رشتۂ مصاہرت میں مدارات کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، یہاں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ رات کے وقت سونے اور دن کے وقت قیلولہ کے لئے لیٹ جانے میں بڑا فرق ہے اس لئے قیلولہ سے رات کے سونے کا مسئلہ حل نہ ہوگا۔

(۴۲۶) حدثنا یوسف بن عیسٰی قال حدثنا ابن فضیل عن ابیه عن ابی حازم عن ابی هریرة قال لقد رایت سبعین من اصحاب الصفة ما منهم رجل علیه رداء اما ازار و اما کساء قد ربطوا فی اعناقهم فمنها ما یبلغ نصف الساقین و منها ما یبلغ الکعبین فیجمعه بیده کراهیة ان تریٰ عورته.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے ستر ۷۰ اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جس کے پاس چادر (رداء) ہو یا تہبند ہوتا تھا یا رات کو اوڑھنے کا کپڑا جنہیں یہ اصحاب اپنی گردنوں سے باندھ لیتے تھے یہ کپڑے کسی کی آدھی پنڈلی تک آتے اور کسی کے ٹخنوں تک، یہ حضرات ان کپڑوں کو اس خیال سے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے اپنے ہاتھوں سے تھامے رہتے تھے۔

تشریح: رداء ایسی چادر کو کہتے تھے جسے تہبند کے اوپر کرتا پہننے کے بجائے اوڑھتے تھے، اس حدیث سے اصحاب صفہ کی غربت و فلاکت کا پتہ چلتا ہے۔

باب الصلوٰة اذا قدم من سفر و قال کعب بن مالک کان النبی ﷺ اذا قدم من سفر بداء بالمسجد فصلی فیه

(سفر سے واپسی پر نماز، کعب بن مالک نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور نماز پڑھتے)

(۴۲۷) حدثنا خلاد بن یحییٰ قال حدثنا مسعر قال حدثنا محارب بن دثار عن جابر بن عبدالله قال اتیت النبی ﷺ وهو فی المسجد قال مسعر أراه قال ضحی فقال صل رکعتین و کان لی علیه دین فقضانی و زادنی.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، مسعر نے کہا میرا خیال ہے کہ محارب نے چاشت کا وقت بتایا تھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ (پہلے) دو رکعت نماز پڑھ لو، میرا آں حضور ﷺ پر کچھ قرض تھا جسے آپ نے ادا کیا اور مزید بخشش کی۔

تشریح: حضرت جابرؓ سفر سے آئے تھے، مسجد نبوی میں پہنچے تو حضرت نے ان کو دو رکعت سنت مراجعت سفر کے لئے ارشاد فرمایا اس حدیث جابرؓ کو امام بخاری بیس جگہ لائے ہیں اور مسائل اخذ کئے ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۶۱ ج ۱)

باب اذا دخل احدکم المسجد فلیر کع رکعتین قبل ان یجلس

(جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے)

(۴۲۸) حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن عامر بن عبداللہ بن الزبیر عن عمر و بن سلیم الزرقی عن ابی قتادہ السلمی ان رسول اللہ ﷺ قال اذا دخل احدکم المسجد فلیر کع رکعتین قبل ان یجلس.

ترجمہ ۴۲۸: حضرت ابوقتادہ سلمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

تشریح: یہاں تحیۃ المسجد کا بیان ہوا ہے اور یہ نفل حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے پڑھی جائیں اور فقہاء نے لکھا کہ اگر بیٹھنے سے پہلے سنتوں یا فرضوں میں مشغول ہو جائے تو ان کے ضمن میں نماز تحیۃ المسجد کا ثواب مل جاتا ہے، مگر جاہل لوگ اس کے خلاف مسجد میں داخل ہو کر پہلے بیٹھ جاتے ہیں، پھر نفل یا سنت وغیرہ پڑھتے ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ اس نماز کو اہل ظاہر نے واجب کہا ہے اور بعض اہل ظاہر تہجد، چاشت و سنت فجر کو بھی واجب کہتے ہیں گویا اتنے فرض و واجب کا اضافہ ہو گیا پانچ نمازوں پر، مگر حنفیہ نے اگر وتروں کو واجب کہہ دیا تو سارے سلفی و غیر سلفی طعن کرنے لگے کہ ایک نماز زیادہ کر دی ہے۔ واللہ المستعان۔

باب الحدث فی المسجد

(مسجد میں ریاح خارج کرنا)

(۴۲۹) حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال ان الملٰئکۃ تصلی علیٰ احدکم ما دام فی مصلاہ الذی صلے فیہ مالم یحدث تقول اللھم اغفرلہ اللھم ارحمہ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم اپنے مصلے پر جہاں تم نے نماز پڑھی تھی رہو اور ریاح خارج نہ کرو تو ملائکہ تمہارے لئے برابر رحمت و مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، کہتے ہیں اے اللہ اس کی مغفرت کیجئے اے اللہ اس پر رحم کیجئے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ مسجد میں اخراج ریاح مکروہ تحریمی ہے، دوسرا قول مکروہ تنزیہی کا ہے تاہم میرے نزدیک معتکف اس حکم سے مستثنیٰ ہے، واللہ اعلم، حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ غالباً اخراج ریاح کی صورت میں اس پر بد دعا کرتے ہوں گے کیونکہ بدبو سے ان کو تکلیف ہوتی ہے، لیکن یہ ضرر معنوی ہے جس طرح نوم جنب بلا وضو یا تیمم کے یا وضو بلا تسمیہ، یا طعام بلا تسمیہ (کہ شیطان کھانے میں شریک ہو جاتا ہے) یا جماع بلا تسمیہ وغیرہ مگر چونکہ ان سب کے لئے امر شرعی وارد نہیں ہوا اور نہ ترک پر وعید آئی، اس لئے ان سب جگہ صرف کراہت تنزیہی اور استحباب کا درجہ ہوگا، اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص تحقیق اور زیادہ تفصیل انوار الباری ص ۱۶۰ ج ۴ (باب التسمیۃ علی کل حال) میں آچکی ہے۔

افادہ: حافظؒ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے اس باب سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو بے وضو آدمی کے لئے جنبی کی طرح دخول مسجد کو ممنوع کہتے ہیں، اس پر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے ایراد کیا کہ یہ غرض ہوتی تو امام بخاری باب المحدث فی المسجد کا عنوان قائم کرتے اور ممکن ہے جواز حدث فی المسجد کا اثبات مقصود ہو کیونکہ وہ حدیث سے ثابت ہے، یا کراہت بتلانی ہو کیونکہ اس کی وجہ سے وہ شخص فرشتوں کی دعاء سے محروم ہو جاتا ہے۔

علامہ نووی نے شرح المذہب میں حدث کو غیر ممنوع کہا، سروجی نے کہا کہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے، علامہ دردیر نے اس کو مسجد کے احترام کے خلاف اور ممنوع قرار دیا ابن عابدین نے بھی منع کیا، سلف میں بھی اختلاف رہا ہے، بعض نے کہا کوئی حرج نہیں، بعض نے کہا کہ ضرورت کے وقت جائز ہے ورنہ نہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے (الابواب ص ۲۱۸ ج ۲)

باب بنیان المسجد وقال ابو سعید کان سقف المسجد من جرید النخل و امر عمر بنآء المسجد و قال اکن الناس من المطرو ایاک ان تحمر او تصفر فتفتن الناس وقال انس یتباھون بھا ثم لا یعمرونھا الا قلیلا و قال ابن عباس لتزخر فنھا کما زخرفت الیھود والنصاریٰ

(مسجد کی عمارت، حضرت ابوسعید نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں سے ہموار کی گئی تھی، حضرت عمرؓ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تو فرمایا کہ میں تمہیں بارش سے بچانا چاہتا ہوں، مسجدوں پر سرخ وزرد رنگ کروانے سے بچو کہ اس سے لوگ غافل ہو جائیں گے، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (اس طرح پختہ بنوانے سے) لوگ مساجد پر فخر ومباہات کرنے لگیں گے اور اس کو آباد کرنے کے لئے بہت کم لوگ رہ جائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم بھی مساجد کی اسی طرح زیبائش کرو گے جس طرح یہود ونصاریٰ نے کی)

(۴۳۰) حدثنا علی بن عبداللہ قال حدثنا یعقوب بن ابراھیم بن سعد قال ثناء ابی عن صالح بن کیسان ثنا نافع ان عبداللہ بن عمر اخبرہ ان المسجد کان علیٰ عھد رسول اللہ ﷺ مبنیاً باللبن وسقفہ الجرید و عمدہ خشب النخل فلم یزد فیہ ابو بکر شیئاً و زاد فیہ عمرو بناہ علیٰ بنیانہ فی عھد رسول اللہ ﷺ باللبن والجرید واعاد عمدہ خشبا ثم غیرہ عثمان فزاد فیہ زیادۃً کثیرۃ وبنیٰ جدارہ با الحجارۃ المنقوشۃ والقصۃ وجعل عمدہ من حجارۃ منقوشۃ وسقفہ بالساج.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں مسجد کچی اینٹ سے بنائی گئی تھی، اس کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی اور ستون اسی کے تنوں کے، حضرت ابوبکرؓ نے اس میں کسی قسم کی زیادتی نہیں کی البتہ حضرت عمرؓ نے اسے بڑھایا اور اس کی تعمیر رسول اللہ ﷺ کی بنائی ہوئی عمارت کے مطابق کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے کی اور اس کے ستون بھی لکڑی ہی کے رکھے، پھر حضرت عثمانؓ نے اس کی عمارت کو بدل دیا اور اس میں بہت سے تغیرات کئے، اس کی دیواریں بھی منقش پتھروں اور گچھ سے بنوائیں، اس کے ستونوں کو بھی منقش پتھروں سے بنوایا اور چھت ساگوان کی کر دی۔

تشریح: ابن بطال نے کہا ہے کہ شاید حضرت عمرؓ نے یہ بات لوگوں کے غافل ہونے کی اس واقعہ سے سمجھی ہو جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابوجہم کی دھاریدار چادر واپس کر دی تھی، پہلے اس میں آپ نے نماز پڑھی اور واپس کرتے وقت فرمایا کہ یہ چادر مجھے میری نماز سے غافل کر دیتی، حافظ ابن حجرؒ نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس اس سلسلہ میں کوئی خاص علم رہا ہو کیونکہ ابن ماجہ میں ایک روایت میں یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کسی قوم میں جب بدعملی پھیل جاتی ہے تو وہ اپنی عبادت گاہوں کو بڑی زیب وزینت کے ساتھ سجاتے ہیں، متعدد صحیح احادیث میں بھی مساجد کے پختہ بنوانے کو قیامت کی علامت کہا گیا ہے، ان احادیث وآثار سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کو پختہ کروانا جائز ہی نہ ہونا چاہئے یہی وجہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کو پختہ کرایا تو بعض صحابہ نے اس پر اعتراض کیا لیکن حضرت عثمان ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے زیادہ دین کے رموز سے واقف تھے، چنانچہ اس واقعہ کے بعد جب ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ تشریف لائے اور آپ کو حالات کا علم ہوا تو آپ نے ایک حدیث سنائی جس میں بصراحت اس بات کی پیشین گوئی تھی کہ ایک دن آئے گا کہ میری اس مسجد کی تعمیر پختہ بنیادوں پر ہوگی، حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کو اپنے دور خلافت میں ذاتی خرچ

سے پختہ کرایا تھا اور جب آپ کو یہ حدیث ابو ہریرہ نے سنائی تو خوش ہو کر اپنی جیب سے پانچ سو درہم آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو دیئے۔
اس کے علاوہ جب بعض صحابہ نے اعتراض کیا تو آپ نے یہ حدیث پیش کی تھی کہ جس نے ایک مسجد تعمیر کی خدا جنت میں اس کے لئے ویسا ہی مکان بنائے گا، گویا آپ کے نزدیک کیفیت تعمیرات بھی اس اجر میں مراد ہے، مساجد کی پختگی اور ان کی زیب و زینت کے سلسلے میں جس طرح کی احادیث آئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کا منصب یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف سے بے توجہی اور حصول آخرت کی ترغیب دیں، مساجد اور اس سے متعلقہ چیزیں اگرچہ دین سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کی ظاہری حسن و زیبائش عموماً بنانے والوں کے لئے دنیا میں فخر و مباہات کا سبب بن جاتی ہیں، پھر دین میں مطلوب عبادت، اس میں خشوع و خضوع ہے نہ کہ تعمیر و تزئین اسی لئے آں حضور ﷺ خاص طور سے اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ظاہری زیب و زینت پر اپنی ساری توجہ صرف کر کے اصل مقصد سے غافل نہ ہو جائیں اور ہوتا بھی یہی ہے کہ لوگ بعد میں روح اور تقویٰ سے زیادہ ظاہری شان و شوکت کو اہمیت دینے لگتے ہیں، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ بکثرت احادیث کی روشنی میں اس بات کو واضح کیا جاتا کہ آں حضور ﷺ نے اس طرح کے مسائل پیدا ہو جانے والی دوسری صورتوں کی تردید بڑی شدت کے ساتھ کی ہے جو مقصود و مطلوب نہیں ہوتیں اور عام طور سے ان ہی کو مقصود و مطلوب بنالیا جاتا ہے، یا جو اہم ہوتی ہیں اور لوگوں کے دل و دماغ انہیں اہمیت نہیں دیتے، مساجد کی زیبائش اگر اس کی تعظیم کے پیش نظر کی جائے اور اس میں کوئی اپنا ذاتی روپیہ لگائے، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی رخصت ہے، ابن المنیر نے کہا ہے کہ جب لوگ اپنے ذاتی مکان پختہ بنوانے لگے اور اس کی زیبائش و آرائش پر روپیہ خرچ کرنے لگے تو اگر انہوں نے مساجد کی تعمیر میں بھی یہی طرز عمل اختیار کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے تا کہ مساجد کی اہانت و استخفاف نہ ہونے پائے، اس لئے اصل تو یہی ہے کہ مساجد سادہ طریقہ پر تعمیر ہوں لیکن زمانہ بدل گیا تو پختہ بنوانے میں بھی حرج نہیں، لہٰذا اس طرح کے تمام مسائل میں بنیادی بات یہ ہے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ، روح، تقویٰ اور دلوں کی طہارت کے لئے سب سے زیادہ مہلک ہے اور ان تمام احادیث و آثار میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں یہی بنیادی مقصد پیش نظر ہے جب یہود و نصاریٰ اپنے مذہب کی روح سے غافل ہو گئے تو سارا زور چند ظاہری رسوم و رواج پر دینے لگے (عمدۃ القاری، فتح الباری و افادات انوری)

افادہ: مسجد نبوی آں حضور ﷺ کے عہد میں بھی دو مرتبہ تعمیر ہوئی تھی، پہلی مرتبہ اس کا طول و عرض ساٹھ ساٹھ ہاتھ تھا، دوبارہ آپ ہی کے عہد میں اس کی تعمیر غزوہ خیبر کے بعد ہوئی، اس مرتبہ اس کا طول و عرض سوسو ہاتھ رکھا گیا، حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اس میں مزید اضافہ کرایا تھا، حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں طول و عرض بھی بڑھوا دیا تھا اور پختہ بنیادوں پر اس کی تعمیر کرائی بعض سلاطین نے ان تمام تغیرات کو جو عہد نبوی میں ہوئے اور اس کے بعد حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد میں ہوئے نشانات لگا کر ممتاز کر دیا ہے اس کے بعد متعدد سلاطین نے بھی مسجد نبوی میں اضافہ کرایا، لیکن یہ ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہیں۔
حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر ممانعت عمری و فعل حضرت عثمانؓ کی توجیہ کے ذیل میں غرض شارع کی مزید وضاحت فرمائی کہ احادیث میں پختہ مکانات بنانے کی بھی ناپسندیدگی آئی ہے تا کہ اسباب دنیا میں انہماک و غلو نہ ہو، جس کی وجہ سے اکثر آخرت کی طرف سے غفلت آجاتی ہے، لیکن اگر یہ برائی پیدا نہ ہو تو علماء نے اجازت دی ہے اور اس کی طرف محقق ابن المنیر نے اشارہ کیا ہے کہ جب لوگ اپنے پختہ مکانات بنانے لگے تو مساجد ہی کو اس سے کیوں محروم کیا جائے لہٰذا اصل تو یہی ہے کہ مساجد بھی پختہ نہ بنائی جائیں مگر زمانہ کے حالات اس کے متقاضی ہوں تو پھر اس کو احادیث کے خلاف نہ شمار کیا جائے گا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر سلاطین و امراء پہلے زمانہ میں مساجد عالی شان اور پختہ نہ بناجاتے تو آج مساجد کا خصوصاً بلاد کفر میں نام و نشان بھی نہ ہوتا (جامع قرطبہ و دیگر مساجد و مآثر اندلس اور اسی طرح مساجد و مآثر ہند اس کی مثال ہیں، لہٰذا مساجد و مدارس و دیگر مآثر اسلامیہ کے استحکام کو فوائد و مصالح سے خالی نہیں کہہ سکتے) معلوم ہوا کہ ممانعت نبویہ کا

مقصداً اپنے موضوع نبوت ورسالت کے تحت اظہار ناپسندیدگی کے لئے تھا، پھر جیسے جیسے مصالح ومنافع حضرات صحابہ وتابعین ومتاخرین اکابر امت محمدیہ کے سامنے آتے گئے، ان کے مطابق عمل بھی اتباع سنت ہی قرار دیا جائے گا اور مصالح امت کی وجہ سے وہ کراہت وناپسندیدگی ختم ہو جائے گی، اسی کے ساتھ مندرجہ ذیل امور بھی قابل لحاظ ہیں:-

(۱) اپنے رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے کی ممانعت بھی بیان حلت وحرمت شرعی کے لئے نہیں وارد ہوئی بلکہ یہ بتلانے کے لئے ہوئی کہ انسان کو دنیا میں مسافر کی طرح رہنا چاہئے لہٰذا اس کو عالی شان عمارتوں اور اسباب عیش وتلذذ کی طرف راغب نہ ہونا چاہئے۔

(۲) اس کی دوسری مثال مشکوٰۃ کی حدیث ہے کہ اپنے ظالم بادشاہوں پر بددعا نہ کرو، بلکہ اپنے اعمال کی اصلاح کرو کیونکہ جیسے تم ہو گے ایسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے، اس حدیث سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ بادشاہوں کو بددعا دینی جائز نہیں حالانکہ غرض حدیث صرف اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلانی ہے، جس سے آدمی اکثر غافل رہتا ہے، اور ظالم کے لئے بددعا سے خود ہی کبھی غافل نہیں ہوتا، اس لئے اہم امر کی طرف توجہ دلائی، یہ غرض نہیں ہے کہ اس کو بددعا نہ دیں، اسی لئے وہ شرعاً بالکل جائز ہے۔

(۳) اسی طرح حدیث میں ہے کہ جو شخص تہجد پڑھ کر چھوڑ دے، اس کے لئے بہتر تھا کہ وہ پڑھتا ہی نہیں، شارحین حدیث نے اس میں بحث کی کہ کبھی کبھی تہجد پڑھنے والا اچھا ہے یا بالکل نہ پڑھنے والا؟ میں کہتا ہوں کہ پہلا ہی یقیناً افضل ہے اور جنہوں نے حدیث مذکور کی وجہ سے دوسرے کو افضل سمجھا وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ مراد نبوی کو نہ سمجھ سکے، آپ کا مقصد تو صرف ترغیب تھی مواظبت ومداومت کی اور ترک کے لئے ناپسندیدگی ظاہر کرنی تھی، کسی کے بھی تھوڑے یا بہت عمل خیر کو نظر انداز کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور وہ بھی شارع علیہ السلام کی طرف سے، غرض کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقصود شارع علیہ السلام اس چیز میں ہوتا ہے جو آپ کی زبانی ارشاد میں نہیں آئی۔

(۴) حدیث بخاری میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے گھر میں عید کے روز لڑکیاں دف بجا رہی تھیں، حضور علیہ السلام چادر اوڑھ کر منہ ڈھانک کر لیٹ گئے (یعنی رغبت نہ تھی، اجازت تھی) حضرت ابوبکرؓ آئے اور فرمایا کہ یہ شیطان کے مزامیر کیسے؟ حضور نے فرمایا کہ رہنے دو ابوبکر! عید کا دن ہے خوشی کا، پھر حضرت عمرؓ آئے تو لڑکیاں دف کو نیچے دبا کر بیٹھ گئیں اس پر حضور نے فرمایا کہ شیطان عمر سے بھاگتا ہے، اس سے میں کہتا ہوں کہ وہ چیز تو شیطان کی ہے لیکن تھوڑے کو شریعت جواز میں رکھے گی لیکن اگر زیادہ ہو جائے تو وہ بالکل شیطانی عمل بن جائے گا، باعتبار جنس تھوڑے کو بھی شیطانی کہہ سکتے ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے اور اسی کی طرف حضرت ابوبکرؓ نے اشارہ کیا تھا، مگر حضور علیہ السلام نے شرعی مقصد کی طرف رہنمائی فرما دی کہ تھوڑا ہو اور عید جیسے دن ہو تو حد جواز میں رہے۔

(۵) مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک سائل آیا، آپ نے کچھ دے دیا، پھر مانگا پھر دیدیا، پھر مانگا پھر دیدیا اور جب چلا گیا تو فرمایا کہ آگ کے انگارے ہیں جو اس نے لئے، صحابہ نے عرض کیا کہ پھر کیوں دیئے؟ فرمایا کہ خدا کو پسند نہیں کہ میں بخیل بنوں، مقصد یہ کہ سائل کو نہ چاہئے تھا، اور میں تو دوں گا ہی۔

فائدہ: علامہ تورپشتی حافظ حدیث حنفی المذہب ہیں، ان کی کتاب عقائد میں میرے پاس ہے، اس میں وعید کی احادیث لکھ کر چند سطریں لکھی ہیں، جن سے میں سمجھا کہ ان کو سبب نار بنایا ہے، خواہ پھر وہ اس پر مرتب ہوں یا نہ ہوں، یہ حقیقی علم ہے جو طول ممارست سے حاصل ہوتا ہے، اگر یہی مراد ہے تو احادیث وعید میں ایک نئی حقیقت کا انکشاف ہے جو مواضع عدیدہ میں کام آئے گی، فافہم ولا تغفل۔

باب التعاون فی بناء المسجد و قول الله عزو جل ما کان للمشر کین ان یعمروا مسجد الله الأية

(تعمیر مسجد میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور خداوند تعالیٰ کا قول ہے "مشرکین خدا کی مسجدوں کی تعمیر میں حصہ نہ لیں" الآیۃ)

حدثنا مسدد قال حدثنا عبد العزیز بن مختار قال حدثنا خالد الحذآء عن عکرمة قال قال لی ابن عباس و لا بنه علی انطلقا الیٰ ابی سعید فاسمعا من حدیثه فانطلقنا فاذا هو فی حائط یصلحه فاخذ ردآئه فاحتبی ثم انشاء یحدثنا حتیٰ اتی علیٰ ذکر بنآء المسجد فقال کنا نحمل لبنةً لبنةً و عمار لبنتین لبنتین فرآه النبی ﷺ فجعل ینفض التراب عنه ویقول ویح عمار تقتله الفئة الباغیة یدعوهم الیٰ الجنة ویدعونه الی النار قال یقول عمار اعوذ بالله من الفتن .

ترجمہ: حضرت عکرمہؒ نے بیان کیا کہ مجھ سے اور اپنے صاحبزادے علی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاؤ اور ان کی احادیث سنو۔ہم چلے۔ابو سعید رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کچھ درستی کر رہے تھے۔(جب ہم حاضر خدمت ہوئے) آپ نے اپنی چادر سنبھالی اور اسے اوڑھ لیا۔ پھر ہم سے حدیث بیان کرنے لگے۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر کا ذکر آیا تو آپ نے بتایا کہ ہم تو (مسجد کی تعمیر میں حصہ لیتے وقت) ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے لیکن عمار دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں دیکھا تو ان کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا افسوس عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی جسے عمار جنت کی دعوت دیں گے اور وہ جماعت عمار کو جہنم کی دعوت دے رہی ہوگی۔ابو سعیدؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمارؓ کہتے تھے کہ فتنوں سے خدا کی پناہ:

تشریح: مسجد کی تعمیر کے لئے مسلمانوں سے چندہ لینا جائز ہے، لیکن کفار و مشرکین سے نہیں۔ البتہ یہ صورت ہو سکتی ہے کہ وہ کافر یا مشرک کسی مسلمان کو رقم ہبہ کر دے، پھر وہ مسلمان بناء مسجد میں صرف کر دے۔ (افادۃ الشیخ الانورؒ) حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ صاحب کنز نے بھی مسجد کے لئے کافر کے چندہ کو ناجائز کہا اور تملیک مسلم کے بعد جائز کہا۔ میں نے سنا کہ حضرت گنگوہی نے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر میں ہمیشہ عدم جواز کا ہی فتوے دیتا ہوں اور دلیل قولہ تعالیٰ ما کان للمشر کین ان یعمروا مساجد الله الآیه ہے۔

لامع الدراری ص ۱۰۳ میں ہے کہ کافر و مشرک کے مال سے تیار شدہ مسجد میں نماز درست ہے، اور حاشیہ لامع میں ہے کہ یہ مولانا عبدالحیٔ کے خلاف ہے کیونکہ انھوں نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ ہم نے اوپر حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی جواز کی خاص صورت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جواز نہیں ہے، اور ہم نے فتاویٰ رشیدیہ میں بھی احکام المساجد میں دیکھا کہ حضرت گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا "جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عمدہ عبادت کا کام ہے۔ اس کے مسجد بنانے کو حکم مسجد کا ہوگا" لہٰذا حضرتؒ نے جہاں مطلق جواب دیا ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ خاص ہوگا، حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ نے یہ لکھا کہ "حسب تصریح معتبرات، مال ہنود کا تعمیر معابد خاصۂ اہل اسلام میں صرف کرنا درست نہیں ہے" اس کو نقل کر کے حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا کہ مولاناؒ نے معتبرات کی عبارتیں اور حوالے نہیں دیئے کہ ان میں دیکھا جاتا اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے مال کفار کا مسجد میں لگانے کا جواز مصرح ہے، حضرت مفتی صاحب نے لکھا کہ اموال کفار (جزیہ، خراج، ہدیہ اور ترکۂ ذمی وغیرہ) بیت المال میں جمع ہوتے تھے اور ان سے ہر قسم کے رفاہ عام کے کام ہوتے تھے، سرحدوں کی حفاظت اور اسلامی فوج پر صرف ہوتے تھے، پل اور سڑکیں بنتی تھیں وغیرہ نیز علامہ شامی نے لکھا کہ ایسے ہی بناء مسجد و حوض و رباط وغیرہ پر بھی صرف ہوتا تھا۔ (فتاویٰ ص ۷۷ ج ۷)

حضرت مفتی صاحبؒ نے ان مصارف کی پوری تفصیل دی ہے اور اسی پر ہنود کے اموال کو بھی قیاس کیا ہے حالانکہ بیت المال میں جمع ہوکر وہ اموال کفار مسلمانوں کی ملک میں داخل ہوکر پھر ان سب مصارف میں خرچ ہوتے تھے اور پھر خود بھی ایک دوسرے سوال بابتہ چندۂ ہنود للمسجد کے جواب میں یہ تحریر فرمایا:- ''تعمیر مسجد کے لئے غیر مسلموں سے چندہ طلب کرنا جائز نہیں اور اگر غیر مسلم خود چندہ دیں یعنی بغیر مانگے خوشی سے دیدیں تو اس صورت میں قبول کرنے میں مضائقہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کی تملیک کردیں اور مسلمان اپنی طرف سے مسجد میں خرچ کردیں، اسی طرح غیر مسلم (ہندو یا عیسائی) مسجد تعمیر کرکے مسلمانوں کو دے دیں، تو اس کے شرعاً مسجد ہونے کی صورت یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کی ملک کردیں اور مسلمان اپنی طرف سے اس کو مسجد کے نام سے نامزد کرکے وقف کردیں، غیر مسلم کا وقف اس صورت میں صحیح ہوتا ہے کہ جس کام کے لئے وہ وقف کرتا ہے وہ کام اس کے مذہب اور اسلام کے نزدیک قربت ہو، ورنہ وقف صحیح نہیں ہوتا، یعنی قاضی اسلام ایسے وقف کی صحت کا حکم نہیں کرے گا جو واقف کے مذہب کے لحاظ سے قربت نہیں (جیسے ہندو کی بنائی ہوئی مسجد) یا اسلام کے نزدیک قربت نہیں (جیسے مسلمانوں کا بنایا ہوا بت خانہ) واللہ اعلم (کفایت المفتی ص۸۱ ج۷)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان سب حضرات میں باہم کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے اور تعمیر مساجد کی صفت خاصہ کا تعلق ہر حیثیت سے صرف ایمان والوں کے ساتھ ہے اور صرف اموال للمسجد میں بھی مومن وغیر مومن کا فرق شرعاً نا قابل انکار ہے۔ سچ اور حق ہے ''**انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ**'' اور ''**ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ**'' پھر اگر معتبرات میں یہ فرق نہ ہوتا تو شرطوں اور خاص صورتوں کی تقیید کیوں ہوتی؟

حضرت تھانویؒ نے بھی لکھا:- اگر کوئی ہندو اپنے اعتقاد میں اس کو (یعنی مسجد میں روپیہ لگانے یا مسجد بنانے کی قربت (یعنی عمل موجب ثواب سمجھتا ہے تو اس قاعدہ وکلیہ کے اقتضاء سے اس کا چندہ مسجد کے لئے لینا جائز ہونا چاہئے''۔ (امداد الفتاویٰ ص۱۱۱ ج۲)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت فیوضہم نے مسجد و مدرسہ کے لئے امداد غیر مسلم کے سوال پر لکھا:- مسجد و مدرسہ کی عمارت کو نقصان ہوا ہو تو امداد لینے کی گنجائش ہے، جماعت خانہ یہ نماز گاہ کے علاوہ بیت الخلاء یا غسل خانے وغیرہ بنانے اور مرمت کے لئے امداد لی جائے۔ (فتاوی رحیمیہ ص۱۵۷ ج۲)

حقیقت بظاہر یہ معلوم ہوئی کہ مساجد صرف خدائے واحد کی عبادت کے لئے ہیں اور جو موحد خالص نہیں ہیں یعنی مشرکین وہ صرف خدائے واحد کی عبادت کو عمدہ کام یقین کرکے مالی امداد کیسے کرسکتے ہیں؟ البتہ دوسری مصالح یا منافع دنیویہ کے خیال سے وہ ضرور مساجد بھی بناسکتے ہیں اور مالی امداد بھی دے سکتے ہیں، لہٰذا ان کا حکم معلوم!۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہم تو ذکر آیت قرآنی سے امام بخاریؒ کا اشارہ بھی اسی طرف سمجھتے ہیں کہ مساجد کی تعمیر ظاہری میں مشرکین کو شریک نہ کیا جائے کیونکہ وہ اپنے دلوں کے کفر سے خوب واقف ہیں اور اسی لئے ان کے سب اعمال اکارت ہوئے اور ہمیشہ کے لئے دوزخ کے مستحق بنے، پھر ایسے لوگوں کی امداد خدا کی مسجدوں کے لئے کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟ چونکہ امام بخاری کی شرط پر کوئی حدیث ممانعت نہ ہوگی، اس لئے ممانعت پر آیت سے استدلال فرمایا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا خدائے واحد کی خاص عبادت کے لئے قائم کی جانے والی مساجد کی تعمیر ظاہری و باطنی دونوں کا حق واستحقاق صرف مومنوں کا رہا، جن کے قلوب خشیۂ خداوندی سے معمور و منور ہیں۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

خلاصۂ بحث

حضرت مولانا عبدالحئی صاحب اور حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے اصوب ہے کہ مشرکین کی مالی امداد مسجد کی خاص جائے عبادت و نماز کے لئے قبول نہ کی جائے اور یہ کہ کوئی مسلمان اپنی ملک میں لے کر پھر اس رقم کو اپنی طرف سے مسجد میں لگائے اور فتاویٰ رشیدیہ نیز کفایت المفتی میں

جہاں مطلق اجازت تحریر ہوگئی ہے وہ بھی مقید ومشروط پر محمول ہوگی۔ امداد الفتاوی ص ۱۱۱ ج ۲ میں مفسرین کی تفسیر کو "لکل فن رجال" کہہ کر فقہاء کے مقابلہ میں مرجوع یا ساقط گردانے کی بات بھی سمجھ میں نہ آسکی، پھر جبکہ فقہاء کا بھی وہ منشا نہیں جو سمجھا گیا، اس لئے ہمارے نزدیک اصل مسئلہ بالکل واضح ہے اور سب ہی کا متفقہ بھی ہے اور کبھی بھی کسی مشرک کی نیت قربت تعمیر مسجد کے لئے درست نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

واقعۂ شہادت حضرت عمارؓ

ترجمۃ الباب کے تحت جو بحث وتشریح ضروری تھی وہ گذر گئی، اب حدیث الباب پر بھی کچھ لکھنا ہے جو نہایت اہم وضروری ہے، جس وقت حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تعمیر نبوی کررہے تھے، تو دیکھا گیا کہ اور صحابہ تو ایک ایک اینٹ یا پتھر اٹھا کر لاتے ہیں اور حضرت عمارؓ دو دو اٹھاتے ہیں یہ بھی کتب سیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے تعمیر مسجد نبوی کے لئے مسجد کے قریب ہی کچی اینٹیں پتھوائی تھیں (اور شاید وہ بڑی وزنی ہوں کہ عام طور سے آدمی ایک ہی اٹھا سکے، جیسی اب کراچی میں بنتی ہیں) حضور علیہ السلام بھی سب کے ساتھ اینٹیں ڈھو رہے تھے، صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ تکلیف نہ کریں! ہم کافی ہیں، مگر آپ نے شرکت جاری رکھی، اسی دوران میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمارؓ سے پوچھا کہ تم دو دو کیوں لارہے ہو؟ جواب کئی نقل ہوئے، ایک یہ کہ حضور! میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے ثواب زیادہ ملے، دوسرا یہ کہ ایک اپنے حصہ کی لاتا ہوں اور دوسری آپ کے حصہ کی، اس پر رحمت عالم ﷺ نے مسرت ورنج کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ارشاد فرمایا:۔ "افسوس! عمار کی شہادت ایک باغی گروہ کے ہاتھوں سے ہوگی"۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ سالہا سال کے بعد جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے، حضرت معاویہؓ کے حامی لشکر کے ہاتھوں سے آپ کی شہادت ہوگئی، چونکہ حضرت عمارؓ کے بارے میں حضور علیہ السلام کا مذکورہ بالا ارشاد سارے صحابہ میں مشہور ومعروف تھا، جس کی روایت بخاری[1] مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد ومسند احمد وغیرہ میں بھی ہے، اور متعدد صحابہ وتابعین نے جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ میں مذبذب تھے، حضرت عمارؓ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لئے ایک علامت بھی قرار دے دیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے؟ اور باطل پر کون؟ حافظ نے الاصابہ ص ۵۰۲ ج ۲ میں لکھا کہ قتل عمارؓ کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور اہل سنت اس بات پر متفق ہوگئے درانحالیکہ پہلے اس میں اختلاف تھا اور الاصابہ ص ۵۰۶ ج ۲ نیز تہذیب التہذیب ص ۴۱۰ ج ۷ میں لکھا کہ متواتر روایات وآثار سے یہ بات منقول ہے کہ حضرت عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا اور الاستیعاب ص ۴۲۴ ج ۲ میں علامہ محقق ابن عبدالبرؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے، حافظ ابن کثیر نے بھی البدایہ ص ۲۷۰ ج ۷ میں لکھا کہ حضرت عمارؓ کی شہادت سے اس حدیث کا راز کھل گیا کہ حضرت عمارؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور حضرت معاویہؓ باغی اور ص ۲۴۱ ج ۷ میں یہ بھی لکھا کہ جنگ جمل سے حضرت زبیرؓ کے ہٹ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو نبی کریم ﷺ کا ارشاد بابتہ حضرت عمارؓ یاد تھا اور انہوں نے دیکھا کہ وہ حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود ہیں۔ مگر جب جنگ صفین میں حضرت عمارؓ کے شہید ہونے کی خبر حضرت معاویہؓ کے لشکر میں پہنچی اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنے والد اور حضرت معاویہؓ دونوں کو حضور علیہ السلام کا

---

[1] واضح ہو کہ حافظ ابن حجرؒ کے سامنے وہ نسخہ بخاری کا تھا جس میں جملہ تقتلک الفئۃ الباغیۃ نہیں تھا، اسی لئے اس کی مفصل وجہ بھی ان کو لکھنی پڑی اور پھر فائدہ کا عنوان دے کر یہ بھی لکھا کہ قتل عمار والے جملہ کی حدیث کو ایک جماعت صحابہ نے روایت کیا ہے اور ان میں سے اکثر طریقے صحیح یا حسن ہیں اور اس حدیث میں ایک پیش گوئی ہے جو اعلام نبوت میں سے ہے کہ اس کا ظہور بعینہ ارشاد نبوی کے مطابق ہوا اور اس میں حضرت علیؓ وحضرت عمارؓ کی کھلی ہوئی فضیلت بھی ہے اور نواصب کا رد بھی ہے، جن کا زعم یہ ہے کہ حضرت علیؓ اپنی جنگوں میں حق پر نہیں تھے (فتح الباری ص ۳۶۵ ج ۱ وعمدۃ القاری ص ۳۹۳ ج ۲)

اس وقت جو بخاری کا مطبوعہ نسخہ ہمارے پاس ہے، اس میں یہاں بھی یہ مذکورہ جملہ موجود ہے اور کتاب الجہاد، باب مسح الغبار عن الرأس ص ۳۹۴ میں موجود ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے حضرت عمارؓ کے سر سے گرد وغبار بھی جھاڑا تھا واضح ہو کہ علامہ عینی کے سامنے بھی یہی نسخہ ہے۔ (مؤلف)

ارشاد یاد دلایا تو حضرت معاویہؓ نے فوراً اس کی یہ تاویل کی کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں میدان جنگ میں لایا (طبری ص ۲۹ ج ۴، ابن الاثیر ص ۱۵۸ ج ۳، بدایہ ص ۲۶۸ ج ۷) علامہ ابن کثیر نے اس تاویل کو بہت مستبعد قرار دیا۔

ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا کہ حضرت علیؓ کو جب حضرت معاویہؓ کی یہ تاویل پہنچی تو فرمایا:-"اس طرح کی تاویل سے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قتل خود نبی اکرم علیہ السلام تھے"۔ (والعیاذ باللہ)

صاحب تاریخ الخمیس نے خلاصۃ الوفا سے اس طرح نقل کیا، حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت معاویہؓ کے وزیر تھے، جب حضرت عمارؓ شہید کردیئے گئے تو آپ جنگ سے رک گئے اور ایک بڑی تعداد بھی آپ کے اتباع میں رک گئی، اس پر حضرت معاویہؓ نے پوچھا کہ تم کیوں رک گئے؟ تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا کہ ہم نے اس شخص کو قتل کردیا، اور میں نے خود رسول اکرم علیہ السلام کو یہ کہتے سنا ہے کہ انکو باغیوں کا گروہ قتل کرے گا، حضرت معاویہؓ نے کہا چپ ہو جاؤ کیا ہم نے ان کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو علی اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان کو تو اس نے قتل کیا جس نے ان کو ہم سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے، پھر جب یہ بات حضرت علیؓ کو پہنچی تو فرمایا کہ اگر میں نے ان کو قتل کیا ہے تو نبی کریم علیہ السلام نے بھی حضرت حمزہؓ کو قتل کیا ہوگا کیونکہ آپ نے ہی ان کو قتال کفار کے لئے بھیجا تھا، مختصراً (الابواب والتراجم لشیخ الحدیث دام ظلہم ص ۲۱۹ ج ۲)

اعتراض وجواب

یہاں حدیث میں یہ جملہ بھی ہے کہ "حضرت عمارؓ ان کو جنت کی طرف بلاتے تھے اور وہ لوگ ان کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے"۔ تو اشکال یہ ہے کہ حضرت معاویہ کے ساتھ بھی کچھ صحابہ تھے، تو اتنی بات تو درست ہوسکتی ہے کہ وہ باغیوں کے گروہ میں تھے اور اجتہادی غلطیوں کا صدور، جس طرح صحابی رسول حضرت معاویہؓ سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے خلیفۂ وقت حضرت علیؓ سے قاتلین حضرت عثمانؓ کے مطالبۂ قصاص کو وجہ نزاع وقتال قرار دیا تھا، اسی طرح ان کا ساتھ دینے والے صحابہ سے بھی اجتہادی غلطی ہوئی ہوگی، مگر یہ بات تو نہیں ہوسکتی کہ ان صحابہ نے حضرت عمارؓ کو نار جہنم کی طرف بلایا ہو، تو اس کا جواب تو یہ ہے کہ ان کو خوش فہمی اور گمان تو یہی تھا کہ اس طرح حضرت علیؓ کو مجبور کر کے قاتلین حضرت عثمانؓ سے قصاص لیں گے اور یہ فعل دخول جنت کا مستحق بنادے گا، پھر یہ کہ اگرچہ خلیفۂ وقت حضرت علیؓ کی مخالفت اور ان سے قتال وجنگ سبب دخول نار تھا، مگر وہ اجتہادی غلطی کی وجہ سے عنداللہ معذور ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا دوسرا جواب جو مجھے زیادہ پسند ہے یہ ہے کہ فئۃ باغیۃ تک کلام حضرت معاویہؓ کے سلسلہ میں ہے کہ صاحب ہدایہ نے بھی کتاب القضاء میں تصریح کی ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے بغاوت کی تھی پھر یدعوھم الی الجنۃ سے حضرت عمارؓ کی منقبت اور مکی زندگی کا حال بیان ہوا ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ قریش کو جنت کی طرف بلاتے تھے اور وہ ان کو طرح طرح کے عذاب دے کر حالت کفر کی طرف لوٹنے کی فکر وسعی کرتے تھے، ایک جواب یہ بھی ہے کہ مراد صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عمارؓ کو قتل کیا وہ اہل شام تھے (فتح الباری ص ۳۶۴ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی حکم باعتبار جنس کے ہوتا ہے اگرچہ اس کا تحقق بعض انواع میں نہ ہوتا ہو، لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ اس قسم کی دعوت جو حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے دی گئی اگرچہ وہ سبب نار تھی مگر وہ حضرات صحابہ کے حق میں سبب نار نہ بن سکی کیونکہ وہ لوگ مجتہد تھے اور ان کی نیت حق وصواب ہی کی تھی، جس طرح علامہ تورپشتی نے اپنی کتاب عقائد میں لکھا کہ بہت سی احادیث میں معاصی پر وعید نار آئی ہے لیکن وہ معاصی سبب نار ہو کر بھی ترتب مسبب سے خالی ہوسکتے ہیں کیونکہ مسببات کا ترتب دوسرے امور ارتفاع موانع ووجود شرائط وغیرہ پر بھی موقوف ہوتا ہے اور بسا اوقات غیر ظاہری ومخفی ہوتا ہے اور شریعت کسی امر حسی پر نار کا حکم کردیتی ہے۔ واللہ اعلم۔

خلافت حضرت علیؓ

اس حدیث بخاری سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چوتھے نمبر پر خلافت برحق ان ہی کی تھی اور ان کی مخالفت بغاوت تھی، اگر چہ امر اجتہادی ہونے کی وجہ سے حضرت معاویہ اور ان کے ساتھی ماخوذ نہ ہوں، اس کے لئے ہدایہ کا حوالہ اوپر حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد میں گذر چکا ہے اور فتح القدیر و شرح فقہ اکبر و احکام القرآن ابن عربی وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے اور عملاً بھی ایک شام کے صوبے کو چھوڑ کر جزیرۃ العرب اور اس کے علاوہ تمام اسلامی مقبوضات کے مسلمانوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کو مان لیا تھا اور مدینہ طیبہ میں تو دوسرے خلفاء سابقین کی طرح اکابر مہاجرین وانصار نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت کر لی تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ مروان کو برا کہنا خصوصاً اس سلوک کی وجہ سے جو اس نے حضرت حسینؓ و دیگر اہل بیت کے ساتھ روا رکھا، اس سے دل بیزاری رکھنا لوازم سنت و محبت اہل بیت سے ہے، جو فرائض ایمان کا مقتضیٰ ہے، لیکن حضرت معاویہؓ ایک صحابی تھے، ان کے حق میں بعض احادیث بھی وارد ہیں اور علماء اہلسنت ان کے بارے میں مختلف ہیں، علماء ماوراء النہر اور مفسرین وفقہاء ان کی تمام حرکات جنگ وجدال کو جو حضرت علیؓ سے کیں، خطاء اجتہادی پر محمول کرتے ہیں اور محققین اہل حدیث نے تتبع روایات صحیحہ کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی اور تعصب امویت وقریشیت سے خالی نہ تھیں، پس ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی ہوں گے جس سے فسق لازم ہوا، مگر فاسق پر لعنت جائز نہیں، لہٰذا ان کے لئے دعاء مغفرت و شفاعت کریں تو بہتر ہے۔ (فتاوی عزیزی ص ۱۷۷ ج ۱)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا کہ اس حدیث رسول علیہ ﷺ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت امام وقت پر بغاوت کرنے کے بعد منعقد ہوگی (ازالۃ الخفاء ۵۲۹ ج ۱) اور لکھا کہ حضرت معاویہؓ خود کہتے تھے کہ میرے دل میں خلافت کی خواہش اس وقت سے ہے کہ حضور علیہ السلام سے میں نے یہ سنا تھا کہ اے معاویہ! اگر تم بادشاہ ہو جاؤ تو لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا اور وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں خلیفہ نہیں ہوں بلکہ بادشاہان اسلام کا پہلا بادشاہ ہوں اور جب تم میرے بعد بادشاہوں کا تجربہ کرو گے تو اس وقت میری قدر جانو گے، الخ (ازالۃ الخفاء ص ۳۴۵ ج ۱)

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ علماء اہل سنت میں سے کوئی بھی ایسا نہیں گذرا جس نے حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ راشد تسلیم نہ کیا ہو یا ان کی بیعت کے صحیح ہونے میں شک کیا ہو، بلکہ علماء حنفیہ نے تو ان کی خلافت کے اقرار کو عقائد اہل سنت میں سے ایک عقیدہ قرار دیا ہے، اور یہ بھی سب ہی نے تسلیم کیا ہے کہ ان کے ساتھ جتنی لڑائیاں ہوئیں ان سب میں حق ان ہی کے ساتھ تھا، البتہ اس سلسلہ میں بھی علامہ ابن تیمیہؒ کا تفرد معلوم ہوتا ہے جیسا کہ منہاج السنہ کی بعض عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے، ملاحظہ ہو ترجمہ عبادات منہاج السنہ کے لئے کتاب ''امام ابن تیمیہ'' افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری مدراسی ص ۵۰۸ وص ۵۰۹۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الاستعانة بالنجار والصناع فی اعواد المنبر و المسجد

(بڑھائی اور کاریگر سے مسجد اور منبر کے تختوں کو بنوانے میں تعاون حاصل کرنا)

۴۳۲. حدثنا قتیبة بن سعید قال حدثنا عبدالعزیز عن ابی حازم عن سهل قال بعث رسول اللہ ﷺ الی امرأة مری غلامک النجار یعمل لی اعوادا اجلس علیهن.

۴۳۳. حدثنا خلاد بن یحییٰ قال حدثنا عبدالواحد ایمن عن ابیه عن جابر ابن عبداللہ ان امرأة قالت یا رسول اللہ الا اجعل لک شیئاً تقعد علیه فان لی غلاماً نجاراً قال ان شئت فعملت المنبر.

ترجمہ ۴۳۲: حضرت سہلؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کے یہاں آدمی بھیجا کہ وہ اپنے بڑھئی غلام سے کہیں کہ میرے لئے (منبر) لکڑیوں کے تختوں سے بنادے جس پر میں بیٹھا کروں۔

ترجمہ ۴۳۳: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ کیا میں آپ کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بنادوں جس پر آپ بیٹھا کریں میری ملکیت میں ایک بڑھئی غلام بھی ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو منبر بنوادو، تب انہوں نے منبر بنوادیا۔

تشریح: دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی کار خیر میں دوسروں کی مدد حاصل کرنا مطابق سنت ہے، جس طرح یہاں حضور علیہ السلام نے ایک عورت سے مدد لی کہ وہ اپنے غلام سے منبر بنوادے، پھر یہ کہ بظاہر اس عورت نے ہی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کش کی ہوگی کہ منبر بنوادوں گی، پھر جب بنوانے میں تاخیر محسوس کی تو حضور علیہ السلام نے یاد دہانی کی ہوگی جس کو راویوں نے اپنے اپنے طریقہ سے روایت کردیا، لہٰذا دونوں احادیث میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے۔ (فتح الباری وعمدہ)

(نوٹ) امام بخاری اگر ترتیب بدل دیتے تو یہ صورت زیادہ واضح ہوجاتی۔

باب من بنیٰ مسجداً

(جس نے مسجد بنوائی)

۴۳۴. حدثنا یحیی بن سلیمان حدثنا ابن وهب قال اخبرنی عمرو ان بکیراً حدثه ان عاصم بن عمر بن قتادة حدثه انه سمع عبید اللہ الخولانی انه سمع عثمان بن عفانؓ یقول عند قول الناس فیه حین بنیٰ مسجدا الرسول اللہ ﷺ انکم اکثرتم وانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من بنیٰ مسجدا قال بکیر حسبت انه قال یبتغی به وجه اللہ بنی اللہ له مثله فی الجنة.

ترجمہ: حضرت عبیداللہ خولانی نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے سنا کہ آپ نے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی (اپنے ذاتی خرچ سے) تعمیر کے متعلق لوگوں کے اعتراضات کو سن کر فرمایا کہ تم لوگ بہت زیادہ تنقید کرنے لگے، حالانکہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا کہ جس نے مسجد بنوائی (بکیر راوی) نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے مقصود خداوند تعالیٰ کی رضا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسا ہی ایک مکان جنت میں اس کے لئے بنائیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں مسجد بنانے کی فضیلت بیان ہوئی اور علامہ عینیؒ نے ۲۳ صحابہ سے دوسری احادیث فضیلت بھی اس موقع پر نقل کی ہیں، ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ مسجد بنانے والے کو بطور اجر وثواب کے جنت میں یاقوت اور موتیوں سے مرصع گھر ملے گا، رہا یہ

اشکال کہ اور سب اعمال خیر کا تو دس گنا اجر ملے گا، اس کا صرف مثل یا برابر کیوں ہوگا تو اول تو مثلیت سے زیادہ کی نفی نہیں ہوتی اور بہتر جواب یہ ہے کہ ہر عمل کے اجر میں برابری تو عدل ہے اور کم و کیف میں زیادتی حق تعالیٰ کا محض فضل و انعام ہے۔ (عمدہ ص ۳۹۹)

حافظ نے لکھا کہ ایک بہتر جواب یہ بھی ہے کہ اس کی جزا میں گھر تو جنت میں ایک ہی ملے گا مگر کیفیت میں اس سے کہیں بہتر ہوگا کہ دنیا میں بھی ایک گھر ایک سو گھروں سے بھی زیادہ شاندار ہوتا ہے، علامہ نووی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ یہ مراد ہو کہ اس ایک گھر کی فضیلت بیوت جنت پر ایسی ہوگی جیسی یہاں مسجد کی بیوت دنیا پر ہے (فتح ص ۳۶۷) (کیونکہ حدیث امام احمد سے مروی ہے کہ یہاں جو مسجد بنائے گا اس کو جنت میں اس سے افضل گھر ملے گا)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا کی مسجدیں اسی طرح جنت میں اٹھالی جائیں گی، غالباً یہ کسی حدیث کا مضمون ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب یاخذ بنصول النبل اذا مر فی المسجد

(جب مسجد سے گزرے تو اپنے تیر کے پھل کو تھامے رکھے)

۴۳۵. حدثنا قتیبة بن سعید قال حدثنا سفیان قال قلت لعمرو اسمعت جابر ابن عبدالله یقول مر رجل فی المسجد ومعه سهام فقال له رسول الله ﷺ امساب بنصالها.

ترجمہ: حضرت سفیان نے بیان کیا کہ میں نے عمرو سے پوچھا کہ تم نے جابر بن عبداللہ سے سنا ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی سے گزرا وہ تیر لئے ہوئے تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اس کے پھل کو تھامے رکھو۔

تشریح: تیروں کو تھامنے اور سنبھالنے کا حکم اس لئے دیا کہ کسی نمازی کو تکلیف نہ پہنچ جائے، یوں ضرورۃً اسلحہ کو اپنے ساتھ مسجد میں لے جانے کا جواز بھی معلوم ہوگیا، امام بخاری نے تاریخ اوسط میں حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے مساجد کو بچوں سے، پاگلوں سے، بیع و شعراء سے، جھگڑوں سے، چیخ و پکار سے، اقامت حدود سے اور تلواریں میان سے باہر نکالنے اور اشعار پڑھنے سے منع فرمایا اور حکم فرمایا کہ مساجد کے دروازوں کے قریب وضوخانے اور غسل خانے بنائے جائیں اور جمعہ کے روز مساجد میں خوشبو کی دھونی بھی دی جائے (عمدہ ۴۰۰ ج ۲)

باب المرور فی المسجد

(مسجد سے گذرنا)

۴۳۶. حدثنا موسی بن اسماعیل قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا ابو بردة ابن عبدالله قال سمعت ابا بردة عن ابیه عن النبی ﷺ قال من مر فی شیء من مساجدنا او اسکوا تنا بنبل فلیاخذ علی نصالها لا یعقر بکفه مسلماً.

ترجمہ ۴۳۶: حضرت ابو بردہ ابن عبداللہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہماری مساجد یا ہمارے بازاروں سے تیر لئے ہوئے گذرے تو اسے اس کے پھل کو تھامے رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اس سے کسی مسلمان کو زخمی کردے۔

تشریح: یہاں بازاروں کے لئے بھی وہی حکم مساجد والا بیان ہوا ہے۔

باب الشعر فی المسجد

(مسجد میں اشعار پڑھنا)

۴۳۷. حدثنا ابو الیمان الحکم بن نافع قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی ابوسلمة ابن عبدالرحمن بن عوف انه سمع حسان بن ثابت ن الانصاری یستشهد ابا هریرة انشدک الله هل سمعت النبی ﷺ یقول یا حسان اجب عن رسول الله اللهم ایده بروح القدس قال ابو هریرة نعم.

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ سے سنا کہ وہ ابو ہریرہؓ کو اس بات پر گواہ بنارہے تھے کہ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اے حسان رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (مشرکوں کو اشعار میں) جواب دو، اے اللہ حسان کی روح القدس (جبریل علیہ السلام) کے ذریعے مدد کیجئے، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا ہاں (میں گواہ ہوں)

متعلق حدیث: حدیث بخاری میں اگر چہ مسجد کا ذکر نہیں ہے مگر بخاری بدء الخلق میں حدیث لائیں گے، وہاں مسجد میں حضرت حسانؓ کے شعر پڑھنے کا ذکر ہے، مگر جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا اس سے امام بخاری عام طور سے مسجد میں اشعار پڑھنے کیلئے تو استدلال نہیں کر سکتے، یہاں تو خود حضور علیہ السلام کے حکم سے شرعی ضرورت سے پڑھوائے گئے تھے، جس سے وہ اس وقت عبادت کے حکم میں ہو گئے تھے، لہٰذا اس سے توسیع کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا (یہ حدیث بدء الخلق باب ذکر الملائکہ میں ص ۴۵۶ پر، یہاں امام بخاری نے مسجد میں اشعار پڑھنے کے جواز کے لئے باب الشعر فی المسجد قائم کیا ہے اور حدیث الباب سے مطابقت نہیں ہے۔ (مؤلف)

تشریح: مشرکین عرب آں حضور ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ حضرت حسانؓ خاص طور سے ان کا جواب دیتے تھے۔ آپ دربار نبوی کے بلند پایہ شاعر تھے اور مشرکوں کو خوب جواب دیتے تھے۔ آپ کے اس سلسلے میں واقعات بکثرت منقول ہیں۔ آں حضور ﷺ آپ کے جواب سے محظوظ ہوتے اور دعائیں دیتے۔ مسجد نبوی میں آپ کے لئے خاص طور سے منبر رکھ دیا جاتا اور آپ اسی پر کھڑے ہو کر صحابہؓ کے مجمع میں اشعار سناتے جس میں خود نبی کریم ﷺ بھی تشریف فرما ہوتے۔ امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسجد میں اشعار پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ شریعت کی حدود سے باہر نہ ہوں۔ کیونکہ خود آنحضور علیہ السلام حضرت حسان کے ذریعے مشرکین کا عرب کے خاص مزاج کے پیش نظر جواب دلواتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام طحاویؒ نے اس پر باب باندھا ہے اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر مسجد میں آواز زیادہ بلند نہ ہو اور اشعار میں مطالب بھی درست ہوں تو پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔ حضرت حسانؓ کو شاہد بنانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مسجد میں اشعار پڑھنے کی وجہ سے سزا دینی چاہی تھی، اس پر انھوں نے حدیث سے مدد لی۔ یہاں محقق عینیؒ نے لفظ نشد وانشد کی لغوی بحث بہت عمدہ کی، اور بتلایا کہ اس کا استعمال نشدتک اللہ لازمی ہی صحیح ہے اور یہ معنیٰ متعدی ہے لیکن فعل متعدی انشد تک باللہ کہنا غلط ہوگا۔ (عمدہ ص ۳۰۴ ج ۲) (اس سے متعلق ایک شذرہ ص ۵۷ پر درج ہو گیا ہے)

علمی واصولی (فائدہ)

اسی مناسبت سے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی فرمایا حق تعالیٰ کے لئے فعل لازم جیسے استوی، نزل وغیرہ آتا ہے تو ان کے مابعد متعلقات صفۃ خداوندی ہوتے ہیں مثلاً قول باری تعالیٰ "استوی علی العرش میں معنی یہ ہوگا کہ صفت استواء کا تعلق عرش کے ساتھ ہوا اور اگر فعل متعدی ہو تو اس کا مابعد مفعول بہ ہوگا جیسے خلق السمٰوات والارض میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ استواء ونزول کو ذات خداوندی سے متعلق سمجھنا صحیح نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں نے (مثل ابن تیمیہ) ان کو ذات سے متعلق کر کے استواء کو بمعنی استقرار وتمکن وجلوس علے العرش مراد لیا یا نزول مثل اجسام سمجھا ہے، اس کی پوری بحث بخاری کی کتاب التوحید میں آئے گی، ان شاءاللہ۔ والامر بید اللہ (علامہ ابن تیمیہ کے تفردات جلد سابق میں بھی بیان ہوئے ہیں)

باب اصحاب الحراب فی المسجد

(نیزے والے مسجد میں)

۴۳۸۔ حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح ابن کیسان عن ابن شھاب قال اخبرنی عروۃ بن الزبیر ان عائشۃ قالت لقد رایت رسول اللہ ﷺ یوماً علی باب حجرتی و الحبشۃ یلعبون فی المسجد و رسول اللہ ﷺ لیسترونی بردائہ انظر الیٰ لعبھم زاد ابراھیم بن المنذر قال حدثنا ابن وھب قال اخبرنی یونس عن ابن شھاب عن عروۃ عن عائشۃ قالت رایت النبی ﷺ والحبشۃ یلعبون بحرابھم۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو ایک دن اپنے حجرہ کے دروازے پر دیکھا اس وقت حبشہ کے لوگ مسجد میں کھیل رہے تھے، رسول ﷺ اپنی چادر سے مجھے چھپا رہے تھے، تاکہ میں ان کے کھیل کو دیکھ سکوں، ابراہیم بن منذر سے حدیث میں یہ زیادتی منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہم سے ابن وہب نے بیان کیا مجھے یونس نے ابن شہاب کے واسطہ سے خبر پہنچائی وہ عروہ سے وہ عائشہؓ سے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جبکہ حبشہ کے لوگ چھوٹے نیزوں (حراب) سے مسجد میں کھیل رہے تھے۔

تشریح: بعض مالکیہ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ مسجد میں نہیں کھیل رہے تھے بلکہ مسجد سے باہر ان کا کھیل ہو رہا تھا حافظ ابن حجرؒ نے لکھا کہ یہ بات امام مالک سے ثابت نہیں ہے اور ان کی تصریحات کے خلاف ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے اس کھیل پر ناگواری کا اظہار کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نیزوں سے کھیلنا صرف کھیل کود کے درجے کی چیز نہیں ہے، بلکہ اس سے جنگی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں جو دشمن کے مقابلے کے وقت کام آئیں گی۔

مہلبؒ نے فرمایا ہے کہ مسجد چونکہ دین کے اجتماعی کاموں کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے وہ تمام کام جن سے دین کی اور مسلمانوں کی منفعتیں وابستہ ہیں مسجد میں کرنا درست ہیں اگرچہ بعض اسلاف نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد میں اس طرح کے کھیل قرآن وسنت سے منسوخ ہو گئے ہیں، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ازواج مطہرات کے ساتھ کس درجہ حسن معاشرت کا لحاظ رکھتے تھے۔

علامہ عینی نے یہ بھی لکھا کہ اس سے مباح کھیل کے دیکھنے کا جواز نکلتا ہے اور عورتوں پر مردوں سے پردہ کا وجوب بھی معلوم ہوا (عمدہ ص ۴۰۶ ج ۲) اس حدیث سے عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنے کا جواز اس لئے صریح نہیں کہ مقصد کھیل دیکھنا تھا، نہ مردوں کو دیکھنا کہ وہ تبعاً تھا، پھر یہ کہ فتنہ عورتوں کے مردوں کو دیکھنے میں نسبتاً زیادہ ہے کہ وہ جلد متاثر ہوتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حراب کا کھیل ایسا تھا جیسے ہمارے یہاں گدکا کھیلتے ہیں، پھر فرمایا کہ میرے پاس امام مالکؒ سے تصریح موجود ہے کہ یہ کھیل مسجد سے باہر حصہ میں تھا اور حضرت عائشہؓ مسجد میں تھیں اور امام مالکؒ مدینہ کے واقعات جاننے میں امام بخاری سے آگے ہیں، لہٰذا امام بخاری کا اس سے توسیع نکالنا درست نہیں۔

باب ذكر البيع والشرآء على المنبر فى المسجد

(مسجد کے منبر پر خرید وفروخت کا ذکر)

(۴۳۹) حدثنا علی بن عبدالله قال حدثنا سفيٰن عن يحيى عن عمرة عن عائشة قالت اتتها بريرة تسألها فى كتابتها فقالت ان شئت اعطيت اهلك ويكون الولاء لى وقال اهلها ان شئت اعطيتها ما بقى وقال سفيٰن مرة ان شئت اعتقتها ويكون الولاء لنا فلما جاء رسول الله ﷺ ذكرته ذلك فقال ابتا عليها فاعتقيها فانما الولاء لمن اعتق ثم قام رسول الله ﷺ على المنبر وقال سفيٰن مرة فصعد رسول الله ﷺ على المنبر فقال ما بال اقوام يشترطون شروطا ليس فى كتاب الله من اشترط شرطاً ليس فى كتاب الله فليس له وان اشترط مائة مرة ورواه مالك عن يحيىٰ عن عمرة ان بريرة ولم يذكر صعد المنبر.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت بریرہؓ ان سے کتابت کے بارے میں مشورہ لینے آئیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے آقاؤں کو (تمہاری قیمت) دے دوں (اور تمہیں آزاد کردوں) اور تمہارا ولاء کا تعلق مجھ سے قائم ہو اور بریرہ کے آقاؤں نے کہا (حضرت عائشہؓ سے) کہ اگر آپ چاہیں تو جو قیمت باقی رہ گئی ہے وہ دیدیں اور ولاء کا تعلق ہم سے قائم رہے رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو میں نے ان سے تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید کر آزاد کردو اور ولاء کا تعلق تو اسی کو حاصل ہوسکتا ہے جو آزاد کردے پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے، سفیان نے (اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے) ایک مرتبہ کہا پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور فرمایا ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو ایسی شرائط کرتے ہیں جن کا کوئی تعلق کتاب اللہ سے نہیں ہے، جو شخص بھی کوئی ایسی شرط کرے گا جو کتاب اللہ میں ذکر شدہ شرائط کے مناسب نہیں ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی چاہے سو مرتبہ کرے اس حدیث کی روایت مالک نے یحیٰی کے واسطہ سے کی وہ عمرہ سے کہ بریرہ اور انہوں نے منبر پر چڑھنے کا ذکر نہیں کیا ہے الخ۔

تشریح: کوئی غلام اپنے آقا سے طے کرلے کہ ایک متعینہ مدت میں اتنا روپیہ یا کوئی اور چیز وہ اپنے آقا کو دے گا اگر وہ اس مدت میں وعدہ کے مطابق روپیہ آقا کے حوالہ کردے تو وہ آزاد ہوجائے گا اسی کو کتابت یا مکاتبت کہتے ہیں، غلام کی آزادی کے بعد بھی آقا اور غلام میں ایک تعلق شریعت نے باقی رکھا ہے، جسے ولاء کہتے ہیں اور اس کے کچھ حقوق بھی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک مسجد میں خرید وفروخت کے لئے بھاؤ طے کرنا اور ایجاب وقبول جبکہ وہ سامان مسجد میں نہ ہو، معتکف کے لئے جائز ہے اور حدیث الباب ہمارے مخالف نہیں ہے، کیونکہ یہاں صرف مسئلہ بیان ہوا ہے نہ بیع ہوئی نہ شراء اور حدیث ابی داؤد وغیرہ میں عقد بیع وشراء فی المسجد کی ممانعت موجود ہے۔

مکاتب کی بیع ہمارے یہاں جائز نہیں، دوسروں کے نزدیک جائز ہے مگر ہمارے یہاں مکاتب کے بدل کتابت سے عاجز ہونیکی شکل میں جائز ہے اور یہاں جو حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کو خرید کر آزاد کردو تو بظاہر عجز ہی کی صورت میں خریدنے کو فرمایا ہوگا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ **اشترطی لهم الولاء** کہ تم ان کے لئے ولا کی شرط کرلو تو اس پر اشکال ہوا کہ جب شرط بیکار ہے اور ہر صورت ولا حضرت عائشہؓ کے لئے ہوتا تو پھر ایسی بے فائدہ شرط کرنے کو کیوں فرمایا، دوسرے یہ کہ اس میں خلف وعدہ بھی لازم ہوا کہ شرط کر کے پھر بھی ولاء کا حق ان کو نہیں دے سکتی تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری میں ہی دوسرے طریق سے **دعيهم ليشترطوا** آیا ہے کہ ان کو شرط کرنے دو، ولاء تو اسی کا ہوگا جو آزاد کرے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ

نے اس موقع پر ایک تحقیق شروط ملائمہ وغیر ملائمہ کی ذکر فرمائی جو میرے امالی درس میں بھی ہے اور فیض الباری ص ۵۶ ج ۲ میں بھی ہے، وہاں دیکھ لی جائے، بخوف طوالت ترک کرتا ہوں، عمدۃ القاری ص ۴۱۳ ج ۲ میں بھی اس کی اچھی تفصیل و تحقیق ہے، قابل مطالعہ اور حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ ہدایہ میں کفالۃ و بیع فاسد کے بیان میں بھی ملائم وغیر ملائم کی قدرے تفصیل ہے۔

باب التقاضی والملازمۃ فی المسجد

(قرض کا تقاضا کرنا اور مسجد میں بھی قرضدار کا پیچھا کرنا)

(۴۴۰) حدثنا عبداللہ بن محمد قال حدثنا عثمان بن عمر قال اخبرنی یونس عن الزھری عن عبداللہ بن کعب بن مالک عن کعب انہ تقاضی ابن ابی حدرد دینا کان لہ علیہ فی المسجد فارتعفت اصواتھما حتیٰ سمعھا رسول اللہ ﷺ وھو فی بیتہ فخرج الیھما حتیٰ کشف سجف حجرتہ فنادیٰ یا کعب قال لبیک یا رسول اللہ قال ضع من دینک ھٰذا واومأ الیہ ای الشطر قال لقد فعلت یا رسول اللہ قال قم فاقضہ۔

ترجمہ: حضرت کعب سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا تقاضہ کیا (اسی دوران میں) دونوں کی گفتگو تیز ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے حجرۂ شریفہ سے سن لیا، آپ پردہ ہٹا کر باہر تشریف لائے اور پکارا کعب! کعبؓ، بولے لبیک یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا کہ تم اپنے قرض میں سے اتنا کم کردو، آپ کا اشارہ تھا کہ آدھا کم کردیں، انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے کردیا، پھر آپ نے ابی حدرد سے فرمایا اچھا اب اٹھو اور ادا کردو۔

تشریح: یہاں تو صرف قرض کے تقاضے کا ذکر ہے، ملازمت کا نہیں، مگر باب الصلح میں امام بخاری اس حدیث کو پھر لائیں گے اور وہاں فلقیہ فلزمہ ہے کہ قرض دار سے ملے اور پھر اس کو چھوڑا نہیں، اس طرح آدھا موضع ترجمہ یہاں ہے اور آدھا وہاں ہے اس کو امام بخاری کے کمالات سے گنا گیا ہے کہ حدیث کے تمام طرق و متون میں ذہن گھومتا رہا ہے اور یہی فن حدیث میں کمال کی نشانی ہے اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کسی حدیث کے تمام متون و طرق روایت پر نظر نہ ہو، پوری طرح کسی مسئلہ کی تنقیح نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ امام اعظم پر ہزاراں ہزار رحمتیں بھیجے کہ انہوں نے تدوین فقہ کے وقت اس امر کی بہت ہی زیادہ رعایت رکھی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ احادیث ناسخہ و منسوخہ کا بھی ان کے پاس بہت بڑا علم تھا۔

قولہ وھو فی بیتہ: کہ آپ اس جھگڑے کے وقت اپنے گھر میں تھے، آگے ہے کہ آپ ان کی آواز سن کر حجرۂ شریفہ سے نکلے اور حجرۂ شریفہ کا پردہ ہٹایا (سجف اس پردہ کو کہتے ہیں جس کے دو حصے ہوں ملے ہوئے دو کواڑوں کی طرح، کذا فی العمدہ ص ۴۱۶ ج ۲ غالباً جس طرح آج کل بھی کمرہ کے دروازوں پر پردے ڈالتے ہیں، جو دائیں بائیں سمٹ کر کھل جاتے ہیں) دوسری شرح بعض شارحین نے یہ کی ہے کہ حضور علیہ السلام اس وقت گھر میں نہیں بلکہ مسجد میں معتکف تھے، جو بوریوں سے بنایا گیا تھا، حافظ عینی نے یہاں کچھ وضاحت نہیں کی، مگر بیت اور سجف کے الفاظ پہلی شرح کو ترجیح دے رہے ہیں کہ بوریوں کے معتکف کی یہ شان نہیں ہوتی، یوں راویوں کے بیان میں بھی فروق ہوجاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے اسی جھگڑے کیوجہ سے اس سال کی لیلۃ القدر کی تعیین کا علم ذہن مبارک نبوی سے نکل گیا ہو، یا وہ کوئی اور جھگڑا ہوگا۔ واللہ اعلم

قولہ فاقضہ: حضرتؒ نے فرمایا کہ بعض امور کا تعلق مروۃ و حسن معاملہ سے ہوتا ہے، مگر بعض علماء ان کو فقہی جواز عدم جواز کی طرف کھینچ لیتے ہیں، یہ اچھا نہیں اور ایک بیدار مغز عالم کو تیقظ سے کام لینا چاہئے۔

نیز فرمایا کہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں کلام فی المسجد کے لئے لکھ دیا کہ وہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے، حالانکہ بحر میں قید لگائی ہے کہ اگر مسجد میں باتیں کرنے کے ارادے سے جائے اور باتیں کرے تو مکروہ ہے، ورنہ اگر گیا تو نماز ہی کے لئے تھا اور وہاں سے کسی سے باتیں کیں تو گناہ نہیں ہے۔

باب کنس المسجد و التقاط الخرق و القذیٰ العیدان

(مسجد میں جھاڑو دینا اور مسجد سے چیتھڑے، کوڑے کرکٹ اور لکڑیوں کو چن لینا)

(۴۴۱) حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید عن ثابت عن ابی رافع عن ابی ھریرۃ ان رجلاً اسود او امرأۃ سوداء کان یقم المسجد فمات فسال النبی ﷺ عنہ فقالو مات فقال افلا کنتم اذ نتمونی بہ دلونی علی قبرہ او قال قبرھا فاتی قبرھا فصلی علیھا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی ایک دن اس کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا لوگوں نے بتایا کہ وہ تو انتقال کر گئی آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا اچھا اس کی قبر تک مجھے لے چلو، پھر آپ قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز پڑھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری اپنی عادت کے موافق بہت سی ان جزئیات پر بھی ابواب وتراجم کو پھیلا دیتے ہیں جن کا ذکر احادیث میں آ گیا ہے اگرچہ ان پر مسائل واحکام کا دارومدار بھی نہیں ہوتا، چنانچہ یہاں مسجد میں جھاڑو دینے پر باب قائم کر دیا جبکہ وہ نہ کوئی خاص مسئلہ ہے نہ کسی کو اس سے اختلاف، صرف فضیلت مقصد بن سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کوڑے کرکٹ کو مسجد سے باہر کرنے کو مسجد کی کنکریاں باہر نکالنے کے حکم سے الگ سمجھا جائے کیونکہ ابوداؤد میں باب فی حصی المسجد کو باب فی کنس المسجد سے الگ باندھا ہے اور اس میں ہے کہ اگر کنکریوں کو کوئی باہر نکالے تو وہ اس کو قسم دیتی ہیں کہ مجھے خدا کے واسطے مسجد میں رہنے دے، تا کہ ان کو مسجد ایسی مبروک ومبارک جگہ میں رہنے کا شرف وفضل حاصل رہے یا اس لئے کہ نمازیوں کو ان سے آرام ملے گا۔ (بذل ص ۲۶۵ ج ۱)

حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر ان کا مسجد میں رہنا صفائی کیخلاف ہو یا بے ضرورت ہوں تو نکالنا ہی افضل ہوگا، اگرچہ وہ اپنے فضل وشرف کے لئے قسم دیتی رہیں گی، لیکن جسطرح مسجد حرام یا مسجد نبوی میں کنکریاں بچھی رہتی ہیں، ان کے متعدد فوائد ہیں، اس لئے ان کو نہ نکالنا ہی افضل ہوگا (کہ ان کی وجہ سے فرش گرم نہیں ہوتا اور بارش ہو جائے تو وہ جگہ پھر بھی نماز کے لائق رہتی ہے وغیرہ ابتداء اسلام میں اسی لئے مسجد نبوی میں کنکریاں ڈالی گئی تھیں۔ واللہ اعلم)

قولہ فصلے علیھا: حضور علیہ السلام نے اس عورت کی قبر پر تشریف لے جا کر نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ دوسرے صحابہ نے بھی پڑھی (کذافی موطأ امام مالکؒ) اس بارے میں اختلاف مذاہب اس طرح ہے:۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ فقط ولی[1] پڑھ سکتا ہے اور وہ دوسری اموات کی بھی پڑھ سکتا ہے اگرچہ اس کے علاوہ دوسروں نے بھی پڑھی ہو اور اس کو امام ابو یوسف نے تین روز تک جائز بتلایا ہے، امام شافعی، احمد، داؤد ظاہری اور ایک جماعت کہتی ہے کہ قبر پر ہر شخص نماز پڑھ سکتا ہے جس کی بھی رہ گئی ہو، ابن القاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے کہا آپ اس حدیث مذکور کا کیا جواب دیتے ہیں؟ تو فرمایا یہ حدیث تو صحیح ہے مگر اس پر عمل نہیں ہے (امام احمد نے فرمایا کہ یہ حدیث چھ طرق

---

[1] حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمارے بعض مشائخ سے اس امر کا بھی جواز منقول ہے کہ ولی کے ساتھ دوسرے بھی جو رہ گئے ہوں نماز پڑھ سکتے ہیں، یہاں بھی عورت کی نماز میں دوسرے صحابہ شریک ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ولی حضرت صدیق اکبرؓ تھے اور آپ نے خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے آخر میں حضور کی نماز پڑھی ہے اور یہ بھی روایت میں نے دیکھی ہے کہ آپ کے ساتھ بھی بعض صحابہ نے نماز پڑھی تھی۔

حسان سے ثابت ہے، علامہ ابن عبدالبر نے کہا بلکہ نو وجوہ حسان سے اور پھر تمہید میں وہ تمام طرق ذکر کئے علامہ زرقانی نے ایک کا اضافہ کیا، کل دس ہوئے) پھر علامہ ابن رشد نے لکھا کہ امام ابوحنیفہ نے غالباً ان احادیث پر اپنے قاعدہ کے موافق اخبار آحاد ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کیا، وہ کہتے ہیں کہ ایسی اخبار آحاد جو باوجود عموم بلویٰ کے بھی مشہور ومنتشر نہ ہوئی ہوں اور نہ ان پر عام طور سے عمل کیا گیا ہو، یہ ان کے ضعف کی دلیل ہے اور اس لئے ان کے صدق کا غلبۂ ظن نہیں ہوتا بلکہ منسوخ ہونے کا بھی گمان ہوتا ہے۔

ابن رشد اور حنفیہ

علامہ نے اس کے بعد یہ بھی لکھا کہ ہم مالکیہ کا اصول تعامل وعدم تعامل اہل مدینہ سے استدلال کا پہلے بتا چکے ہیں اور اس نوع استدلال کا نام حنفیہ نے عموم بلویٰ رکھا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں جنس واحد سے ہیں۔ (بدایۃ المجتہد ص۲۰۳ ج۱)

حنفیہ پر رد اخبار آحاد کا بڑا اعتراض ہوا ہے، یہاں علامہ ابن رشد نے بڑے کام کی بات کہی ہے اس لئے اس کو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور مذاہب کے بارے میں بھی ان کی تنقیح عمدہ اور معتمد ہوتی ہے، اس لئے ذکر کی گئی۔

افادات انور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں حدیث الباب میں بھی حنفیہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام ساری امت کے ولی تھے، لہٰذا آپ نے بھی آخر میں قبر پر جا کر پڑھی، جبکہ اس کی نماز پہلے پڑھی جا چکی تھی اور خصائص کبریٰ سیوطی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی شرکت ممکن ہوتے ہوئے بغیر آپ کے کسی کی نماز جنازہ درست ہی نہ تھی یہ رائے جن حضرات کی تھی، میرے نزدیک بہت ہی حق وصواب تھی اور یہ بات تتبع آثار سے بھی ثابت معلوم ہوتی ہے کہ نماز خواہ وہ وقتیہ تھی یا نماز جنازہ کی وہ بدوں حضور کے صحیح نہ تھی اور غالباً حضرت صدیق اکبرؓ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا تھا جب مرض وفات نبوی میں حضور نے اپنی جگہ امامت کے لئے فرمایا کہ ابن ابی قحافہ کی کیا مجال ہے کہ آپ کے سامنے آگے بڑھے، مقصد یہ تھا کہ غیر نبی کو نبی کا امام بننے کا حق نہیں ہے، لیکن یہ بھی مسند احمد میں ہے کہ کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی امتی اس کا امام نہ بنے اور گویا یہی قرب وفات نبوی کی نشانی ہوتی ہے کیونکہ دین مکمل ہو چکا اور امت اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بن گئی، حتیٰ کہ ایک امتی اپنے نبی کا امام بھی بننے کے لائق ہو گیا، اگر کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت حضرت مہدی علیہ السلام کیونکر امامت کریں گے جبکہ غیر نبی، نبی کا امام نہیں ہو سکتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صرف پہلی نماز پڑھیں گے اور وہ بھی باجازت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوگی اور اس لئے بھی کہ اقامت ہو چکی ہوگی، حضرت مہدی مصلائے امامت پر پہنچ چکے ہوں گے صرف تحریمہ باقی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفعۃً اتر کر شرکت نماز فرمائیں گے اور اس وقت حضرت مہدی کو مصلائے امامت سے پیچھے ہٹانا اس لئے بھی مناسب نہ ہوگا کہ اس سے عدم اہلیت امامت کا شبہ ہوگا اور اسی لئے بعض روایات میں حضرت عیسیٰ کا یہ فرمانا بھی منقول ہوا ہے کہ ''انھا لک اقیمت'' (اقامت آپ ہی کے لئے کہی گئی ہے) اور شاید یہ الفاظ حضرت مہدی کے ارادہ تأخر ہی کو دیکھ کر آپ فرمائیں گے تاکہ پیچھے نہ ہٹیں، پھر پہلی نماز کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مستقل طور سے امام رہیں گے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب کی وجہ سے علوۃ علی القبر کا عدم جواز اس لئے بھی نہیں ثابت ہوتا کہ حضور علیہ السلام نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ ان قبور کے اندر اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور حق تعالیٰ میری نماز کی وجہ سے اہل قبور کے لئے نور عطا فرما دیتے ہیں (مسلم شریف) تو اس سے حضور کی خصوصیت معلوم ہوئی جو دوسروں کے لئے ثابت نہیں ہے اگر امام شافعی وغیرہ قائلین جواز اصلوٰۃ علی القبر اس کا ثبوت دیں تو دوسری بات ہے، ایسے ہی امام محمدؒ نے غائبانہ نماز کے بارے میں بھی خصوصیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ دوسرے حضور علیہ اسلام کی طرح نہیں ہیں۔

باب تحریم تجارة الخمر فی المسجد

(مسجد میں شراب کی تجارت کی حرمت کا اعلان)

۴۴۲. حدثنا عبدان عن ابی حمزة عن الاعمش عن مسلم عن مسروق عن عائشة قالت لما انزلت الأيات من سورة البقرة فی الربوٰا خرج النبی ﷺ الی المسجد فقرأهن علی الناس ثم حرم تجارة الخمر.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب سورہ بقرہ کی ربوٰ سے متعلق آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور ان آیات کی لوگوں کے سامنے تلاوت کی، پھر شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

تشریح: یعنی شراب جیسی حرام وخبیث چیز کی حرمت کا مسئلہ مسجد کے اندر بیان کیا جاسکتا ہے، شراب اور ربوا کا حکم ساتھ اس لئے بیان کیا کہ سود کھانے والے اور شراب پینے والے یکساں طور سے شیطان کے زیر اثر ہوتے ہیں، حرمت ربوا کی تاریخ امام طحاوی کی مشکل الآثار میں دیکھی جائے یہ بھی اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے اصول سے دارالحرب میں ربوا حلال ہے یعنی مسلم کو کافر سے لینا (کیونکہ اموال کفار دارالحرب کے لئے عصمت موثمہ حاصل نہیں ہے، التفصیل باقی فی محلّہ، ان شاء اللہ)

باب الخدم للمسجد وقال ابن عباس نذرت لک مافی بطنی محرراً للمسجد یخدمه

(مسجد کے لئے خادم) حضرت ابن عباسؓ نے (قرآن کی اس آیت) ''جو اولاد میرے بطن میں ہے اسے تیرے لئے آزاد چھوڑنے کی میں نے نذر مانی ہے'' کے متعلق فرمایا کہ مسجد کے لئے چھوڑ دینے کی نذر مانی تھی کہ اس کی ایک خدمت کیا کریگا)

۴۴۳. حدثنا احمد بن واقد حدثنا حماد عن ثابت عن ابی رافع عن ابی هریرة ان امرأة او رجلاً كانت تقم المسجد ولا اراه الا امرأة فذكر حديث النبی ﷺ انه صلی علی قبرها.

ترجمہ ۴۴۳: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت یا مرد مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، ثابت نے کہا میرا خیال ہے کہ وہ عورت ہے پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ کی حدیث نقل کی کہ آپ نے اس کی قبر پر نماز پڑھی۔

تشریح: یہ حضرت عمران کی بیوی اور حضرت مریم کی والدہ کا واقعہ ہے اور آپ نے نذر مانی تھی کہ میرا جو بچہ پیدا ہوگا اسے مسجد کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی، امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گذشتہ امتوں میں بھی مساجد کی تعظیم کے پیش نظر اپنی خدمات اس کے لئے پیش کی تھیں اور وہ اس میں اس حد تک آگے تھے کہ اپنی اولاد کو مسجد کی خدمت کے لئے وقف بھی کردیا کرتے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان امتوں میں اولاد کو نذر کردینا صحیح تھا، چونکہ لڑکوں کی نذر یہ لوگ کیا کرتے تھے اور امرءۃ عمران کے لڑکی پیدا ہوئی، اس لئے آپ نے اپنے رب سے معذرت کی کہ ''میرے رب میرے تو لڑکی پیدا ہوئی، الآیہ۔

باب الاسیر او الغریم یربط فی المسجد

۴۴۴. حدثنا اسحاق بن ابراهیم قال انا روح و محمد بن جعفر عن شعبة عن محمد ابن زیاد عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال ان عفریتا من الجن تفلت علی البارحة او كلمة نحوها لیقطع علی الصلوٰة فامكننی الله منه واردت ان اربطه الیٰ سارية من سواری المسجد حتیٰ تصبحو وتنظرو الیه كلكم فذكرت قول اخی سلیمان رب هب لی ملكاً لا ینبغی لاحد من بعدی قال روح فرده خاسئاً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ گذشتہ رات ایک سرکش جن اچانک میرے پاس

آیا، یا اسی طرح کی کوئی بات آپ نے فرمائی وہ میری نماز میں خلل انداز ہونا چاہتا تھا، لیکن خداوند تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دے دی اور میں نے سوچا کے مسجد کے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تا کہ صبح کو تم سب بھی اسے دیکھو لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آگئی ''اے رب مجھے ایسا ملک عطا کیجئے جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو'' راوی حدیث روح نے بیان کیا کہ آں حضور نے اس شیطان کو نامراد واپس کر دیا۔

تشریح: عہد نبوت میں جیل خانہ نہ تھا، بلکہ مسجد میں بٹھلا دیتے تھے اور وہاں سے کہیں کو جانے نہ دیتے تھے، پہلا جیل خانہ حضرت عمر نے مکہ معظمہ میں ایک گھر خرید کر بنایا تھا (افادہ الشیخ الانورؒ)

عفریت:۔ سرکش، طاغی، تفلت علی:۔منصف عبدالرزاق میں ہے کہ جن یا شیطان بلی کی شکل میں آیا تھا اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی میں ہے کہ وہ آپ کی طرف آگ کا شعلہ لے کر بڑھا تا کہ آپ گھبرا کر نماز توڑ دیں۔

قولہ لاینبغی لاحد من بعدی

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے اس دعاء سلیمانی کو ظاہر وعموم پر رکھا، ورنہ اس ایک واقعہ سے اس دعا کی حقیقی مراد پر کوئی اثر نہ پڑتا، پھر فرمایا کہ دعاؤں اور نذروں کے الفاظ وظاہر پر ہی حکم ہوتا ہے، غرض ومعنی پر نہیں، جیسا کہ مسند احمد میں ہے، ایک دفعہ حضور علیہ السلام حضرت عائشہؓ کے پاس تھے، کسی بات پر آپ نے ان کو فرمادیا، مالک قطع الله یدیک (تمہیں کیا ہوا، اللہ تمہارے ہاتھ کاٹے) پھر باہر تشریف لے گئے، واپس آئے تو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے خون نکل رہا تھا، فرمایا، یہ کیا؟ کہا کہ دعا آپ کی! پھر آپ نے دعا فرمائی تو اچھا ہو گیا اور اسی لئے حدیث مشکوٰۃ میں ہے کہ اولاد کو بددعا نہ دو! ممکن ہے کہ وقت قبولیت ہی کا ہو، حضور نے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا، مگر تکوین الٰہی آپ کے الفاظ ہی پر جاری ہوگئی۔

باب اغتسال اذا اسلم و ربط الاسیر ایضاً فی المسجد و کان شریح یامر الغریم ان یحبس الیٰ ساریة المسجد

(اسلام لانے کے وقت غسل کرنا اور قیدی کو مسجد میں باندھنا، قاضی شریحؒ قرضدار کے متعلق حکم دیا کرتے تھے کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیا جائے)

۴۴۵. حدثنا عبدالله بن یوسف قال حدثنا اللیث قال حدثنی سعید بن ابی سعید انه سمع ابا هریرة قال بعث النبی ﷺ خیلاً قبل نجد فجآء ت برجل من بنی حنیفة یقال له ثمامة بن اثال فربطوه بسارية من سواری المسجد فخرج الیه النبی ﷺ فقال اطلقوا ثمامة فانطلق الی نخل قریب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال اشهد ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے چند سوار نجد کی طرف بھیجے، یہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا پکڑ لائے، انہوں نے قیدی کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا، پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو (رہائی کے بعد) ثمامہ مسجد نبوی سے قریب ایک باغ تک گئے اور غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوئے اور کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمد ارسول اللہ۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اسلام لانے کے لئے غسل مستحب ہے اور غسل جنابت بعد الاسلام کے لئے شرح وقایہ سے تفصیل دیکھی جائے یعنی جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے والا جنبی نہ ہو تو اسلام لانے کے لئے غسل واجب نہیں ہے، البتہ امام احمد واجب کہتے ہیں، لامع الدراری ص ۱۸۰ ج ۱ میں بھی اچھی تفصیل ہے۔

باب الخیمة فی المسجد للمرضیٰ وغیرهم

(مسجد میں مریضوں وغیرہ کے لئے خیمہ)

۴۴۶. حدثنا زکریا بن یحییٰ قال حدثنا عبداللہ بن نمیر قال حدثنا هشام عن ابیه عن عائشة قالت اصیب سعد یوم الخندق فی الاکحل فضرب النبی ﷺ خیمة فی المسجد لیعوده من قریب فلم یرعهم وفی المسجد خیمة من بنی غفار الا الدم یسیل الیهم فقالوا یآهل الخیمة ما هٰذاالذی یاتینا من قبلکم فاذا سعد یغذو جرحه دماً فمات منها.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ غزوہ خندق میں سعدؓ کے بازو کی ایک رگ (اکحل) میں زخم آیا تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے مسجد میں ایک خیمہ نصب کرادیا تھا تاکہ آپ قریب رہ کر ان کی دیکھ بھال کیا کریں، مسجد ہی میں بنی غفار کے لوگوں کا بھی ایک خیمہ تھا، سعدؓ کے زخم کا خون (جو رگ سے بکثرت نکل رہا تھا) بہہ کر جب ان کے خیمہ تک پہنچا تو وہ گھبرا گئے، انہوں نے کہا خیمہ والو؟ تمہاری طرف سے یہ کیسا خون ہمارے خیمہ تک آتا ہے، پھر انہیں معلوم ہوا کہ یہ خون سعدؓ کے زخم سے بہا ہے، حضرت سعدؓ کا انتقال اسی زخم کی وجہ سے ہوا۔

تشریح: امام بخاریؒ مسجد کے احکام میں بڑی توسع کا مسلک رکھتے ہیں، اس حدیث سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ زخمیوں اور مریضوں وغیرہ کو بھی مسجد میں رکھا جاسکتا ہے بلا کسی خاص مجبوری کے، حدیث میں جو واقعہ ذکر ہوا ہے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی سے اس کا تعلق ہے، لیکن سیرت ابن اسحاق میں یہی واقعہ جس طرح بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مسجد نبوی کا نہیں بلکہ کسی اور مسجد سے اس کا تعلق ہے پھر یہاں خاص طور پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب غزوات وغیرہ میں تشریف لے جاتے تو نماز پڑھنے کے لئے کوئی خاص جگہ منتخب فرمالیتے اور چاروں طرف سے کسی چیز کے ذریعہ اسے گھیر دیتے تھے، اصحاب سیر ہمیشہ اس کا ذکر مسجد کے لفظ سے کرتے ہیں حالانکہ فقہی اصول کی بناء پر مسجد کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا اور نہ مسجد کے احکام کے تحت ایسی مساجد آتی ہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قیام بھی اسی طرح کی مسجد میں تھا، کیونکہ غزوہ خندق سے فراغت کے فوراً بعد آں حضور ﷺ نے بنوقریظہ کا محاصرہ کیا تھا اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ وہ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تھے، اس لئے قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جب فوراً ہی بعد آپ بنوقریظہ کے محاصرہ کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت سعدؓ کو اپنے قریب رکھ کر ان کی دیکھ بھال کے لئے آپ نے اسی مسجد میں انہیں ٹھیرایا ہوگا جو بنوقریظہ کے محاصرہ کے وقت آپ نے وقتی طور پر نماز پڑھنے کے لئے بنائی ہوگی، نماز پڑھنے کے لئے ایسی کوئی جگہ جسے اصحاب سیر مسجد لکھا کرتے ہیں، مسجد کے حکم میں نہیں ہے اور زخمی یا مریض کو بلا کسی خاص ضرورت کے ایسی مسجد میں ٹھہرانا درست ہے، مسجد نبوی بنی قریظہ سے فاصلہ پر واقع ہے اس لئے جس وقت آپ بنوقریظہ کا محاصرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے اگر حضرت سعدؓ کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا ہوتا تو پھر انہیں قریب رکھ کر عیادت کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔

امام بخاری کے "باب الخیمة فی المسجد" سے بظاہر یہی متبادر ہے کہ وہ خیمہ حضرت سعدؓ کو بھی مسجد نبوی سمجھے ہیں اور حافظ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے مگر حضور اکرم ﷺ کا یہ حکم کہ حضرت سعدؓ کا خیمہ مسجد میں لگادیا جائے تاکہ قریب سے ان کی دیکھ بھال فرماسکیں، بنی قریظہ سے کئی میل کے فاصلہ پر کس طرح ہوسکتا تھا، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ ان کا الگ سے چھوٹا خیمہ آپ نے بنی قریظہ والی مسجد میں نصب کرایا ہوگا جہاں آپ غزوہ خندق سے فارغ ہوتے ہی تشریف لے گئے تھے کہ گھر آکر پوری طرح غسل بھی نہ کر پائے تھے اور حضرت جبرئیل حضرت وحیہ کلبیؓ کی صورت میں گھوڑے پر سوار باب جبریل پر آگئے اور فرمایا کہ ہم فرشتوں کی فوج نے ابھی تک ہتھیار نہیں کھولے اور حکم ربی ہے کہ فوراً بنی قریظہ کا محاصرہ کیا جائے، اس وقت حضرت جبریل کے چہرہ وغیرہ پر غزوۂ خندق کا گرد وغبار بھی موجود تھا، چنانچہ حضور علیہ السلام

نے حضرت علیؓ کو ایک دستہ فوج صحابہ کیساتھ تو فوراً ہی روانہ فرما دیا اور حکم دیا کہ ہر شخص بنی قریظہ پہنچ کر ہی نماز عصر پڑھے لیکن وہ حضرات بعد مغرب تک ہی پہنچ سکے کیونکہ فاصلہ تقریباً چار میل کا تھا مسجد قبا دو میل ہے مسجد نبوی سے اور اتنا ہی فاصلہ وہاں سے بنو قریظہ تک اور ہے جیسا کہ نقشہ سے معلوم ہوگا پھر راستوں کے پیچ وخم الگ رہے کہ اس سے بھی میل سوا میل کا اضافہ ہوا ہوگا۔

اب رہا یہ کہ بظاہر رفیدہ کا خیمہ تو مسجد نبوی میں ہی رہا ہوگا تو حضرت سعدؓ کے خیمہ سے ان کے خیمہ تک خون کیونکر بہا ہوگا؟ اور اسی اشکال کی وجہ سے غالباً حافظؒ کا مذکورہ بالا رجحان ہوگا، مگر دوسری بات کے قرائن زیادہ ہیں مثلاً حضور علیہ السلام کا محاصرۂ بنی قریظہ جو تقریباً ایک ماہ رہا، ظاہر ہے کہ ۴، ۵ کلومیٹر کا فاصلہ بعودہ من قریب کے منافی ہے، دوسرے علامہ عینی نے لکھا جو بلند پایہ مورخ بھی ہیں کہ حضرت سعد کی وفات غزوہ خندق سے ایک ماہ بعد اور بنو قریظہ کے لئے فیصلہ دینے سے چند شب بعد ہوئی ہے (عمدہ ۴۲۸، ۴۵۸) تو بظاہر یہی ہے کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ نے بھی فیصلہ کے بعد بنو قریظہ کے محلّہ سے کوچ فرما لیا ہوگا اور مسجد نبوی میں آ گئے ہوں گے پھر ایک دو شب حضرت سعد کا خیمہ رفیدہ کے خیمہ سے قریب لگا ہوگا اور چونکہ اتنی مدت تک آپ کے بازو کی رگ سے خون نکلنا بند تھا، اس لئے مسجد کی تلویث کا بھی احتمال نہ رہا تھا، لیکن دوسری طرف حضرت سعد کی دعا بھی قبول ہو چکی تھی کہ "بارالہا! اگر اس کے بعد بھی کوئی غزوہ قریش سے کرنا باقی ہے تو مجھے بھی باقی رکھ لے ورنہ اپنے پاس بلا لے" چنانچہ یہ دعا فوراً ہی قبول ہوگئی اور وہ خون کی رگ جس کو خود حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے داغ دے کر بند کر دیا تھا، وہ پھر سے کھل گئی اور حضرت سعد جاں بر نہ ہو سکے۔　ع　"بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن"

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ لامع الدراری ص ۱۸۰ ج ۱ میں ایک احتمال یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت سعد کا خیمہ جس مسجد میں تھا وہ مسجد نبوی اور مسجد بنی قریظہ کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے جو غزوہ خندق کے موقع پر حضور علیہ السلام کی مسجد تھی اور اس احتمال کو غیر بعید بھی فرما دیا حالانکہ یہ ابعد بعید ہے کیونکہ حضور علیہ السلام جانب شمال کے غزوہ خندق سے فارغ ہو کر مسجد نبوی پہنچ کر جانب جنوب کے بنی قریظہ کیلئے ایک ماہ کے محاصرہ کے واسطے تشریف لے جا چکے ہیں اور یہ جگہ........... نقشہ سے معلوم ہوگا کہ غزوہ خندق والی مسجد سے تقریباً ۸، ۹ میل دور ہو جاتی ہے تو قریب سے عیادت کا کیا مطلب بنے گا جو بخاری ہی کی اسی حدیث الباب میں مذکور ہے، دوسرے یہ کہ مسجد ذباب سے یا وہاں کے جنگل غیر آباد سے اب تعلق ہی کیا رہ گیا تھا کہ حضرت سعد کا خیمہ وہاں باقی رہتا یا لگوایا جاتا۔

چونکہ ایسے احتمالات بعیدہ کا منشاء پوری طرح پر دور نبوت کا نقشہ ذہن میں نہ ہونا ہے اس لئے ہم نے کوشش کر کے مدینہ طیبہ کا اور مسجد نبوی کا بھی اسی دور کا پیش کرنے کی سعی کی ہے، جس سے بہت سے دوسرے مقامات بھی سمجھنے میں آسانی ہوگی، ان شاء اللہ

ضروری ومختصر وضاحتیں

(اس کے ساتھ دونوں نقشے ملاحظہ کریں)

حرم مدینہ: مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں، مدینہ کے دونوں لابوں کے درمیان حرم ہے، اس میں شکار نہ کیا جائے اور اس کے کانٹے دار درخت بھی نہ کاٹے جائیں، اس امر میں اختلاف ہے کہ حرم مدینہ کے بعینہ وہی احکام ہیں جو حرم مکہ کے ہیں یا فرق ہے، اس کی بحث بخاری باب حرم المدینہ ص ۲۵۱ میں آئے گی، ان شاء اللہ۔

مسجد نبوی: ہم نے صرف اس حصہ کا نقشہ دیدیا ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں مسجد تھی، حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مسجد نبوی کے صرف تین دروازے تھے ایک جنوب کی طرف۔ دوسرا بجانب غرب جو باب الرحمہ کے مجازی تھا، تیسرا بجانب شرق جو پہلے باب آل عثمان کہلاتا تھا اور اب باب جبریل نام ہے، تحویل قبلہ کے بعد جنوبی دروازہ بند کر کے اس کے مقابل شمال میں دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ حضرت

عمرؓ نے اضافۂ مسجد نبوی کے وقت تین دروازوں کا اضافہ کردیا تھا، ایک باب السلام، دوسرا باب النساء اور تیسرا موجودہ باب مجیدی کے مقابل پھر مہدی عباسی کے اضافہ کے وقت ۲۴ دروازے ہو گئے تھی۔

مسجد ذباب: جبل احد کے راستہ میں جبل ذباب کے قریب ہے جہاں غزوۂ خندق میں خیمۂ نبویہ نصب ہوا تھا۔ تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا تھا۔

مسجد بنی قریظہ: ایام محاصرۂ یہود بنی قریظہ حضور علیہ السلام نے یہاں تقریباً ایک ماہ نمازیں پڑھی تھیں۔

مسجد الفضیخ: عوالی کے شرق میں بلندی پر واقع ہے، یہود بنی نضیر کے محاصرہ کے وقت حضور علیہ السلام نے یہاں ۶ دن نمازیں پڑھی ہیں۔

مسجد فاطمہؓ: بقیع کے اندر ہے، کل مساجد و مشاہد متبرکہ مدینہ طیبہ اور حوالی مدینہ کی تعداد فتح القدیر وغیرہ میں تیس ۳۰ بتلائی گئی ہے۔

مصلے الجنائز: مسجد نبوی کے باہر باب جبریل سے مسجد نبوی کے مشرقی جنوبی گوشہ تک ہے۔ یہ جگہ حضور علیہ السلام اور صحابہ[۱] کرام کے دور میں نماز جنازہ کے لئے تھی۔

بیوت امہات المومنینؓ: تعمیر مسجد نبوی کے ساتھ ہی دو حجرے بھی تعمیر ہوئے تھے، ایک حضرت سودہؓ کے لئے دوسرا حضرت عائشہؓ کے واسطے جواب بھی اپنی جگہ پر ہے اور حضور اکرم ﷺ حضرت ابوبکر و عمرؓ استراحت فرما ہیں اور ایک قبر کی جگہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے چھوٹی ہوئی ہے یہ قرب قیامت میں نزول فرما کر اپنے کارہائے مفوضہ انجام دے کر وصال فرمائیں گے اور اس جگہ دفن ہوں گے۔

دوسری امہات المومنینؓ کے بیوت مبارکہ باقی حصۂ مشرقی مسجد نبوی اور جانب شمال و جنوب میں تھے جو توسیع مسجد نبوی کے وقت سے مسجد نبوی کا جزو بن گئے تھے، البتہ حضرت فاطمہؓ کے بیت مبارک کی جگہ اب بھی بیت حضرت عائشہؓ کے شمال میں محفوظ ہے۔

دار حضرت ابی ایوبؓ: جس میں سات ماہ حضور اقدس ﷺ نے قیام فرمایا تھا، مسجد نبوی کے مشرق و جنوب میں تھا۔

دار حضرت ابوبکرؓ: مسجد نبوی کے غربی حصہ میں موجودہ باب السلام کے قریب شمال میں تھا۔ جس کیلئے بطور علامت اب بھی خوخہ کا کتبہ موجود ہے۔

دار حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ: حضرت ابوبکرؓ کے بیت مبارک سے شمال میں تھا یہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

دار حضرت عمرؓ و آل عمرؓ: حجرۂ مبارکہ حضرت حفصہؓ (واقع سمت جنوب مسجد نبوی) سے متصل حضرت عمرؓ کا مکان تھا جس پر دیار ال عمر لکھا ہوا ہے اور دار عشرہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

دار حضرت عثمانؓ: آپ کا بڑا مکان مسجد نبوی کے قریب دار ابی ایوب سے شمال میں تھا اور چھوٹا اس سے شرق میں تھا جس کے قریب حضرت ابوبکرؓ کا دوسرا مکان تھا اور حضرت ابوبکرؓ کا تیسرا مکان عوالی مدینہ کے مقام سخ میں بھی تھا، جس میں آپ وقت وفات نبوی تشریف رکھتے تھے۔

دار حضرت علیؓ: آپ کا ایک مکان بقیع کے پاس بھی تھا اور دوسرا یہی حضرت فاطمہؓ کا تھا۔

دوسرے دیار و بیوت کبار صحابہؓ: حضرت ابوایوبؓ کے بیت مبارک کے قریب ہی حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد ابن عبادہ، حضرت عمارہ بن حزم وغیرہ کے مکانات تھے، اور یوں تو سارا مدینہ طیبہ ہی حضرات صحابہ سے آباد تھا اور زائرین طیبہ کے لئے انتہائی شرف میسر ہوتا ہے کہ وہ قیام مدینہ منورہ کے زمانہ میں کسی نہ کسی صحابی رسول ﷺ کے بیت مبارک و مقدس کی جگہ شب و روز گذارتے ہیں۔ قبائل مہاجرین کے منازل کی تفصیل وفاء الوفا جلد اول کی آخری فصل میں ہے۔

---

[۱] اس بارے میں مکمل و مدلل تحقیق حضرت مولانا عبداللہ خان صاحب (تلمیذ رشید حضرت علامہ کشمیریؒ) نے مستقل رسالہ میں درج کردی ہے جو شائع ہو گیا ہے اور مکتبہ نعمانیہ دیوبند، الجمعیۃ بکڈپو دہلی اور مکتبہ ناشر العلوم بجنور سے مل سکے گا۔ ان شاء اللہ

نقشہ مدینہ منوّرہ
جبل ثور
الغابہ
جبل احد
شہداء احد
وادی قناۃ
جبل الرماۃ
معرکہ خندق
خندق
جبل ذباب
مسجد ذباب
جبل سلع
مسجد الفتح
یثرب
منازل بنی حارثہ
العریض
بئر بضاعہ
بئر ابی ایوب
بئر حاء
قلعہ
باب شامی
المدینۃ المنورۃ
البقیع
باب الجمعہ
باب العوالی
نخلستان
باغات
مسجد الاجابہ
منازل بنی عبدالاشہل
مسجد بنی ظفر
منازل بنی ظفر
باب عنبریہ
وادی مہزور (عالی)
وادی بطحان
بئر غرس
مسجد الجمعہ
العوالی
بئر اریس
مسجد قباء
وادی رانوناء
منازل بنی قریظہ
مسجد بنی قریظہ
مسجد فضیخ
منازل بنی نضیر
دار سعد بن خیثمہ
دار کلثوم بن الہدم
لابہ کی چٹانیں
الحرۃ
جبل عیر
ثنیۃ الوداع
ذوالحلیفہ

مسجد نبوی دورِ رسالت مقدسہ کا سطحی نقشہ (سمتِ قبلہ جانبِ جنوب)

مسجد نبوی دور رسالت مقدمہ کا سطحی نقشہ (سمت قبلہ جانب جنوب)

(۱) محراب سلیمانی (۲) منبر نبوی (۳) محراب نبوی (۴) اسطوانہ حضرت عائشہؓ (۵) اسطوانہ ابولبابہ (۶) اسطوانہ سریر نبوی (۷) اسطوانہ حرس (۸) مکبرہ (۹) اسطوانہ وفود (۱۰) مقام محراب نبوی بزمانہ قبلہ بیت المقدس (۱۱) باب شامی (۱۲) محل اصحاب الصفہ (۱۳) مکبرہ (۱۴) مواجہ شریفہ (۱۵) روضہ مقدسہ نبویہ و حضرت سیدنا صدیق و حضرت سید فاروقؓ (۱۶) قبر سیدتنا فاطمہؓ (۱۷) محراب تہجد نبوی (۱۸) باب حضرت جبریل علیہ السلام (۱۹) باب الرحمۃ۔

یہ نشان عام ستون کا ہے اور ◎ کا روضۂ جنت کے ستونوں کا ہے (نوٹ) مسجد نبوی پہلی با ہجرت کے پہلے سال بنی تھی جس کا طول جنوب مشرق میں تقریباً ستر ذراع تھا اور عرض شرق و غرب میں ساٹھ ذراع تھا پھر غزوہ خیبر کے بعد ۷ھ میں دوبارہ حضور علیہ السلام اور صحابۂ کرام نے تعمیر کی تو دونوں جانب بڑھا کر ایک ایک سو ذراع مربع کردی تھی ذراع ایک ہاتھ یا دو بالشت کا یعنی ڈیڑھ فٹ ۱-۲/۱ ہوتا ہے ہم نے یہاں صرف دور نبوت کی مسجد نبوی دکھلائی اور اسی دور کے دوسرے آثار متبرکہ بھی نمایاں کئے ہیں، دوسرے نبوت کے بعد کے اضافات نہیں دکھلائے ہیں اور ان کے نقشے الگ سے مل بھی جاتے ہیں، جس طرح مدینہ طیبہ کی آبادی کا نقشہ بھی ہم نے صرف اسی دور نبوت کا دکھلانے کی سعی کی ہے تاکہ قرآن مجید، احادیث و سیر میں ذکر شدہ چیزوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ وللہ الحمد والمنہ۔

بئر اریس: مسجد قبا سے غربی سمت تقریباً دوسوگز فاصلہ پر ہے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام اس کی من پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے تھے، اور حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت صدیق ؓ، حضرت فاروق ؓ وحضرت عثمان ؓ آپ کو تلاش کرتے ہوئے پہنچے تو آپ کے اتباع میں پاؤں لٹکا کر ساتھ بیٹھے تھے، اس کو بئر خاتم بھی کہتے ہیں اور اس میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے مہر نبوی کے گرنے اور پھر نہ ملنے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔

بئر عروہ: مدینہ کے غرب میں حضرت عروہ ابن زبیر کا مملوکہ تھا، اتنا شیریں، ہاضم اور ہلکا تھا کو بطور تحفہ ہارون رشید کے لئے بغداد بھیجا جاتا تھا۔

بئر بضاعہ: اس کے پانی کے بارے میں حدیث میں سوال اور جواب نبوی مشہور ہے۔ بہت بڑا کنواں ہے کہ اس کا پانی آب جاری کے حکم میں ہے۔

بئر انا: محاصرۂ بنی قریظہ کے وقت خیمۂ نبویہ اس سے متصل تھا، اب یہ کنواں معدوم ہوگیا ہے۔ (سب ابیار مطہرہ ۱۸......۲۰ ہیں)

بئر ذروان: اس کنویں میں لبید بن اعصم یہودی نے حضور علیہ السلام کے بالوں پر سحر کر کے کنگھے میں باندھ کر دفن کئے تھے، اور حضور نے معوذتین کی گیارہ آیات پڑھ کر ایک ایک آیت سے ایک ایک گرہ کھول دی تھی۔ جس سے سحر کا اثر ختم ہوگیا تھا، جو ایک سال تک رہا تھا، لیکن اس سے معمولات نبوی پر کوئی اثر نہ تھا، صرف معمولی اثر دوسرا ہوا تھا (الروض ص۲۴،۲) یہ کنواں محلّہ نخاولہ کے قریب تھا، اب بند پڑا ہے۔ بخاری ص ۴۶۳ میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے حکم سے ہی اس کو پٹوا دیا گیا تھا۔ نیز دیکھو بخاری ص ۸۵۸، ۸۵۷۔

باغات: مدینہ منورہ کے اردگرد بہ کثرت باغات تھے اور اب بھی ہیں۔ کچھ نقشہ میں بھی دکھلائے گئے ہیں۔

مقابر: سب سے بڑی زیارت گاہ خلائق تو مزار اقدس نبوی ہے، جس کی زیارت کا شرف اعظم حاصل کرنے کے لئے ابتداء اسلام سے اب تک ساری دنیا کے مسلمان سفر کرتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ پھر جنۃ البقیع کی قبور مقدسہ مطہرہ ہیں۔ اس کے بعد مزارات سیدنا حضرت حمزہ وشہدائے احد وغیرہ ہیں۔

سقیفۂ بنی ساعدہ: اسی جگہ (وفات نبوی کے بعد) حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی تھی۔

خندق: غزوہ خندق یا غزوہ احزاب کے موقع پر یہ خندق قوی شکل میں مدینہ طیبہ کے تمام شمالی حصہ کو محفوظ کرنے کے لئے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ نے کھودی تھی۔ کیونکہ باقی اطراف قدرتی طور سے محفوظ تھے۔

جبال مدینہ: مدینہ طیبہ کے شمال میں سب سے بڑا پہاڑ جبل احد ہے جس کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ پہاڑ چھ ہزار میٹر (پونے چار میل) لمبا ہے، اسی کے عقب میں جبل ثور ہے، جو حرم مدینہ کی شمالی حد ہے۔ ایک پہاڑ سلع ہے کہ اس کو پشت پر رکھ کر اور خندق کو سامنے کر کے دس ہزار کفار قریش وبنی غطفان کی کامیاب مدافعت نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے کی تھی۔

لابتان: یہ مدینہ طیبہ کے دائیں بائیں (شرق وغرب) میں لاوہ کی دو پتھریلی چٹانیں ہیں، جو حرم مدینہ کے شرقی وغربی حد بھی ہیں اور تیسرے لابۂ جنوبی کے ساتھ مل کر اس کی قدرتی محافظ ہیں۔ لابتان کا ذکر حدیث میں بھی ہے۔

وادیاں: مدینہ طیبہ کے گرد ۶ وادیاں ہیں جن میں پہاڑوں کا بارانی پانی بہہ کر زغابہ کی طرف چلا جاتا ہے اور شہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

زغابہ: مدینہ کے شمال غرب میں بڑا وسیع نشیبی میدان ہے، جہاں نواح مدینہ کی تمام وادیوں کا سیلابی پانی جمع ہوتا ہے اسی میدان میں غزوۂ خندق میں کفار قریش نے چھاؤنی ڈالی تھی اور تیر اندازی کی تھی۔

غابہ: یہ بہت بڑا طویل وعریض بن اور جنگل زغابہ سے آگے شمال میں ہے۔

منازل قبائل: مدینہ طیبہ کے مشرق میں پہلے یہودیوں کے قبائل آباد تھے وہ بھی نقشہ میں دکھائے گئے ہیں۔

ثنیۃ الوداع: حرۂ وبرہ کے جنوبی کنارے پر وہ مقام ہے جہاں قادمین کا استقبال اور تودیع کی جاتی تھی، دوسرا ثنیہ شمالی سرے پر ہے۔

مناخہ: مدینہ منورہ کا وہ میدان جس کو حضور علیہ السلام نے بطور بازار کے تجویز کیا تھا، وہاں اونٹ پر غلہ وغیرہ لاتے تھے اور بیٹھتے تھے، اسی لئے اس جگہ کا نام مناخہ پڑ گیا۔
یثرب: مدینہ کے شمال میں یہود کی قدیم بستی تھی ان کے شرقی جانب منتقل ہونے کے بعد وہاں بنو حارثہ آباد ہوئے تھے پھر سارا مدینہ ہی یثرب کہلایا جانے لگا تھا۔
محلّہ قباء: مدینہ منورہ کی جنوبی سمت ہے جہاں قبیلہ بنی عمرو بن عوف آباد تھا اور ان کی درخواست پر حضور علیہ السلام نے پہلے وہاں ہی قیام فرمایا تھا، حضرت کلثوم بن ہدم کا گھر حضور کی قیام گاہ تھی جہاں اب بیضوی قبہ ہے، مسجد قباء کے جنوب میں تقریباً ۴۰ فٹ پر، وہ اب مقام العمرہ کہلاتا ہے اور اس سے متصل ہی مسجد کی طرف دوسرا قبہ جو اب بیت فاطمہؓ کہلاتا ہے سعد بن خثیمہ کا گھر تھا وہ حضور کی مردانہ نشست گاہ تھی اور مسجد قبا کے صحن میں جو قبہ مبرک ناقہ کہلاتا ہے وہاں آپ کی اونٹنی مکہ سے آکر بیٹھی تھی، مسجد قبا کی فضیلت اور دوسرے حالات مشہور ہیں۔

باب ادخال البعیر فی المسجد للعلة وقال ابن عباسؓ طاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ بعیرہ

(کسی ضرورت کی وجہ سے مسجد میں اونٹ لے جانا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا تھا)

۴۴۷. حدثنا عبداللہ بن یوسف قال انا مالک عن محمد بن عبدالرحمن ابن نوفل عن عروة بن الزبیر عن زینب بنت ابی سلمة قالت شکوت الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اشتکی قال طوفی من ورآء الناس وانت راکبة فطفت ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الیٰ جنب البیت یقراء بالطور و کتاب مسطور.

ترجمہ ۴۴۷: حضرت ام سلمہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں) اپنی بیماری کے متعلق کہا تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے پیچھے سوار ہو کر طواف کر لو پس میں نے طواف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیت اللہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے، آپ آیت والطور و کتاب مسطور کی تلاوت کر رہے تھے۔
تشریح: امام بخاریؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ بیت اللہ مسجد حرام میں ہے اس لئے اس کا طواف سوار ہو کر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کی بناء پر مسجد میں اونٹ وغیرہ لے جانا جائز ہے لیکن عہد نبوی میں بیت اللہ کے علاوہ اور کوئی عمارت وہاں نہیں تھی صرف اردگرد مکانات تھے بعد میں حضرت عمرؓ نے ایک احاطہ کھنچوا دیا تھا، اس لئے حضرت ام سلمہ کا اونٹ مسجد میں کہاں داخل ہوا؟ حضرت ام سلمہؓ نماز پڑھنے کی حالت میں آنحضور کے سامنے سے گذری تھیں کیونکہ وہ بھی طواف کر رہی تھی اور طواف نماز کے حکم میں ہے۔

باب: ۴۴۸. حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا معاذ بن ہشام قال حدثنی ابی عن قتادة قال حدثنا انس ان رجلین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرجا من عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدھما عباد بن بشر واحسب الثانی اسید ابن حضیر فی لیلة مظلمة و معھما مثل المصباحین یضیئآن بین ایدیھما فلماافترقا صار مع کل واحد منھما واحد حتیٰ اتیٰ اھلہ

ترجمہ: حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ دو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد سے نکلے ایک عباد بن بشر اور دوسرے صاحب کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ اسید بن حضیر تھے، رات تاریک تھی اور دونوں اصحاب کے پاس منور چراغ کی طرح کوئی چیز تھی جس سے آگے روشنی پھیل رہی تھی، وہ دونوں اصحاب جب ایک دوسرے سے (راستے میں) جدا ہوئے تو دونوں کے ساتھ اسی طرح کی ایک ایک روشنی تھی آخر وہ اسی طرح اپنے گھر پہنچ گئے۔
تشریح: یہ دونوں اصحاب رضوان اللہ علیہما نماز عشاء کے بعد دیر تک مسجد نبوی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے پھر جب یہ باہر تشریف لائے تو رات اندھیری تھی اور صحبت نبوی کی برکت سے راستہ منور کر دیا گیا تھا، حافظ نے لکھا کہ یہ باب امام بخاری نے بلاترجمہ وعنوان کے باندھا ہے اور علامہ ابن رشید کی یہ بات بھی یہاں نہیں چل سکتی کہ امام بخاری کا باب بلاترجمہ پہلے ہی باب کے تحت مثل فصل کے ہوا کرتا ہے، کیونکہ یہاں کوئی بھی مناسبت پہلے باب ادخال البعیر فی المسجد سے نہیں ہے، البتہ ابواب مساجد سے اتنا تعلق ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں صحابی حضور علیہ السلام کے ساتھ دیر تک انتظار صلوٰۃ کے لئے مسجد میں رکے تھے اور رات اندھیری تھی، واپسی مسجد میں بلانور کے پریشانی

تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صحابی کے لئے یہ کرامت عطا کی، یہ حدیث انسؓ کتاب المناقب میں بھی آئے گی اور وہاں ان دونوں صحابی کے نام اسید بن حضیر اور عباد بن بشر مذکور ہیں (فتح الباری ۳۷۴ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- من عند النبی ﷺ سے مراد چونکہ آپ کی مسجد سے نکلنا ہے تو یہی مناسبت ہوگی اور حدیث الباب سے کرامت کا ثبوت ہے جس کا ابن حزم نے "ملل ونحل" میں انکار کیا ہے کہ اس سے کرامت ومعجزہ میں فرق نہیں رہتا، پھر ابن حزم باوجود انکار کرامت کے قبولیت دعا کے قائل ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر دعاء خارق عادت امر کے لئے ہو تو پھر بھی فرق نہ رہے گا در مختار اور شرح عقائد میں ہے کہ کرامت ومعجزہ دونوں کا تعلق ہر چیز سے ہوسکتا ہے، لہٰذا ہر خارق عادت امر جب وہ نبی کے ذریعہ صادر ہو وہ معجزہ کہلائے گا اور وہی اگر ولی سے ہو تو کرامت کہلائے گا، لیکن صاحب رسالہ قشیریہ علامہ ابوالقاسم کی رائے یہ ہے کہ بعض چیزیں معجزہ کے ساتھ خاص بھی ہوتی ہیں جو ولی سے نہیں ہوسکتیں، اور میری بھی یہی رائے ہے کیونکہ علامہ موصوف خود بھی صاحب کرامات تھے، لہٰذا ان کی رائے زیادہ وقیع ہے، کرامت ومعجزہ میں فرق مقدمہ ابن خلدون اور شیخ اکبر کی تالیفات میں دیکھا جائے۔

پھر فرمایا کہ ولی میت کو زندہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ مجھے اس میں عرصہ تک تردد رہا پھر قائل ہوگیا کہ کرامت سے زندہ ہوسکتا ہے اور عارف جامیؒ کا واقعہ دیکھا جو شیخ عبدالغنی نابلی حنفی نے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ان کے لئے کسی مالدار نے آزمائش کے لئے دعوت میں مردار مرغ پکوا کر سامنے رکھ دیا، عارف جامی نے اس کو قم باذن اللہ کہا تو وہ مرغ زندہ ہوگیا، اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلیؒ کا واقعہ احیاء میت کا ذکر کرتے ہیں، واللہ اعلم سند کس درجہ کی ہے، بجنور میں بھی ایک شخص کو دیکھا تھا کہ لوگوں کے سامنے کبوتر کی گردن کاٹ دیتا تھا اور پھر ملا کر زندہ کر دیتا تھا، میں نے اس سے دریافت کیا تو بتلایا کہ ہم صرف تھوڑی دیر کے لئے ایسا کر سکتے ہیں، اگر زیادہ وقت گذر جائے تو پھر زندہ نہیں کر سکتے۔

علامہ ذہبی نے اپنی کتاب "العلو والعرش" میں لکھا کہ شیخ عبدالقادر جیلیؒ کی کرامات بارش کے قطروں کی طرح بہ کثرت وتواتر ثابت ہیں۔

محقق عینیؒ نے بھی کرامات اولیاء کا اثبات کیا ہے اور ایک واقعہ بھی شیخ حسام الدین رہاویؒ کا لکھا ہے (عمدہ ۴۳۱ ج ۲)

باب الخوخة والممر فى المسجد

(مسجد میں کھڑکی اور راستہ)

۴۴۹. حدثنا محمد بن سنان قال نا فليح قال نا ابو النضر عن عبيد بن حنين عن بسر بن سعيد عن ابى سعيد الخدرى قال خطب النبى ﷺ فقال ان الله سبحانه خيرا عبدا بين الدنيا و بين ما عنده فاختار ما عند الله فبكىٰ ابو بكر فقلت فى نفسى ما يبكى هٰذا الشيخ ان يكن الله خير عبداً بين الدنيا و بين ما عنده فاختار ما عند الله عزو جل فكان رسول الله ﷺ هو العبد و كان ابو بكر اعلمنا فقال يا ابا بكر لا تبک ان امن الناس علىّ فى صحبته و ماله ابو بكر ولو كنت متخذا من امتى خليلاً لا تخذت ابا بكر ولكن اخوة الاسلام و مودته لا يبقين فى المسجد باب الا سد الا باب ابى بكر.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا وآخرت کے درمیان اختیار دیا کہ وہ جس کو چاہے (اختیار کرے) بندہ نے آخرت کو پسند کیا، اس پر ابوبکرؓ رونے لگے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر خدا نے اپنے کسی بندہ کو دنیا اور آخرت میں سے کسی کو اختیار کرنے کے لئے کہا اور بندہ نے آخرت اپنے لئے پسند کرلی تو اس میں ان بزرگ (حضرت ابوبکر) کے رونے کی کیا بات ہے لیکن بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ہی وہ بندہ تھے اور ابوبکر ہم سے زیادہ جاننے والے تھے، آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا، ابوبکر آپ روئیے مت، اپنی صحبت اور اپنی دولت کے ذریعہ تمام لوگوں سے زیادہ

مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکر ہیں اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اس کے بدلے میں اسلام کی اخوت و مودت کافی ہے، مسجد میں ابوبکر کے دروازے کے سوا تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔

۴۵۰. حدثنا عبدالله بن محمد الجعفی قال نا وهب بن جرير قال نا ابی قال سمعت يعلی بن حكيم عن عكرمة عن ابن عباسؓ قال خرج رسول الله ﷺ فی مرضه الذی مات فيه عاصباً راسه بخرقة فقعد على المنبر فحمد الله و اثنی عليه ثم قال انه ليس من الناس احد امن علی فی نفسه و ماله من ابی بكر بن ابی قحافة ولو كنت متخذا من الناس خليلا لا تخذت ابا بكر خليلا ولكن خلة السلام افضل سدو عنی كل خوخة فی هٰذا المسجد غير خوخة ابی بكر.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرض وفات میں باہر تشریف لائے سر سے پٹی بندھی ہوئی تھی آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس نے ابوبکر بن ابی قحافہ سے زیادہ مجھ پر اپنی جان و مال کے ذریعہ احسان کیا ہو اور اگر میں کسی کو انسانوں میں خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کا تعلق افضل ہے ابوبکر کی طرف کی کھڑکی کو چھوڑ کر اس مسجد کی تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔

تشریح: آں حضور ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا اس پر علماء نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں کہ خلیل کا مفہوم کیا ہے اور حبیب اور خلیل میں کیا فرق ہے وغیرہ، اگر ان تمام بحثوں کا اختصار کیا جائے تو آخر کار یہ بات آ کر ٹھہرتی ہے کہ یہاں خلت سے مراد وہ تعلق ہے جو صرف خداوند تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہو سکتا ہے اور اسی وجہ سے آں حضور نے ایسے الفاظ فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق اور آپ کے درمیان یہ تعلق ممکن ہی نہیں البتہ اسلامی اخوت و محبت کا اعلیٰ سے اعلیٰ جو درجہ ہو سکتا ہے وہ ابوبکر صدیقؓ اور آپ کے درمیان قائم ہے۔

جب مسجد نبوی کی ابتدائی تعمیر ہوئی تو قبلہ بہ سمت شمالی بیت المقدس تھا، پھر قبلہ بیت الحرام قرار پایا جو مدینہ سے جنوب میں تھا، اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ شمال کی طرف کر دیا گیا تھا چونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات مسجد کے چاروں طرف تھے اور مسجد میں صحابہ کے آنے جانے کے لئے بہت سی کھڑکیاں اور دروازے تھے، آپ نے ان کے خصوصی دروازوں کو بند کر دینے کا حکم دیا اور شمال کی طرح ایک عام دروازہ مشرق کی طرف جو باب جبریل کہلایا اور ایک عام دروازہ جو باب الرحمۃ کہلایا غرب کی طرف رہنے دیا، البتہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف ایک کھڑکی رہنے دی تھی اور اس سے آپ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ جب آپ امام ہوں تو آنے جانے کی سہولت پوری طرح رہے۔

بحث و نظر: یہاں چند حقائق کا ذکر اور حدیثی بحث بھی آئے گی، فیض الباری ص ۶۲ ج ۲ میں جو مسامحت ضبط و تحریر میں ہوگئی ہے، وہ بھی صاف ہو جائے گی، ان شاء اللہ، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ارشاد نبوی در بارۂ سد الابواب غیر باب علی قوی سند سے ثابت ہے، لیکن محدث ابن الجوزی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے جس کا حافظ ابن حجرؒ نے رد وافر کیا ہے اور امام طحاویؒ کی مشکل الآثار سے بھی اپنے مدعا کو قوت پہنچائی ہے (اس جگہ تم امر بسد باب علی الیفاء کی نسبت امام طحاوی کی طرف غلط ہوگئی کیونکہ مرتبؒ نے ایسے مقامات میں حوالوں کی طرف رجوع نہیں فرمایا) پھر فرمایا کہ امام طحاوی و حافظ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ باب حضرت علیؓ کا استثناء پہلے ہو چکا تھا جو ان کی خاص منقبت تھی کیونکہ ان کے گھر کا دروازہ حضور علیہ السلام ہی کی طرح مسجد نبوی کی طرف تھا ان کو حضور علیہ السلام کی طرح مسجد میں بحالت جنابت بھی گزرنا جائز تھا، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کے لئے بعض احکام مشترک تھے، اور حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے علی! تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے ہارون تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔

دوسری بار حضور علیہ السلام نے مرض وفات میں حکم فرمایا کہ سب دروازے بدستور بند ہی رہیں گے،بجز باب حضرت ابوبکرؓ کے (کہ وہ باب یا کھڑکی کی صورت میں کھلا رہے گا) کیونکہ وہ امامت وخلافت کے ذمہ دار ہوں گے اور فصل خصومات وامامت وغیرہ کیلئے مسجد نبوی میں زیادہ آمدورفت رکھنی پڑے گی، حضرتؒ نے فرمایا کہ اسی لئے علماء نے مرض وفات کے اس حکم کو خلافت کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔

یہاں ایک دوسری مسامحت یہ بھی ہوئی کہ مسجد نبوی کا صرف ایک دروازہ شمالی دکھایا گیا، حالانکہ اہل سیر نے حضور علیہ السلام کے زمانے کے تین دروازے لکھے ہیں، یعنی شرق وغرب میں بھی دروازے عام آنے جانے والوں کے لئے تھے۔ حضور علیہ السلام کے دونوں حکموں کا تعلق ان دروازوں سے تھا جو مسجد نبوی کے اطراف میں سکونت کرنے والے خاص خاص گھرانوں اور افراد نے اپنے اپنے آنے جانے کی سہولت کے لئے بنالئے تھے، کیونکہ ایسی صورت نہ صرف مسجد نبوی بلکہ کسی اور مسجد کے لئے بھی موزوں نہیں ہے، البتہ عام راستے حسب ضرورت کم وبیش ہوسکتے ہیں،[1] دوسرے یہ کہ مسجد سے جنبی کا گزرنا ممنوع ہے، اس لحاظ سے بھی سب مخصوص دروازوں کا بند کرانا ضروری تھا اور اس حکم سے صرف حضور علیہ السلام اور حضرت علیؓ کا استثنا تھا، حضرت ابوبکر وغیرہ کے لئے بھی وہی حکم تھا جو دوسرے صحابہ کے لئے تھا۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام طحاویؒ کی توفیق بین المحدثین کو پسند کیا اور ساتھ ہی یہ بھی اضافہ کیا کہ اس توجیہ کی تکمیل اس طرح ہوگی کہ پہلے حکم سدابواب میں باب حقیقی مراد ہو اور دوسرے میں مجازی یعنی باب بمعنی خوخہ (کھڑکی) ہو جیسا کہ بعض طرق روایات میں اس لفظ کی صراحت بھی ہے، گویا جب ان لوگوں کو دروازے بند کرنے کا حکم ہوا تو انہوں نے دروازے بند کر کے کھڑکیاں کھول لی تھیں، جو مسجد میں داخل ہونے کا قریبی راستہ تھیں، پھر اس کے بعد جب دوسرا حکم آیا تو وہ سب بھی بند کرادی گئیں، بجز خوخۂ سیدنا ابی بکر کے (فتح ص۱۲ ج ۷)

حافظ نے امام طحاوی کی مشکل الآثار کے ثلث آخر کے اوائل کا حوالہ بھی دیا ہے، مگر افسوس ہے کہ حیدرآباد سے جو چار جلدیں شائع ہوئی ہیں، ان میں یہ مقام نہیں ہے، کیونکہ تقریباً آدھی کتاب نابود ہونے کی وجہ سے طباعت سے رہ گئی، البتہ ایسے مواقع میں اس کے مختصر مسمی ''المعتصر من المختصر من مشکل الاثار'' سے کام چل جاتا ہے، علامہ قاضی ابوالولید باجیؒ م ۴۷۴ھ نے یہ ایسا عجیب وغریب اختصار کیا تھا کہ اصل کتاب نہ ملنے کا غم غلط ہوجاتا ہے، جزاء اللہ خیرالجزاء اس کے ص۳۳۲ وص۳۳۳ ج ۲ میں پوری بات مل گئی ہے اور علامہ طحاوی نے دوسرے صحابہ کی مثالیں دے کر لکھا کہ جس طرح ان کو الگ الگ خاص خاص منقبتیں عطا کی گئی تھیں، اسی طرح حضرت علی وحضرت ابوبکر کو یہ منقبت سدابواب والی مرحمت ہوئی تھی، لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ دوسرے حکم سے حضرت علی کا باب بند نہیں ہوا تھا، ورنہ پھر خصوصیت ہی کیا رہتی۔

ابن جوزی کا رد: حافظ نے لکھا کہ ابن الجوزی نے حدیث سدالابواب الا باب علی کو موضع قرار دیا ہے، بوجہ اعلال بعض رواۃ کے اور حدیث صحیح سدالابواب الا باب ابی بکر کے مخالف ہونے کی وجہ سے بھی اور انہوں نے یہ بھی خیال کیا کہ اس حدیث کو روافض نے گھڑ لیا ہے حالانکہ یہ ان کی خطاء شنیع ہے، کیونکہ اس طرح انہوں نے ''احادیث صحیحہ'' کو رد کردینے والوں کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

---

[1] افسوس کہ ایسی غلطیاں دوسرے اکابرامت سے بھی ہوگئی ہیں کہ کسی ایک مجروح راوی کی وجہ سے حدیث صحیح یا حسن کو گرادیا جبکہ وہ حدیث دوسرے ثقہ راویوں سے بھی مروی ہے یا کسی کو متن کے اضطراب کی وجہ سے گرادیا، جبکہ وہ معنی کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے یا کسی مخالف کی حدیث کو گرادیا تا کہ وہ اپنے لئے استدلال نہ کرسکے، یاد ہوگا کہ ہم نے ذکر کیا تھا کہ ان ہی حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانیؒ نے علامہ ابن تیمیہ پر بھی نقد کیا تھا کہ روافض کے رد میں اتنا زور دکھایا کہ ان کی نقل کردہ صحیح احادیث کو بھی گرادیا یہ بات انصاف سے بعید ہے، درحقیقت راہ اعتدال ہی صراط مستقیم ہے، علامہ ابن تیمیہؒ کی جلالت قدر اور ان کی گراں قدر علمی خدمات کا ہمیں ہزار بار اعتراف ہے، مگر بعض اہم اصولی وفروعی مسائل مہمہ میں ان کی افراط وتفریط موجب تاسف ہے، یا جب وہ نہایت غیظ وغضب میں اکابر امت کی شان میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں تو بڑا دکھ ہوتا ہے، ائمۂ حنفیہ پر بھی بہت کچھ لے دے کی ہے اور امام محمدؒ سے بہت ہی ناراض معلوم ہوتے ہیں اور شاید اسی لئے ان سے امام شافعیؒ کے تلمذ کا انکار فرمادیا ہو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تحفۂ اثنا عشریہ وازالۃ الخفاء

تحفہ میں جہاں دوسری بارہ احادیث کا جواب دیا ہے جن سے روافض حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل ثابت کرتے ہیں اس حدیث سدالابواب الاباب علی کا ذکر نہیں فرمایا، البتہ ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جہاں حضرت علیؓ کے مناقب ذکر کئے ہیں، اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو ص ۵۰۸ ج ۲ و ص ۵۰۹ ج ۲)

حدیث ترمذی: امام ترمذی نے باب مناقب علیؓ میں حدیث "**یا علی! لا یحل لا حد ان یجنب فی ھذاالمسجد غیری و غیرک**"، نقل کر کے لکھا:- **لا نعرفه الا من ھذا الوجه**، پھر لکھا کہ امام بخاری کو میں نے یہ حدیث سنائی تو انہوں نے بھی اس کو غریب قرار دیا اس پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے لکھا:- ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا اور کہا کہ اس کا ایک راوی کثیر النواء ہے جو غالی شیعی تھا، علامہ سیوطی نے اپنی تعقبات میں اس کا رد کیا اور لکھا کہ اسی حدیث کو ترمذی و بیہقی نے بجائے کثیر کے سالم کے واسطہ سے روایت کیا ہے، لہٰذا کثیر والی تہمت ختم ہوئی پھر لکھا کہ امام ترمذی نے اس کو شواہد کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے اور لکھا کہ یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص سے بھی مروی ہے، مسند بزار میں اور حضرت عمرؓ سے بھی مسند ابی یعلی میں، حضرت ام سلمہ سے بیہقی کی سنن میں، حضرت عائشہؓ سے تاریخ بخاری میں، حضرت جابر سے تاریخ ابن عساکر میں، (تحفۃ الاحوذی ص ۳۳۰ ج ۴)

سیرۃ ابن ہشام اور الروض للسہیلی میں وفات نبوی کے حالات بہت ہی اچھی تفصیل سے لکھے گئے ہیں، افسوس ہے کہ ان کا عشر عشیر بھی اردو سیرت کی کتابوں میں نقل نہیں کیا گیا۔ والامر بید اللہ

علامہ عینیؒ: آپ نے بھی وہی تحقیق لکھی جو حافظ نے لکھی ہے اور باب علی والی روایت کی اسناد قوی بتلائی، علامہ طحاوی کی مشکل الآثار کا بھی حوالہ دیا ہے اس سے یہ بھی نقل کیا کہ بیت حضرت صدیقؓ کا دوازہ خارج مسجد کو تھا اور خوخہ مسجد کی طرف، بیت حضرت علیؓ کا دروازہ صرف مسجد ہی طرف کو تھا، باہر کو نہ تھا، میں کہتا ہوں کہ شاید اسی لئے حضور علیہ السلام نے ان کو اجازت دی اور دوسروں کو نہیں دیں (عمدہ ۶۱۷ ج ۱۶)

علامہ طحاوی نے یہ حدیث بھی نقل کی کہ صحابہ کے سوال پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نہ میں نے اپنی طرف سے کوئی دروازہ بند کروایا نہ کھلوایا اور دوسری حدیث میں ہے کہ مجھے تم لوگوں کی چہ مگوئیاں پہنچیں، واللہ! میں نے اپنی طرف سے بند کرنے یا کھولنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ مجھے جس طرح حکم خداوندی ملا، اس کو نافذ کر دیا ہے (المعتصر ص ۳۳۲ ج ۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام محمد وغیرہ نے جو یہ تفصیل کر دی ہے کہ اجرت ممنوعہ اگر مشروط ہو تو ناجائز ہے، ورنہ جائز ہے تو اس پر ابن تیمیہ نے بڑی غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے اور امام محمدؒ کے رد کے لئے اپنے فتاویٰ میں مستقل جز ولکھا ہے کہ ہم نہیں سمجھ سکے اس قید کا خارج میں ثمرہ کیا ہے، جبکہ وہ اجرت قبول کر لے حالانکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے اور اس نے حدیث کی کھلی مخالفت کی ہے، میں نے کہا کہ ابن تیمیہ کا علم ہم کو معلوم ہے اور وہ اپنے غصہ کو اپنے پاس ہی رکھیں، یہاں امام بخاریؒ نے (ص ۳۰۴ میں) علامہ شعبی کا قول نقل کیا کہ معلم اگر شرط نہ کرے اور اس کو کچھ دیا جائے تو لینا جائز ہے اور ترمذی میں حدیث صحیح ہے کہ حضور نے عسب الفحل کی ممانعت فرمائی اور اس کی اجرت ہمارے یہاں بھی حرام ہے، تاہم حدیث میں یہ بھی حضرت انس سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا ہمیں اکراماً و ہدیۃً کچھ دیا جاتا ہے تو اس کی آپ نے اجازت دی۔

پس جب ایک اصل اور جنس حضور علیہ السلام کے ہی ارشاد سے ثابت ہوگئی تو اس کے تحت آنے والی جزئیات پر نکیر کیوں کر درست ہو سکتی ہے؟ غرض فقہ حنفی میں بہت سے جزئیات تعامل و توارث کی وجہ سے جائز قرار دیئے گئے ہیں جن پر دوسرے لوگ نکتہ چینی کیا کرتے ہیں اور یہ بات شان علم و تحقیق اور انصاف سے بعید ہے۔

باب الابواب والغلق للكعبة والمساجد قال ابو عبدالله قال لی عبدالله بن محمد حدثنا سفيٰن عن ابن جريج قال قال لی ابن ابی مليئكة يا عبدالملک لورأيت مساجد ابن عباس وابق ابها

(کعبہ اور مساجد میں دروازے اور چٹخنی یا قفل ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن محمد نے کہا کہ ہم سے سفیان نے ابن جریج کے واسطہ سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اے عبدالملک کاش تم ابن عباسؓ کی مساجد اور ان کے دروازوں کو دیکھتے۔

۴۵۱. حدثنا ابو النعمان و قتيبة بن سعيدؒ قال ناحماد بن زيد عن ايوب عن نافع عن ابن عمران النبی ﷺ قدم مكة فدعا عثمان بن طلحة ففتح الباب فدخل النبی ﷺ و بلال و اسامة بن زيد و عثمان بن طلحة ثم اغلق الباب فلبث فيه ساعة ثم خرجوا قال ابن عمر فبدرت فسالت بلا لا فقال صلے فيه فقلت فی ای فقال بين الا سطوا نتين قال ابن عمر فذهب علی ان اساله كم صلے.

ترجمہ ۴۵۱: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا انہوں نے (کعبہ کا) دروازہ کھولا تو نبی کریم ﷺ، بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ اندر تشریف لے گئے، پھر دروازہ بند کر دیا گیا اور وہاں تھوڑی دیر تک ٹھہر کر باہر آئے، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر بلال سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آنحضور نے اندر نماز پڑھی تھی، میں نے پوچھا کہ کس جگہ کہا کہ دونوں ستونوں کے درمیان حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ یہ پوچھنا مجھے یاد نہ رہا کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔

تشریح: مسجدوں میں دروازے اور قفل لگانا چونکہ ظاہر میں اچھا معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس کو تو عبادت و نماز کے لئے کھلا ہی رہنا چاہئے تو اس خیال کا دفعیہ کیا کہ مسجدوں کی حفاظت بھی ضروری ہے تاکہ اس کا سامان ضائع نہ ہو اور کتے وغیرہ بھی داخل نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

باب دخول المشرک فی المسجد

(مشرک کا مسجد میں داخل ہونا)

۴۵۲. حدثنا قتيبة قال نا الليث عن سعيد بن ابی سعيد انه سمع ابا هريرة يقول بعث رسول الله ﷺ خيلا قبل نجد فجاء ت برجل من بنی حنيفة يقال له ثمامة بن اثال فربطوه بسارية من سواری المسجد.

ترجمہ ۴۵۲: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے چند سواروں کو نجد کی طرف بھیجا وہ لوگ بنوحنیفہ کے ایک شخص ثمامہ بن اثال نامی کو پکڑ لائے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔

تشریح: کسی مشرک یا غیر مسلم کے مسجد میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں، حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے گویا امام بخاری نے مسلک حنفیہ کی موافقت کی، دخول مسجد للمشرک میں اکابر امت کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جواز ہے، مالکیہ کے یہاں مطلقاً عدم جواز، شافعیہ تفصیل کرتے ہیں کہ مسجد حرام میں ممنوع دوسری مساجد میں ناجائز (عمدہ) امام محمدؒ کے نزدیک بھی شافعیہ کی طرح مسجد حرام میں دخول مشرک ناجائز ہے (کمافی السیر الکبیر والشامی) امام احمدؒ سے دو روایات ہیں ایک یہ کہ مطلقاً ہر مسجد میں ناجائز، دوسری یہ کہ باذن الامام جائز، لیکن حرم میں داخلہ کسی حال میں درست نہیں (کمافی المغنی) لہٰذا حدود حرم کی تمام مساجد میں بھی داخلہ جائز نہ ہوگا اور اسی پر اس وقت حکومت سعودیہ کا عمل بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ کا مذہب ہی اختیار کرنا چاہئے جو قرآن مجید کے ساتھ زیادہ موافق اور دوسرے ائمہ سے زیادہ اقرب ہے، پھر حضرتؒ نے اصول وقواعد کے تحت بھی اس مسلک کی تائید کی اور وہ گراں قدر علمی تحقیق ہے۔ جس کو ہم بوجہ طوالت ترک کرتے ہیں، فیض الباری ص ۶۴ ج ۲ میں دیکھ لی جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک خاص شان تحقیق یہ بھی تھی کہ ائمہ حنفیہ میں سے اگر وہ کسی کی رائے کو اپنی نظر میں کتاب وسنت سے زیادہ قریب اور دوسرے مذاہب ائمہ مجتہدین سے اوفق دیکھتے تھے تو اسی کو ترجیح دیا کرتے تھے، خواہ وہ امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہی ہو، جس طرح مسئلہ زیر بحث میں کیا اور دوسری شان بہت سے اختلافی مسائل میں یہ بھی تھی کہ امام صاحب کی رائے کو ہی ارجح قرار دیتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کا بھی مقولہ نقل ہوا ہے کہ جس مسئلہ میں امام صاحب دوسروں سے الگ اور منفرد ہوتے ہیں وہاں ان کی رائے سب سے زیادہ وزنی اور قیمتی ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب رفع الصوت فی المسجد

(مسجد میں آواز اونچی کرنا)

۴۵۳. حدثنا علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح المدینی قال نا یحیی بن سعید القطان قال نا الجعید بن عبدالرحمن قال حدثنی یزید بن خصیفة عن السائب ابن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت الیہ فاذا عمر بن الخطاب فقال اذھب فأتنی بھٰذین فجئتہ بھما فقال ممن انتما او من این انتما قالا من اھل الطائف قال لو کنتما من اھل البلد لا وجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ ﷺ.

۴۵۴. حدثنا احمد بن صالح قال نا ابن وھب قال اخبرنی یونس بن یزید عن ابن شھاب قال حدثنی عبداللہ بن کعب بن مالک ان کعب بن مالک اخبرہ انہ تقاضی ابن ابی حدرد دینا کان لہ علیہ فی عھد رسول اللہ ﷺ فی المسجد فارتفعت اصواتھما حتیٰ سمعھا رسول اللہ ﷺ وھو فی بیتہ فخرج الیھما رسول اللہ ﷺ حتیٰ کشف سجف حجرتہ و نادی کعب ابن مالک فقال یا کعب فقال لبیک یا رسول اللہ فاشار بیدہ ان ضع الشطر من دینک قال کعب قد فعلت یا رسول اللہ قال رسول اللہ ﷺ قم فاقضہ.

ترجمہ ۴۵۳: حضرت سائب بن یزید نے بیان کیا کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا، کسی نے میری طرف کنکری پھینکی میں نے جو نظر اٹھائی تو حضرت عمر بن خطاب سامنے تھے، آپ نے فرمایا کہ یہ سامنے جو دو شخص ہیں، انہیں میرے پاس بلا لاؤ میں بلا لایا آپ نے پوچھا کہ تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے اور کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیئے بغیر نہ رہتا، رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز اونچی کرتے ہو۔

ترجمہ ۴۵۴: حضرت کعب بن مالک نے خبر دی کہ انہوں نے ابن ابی حدرد سے اپنے ایک قرض کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسجد نبوی کے اندر تقاضہ کیا، دونوں کی آواز (باہمی جواب وسوال کے وقت اونچی ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے گھر میں سے سنا، آپ اٹھے اور حجرے پر پڑے ہوئے پردہ کو ہٹایا اور کعب بن مالک کو آواز دی یا کعب! کعب بولے، لبیک یا رسول اللہ، آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ وہ اپنا آدھا قرض معاف کر دیں، کعب نے عرض کی یا رسول اللہ میں نے معاف کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے ابن ابی حدرد سے فرمایا اچھا اب قرض ادا کر دو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- مرقاۃ میں ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر اللہ بھی جائز نہیں، کہ اس سے دوسرے

ذاکرین اور نماز و وظیفہ پڑھنے والوں کی تشویش خاطر ہوتی ہے، اور رسول اکرم ﷺ کی مسجد میں تو رفع صوت اس لئے بھی مناسب نہیں کہ یہ سوءادب بھی ہے، امام مالکؒ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا احترام بعد وفات بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا اور امام بیہقیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اس روایت کی تصحیح حافظ ابن[1] حجر نے بھی فتح الباری جلد سادس میں کی ہے۔

حیات انبیاء کرام

حضرت شاہ صاحب نے بطور تحقیق مزید فرمایا:- روح تو کسی کی بھی فنا نہیں ہوتی نہ کافر کی نہ مومن کی البتہ مرنے کے بعد افعال معطل ہوجاتے ہیں (کیونکہ اجسام کی شکست و ریخت ہوجاتی ہے لیکن انبیاء کرام کے اجسام بھی پوری طرح محفوظ رہتے ہیں) پس انبیاء کرام کے بارے میں جو احادیث میں ان کی زندگی کا ذکر کیا گیا ہے وہ روح سے متعلق نہیں ہے بلکہ اجسام ہی سے متعلق ہے یعنی وہ وہاں بھی معطل نہیں ہوتے، بلکہ مشغول ہوتے ہیں، جس طرح دنیا کی زندگی میں تھے، لہٰذا وہ نمازیں پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، زائرین کے صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں، وغیرہ افعال احیاء۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل حیات افعال ہیں اور موت کی حقیقت تعطل ہے اور اس سے حدیث ابی داؤد کا بھی حل ہوجاتا ہے جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام پر جب سلام عرض کیا جاتا ہے تو آپ کی روح اس کو سننے اور جواب دینے کے لئے لوٹا دی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو اس وقت روح لوٹا کر زندہ کیا جاتا ہے بلکہ آپ کی روح مبارک چونکہ ہر وقت و ہر آن حضرت ربوبیت کی طرف متوجہ رہتی ہے، اس لئے سلام زائر کے وقت اس کی توجہ ادھر سے ادھر کو ہوجاتی ہے، بس یہی ردروح کا مطلب ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں، پھر فرمایا کہ حیات کے مراتب لاتعد ولاتحصیٰ ہیں اور انبیاء کرام کی حیات سب سے اعلیٰ ارفع، اتم واکمل واقویٰ ہے، پھر حیات صحابۂ کرام، پھر اولیاء عظام اور اسی طرح درجہ بدرجہ، بخلاف کافر و مشرک کے کہ اس کے لئے مرنے کے بعد تعطل محض ہے، یعنی اعمال خیر سے، اسی لئے اس کا درجہ **"لایموت فیھا ولایحیی"** قرار دیا گیا کہ نہ مردوں میں نہ زندوں میں، باقی جو تصرفات ارواح خبیثہ کے بصورت افعال خبیثہ ظاہر ہوتے ہیں وہ نظر شارع میں افعال حیاۃ نہیں ہیں کیونکہ وہ تو صرف افعال خیر و اعمال بر وصلاح ہیں، اعمال فسق و فجور افعال حیاۃ نہیں ہیں (نہ ان سے دنیا کا فائدہ نہ آخرت کا)

قصہ امام مالک وخلیفہ عباسی

امام مالکؒ خاص طور سے مسجد نبوی میں رفع صوت کو حضور اکرم ﷺ کے ادب و احترام کی وجہ سے بھی منع فرماتے تھے، اور خلیفہ عباسی

---

[1] کذا فی فیض الباری ص۶۲ ج ۲ ولم اجدہ فی الفتح الی الآن، واللہ اعلم وعلمہ اتم، علامہ سیوطیؒ نے لکھا کہ حیاۃ انبیاء علیہم السلام پر بڑی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا ہے کیونکہ نماز جسم کی سلامتی و زندگی چاہتی ہے (حیوۃ الانبیاء سیوطی ۱۵) مظاہر حق شرح مشکوۃ ص۳۷۴ ج ا میں ہے انبیاء کرام کے قبروں میں زندہ ہونے کا مسئلہ متفق علیہ ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ وہاں ان کی حیات حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے نہ حیات معنوی روحانی جو شہداء کو بھی حاصل ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھا کہ حیاۃ انبیاء کرام متفق علیہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور یہ حیات جسمانی دنیاوی حقیقی ہے نہ کہ معنوی روحانی۔

علامہ ملا علی قاری حنفیؒ نے ایک مدلل مبسوط بحث کے بعد لکھا:- ابن حجر نے فرمایا کہ جو حیات انبیاء کرام کے لئے ثابت ہے وہ ایسی حیات ہے جس سے وہ اپنی قبور میں عبادت کرتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور کھانے پینے سے فرشتوں کی طرح مستغنی ہیں، اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور علامہ محدث بیہقی نے اس بارے میں مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے اور یہ بات ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، صحیح ابن حبان، حاکم و صحیح ابن خزیمہ سے بھی ثابت ہے۔ (مرقاۃ ص۲۰۹ وص۲۱۰)

شیخ نورالحق دہلوی شارح بخاری نے لکھا:- حضور علیہ السلام کا انبیاء کرام کو دیکھنا اور ان سے کلام فرمانا بتلا رہا ہے کہ آپ نے ان کو ان کی ذوات و اجسام کے ساتھ دیکھا ہے اور یہ عقیدہ جمہور علماء امت کا مختار ہے کہ انبیاء کرام بعد اذاقت موت، زندہ بحیات دنیوی ہیں (تیسیر القاری شرح بخاری ص۳۶۲ ج ۳)

نسیم الریاض ۱۴۹ ج ۴ اور مکاتیب حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ص۱۳۰ ج ا میں بھی اسی طرح ہے۔

ابوجعفر منصور کو بھی تنبیہ فرمائی تھی وہ واقعہ مشہور ہے اور ہم نے اس کو انوارالباری جلد یازدہم میں تفصیل سے نقل کردیا ہے اور اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہؒ کے نظریات پر بھی کافی روشنی ڈالی تھی، وہاں دیکھا جائے۔

باب الحلی والجلوس فی المسجد

(مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنا)

۴۵۵. حدثنا مسدد قال نا بشر بن المفضل عن عبید الله عن نافع عن ابن عمر قال سال رجل النبی ﷺ وھو علی المنبر ما تریٰ فی صلوٰة اللیل قال مثنیٰ مثنیٰ فاذا خشی احدکم الصبح صلیٰ واحدة فاوترت له ما صلیٰ و انه کان یقول اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وتراً فان النبی ﷺ امر به.

۴۵۶. حدثنا ابو النعمان حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن نافع عن ابن عمر ان رجلا جاء الی النبی ﷺ وھو یخطب فقال کیف صلوٰة اللیل فقال مثنیٰ فاذا خشیت الصبح فاوتر بواحدة تؤتره لک ما قد صلیت و قال الولید بن کثیر حدثنی عبید الله بن عبدالله ان ابن عمر حدثھم ان رجلاً نادی النبی ﷺ وھو فی المسجد.

۴۵۷. حدثنا عبدالله بن یوسف قال انا مالک عن اسحاق بن عبدالله بن ابی طلحة ان ابا مرة مولی عقیل بن ابی طالب اخبره عن ابی و اقد اللیثی قال بینما رسول الله ﷺ فی المسجد فاقبل نفر ثلثة فاقبل اثنان الی رسول الله ﷺ وذھب واحد فاما احدھما فرایٰ فرجة فی الحلقة فجلس و اما الأخر فجلس خلفھم و اما الأخر فادبر ذاھباً فلمافرغ رسول الله ﷺ قال الا اخبرکم عن النفر الثلثة اماّ احدھم فاوٰیٰ الی الله فاٰواہ الله واما الاخر فاستحییٰ فاستحیی الله منه واما الأخر فاعرض فاعرض الله عنه.

ترجمہ ۴۵۵: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا اس وقت آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ رات کی نماز کس طرح پڑھنے کے لئے آپ فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ دو دو رکعت کر کے اور جب طلوع صبح صادق قریب ہونے لگے تو ایک رکعت اور اس میں ملا لینا چاہئے یہ ایک رکعت اس کی نماز کو وتر بنادے گی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ رات کی آخری نماز کو طاق رکھا کرو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

ترجمہ ۴۵۶: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے، آنے والے نے پوچھا، رات کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟ آپ نے فرمایا دو دو رکعت کر کے، پھر جب طلوع صبح صادق کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت اور ملا لو تاکہ تم نے جو نماز پڑھی ہے اسے یہ ایک رکعت وتر بنادے اور ولید بن کثیر نے کہا کہ مجھ سے عبیداللہ بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عمرؓ نے ان سے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو آواز دی جبکہ آپ مسجد میں تھے۔

ترجمہ ۴۵۷: حضرت واقد لیثی نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ تین آدمی باہر سے آئے دو تو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضری کی غرض سے آگے بڑھے لیکن تیسرا چلا گیا، ان دو میں سے ایک نے درمیان میں خالی جگہ دیکھی اور وہاں بیٹھ گیا، دوسرا شخص سب سے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا تو واپس ہی جا چکا تھا، جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں ان تینوں کے متعلق نہ بتاؤں، ایک شخص تو خدا کی طرف بڑھا اور حلقہ میں پہنچ کر حضور علیہ السلام کے قریب بیٹھا تو خدا نے اسے اپنے سایۂ

عاطفت میں لے لیا رہا دوسرا تو اس نے خدا سے حیا کی اسلئے خدا نے بھی اس سے یہی معاملہ کیا، تیسرے نے روگردانی کی اس لئے خدا نے بھی اس کی طرف سے اپنی رحمت کا رخ موڑ دیا۔

تشریح: تینوں حدیثوں میں حضرات صحابۂ کرام کا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر مسجد ہو کر آپ کی مجلس سے استفادہ کرنا مذکور ہے اور اس طرح کسی عالم سے استفادہ چونکہ اس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھنے سے ہی ہوا کرتا ہے لہٰذا امام بخاری کا عنوان درست ہو گیا اور چونکہ یہ تینوں استفادے مسجد نبوی میں واقع ہوئے تھے اس لئے اس باب کا تعلق احکام مساجد سے بھی صحیح ہو گیا، ذکرہ العینی عن ابن بطال (عمدہ ۴۴۱ ج ۲)

امام بخاری نے یہ آخری حدیث کتاب العلم ۲۴ میں بھی بعنوان "**باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس و من رأی فرجة فی الحلقة فجلس فیھا**" ذکر کی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث میں جمعہ کے روز جو حلقے بنا کر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کے دوسرے لوگوں کو گذرنے میں دقت ہوگی اور اگر مسجد میں وسعت ہو تو وہ بھی جائز ہے۔

باب الاستلقآء فی المسجد

(مسجد میں چت لیٹنا)

۴۵۸. حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالک عن ابن شھاب عن عباد بن تمیم عن عمه انه رای رسول اللہ ﷺ مستلقیا فی المسجد واضعا احدی رجلیه علی الاخری و عن ابن شھاب عن سعید بن المسیب کان عمرو عثمان یفعلان ذلک.

ترجمہ ۴۵۸: حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا (عبداللہ بن زید بن عاصم مازنیؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا آپ اپنا ایک پاؤں دوسرے پر رکھے ہوئے تھے ابن شہاب سے مروی ہے وہ سعید بن مسیّب سے کہ حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما بھی اس طرح لیٹتے تھے۔

تشریح: چت لیٹ کر ایک پاؤں دوسرے پر رکھنے کی احادیث میں ممانعت بھی آئی ہے اور اس حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ خود اسی طرح لیٹے اور حضرت عمر و عثمانؓ بھی اس طرح لیٹا کرتے تھے، اس لئے ممانعت کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ اس صورت میں ہے جب ستر عورت کا پوری طرح اہتمام نہ ہو سکے، لیکن اگر پورا اہتمام اس کا کوئی شخص کرتا ہے پھر اس طرح چت لیٹنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضور ﷺ عام لوگوں کی موجودگی میں اس طرح نہیں لیٹتے تھے بلکہ خاص استراحت کے وقت آپ کبھی اس طرح لیٹے ہوں گے جبکہ دوسرے لوگ وہاں موجود نہیں رہے ہونگے ورنہ عام مجمعوں میں آپ جس وقار کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تھے اس کی تفصیلات بھی احادیث میں موجود ہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس دور میں عام عرب اور خود آنحضور ﷺ تہمد باندھتے تھے جس میں ستر کھل جانے کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے، پاجاموں میں اس کا خطرہ نہیں۔

باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضر ربا الناس فیه وبه قال الحسن وایوب مالک

(عام گذرگاہ پر مسجد بنانا جبکہ کسی کو اس سے نقصان نہ پہنچے (جائز ہے) اور حسن (بصری) اور ایوب اور مالک رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا ہے)

۴۵۹. حدثنا یحیی بن بکیر قال نا للیث عن عقیل عن ابن شہاب قال اخبرنی عروۃ بن الزبیر ان عائشۃ زوج النبی ﷺ قالت لم اعقل ابوی الا وھما یدینان الدین ولم یمر علینا یوم الا یاتینا فیہ رسول اللہ ﷺ طر فی النھار بکرۃ و عشیۃ ثم بدالابی بکر فابتنی مسجدا بفناء دارہ فکان یصلی فیہ و یقرو القران فیقف علیہ نساء المشرکین و ابناء ھم یعجبون منہ وینظرون الیہ و کان ابو بکر رجلا بکاء ولا یملک عینیہ اذا قرأ القراٰن فافزع ذلک اشراق قریش من المشرکین.

ترجمہ ۴۵۹: حضرت عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے جب سے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین اسلام کا متبع پایا اور ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گذرا جس میں رسول اللہ ﷺ صبح و شام دونوں وقت ہمارے گھر تشریف نہ لائے ہوں پھر حضرت ابوبکر کی سمجھ میں ایک صورت آئی اور انہوں نے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی آپ اس میں نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے وہاں تعجب سے کھڑے ہو جاتے اور آپ کی طرف دیکھتے رہتے، حضرت ابوبکر بڑے رونے والے شخص تھے، جب قرآن مجید پڑھتے تو آنسوؤں پر قابو نہ رہتا قریش کے مشرک سردار اس صورت حال سے گھبرا گئے (حدیث مفصل آئندہ آگے آئے گی)۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- فقہاء نے اس بارے میں سختی کی ہے اور لکھا کہ راستوں پر باوجود عدم ضرر و تکلیف کے بھی اذن والی یا قاضی ضروری ہے، مثل احیاء موات کے، لیکن میرے نزدیک یہ اس جگہ کے لوگوں پر موقوف ہے اگر وہ باہمی مسامحت و مروت والے ہوں تو اذن پر موقوف نہ رکھا جائے گا، اگر لڑائی جھگڑے والے ہوں تو اذن ضروری ہوگا۔

باب الصلوٰۃ فی مسجد السوق وصلے ابن عون فی مسجد فی داریغلق علیم الباب

(بازار کی مسجد میں نماز پڑھنا ابن عون نے ایک ایسے گھر میں نماز پڑھی جس کے دروازے عام لوگوں پر بند تھے)

۴۶۰. حدثنا مسدد قال نا ابو معاویۃ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال صلوٰۃ الجمیع تزید علی صلوتہ فی بیتہ وصلوتہ فی سوقہ خمسا و عشرین درجۃ فان احدکم اذا توضاء فاحسن الوضوء واتی المسجد لا یرید الاالصلوٰۃ لم یخط خطوۃ الا رفعہ اللہ درجۃ وحط عنہ بھا خطیۃ حتے یدخل المسجد وذا دخل المسجد کان فی صلوۃ ما کانت تحبسہ و تصلی الملٰئکۃ علیہ مادام فی مجلسہ الذی یصلی فیہ اللھم اغفرلہ اللھم ارحمہ مالم یؤذ یحدث فیہ.

ترجمہ ۴۶۰: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں گھر کے اندر یا بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا ثواب ملتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص وضو کرے اور اس کے تمام آداب کا لحاظ رکھے پھر مسجد میں صرف نماز کی

غرض سے آئے تو اس کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک درجہ اس کا بلند فرماتا ہے اور ایک گناہ اس سے ساقط کرتا ہے اس طرح وہ مسجد کے اندر آئے گا اور مسجد میں آنے کے بعد جب تک نماز کے انتظار میں رہے گا اسے نماز ہی کی حالت میں شمار کیا جائے گا اور جب تک اس جگہ بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے تو ملائکہ اس کے لئے رحمت خداوندی کی دعائیں کرتے ہیں "اے اللہ اسکی مغفرت کیجئے اے اللہ اس پر رحم کیجئے" بشرطیکہ ریاح خارج کر کے تکلیف نہ دے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ باجماعت نماز میں بہ نسبت تنہا یا بازار میں نماز میں پڑھنے کے پچیس ۲۵ گنا زیادہ ثواب ملتا ہے درحقیقت یہاں تنہا اور باجماعت نماز کے ثواب کے تفاوت کو بیان کرنا مقصود ہے، چونکہ عہد نبوی میں بازار محلوں سے علیحدہ تھے اور بازار میں مساجد نہیں تھیں اس لئے اگر کوئی شخص وہاں نماز پڑھتا تو ظاہر ہے کہ تنہا ہی پڑھتا اس لئے اسی حیثیت سے حدیث کا یہ حکم بھی ہوگا اس زمانہ میں بازار آبادی کے اندر لگتے ہیں اور اگر بازار میں مسلمان آباد ہوں تو مساجد کا بھی اہتمام ہوتا ہے، اس لئے بازار میں مساجد کے اندر اگر کوئی نماز پڑھے تو پورے ثواب کا مستحق ہوگا، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- حدیث میں ہے بازار شر البقاع (بدتر مقامات) ہیں اور مساجد خیر البقاع (برتر مقامات) تو شبہ ہوسکتا تھا کہ بازار میں مسجد بنالی جائے تو کیا وہ حصہ خیر البقاع بن جائے گا اور کیا اس میں بھی نماز و جماعت کا ثواب دوسری جگہوں کی مساجد جیسا ہوگا، اس شبہ کو رفع کیا گیا، حضرتؒ نے شرح المنیہ (ص ۴۰۲) کے حوالہ سے یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو وہ نظر شارع میں تارک جماعت نہ ہوگا، مگر اس کو مسجد کی جماعت کا ثواب نہ ملے گا، کیونکہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہے اور وہاں تکثیر جماعت اور اظہار شعائر اسلام کا ثواب بھی ملے گا۔

(اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بلا عذر و مجبوری کے عیدین کی نماز بجائے عیدگاہ کے بستی کی مساجد میں پڑھتے ہیں وہ بھی عیدگاہ کے ثواب، تکثیر جماعت کے ثواب، اتباع سنت نبوی کے ثواب اور اظہار شعائر اسلام کے ثواب چاروں ثوابوں سے محروم رہتے ہیں کیونکہ جس طرح گھر سے نکل کر مسجد میں جانا اظہار شعائر ہے اسی طرح بستی سے نکل کر عیدگاہ جانا بھی اظہار شعائر اسلام ہے، واللہ اعلم)

باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ

(مسجد وغیرہ میں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا)

۴۶۱۔ حدثنا حامد بن عمر عن بشر نا عاصم نا واقد عن ابیہ عن ابن عمر او ابن عمرو قال شبک النبی ﷺ اصابعہ وقال عاصم بن محمد قال سمعت ھذا الحدیث من ابی فلم احفظہ فقومہ بی واقد عن ابیہ قال سمعت ابی وھو یقول قال عبداللہ بن عمرو قال رسول اللہ یا عبداللہ بن عمرو کیف بک اذا بقیت فی حثالۃ من الناس بھذا.

ترجمہ ۴۶۱: حضرت ابن عمر یا ابن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا اور عاصم بن علی نے کہا کہ ہم سے عاصم بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے اس حدیث کو اپنے والد سے سنا لیکن مجھے حدیث یاد نہیں رہی تھی، پھر واقد نے اپنے والد کے واسطے سے نقل کر کے مجھے بتایا، انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ عبداللہ بن عمرو سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرو تمہارا کیا حال ہوگا جب تم برے لوگوں میں رہ جاؤ گے اس طرح (یعنی آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے میں کر کے صورت واضح کی)۔

تشریح: اس سے روکنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ ایک بری ہیئت اور لغو حرکت ہے لیکن اگر تمثیل یا اسی طرح کے کسی صحیح مقصد کے پیش

نظر انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بعض چیزوں کی مثال بیان کرتے ہوئے انگلیاں کو اس طرح ایک دوسرے میں داخل کیا تھا لیکن بغیر کسی ضرورت و مقصد کے مسجد سے باہر بھی یہ ناپسندیدہ ہے۔

۴۶۲. حدثنا خلاد بن یحییٰ قال نا سفیٰن عن ابی بردة بن عبدالله بن ابی بردة عن جده عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ انه قال ان المؤمن من کالبنیان یشد بعضه بعضا و شبک اصابعه.

۴۶۳. حدثنا اسحق قال انا ابن شمیل قال انا ابن عون عن ابن سیرین عن ابی هریرة قال صلی بنا رسول الله ﷺ احدی صلوتی العشی قال ابن سیرین قد سماها ابو هریرة ولکن نسیت انا قال فصلی بنا رکعتین ثم سلم فقام الی خشبة معروضة فی المسجد فاتکا علیها کانه غضبان ووضع یده الیمنی علی الیسری و شبک بین اصابعه ووضع خده الا یمن علی ظهر کفه الیسری و خرجت السرعان من ابواب المسجد فقالو قصرت الصلوٰة و فی القوم ابو بکر و عمر فهاباه ان یکلماه و فی القوم رجل فی یدیه طول یقال له ذوالیدین قال یا رسول الله انسیت ام قصرت الصلوٰة قال لم انس ولم تقصر فقال اکما یقول ذوالیدین فقالو نعم فتقدم فصلی ما ترک ثم سلم ثم کبر و سجد مثل سجوده او اطول ثم رفع راسه و کبر ثم کبر وسجد مثل سجوده او اطول ثم رفع رأسه و کبر فربما سالوه ثم سلم فیقول بنئت ان عمران بن حصین قال ثم سلم.

ترجمہ ۴۶۲: ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا کہ ہم سے سفیان نے ابی بردہ بن عبداللہ بن ابی بردہ کے واسطہ سے بیان کیا وہ اپنے دادا حضرت ابوموسیٰ اشعری سے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے حق میں مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے اور آپ نے (تمثیلاً) ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔

ترجمہ ۴۶۳: حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے زوال کے بعد دو نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی ابن سیرین نے کہا کہ ابوہریرہ نے اس کا نام لیا تھا لیکن میں بھول گیا، ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ آپ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا، اس کے بعد ایک لکڑی کے لٹھے سے جو مسجد میں رکھا ہوا تھا ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے، آپ اس کا اس طرح سہارا لئے ہوئے تھے جیسے آپ بہت ہی غصہ میں ہوں اور آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور ان کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا اور آپ نے اپنے داہنے رخسار مبارک کو بائیں ہاتھ کی پشت سے سہارا دیا جو لوگ مسجد سے جلدی نکل جایا کرتے تھے وہ دروازوں سے باہر جا چکے تھے، لوگ کہنے لگے کہ نماز (کی رکعتیں) کم کر دی گئیں ہیں؟ حاضرین میں ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بھی تھے لیکن انہیں بھی بولنے کی ہمت نہ ہوئی، ان ہی میں ایک شخص تھے جن کے ہاتھ لمبے تھے اور انہیں ذوالیدین کہا جاتا تھا، انہوں نے پوچھا، یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے یا نماز (کی رکعتیں) کم کر دی گئیں آں حضور نے فرمایا کہ نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کی رکعتوں میں کوئی کمی ہوئی ہے پھر آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کیا ذوالیدین صحیح کہہ رہے ہیں، حاضرین بولے کہ جی ہاں، آخر آپ آگے بڑھے اور باقی رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیرا، تکبیر کہی اور سجدہ کیا، معمول کے مطابق یا اس سے بھی طویل سجدہ پھر سر اٹھالیا اور تکبیر کہی، پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا معمول کے مطابق یا اس سے بھی طویل پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی، تلامذہ ابن سیرین سے پوچھتے کہ کیا پھر سلام پھیرا تو وہ جواب دیتے کہ مجھے معلوم ہے کہ عمران بن حصین کہتے تھے کہ پھر سلام پھیرا۔

تشریح: یہ حدیث ''حدیث ذوالیدین'' کے نام سے مشہور ہے اور احناف و شوافع کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے، تفصیلی بحث اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

باب المساجد التی علیٰ طرق المدینة المواضع التی صلے فیها النبی ﷺ

(مدینہ کے راستے میں وہ مساجد اور جگہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی)

۴۶۴. حدثنا محمد بن ابی بکر المقدمی قال ثنا فضیل بن سلیمان قال ثنا موسی بن عقبة قال رایت سالم بن عبدالله یتحری اماکن من الطریق فیصلی فیها و یحدث ان اباه کان یصلی فیها وانه رأی النبی ﷺ یصلی فی تلک الامکنة قال وحدثنی نافع عن ابن عمر انه کان یصلی فی تلک الامکنة و سألت سالما فلا اعلمه الا وافق نافعا فی الامکنة کلها الا انهما اختلفا فی مسجد بشرف الروحآء.

۴۶۵. حدثنا ابراهیم بن المنذر الحزامی قال نا انس بن عیاض قال نا موسی بن عقبة عن نافع ان عبدالله ابن عمر اخبره ان رسول الله ﷺ کان بذی الحلیفة حین یعتمرو و فی حجة حین حج تحت سمرة فی موضع المسجد الذی بذی الحلیفة وکان اذا رجع من غزوة وکان فی تلک الطریق او حج او عمرة هبط بطن واد فاذا ظهر من بطن واد اناخ بالبطحا التی علی شفیر الوادی الشرقیة فعرس ثم حتیٰ یصبح لیس عند المسجد الذی بحجارة ولا علی الاکمة التی علیها المسجد کان ثم خلیج یصلی عبدالله عنده فی بطنه کتب کان رسول الله ﷺ ثم یصلی فدحا فیه السیل بالبطحآء حتی دفن ذلک المکان الذی کان عبدالله یصلی فیه وان عبدالله بن عمر حدثه ان النبی ﷺ صلی حیث المسجد الصغیر الذی دون المسجد الذی بشرف الروحآء و قد کان عبدالله یعلم الکان الذی کان صلی فیه النبی ﷺ یقول ثم عن یمینک حین تقوم فی المسجد تصلی و ذلک المسجد علی حافة الطریق الیمنی وانت ذاهب الیٰ مکة بینه و بین المسجد الاکبر رمیة بحجر او نحو ذلک و ان ابن عمر کان یصلی الی العرق الذی عند منصرف الروحاء و ذلک العرق انتهی طرفه علی حافة الطریق دون المسجد الذی بینه و بین المنصرف وانت ذاهب الی مکة وقد ابتنی ثم مسجد فلم یکن عبدالله بن عمر یصلی فی ذلک المسجد کان یترکه عن یساره وورآء ویصلی امامه الی العرق نفسه و کان عبدالله یروح من الروحاء فلا یصلی الظهر حتی یأتی ذلک المکان فیصلی فیه الظهر واذا اقبل من مکة فان مربه قبل الصبح بساعة او من آخر السحر عرس حتیٰ یصلی بها الصبح و ان عبدالله حدثه ان النبی ﷺ کان ینزل تحت سرحة ضخمة دون الرویتة عن یمین الطریق ووجاه الطریق فی مکان بطح سهل حتی یغض من اکمة دوین برید الرویشة بملین وقد انکسر اعلاها فاثنی فی جوفها وهی قائمة علے ساق و فی ساقها کتب کثیرة و ان عبدالله بن عمر حدثه ان النبی ﷺ صلے فی طرف تلعة من ورآء العرج وانت ذاهب الی هضبة عند ذالک المسجد قبران او ثلاة علی القبور رضم من حجارة عن یمین الطریق عند سلمات الطریق بین اولئک السلمات کان عبدالله یروح من العرج بعد ان تمیل الشمس بالهاجرة فیصلی الظهر فی ذلک المسجد و ان عبدالله بن عمر حدثه ان رسول الله ﷺ نزل عند سرحات عن یسارا الطریق فی مسیل دون هر شی ذلک المسیل لا صق بکراع هر

شي بينه و بين الطريق قريب من غلوة و كان عبدالله بن عمر يصلي الى سرحة هي اقرب السرحات الى الطريق وهي اطولهن وان عبدالله بن عمر حدثه ان النبي ﷺ كان ينزل في المسيل الذى في ادنى مر الظهران قبل المدينة حين يهبط من الصفروات تنزل في بطن ذلك المسيل عن يسار الطريق و انت ذاهب الىٰ مكة ليس بين منزل رسول الله ﷺ وبين الطريق الا رمية بحجرو ان عبدالله بن عمر حدثه ان النبي ﷺ كان ينزل بذى طوى و يبيت حتى يصبح يصلي الصبح حين يقدم مكة و مصلي رسول الله ﷺ ذلك على اكمة غليظة ليس في المسجد الذى بنى ثمه ولكن اسفل من ذلك على اكمة غليظة وان عبدالله بن عمر حدثه ان النبي ﷺ استقبل فرضى الجبل الذى بينه و بين الجبل الطويل نحو الكعبة فجعل المسجد الذى بنى ثم يسار المسجد بطرف الاكمة و مصلى النبي ﷺ اسفل منه على الاكمة السودآء تدع من الاكمة عشرة اذرع او نحوها تصلى مستقبل الفرضتين من الجبل الذى بينك و بين الكعبة.

ترجمہ ۴۶۴: حضرت موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ (مدینہ سے مکہ تک) راستے میں بعض مخصوص جگہوں کو تلاش کر کے وہاں نماز پڑھتے تھے وہ کہتے تھے کہ ان کے والد (حضرت ابن عمرؓ) بھی ان مقامات میں نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ان میں نماز پڑھتے دیکھا تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ مجھ سے نافع نے ابن عمر کے متعلق بیان کیا کہ وہ ان مقامات میں نماز پڑھتے تھے اور میں نے سالم سے پوچھا تو مجھے خوب یاد ہے کہ انہوں نے بھی نافع کی حدیث کے مطابق ہی تمام مقامات کا ذکر کیا البتہ مقام شرف روحاء کی مسجد کے متعلق دونوں کا بیان مختلف تھا۔

ترجمہ ۴۶۵: حضرت عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے اور حج کے موقع پر جب حج کے ارادہ سے نکلے تو ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا، ذوالحلیفہ کی مسجد سے متصل ایک ببول کے درخت کے نیچے اور جب آپ کسی غزوے سے واپس ہو رہے ہوتے اور راستہ ذوالحلیفہ سے ہو کر گزرتا یا حج یا عمرہ سے واپسی ہو رہی ہوتی تو وادی عتیق کے نشیبی علاقہ میں اترتے پھر جب وادی کے نشیب سے اوپر آتے تو وادی کے بالائی کنارے کے اس مشرقی حصہ پر پڑاؤ ہوتا جہاں کنکریوں اور ریت کا کشادہ نالا ہے، یہاں آپ رات کو صبح تک آرام فرماتے تھے، اس وقت آپ اس مسجد کے قریب نہیں ہوتے تھے جو پتھروں کی ہے، آپ اس ٹیلے پر بھی نہیں ہوتے تھے جس پر مسجد بنی ہوئی ہے، وہاں ایک گہری وادی تھی، حضرت عبداللہ وہیں نماز پڑھتے تھے، اس کے نشیب میں ریت کے ٹیلے تھے اور رسول اللہ ﷺ یہیں نماز پڑھتے تھے، کنکریوں اور ریت کے کشادہ نالہ کی طرف سیلاب نے آکر اس جگہ کے آثار و نشانات کو مٹا دیا جہاں حضرت عبداللہ بن عمر نماز پڑھا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں اب شرف روحاء والی مسجد کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد ہے، حضرت عبداللہ بن عمر اس جگہ کی نشاندہی کرتے تھے جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی کہتے تھے کہ یہاں تمہاری داہنی طرف جب تم مسجد میں (قبلہ رو) نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہو، جب تم مکہ جاؤ (مدینہ سے) تو یہ چھوٹی مسجد راستے کے داہنی جانب پڑتی ہے اس کے اور بڑی مسجد کے درمیان پھینکے ہوئے بہت سے پتھر یا اس جیسی کچھ چیزیں پڑی ہوئی ہیں اور حضرت ابن عمر (مشہور و معروف وادی) عرق الظبیہ میں نماز پڑھتے تھے جو مقام روحاء کے آخر میں ہے، اور اس وادی عرق الظبیہ کا کنارہ اس راستے پر جا کر ختم ہوتا ہے جو مسجد سے قریب ہے، مسجد اور روحاء کے آخری حصہ کے درمیان مکہ جاتے ہوئے اب یہاں ایک مسجد کی تعمیر ہوگئی، حضرت عبداللہ بن عمر اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس کو اپنے بائیں طرف مقابل میں چھوڑ دیتے اور آگے بڑھ کر خاص وادی عرق الظبیہ میں نماز

پڑھتے تھے، عبداللہ بن عمر روحاء سے چلتے تو ظہر کی نماز اس وقت تک نہیں پڑھتے تھے جب تک اس مقام پر نہ پہنچ جائیں، جب یہاں آجاتے پھر ظہر پڑھتے اور اگر مکہ سے آتے ہوئے صبح صادق سے تھوڑی دیر پہلے یا سحر کے آخر میں وہاں سے گذرتے تو صبح کی نماز تک وہیں آرام کرتے اور فجر کی نماز پڑھتے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ راستے کے داہنی طرف مقابل میں ایک گھنے درخت کے نیچے وسیع اور نرم علاقے میں قیام فرماتے تھے جو قریہ رویثہ کے قریب تھا پھر آپ اس ٹیلہ سے جو رویثہ کے راستے سے قریب دو میل کے ہے چلتے تھے، اب اس کے اوپر کا حصہ ٹوٹ کر درمیان میں اٹک گیا ہے، درخت کا تنا اب بھی کھڑا ہے اور اس کے ارد گرد ریت کے تودے بکثرت پھیلے ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے قریہ عرج کے قریب اس نالے کے کنارے نماز پڑھی جو پہاڑ کی طرف جاتے ہوئے پڑتا ہے اس مسجد کے پاس دو یا تین قبریں ہیں ان قبروں پر پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں، راستے کے داہنی جانب درختوں کے پاس ان کے درمیان میں ہو کر نماز پڑھی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ قریہ عرج سے سورج ڈھلنے کے بعد چلتے اور ظہر اسی مسجد میں آکر پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے راستے کے بائیں طرف ان گھنے درختوں کے پاس قیام فرمایا جو ہرشی پہاڑ کے قریب نشیب میں ہیں، یہ ڈھلوان جگہ ہرشی کے ایک کنارے سے ملی ہوئی ہے، یہاں سے عام راستہ تک پہنچنے کے لئے تقریباً تین فرلانگ کا فاصلہ پڑتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر اس گھنے درخت کے پاس نماز پڑھتے تھے جو ان تمام درختوں میں راستے سے سب سے زیادہ قریب ہے اور سب سے لمبا درخت بھی یہی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر نے نافع سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ اس نشیبی جگہ میں اترتے تھے جو وادی مرالظہران کے قریب ہے، مدینہ کے مقابل جبکہ مقام صفراوات سے اترا جائے، نبی کریم ﷺ اس ڈھلوان کے بالکل نشیب میں قیام کرتے تھے، یہ راستے کے بائیں جانب پڑتا ہے، جب کوئی شخص مکہ جا رہا ہو، راستے اور رسول ﷺ کی منزل کے درمیان صرف پتھر کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مقام ذی طویٰ میں قیام فرماتے تھے، رات یہیں گذارتے اور صبح ہوتی تو نماز فجر یہیں پڑھتے، مکہ جاتے ہوئے یہاں نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ ایک بڑے ٹیلے پر تھی، اس مسجد میں نہیں جو اب وہاں بنی ہوئی ہے بلکہ اس سے نیچے ایک بڑا ٹیلا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت نافع سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے پہاڑ کی ان دو گھاٹیوں کا رخ کیا جو آپ کے اور جبل طویل کے درمیان کعبہ کی سمت تھیں آپ اس مسجد کو جو اب وہاں تعمیر ہوئی ہے، اپنی بائیں طرف کر لیتے تھے، ٹیلے کے کنارے اور نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ اس سے نیچے سیاہ ٹیلے پر تھی، ٹیلے سے تقریباً دس ہاتھ چھوڑ کر اس پہاڑ کی دونوں گھاٹیوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، جو تمہارے اور کعبہ کے درمیان ہے۔

تشریح: اس طویل حدیث میں جن مقامات میں نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے ان میں سے تقریباً اکثر کے آثار ونشانات اب مٹ چکے ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اب ان میں صرف مسجد ذی الحلیفہ اور روحاء کی مساجد جن کی اس اطراف کے لوگ تعیین کر سکتے ہیں باقی رہ گئی ہیں اس کے علاوہ اس حدیث میں جن سفر کی نمازوں کا ذکر ہے وہ سات دنوں تک جاری رہا تھا اور آپ نے پینتیس ۳۵ نمازیں راستے میں پڑھی ہوں گی لیکن راویان حدیث نے اکثر کا ذکر نہیں کیا ہے، حدیث میں ہے کہ وادی روحاء میں آنحضور ﷺ نے نماز پڑھی اور پھر فرمایا کہ یہاں ستر ۷۰ انبیاء نے نمازیں پڑھی ہیں، حضرت ابن عمرؓ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھیں وہاں پہنچ کر نماز کے لئے خاص طور سے اہتمام کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے، ویسے بھی حضرت ابن عمرؓ کی اتباع سنت میں انتہائی شدت مشہور ہے لیکن دوسری طرف حضرت عمرؓ کا طرز عمل ہے کہ اپنے کسی سفر میں انہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک خاص جگہ نماز پڑھنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ نبی

کریم علیہ السلام نے یہاں نماز پڑھی تھی اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کی نماز کا وقت ہوگیا ہے تو پڑھ لے ورنہ آگے چلے، اہل کتاب اس لئے ہلاک ہوگئے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو تلاش کر کے ان پر عبادت گاہیں بنائیں، حافظ ابن حجرؒ نے اسے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ان عام لوگوں کی زیارت سے متعلق ہے جو ان مقامات کی بغیر نماز کے زیارت کو ناپسندیدہ خیال کرتے تھے، انہیں یہ خوف تھا کہ ایسے افراد کہیں ان مقامات پر نماز پڑھنا واجب نہ سمجھ بیٹھیں، حضرت ابن عمرؓ جیسے افراد سے اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا تھا، اس کے علاوہ اس سے پہلے حضرت عتبان کی حدیث گذر چکی ہے کہ آنحضور علیہ السلام نے ان کے گھر ایک جگہ اس لئے نماز پڑھی تھی تا کہ عتبان وہاں نماز پڑھا کریں۔ (فتح ۴۷۹ ج ۲)

تنبیہات حافظ: آخر میں حافظؒ نے بعنوان ''تنبیہات'' لکھا:- (۱) امام بخاریؒ نے یہاں نو حدیثوں کو جمع کر دیا ہے، جن میں آخر کی وہ دو حدیث بھی ہیں جو امام مسلم نے کتاب الحج میں نقل کی ہیں (۲) اب ان مساجد میں سے صرف مسجد ذی الحلیفہ اور روحاء کی مساجد رہ گئی ہیں جن کو وہاں کے لوگ پہچانتے ہیں، اور ترمذی میں حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے وادی روحا میں نماز پڑھی اور فرمایا کہ اس مسجد میں ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے (۳) حضرت ابن عمرؓ کا تعامل یہاں بتلایا گیا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے آثار وافعال کا کس قدر تتبع کرتے تھے اور ان مقامات صلوٰۃ نبویہ کو کس درجہ متبرک خیال کرتے تھے، علامہ بغوی شافعیؒ نے فرمایا کہ جن مساجد میں نبی کریم علیہ السلام سے نماز ثابت ہوئی ہے، ان میں سے اگر کسی مسجد کی بھی نماز پڑھنے کی نذر کرلی جائے تو وہ بھی مساجد ثلاثہ کی طرح عمل کے لئے متعین ہو جائے گی یعنی اسی مسجد میں جا کر نماز ادا کرنا واجب ہو جائے گا۔

علامہ بغوی کے اس قول سے ان سب مساجد نبویہ کی عظمت وجلالت قدر واضح ہوتی ہے، اگرچہ علاوہ مساجد ثلاثہ کے یہ نذر کا مسئلہ دوسرے اکابر مذہب کے یہاں مسلم نہیں ہے (۴) امام بخاری نے احادیث مساجد مدینہ کا ذکر نہیں کیا، اس لئے کہ وہ ان کی شرط پر نہ ہوں گی، مگر علامہ عمر بن شبہ نے اخبار مدینہ میں تمام مساجد ومقامات صلوۃ نبویہ کو بالاستیعاب ذکر کیا ہے کہ وہ مشہور مساجد ہیں، پھر حافظ نے ان کا ذکر کیا اور یہ بھی لکھا کہ ان کو پہچاننے کا فائدہ بھی وہی ہے جو علامہ بغوی نے ذکر کیا (فتح ص ۴۵۱ ج ۲)

ارشاد علامہ عینی رحمہ اللہ

آپ نے لکھا:- (۱) حدیث الباب کی مناسبت سے یہ امر بھی بحوالہ مراسیل ابی داؤد دلائق ذکر ہے کہ حضور اکرم علیہ السلام کے زمانہ میں مسجد نبوی کے ساتھ تو مساجد مدینہ طیبہ میں دوسری بھی تھیں، جن میں وہاں کے نمازی حضرت بلالؓ کی اذان سن کر اپنی اپنی مساجد میں نمازیں پڑھا کرتے تھے، پھر علامہ نے دوسری مساجد کی بھی تفصیل کی اور آخر میں لکھا کہ اب مسجد قبا، مسجد الفضیخ، مسجد بنی قریظہ وغیرہ باقی ہیں (۲) حدیث الباب سے حضرت ابن عمرؓ کا حضور علیہ السلام کے آثار وافعال کے تتبع کو محبوب سمجھنا اور ان سے برکت حاصل کرنا بھی معلوم ہوا اور مواضع صالحین سے ہمیشہ ہی لوگ برکت حاصل کرتے رہے ہیں (۳) اس سلسلہ میں اشہب کی رائے بھی نقل کی گئی ہے کہ ان سے مقامات صلوات نبویہ میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا کہ مجھے تو یہ بات پسند نہیں آتی بجز مسجد قبا کے کیونکہ حضور علیہ السلام وہاں سوار و پیدل جایا کرتے تھے اور آپ نے دوسرے مقامات کے لئے ایسا نہیں کیا (۴) علامہ بغوی کی رائے ذکر کی جو اوپر حافظ سے نقل ہو چکی ہے (عمدہ ۴۶۸ ج ۲)

ارشاد حضرت گنگوہیؒ

آپ نے فرمایا:- امام بخاری کا مقصد اس باب سے حضور اکرم علیہ السلام کے سفر حج کے مواضع نزول کا ذکر ہے تا کہ لوگ ان مقامات میں نماز پڑھ کر برکت حاصل کریں اور دعائیں کریں (لامع ص ۱۹۱ ج ۱)

ارشاد حضرت شیخ الحدیث دام ظلہم

آپ نے لکھا:- میرے نزدیک امام بخاری کی غرض مشاہد انبیاء علیہم السلام و صالحین سے برکت حاصل کرنے کا جواز ثابت کرنا ہے تاکہ اس وہم کا دفعیہ ہو جائے جو حضرت عمرؓ کے کلام سے عدم جواز کا ہو سکتا ہے، اور اسی کی طرف حضرت گنگوہیؒ نے بھی اپنے ارشاد "لیتبرک بالصلوة والدعاء فیھا" سے اشارہ فرمایا ہے، یعنی ان مقامات میں حاضر ہو کر نماز و دعا میں کوئی شرعی محذور نہیں ہے بلکہ نماز کی مزید برکت اور دعا کی قبولیت متوقع ہے، پھر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس کے لئے حافظ ابن حجر سے تائید پیش کی، جو انہوں نے حضرت عمرؓ کے ارشاد کی توجیہ میں لکھی ہے اور یہ بھی لکھا کہ حضرت عتبانؓ کا حضور علیہ السلام سے اپنے گھر میں نماز پڑھوانے کا سوال اور حضور کا ان کی درخواست کو قبول فرمانا اس امر کی واضح دلیل و حجت ہے کہ متبرک آثار الصالحین جائز ہے (فتح ص ۳۷۹ ج ۲)

علامہ قسطلانیؒ نے فرمایا کہ حضرت عمر و حضرت ابن عمرؓ کے اختلاف سے ہمیں دین کی بڑی اصل مل گئی کہ جہاں ایک طرف حضرت ابن عمر سے یہ سبق ملا کہ حضور اکرم ﷺ کے آثار و افعال کا تتبع و اتباع مظہر تعظیم نبوی اور موجب حصول برکات ہے، وہاں حضرت عمر کی احتیاطی تنبیہ نے یہ سبق دیا کہ اتباع کو ابتداع کی حدود[1] میں داخل نہ ہونا چاہئے۔

قاضی عیاض مالکی نے شفاء میں لکھا:- حضور علیہ السلام کی تعظیم و اجلال شان ہی سے یہ بھی ہے کہ آپ کے تمام اسباب کو معظم جانے، آپ کے تمام امکنہ مکہ و مدینہ و مشاہد و معاہد کا اکرام کرے، بلکہ ان چیزوں کا بھی جن کو دست مبارک نبوی نے لمس کیا ہے، حضرت صفیہ بنت نجدہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو محذورہؓ سر مبارک کے سامنے کے بال نہ منڈواتے تھے پوچھا گیا تو فرمایا:- ان کو کس دل سے الگ کرادوں، جبکہ ان کو دست مبارک نبوی نے مس کیا ہے اور حضرت ابن عمرؓ اپنا ہاتھ منبر نبوی کی جا نشست پر رکھتے اور اس کو اپنے چہرے سے ملتے تھے (وغیرہ وغیرہ شفاء عیاض میں دیکھو)

ابو داؤد میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے وضوء کا پانی بھی صحابہ کرام زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور جن کے ہاتھ بھی جو قطرے لگ جاتے تھے وہ ان کو اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا تھا، جیسا کہ بخاری میں بھی قصۂ حدیبیہ میں آئے گا اور حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں اپنے بال مبارک صحابہ کرام میں تقسیم فرمائے تھے، نیز بخاری میں حضرت ابن سیرین سے گذر چکا ہے کہ انہوں نے حضرت عبیدہ سے فرمایا کہ ہمیں حضرت انسؓ کے ذریعہ حضور علیہ السلام کے بال حاصل ہوئے ہیں تو عبیدہ نے فرمایا کہ مجھے تو ایک بال بھی میسر ہو جائے تو وہ دنیا اور مافیہا سے زیادہ عزیز و محبوب ہوگا، حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی حضور علیہ السلام کے بال مبارک تھے، جب کسی کو نظر لگ جاتی یا دوسری تکلیف ہوتی تو ان کے پاس پانی بھیجا جاتا تھا، آپ اس پانی میں بال مبارک ڈال کر نکال دیتیں اور وہ پانی لوگوں کے لئے شفا و صحت بن جاتا تھا، جیسا کہ بخاری باب الشیب میں آئے گا اور روایت مصافحہ مشہور ہے اور حضور علیہ السلام سے صحابۂ کرام اور بعد کے حضرات کے استبراک کے واقعات حد احصاء[2] و شمار سے زیادہ ہیں، (حاشیہ لامع الدراری از شیخ الحدیث دامت برکاتہم ص ۱۹۱ و الابواب والتراجم ص ۲۲۹ ج ۲)

افادۂ انور: حضرتؒ نے فرمایا کہ اس مقام پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے جو امور اتفاقی طور پر صادر ہوئے ہیں، ان کی تحری و تتبع کا کیا حکم ہے؟ علامہ ابن تیمیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں شدت و تنگی اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ایسے ہی حضور کی طرف اتفاقاً کرلے تو حرج نہیں، لیکن تحری و تلاش کر کے اتباع کرنا اچھا نہیں ہے، لیکن میرے نزدیک اتفاقیات میں بھی تحری و اتباع موجب اجر و

۱؎ یہ فیصلہ نہایت صحیح و معتدل ہے، جن لوگوں نے ہر تعظیم کو شرک بنالیا ہے وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں واللہ الموفق (مؤلف)

۲؎ فتح الملہم ص ۱۰۴ و ص ۱۰۹ ج ۱۱ اور نووی ص ۲۳۳ ج ۱ میں بھی تبرک بآثار الصالحین اور نماز مقامات صلوات نبویہ کا ثبوت ملے گا اور مشکوۃ ص ۳۷۴ کتاب اللباس میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مسلم شریف بھی لائق ذکر ہے کہ میں حضور علیہ السلام کے جبۂ مبارکہ کو دھو کر پانی مریضوں کو دیتی تھی اور اس سے ان کو شفا ہوتی تھی۔ (مؤلف)

ثواب ہے، جو حضرت ابن عمرؓ کے تعامل سے ثابت ہے، اس کے مقابلہ میں حضرت ابن عباسؓ کے طریقہ سے فائدہ اٹھانا اس لئے مناسب نہ ہوگا کہ ان کے رخص اور تسامحات مشہور ہیں، مثلاً وہ نزول محصب کو بھی مسنون نہ مانتے تھے اور طواف میں رمل کو بھی حذف کرتے تھے، حالانکہ ان کے علاوہ سب صحابہ کا اتفاق ہے کہ یہ چیزیں مسنون ہیں، البتہ بعض علماء نے جو بعض غیر مسنون چیزوں کو بھی مسنون کا درجہ دے دیا ہے وہ افراط وتفریط ہے۔

کچھ امام اشہب وابن تیمیہ کے متعلق

علامہ عینی نے اشہب کا قول نقل کیا کہ انہوں نے بھی نماز مواضع صلوات نبویہ کو پسند نہ کیا یہ بھی علامہ ابن تیمیہؒ کے مزاج کے ہوں گے، خیال ہے کہ جس طرح بعض حضرات نے حضرت ابن عباس کے طریقہ سے اپنے لئے خیالی تائید حاصل کی ہوگی، اشہب کے قول مذکور سے بھی استناد کیا ہوگا، حالانکہ ان کی دلیل نہایت کمزور ہے وہ کہتے ہیں کہ بجز قبا کے کسی مسجد میں بھی حضور علیہ السلام کے اتباع میں نماز پڑھنا مجھے پسند نہیں کیونکہ صرف قبا کے لئے آپ کا سوار و پیدل جانا ثابت ہے اور کسی مسجد کے لئے ایسا ثابت نہیں ہوا، کوئی علامہ سے دریافت کرتا کہ صحابی حضرت عتبانؓ کے یہاں حضور علیہ السلام نے کتنی بار سوار و پیدل جا کر نماز پڑھی تھی اور انہوں نے حضور کی ایک ہی بار نماز پڑھنے سے اس مقام کو کیوں متبرک سمجھ کر اپنے لئے نماز کی جگہ تجویز کر لی اور حضور علیہ السلام نے بھی ان کی اس تجویز کو پسند فرما لیا، کیا اشہب کی پسند حضور علیہ السلام اور صحابی سے بھی بڑھ کر ہے اور کیا حضرت ابن عمر صحابی جلیل القدر کے تعامل و پسندیدگی سے بھی اشہب کی پسند کا مرتبہ زیادہ ہوسکتا ہے؟ جبکہ حافظ ابن حجر ایسے محدث و محقق نے بھی حضرت عمرؓ کے قول میں توجیہ کر کے حضرت ابن عمرؓ کے تعامل کو ترجیح دی اور حضرت عتبانؓ کے فعل کو استبراک بآثار الصالحین کے لئے حجت قرار دیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی اپنے حافظہ میں تازہ کرلیں کہ یہ اشہب مالکی فقیہ مصری م ۲۰۴ھ وہی ہیں جنہوں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں ایک غلط بے تحقیق بات منسوب کی تھی جس سے علامہ شبلی وعلامہ سید سلیمان ندویؒ بھی مغالطہ میں پڑ گئے تھے اور اس کو سیرۃ النعمان اور حیات امام مالکؒ میں لکھ دیا تھا حالانکہ اس کی تردید حافظ ابن حجر وغیرہ سے ثابت ہو چکی تھی (تفصیل کے لئے دیکھئے امام ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۶۱، ۱۶۲)

(نوٹ) اس سلسلہ میں اس وقت تک ہمارے علم میں اشہب مالکی اور علامہ ابن تیمیہ کے اقوال مخالفت کے آئے تھے جن کے جوابات کی طرف اشارہ کر دیا گیا، مزید بحث و تحقیق آئندہ، ان شاء اللہ۔

مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان راستہ کی مشہور مساجد

چونکہ امام بخاریؒ نے بڑے اہتمام سے مساجد طرق مدینہ کا ذکر کیا ہے اور ان کا مسلک بھی جمہور سلف وخلف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ راستہ کی مساجد و مواضع صلوۃ وقیام نبوی کی پیروی میں نماز و قیام کا اہتمام کیا جائے اس لئے ہم الگ سے بھی ان مساجد و مواضع کی نشان دہی کئے دیتے ہیں لہٰذا اس مبارک سفر زیارۃ نبویہ میں زائرین کرام ان مقامات میں حسب سہولت قیام و نماز فرض ونفل کا اہتمام کریں اور راقم الحروف کو بھی دعاؤں میں یاد کریں۔ ولہم الشکر والمنہ

(۱) **مسجد ذی الحلیفہ**: اس کو بئر علی بھی کہتے ہیں، مدینہ منورہ سے احرام حج کی میقات ہے، مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل ہے۔

(۲) **مسجد معرس**: اس جگہ رسول اکرم ﷺ نے آخر شب میں قیام فرمایا تھا، مدینہ منورہ سے تقریباً چھ میل ہے۔

(۳) **مسجد عرق الظبیہ**: اس مقام پر حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی، روحاء سے دو میل آگے ہے، اس جگہ ستر ۷۰ نبیوں نے نماز پڑھی ہے۔

(۴) **مسجد الغزالہ**: وادی روحاء کے آخر میں ہے، یہاں بھی حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی ہے۔

(۵) **مسجد الصفراء**: مدینہ طیبہ سے تین روز (اونٹ کے ذریعہ سفر سے) اور بس یا کار سے چند گھنٹوں کی مسافت ہے۔

(۶) **مسجد بدر**: جہاں مشہور غزوۂ بدر ہوا تھا، وہاں شہداء بدر کی زیارت بھی کی جاتی ہے۔

(۷) **مسجد جحفہ**: وہاں تین مسجدیں ہیں، ایک جحفہ کے شروع میں، دوسری آخر میں میقات کے نشانوں کے پاس اور تیسری تین میل کے بعد راستہ سے بائیں جانب ہے۔

(۸) **مسجد مراظہران**: مکہ معظمہ سے قریب ایک منزل پر ہے، راستہ سے بائیں جانب، اس کو مسجد فتح بھی کہتے ہیں۔

(۹) **مسجد سرف**: یہاں حضرت میمونہؓ کا نکاح حضور علیہ السلام سے ہوا تھا اور وہیں ان کا مدفن بھی ہے یہ مسجد وادی فاطمہ سے تین میل جانب شمال ہے۔

(۱۰) **مسجد تنعیم**: جس کو مسجد عائشہ بھی کہتے ہیں، وہاں سے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں، مکہ معظمہ سے تین میل جانب شمال ہے۔

(۱۱) **مسجد ذی طویٰ**: چاہ طویٰ کے قریب ہے، جہاں حضور علیہ السلام نے مکہ معظمہ جاتے وقت قیام فرمایا تھا۔

راہ مدینہ و مکہ کے مشہور کنویں

بئر فلیس، بئر قضمیہ، بئر مستورہ، بئر شیخ، بئر غار، بئر روحاء، بئر حسانی، بئر الاشہب، بئر ماشی۔

باب سترة الامام سترة من خلفه

(امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے)

۴۶۶. حدثنا عبدالله بن یوسف قال نا مالک عن ابن شهاب عن عبید الله بن عبدالله بن عتبة ان عبدالله بن عباس قال اقبلت راكباً على حمار اتان و انا یومئذ قل نا هزت الاحتلام و رسول الله ﷺ یصلی بالناس بمنى الى غير جدار فمررت بين يدى بعض الصف فنزلت و ارسلت الاتان ترتع و دخلت فی الصف فلم ینکر ذلک علی احد.

۴۶۷. حدثنا اسحق قال نا عبدالله بن نمیر قال نا عبید الله عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان اذا خرج يوم العيد امر بالحربة فتوضع بين يديه يصلى اليها والناس ورآء ه وكان يفعل ذلک فی السفر فمن ثم اتخذها الامرآء.

۴۶۸. حدثنا ابوالوليد قال نا شعبة عن عون بن ابی حجیفة قال سمعت ابی یقول ان النبی ﷺ صلی بهم بالبطحآء و بين يديه عنزة الظهر ركعتين والعصر ركعتين تمر بين يديه المرأة والحمار.

ترجمہ ۴۶۶: حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا، اس زمانہ میں قریب البلوغ تھا، رسول اللہ ﷺ منیٰ میں دیوار کے سوا کسی اور چیز کا سترہ کر کے لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے صف کے بعض حصے سے گذر کر میں سواری سے اترا، گدھی کو میں نے چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور صف میں آکر شریک (نماز) ہو گیا، کسی نے اس کی وجہ سے مجھ پر اعتراض نہیں کیا۔

ترجمہ ۴۶۷: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عید کے دن (مدینہ سے) باہر تشریف لے جاتے تو چھوٹے نیزہ (حربہ) کو گاڑنے کا حکم دیتے وہ جب گڑ جاتا تو آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے، یہی آپ سفر میں بھی کیا کرتے تھے، اسی لئے (مسلمانوں کے) خلفاء نے بھی اس طرز عمل کو اختیار کر لیا ہے۔

ترجمہ ۴۶۸: حضرت عون بن ابی جحیفہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو بطحاء میں نماز پڑھائی، آپ کے سامنے عنزہ (ڈنڈا جس کے نیچے پھل لگا ہوا ہو) گاڑ دیا گیا تھا، ظہر کی دو رکعت اور عصر کی دو رکعت پڑھیں (مسافر ہونے کی وجہ سے) آپ کے سامنے سے عورتیں اور گدھے اس وقت گزر رہے تھے۔

تشریح: حدیث میں ہے کہ کالے کتے، گدھے یا عورتیں اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گذریں تو نماز میں خلل پڑتا ہے اور اسی وجہ سے راوی نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا کہ عورتیں اور گدھے پر سوار لوگ نمازیوں کے سامنے سے گذر رہے تھے، حدیث میں ایک ساتھ مختلف چیزوں کو جمع کر کے بیان کر دیا گیا ہے کہ ان کے سامنے سے گذرنے سے نماز میں خلل پڑتا ہے، اس کی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ وجہ کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ سامنے سے گذریں تو توجہ بٹتی ہے اور ذہن میں وساوس پیدا ہوتے ہیں، حدیث میں عورتوں کو گدھوں کے برابر نہیں بتایا گیا بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اس صنف میں مردوں کے لئے جو کشش ہے نمازی کے سامنے سے گذرتے وقت اس کی وجہ سے نماز میں خلل پڑ سکتا ہے جو نماز کے لئے مضر ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کے سامنے سے گذرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جو اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں بلکہ صرف ان کی وجہ سے نماز میں خلل کو بتانا مقصود ہے۔

یہاں کئی اہم فوائد و ابحاث لائق ذکر ہیں، فیض الباری ص ۷۶ ج ۲ میں درج ہے کہ ترجمۃ الباب "سترۃ الامام سترۃ من خلفہ" یہ الفاظ حدیث ابن ماجہ کے ہیں، جس کی اسناد ساقط ہے، اسی لئے امام بخاریؒ نے اس کے حدیث ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا اور ترجمۃ الباب کا جو مفہوم ہے وہی جمہور کا مذہب ہے، امام مالکؒ کا مذہب دوسرا یہ ہے کہ امام کے آگے کا سترہ صرف امام کے لئے ہے اور مقتدیوں کے لئے سترہ خود امام ہے لہٰذا اگر کوئی امام و سترہ کے درمیان سے گذرے گا تو وہ ان کے نزدیک مقتدیوں کے سامنے سے گذرنے والا سمجھا جائے گا، کیونکہ ان کا سترہ امام ہے، اور گذرنے والا، مقتدیوں اور امام کے درمیان سے نہیں گذرا ہے۔

فیض الباری کی مسامحت

یہاں ضبط املاء کے وقت تسامح ہو گیا اور مراجعت کتب کے ذریعہ بھی تصحیح نہیں کی گئی، جس کی وجہ سے غلطی حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب ہو گئی (افسوس ہے کہ ایسی مسامحات بہ کثرت ہوئی ہیں فلیتنبہ لہ) حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ نے بجائے ابن ماجہ کے طبرانی فرمایا تھا، اور وہی صحیح بھی ہے، عمدہ ۷۰۴ ج ۲ میں عینی نے اور فتح الباری ص ۳۸۲ ج ۱ میں حافظ نے بھی طبرانی عن انسؓ کا حوالہ دیا ہے اور الجامع الصغیر ص ۳۲ ج ۳ میں علامہ سیوطیؒ نے اور کنوز الحقائق ص ۱۴۳ ج ۱ میں علامۂ محدث مناویؒ نے بھی طبرانی کا ہی حوالہ دیا ہے، ابن ماجہ کی طرف سے اس حدیث کو کسی نے منسوب نہیں کیا اور احقر نے بھی مراجعت کی تو اس میں یہ موجود نہیں ہے، حافظ نے سوید راوی کی وجہ سے ضعف کی صراحت کی ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ بیہقی اور حافظ ابن حجر کی رائے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: - حضرت ابن عباسؓ والی حدیث الباب سے امام بخاری نے تو سترہ کو ثابت کیا لیکن امام بیہقی نے اس سے سترہ کی نفی سمجھی، اسی لئے انہوں نے باب من صلے الی غیر سترۃ قائم کیا اور حافظ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، میں بخاری کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں۔

علامہ عینی کا نقد: علامہ عینی نے بھی امام بیہقی و حافظ پر نقد کیا اور لکھا کہ حافظ و بیہقی دونوں نے دقت نظر سے کام نہیں لیا اسی لئے وہ اس نکتہ کو نہ سمجھے جو امام بخاری کے پیش نظر تھا، حضرت ابن عباسؓ نے جو فرمایا کہ حضور علیہ السلام منیٰ میں غیر جدار کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، تو غیر کا لفظ ہمیشہ کسی سابق کی صفت ہوا کرتا ہے، یعنی حضور علیہ السلام جدار کے سوا کسی دوسری چیز کو سترہ بنا کر نماز پڑھ رہے تھے مثلاً ڈنڈا ہوگا، نیزہ ہوگا

وغیرہ، کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ بغیر سترہ کے نماز پڑھنے کی تھی ہی نہیں اوراسی وجہ سے امام بخاری اس حدیث کواثبات سترہ کے لئے یہاں لائے ہیں (عمدۃ ص ۷۰۰ج ۳) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ نفی جدار کا فائدہ بھی جب ہی ہوگا کہ دوسری چیز سترہ ہو ورنہ یہ نفی لغو ٹھیرے گی۔

حافظ کی دوسری مسامحت

ان کا یہ لکھنا بھی درست نہیں کہ امام بخاری کی ذکرکردہ تین حدیثوں میں سے حدیث اول کی مناسبت ترجمۃ الباب سے نہیں ہے، اور یہ بھی لکھا کہ اس حدیث اول سے امام بخاری کا استدلال محل نظر ہے، بڑی حیرت ہے کہ حافظ ابن حجرؒ امام بخاری کے تراجم ابواب سے احادیث کی مطابقت اور صحت استدلال کے لئے بڑی کاوش کیا کرتے ہیں اور مناسبات بعیدہ تک نکالا کرتے ہیں اور یہاں چوک گئے، شاید امام بیہقی سے متاثر ہو گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

نطق انور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- شیخ ابن الہمام کی رائے ہے کہ سترہ ربط خیال کے لئے ہے کہ نمازی کا دھیان محصور رہے اور خیالات دور دور تک نہ جائیں، اداء ارکان صلوٰۃ کی طرف ہی پوری توجہ ہو، لیکن میں کہتا ہوں کہ سترہ کی غرض وصلۂ مناجات کی حفاظت ہے کہ وہ قطع نہ ہو، کیونکہ نمازی خدا کے روبرو ہو کر اس سے مناجات کرتا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے کہ جب کوئی نماز پڑھے تو سترہ سے قریب ہوتا کہ شیطان اسکی نماز قطع نہ کرادے (ابوداؤد ص ۱۰۱ باب الدنو من السترۃ)

پس معلوم ہوا کہ نماز کے وقت نمازی اور قبلہ کے درمیان مناجات ومواجہہ قائم رہتا ہے، کیونکہ اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اور اسی لئے شریعت نے بتایا کہ نمازی اور سترہ کے درمیان سے گذرنے والا شیطان ہوتا ہے وہ عبد ومولیٰ کے درمیان آیا۔

لہٰذا شریعت نے اس مواجہہ کو سترہ کے ذریعے محدود ومحصور کرنا چاہا تا کہ نمازی کے آگے سے گذرنے والوں کو دقت وپریشانی بھی نہ ہو، ان کو حکم کیا کہ سترہ کے آگے سے گذریں، اندر سے نہ گذریں اور اس کے بارے میں سخت تنبیہات کیں اور نمازی کو حکم کیا کہ راستوں سے بچ کر نماز پڑھیں، پھر اگر اتنی تنبیہات وتاکیدات کے بعد بھی حدود شریعت کی نگہداشت نہ ہو تو گذرنے والا شیطان جیسا ہوگا کہ وہ عبد ومولیٰ کے رابطہ کو قطع کرنا چاہتا ہے اور نمازی کی طرف سے اگر تاکیدات کی پروانہ ہوگی تو گویا وہ خود اپنے وصلۂ خداوندی کو قطع کرنے کا موجب ہوگا اور اپنی نماز کے اجر وثواب وروحانیت میں کمی کرائے گا، حدیث ابوداؤد میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے یہ کوشش کرنی چاہئے کہ نماز اپنے اور قبلہ کے درمیان کسی کو در انداز نہ ہونے دے، حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ تفصیل کر کے فرمایا کہ میں اسی توجیہ کی وجہ سے احادیث قطع میں کوئی تاویل نہیں کرتا اور ان کو ظاہر پر رکھتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ عورت، حمار وکلب کے بارے میں بھی سب احادیث اپنے ظاہر پر ہیں کہ وہ سب وصلۂ مناجات کو قطع کرتی ہیں، جس طرح تم دو آدمی کسی خاص نجی معاملہ میں سرگوشی اور مشورہ کرتے ہو اور کوئی تیسرا غیر متعلق آدمی درمیان میں آ کر بیٹھ جائے تو یہی کہو گے کہ ہماری بات کاٹ دی یا ختم کردی، اسی طرح یہاں سمجھو، لہٰذا میرے نزدیک ان احادیث میں بھی کوئی استبعاد نہیں نہ تاویل کی ضرورت۔

فرق نظر شارع ونظر فقہاء

شریعت نے ہمیں بہت سے غائب امور کی خبر دی ہے، جن کو وہ دیکھتی ہے اور ہم نہیں دیکھتے، اسی طرح وجود وقیام وصلہ کی خبر دی ہے اور مرور کے وقت اس کے قطع ہونے کی بھی خبر دی ہے، پھر ہمیں انکار تاویل کی کیا ضرورت ہے۔

ہاں! یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قطع بہ نظر شارع ہے، بہ نظر فقہاء نہیں ہے اور اس لئے وہ مرور کو قاطع صلوٰۃ نہیں کہتے، کیونکہ ان کے احکام کا تعلق عالم شہادت سے ہے اور اس وصلہ کا تعلق عالم غیب سے ہے اور میرے نزدیک استواء علی العرش، معیت وقرب خداوندی وغیرہ بھی اسی باب سے ہیں کہ ہم ان کی کیفیات وحقائق کا ادراک نہیں کر سکتے اور ان کے قائل ہیں بلا تاویل کے، اسی طرح میرے نزدیک یہ مواجہہ اور

وصلہ بھی ہے، بلکہ میری تحقیق میں یہ سب حق تعالیٰ کی تجلیات، تجلی کی بحث مکمل و متصل اپنے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تمثیل و تسہیل اور تحقیق مزید

جس طرح یہاں وصلہ عالم غیب سے ہے اور اس کا قطع بھی غیبی وغیرہ محسوس ہوتا ہے، اسی طرح حدیث "**افطر الحاجم و المحجوم**" میں میرے نزدیک نظر شرع میں حقیقت صوم ختم ہوگئی بلا تاویل، اگرچہ نظر فقیہ میں روزہ فاسد نہیں ہوا کیونکہ طہارت اگرچہ شرط صحت صوم نہیں ہے، لیکن اس کے مرغوب و مطلوب ہونے میں شک نہیں، لہٰذا خون نکلنے سے طہارت ختم ہونے اور ناقص کے ساتھ روزہ بھی نقص و نقص کا مورد ہوگیا اور فی الجملہ نظر شرع میں بھی افطار کا تحقق ہوگیا گو حکم افطار نہ ہوسکے، خصوصاً جبکہ روزہ کا مقصد بھی تحصیل تقویٰ و تشبہ بالملائکہ ہے اور وہ خون بہانے سے سخت نفرت کرتے ہیں، اسلئے **ویسفک الدماء** سے بنی آدم کی بہت بڑی برائی اور منقصت یہی ظاہر کی تھی، مگر نظر فقہی کے لئے یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے بھی ایک بار بحالت صوم احتجاج کیا۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ جو شخص حالت جنابت میں صبح کرے گا، اس کا روزہ نہیں، اس سے بتلایا کہ جنابت نے اس کے روزے میں خلل و نقص ڈال دیا اور فرشتے بھی اس گھر میں نہیں آتے جس میں جنبی ہوتا ہے، یہ نظر شرعی ہے، مگر دوسری طرف نظر فقہی کے لئے بھی گنجائش اس سے مل گئی کہ حضور علیہ السلام سے بھی ایک بار بحالت جنابت روزے میں صبح کرنا منقول ہوا ہے، احادیث میں یہ بھی وارد ہے کہ عورت کے سامنے سے گذرنے سے نماز قطع ہوجاتی ہے، یہ بھی نظر شرعی ہے (کیونکہ نماز کی حقیقت خشوع و خضوع اور توجہ الی الحق سبحانہ ہے اس میں ضرور نقص واقع ہوگا) مگر نظر فقہی کے لئے یہ بھی حدیث ہی میں وارد ہے کہ حضور علیہ السلام نماز پڑھتے تھے اور حضرت عائشہؓ سامنے لیٹی رہتی تھیں۔

احادیث سے ثابت ہے کہ کالے کتے کے سامنے سے گذرنے سے نماز قطع ہوجاتی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ شیطان ہے اور شاید اس لئے ہے کہ وہ زیادہ موذی ہوتا ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ جن اس کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اسی لئے امام احمدؒ نے تو قطعی یہ فیصلہ بھی کردیا کہ اس سے نماز فاسد و باطل ہوجاتی ہے مگر دوسرے ائمہ اور جمہور کی رائے اور نظر فقہی ایسی نہیں ہے۔

امام احمد نے اتنا تشدد گدھے کے بارے میں نہیں کیا، شاید اس لئے کہ حدیث ابن عباس وغیرہ میں گدھے پر سوار اور ویسے بھی گدھے کا نماز کے سامنے سے گذرنا مروی ہے اور نماز بدستور ہوتی رہتی ہے، ایسے ہی عورت کے بارے میں بھی امام احمد نے بوجہ حضرت عائشہؓ وغیرہ تشدد نہیں کیا ہوگا، حالانکہ حکم تینوں کے لئے بظاہر یکساں تھا اور حدیث درمنثور میں ہے کہ یہ تینوں تسبیح و ذکر سے غافل ہوتے ہیں، لہٰذا غافلوں کا ذاکروں (نمازیوں) کے سامنے آجانا ذکر و نماز کے منافی و قاطع قرار دیا گیا ہے۔

۱؎ علامہ عینی نے لکھا:- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد عورت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے تو جائز ہے اور نماز قطع نہیں ہوتی، مگر بعض علماء نے حضور علیہ السلام کے علاوہ دوسروں کیلئے اس کو مکروہ کہا ہے کیونکہ عورت سامنے ہو تو اس کی طرف نظر کرنے سے فتنہ کا خوف اور قلب کے ادھر مشغول ہونے کا احتمال غالب ہے، پھر نماز کیا ہوگی؟ اور حضور علیہ السلام پر قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ آپ ان سب برائیوں سے منزہ تھے، پھر وہ رات کے نوافل کا موقع تھا، جبکہ اس وقت گھروں میں چراغ بھی نہ ہوتے تھے، یہ بھی لکھا کہ اگرچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اس طرح نماز ہوجاتی ہے اور عورت کے سامنے سے گذرنے سے بھی نماز قطع نہیں ہوتی، لیکن ظاہر ہے کہ عورت کا سامنے لیٹے ہوئے ہونا، اس کے سامنے سے گذرنے کے اعتبار سے کہیں زیادہ شدید ہے (عمدہ بحوالہ اوجز ص ۴۰۴ ج ۱) علامہ عینیؒ کی مذکورہ بالا تنقیحات نہایت اہم و قابل قدر ہیں اور صورت مسئلہ کو ان ہی کی روشنی میں دیکھنا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ (مؤلف)

اس بارے میں علامہ محدث زرقانیؒ نے بھی اچھی بحث کی ہے اور حدیث حضرت عائشہؓ کے جوابات نقل کئے ہیں مثلاً یہ کہ (۱) حضرت عائشہ و میمونہ ازواج مطہرات میں سے تھیں، لہٰذا اجنبیہ کے لئے خوف فتنہ وغیرہ کی بات مانع رہے گی، (۲) وہ رات کے واقعات تھے، اور اس زمانہ میں چراغ وغیرہ نہ تھے (اب بجلی کا دور ہے کہ دن کی طرح روشنی دیتی ہے۔ (۳) وہ ایک وقتی واقعہ کا ذکر ہے جس میں بہت سے احتمالات نکل سکتے ہیں بخلاف حدیث ابی ذرؓ کے اس سے عام تشریعی قائدہ بیان ہوا ہے۔ (۴) علامہ ابن بطال نے حضرت عائشہ کے واقعہ کو خصائص نبوی میں شمار کیا ہے اور حضور علیہ السلام کی طرح کون اپنے جذبات پر کنٹرول کرسکتا ہے؟ (۵) بعض حنابلہ نے کہا کہ احادیث ابی ذر وغیرہ احادیث صحیحہ صریحہ ہیں ان کا مقابلہ احادیث صحیحہ غیر صریحہ یا صریحہ غیر صحیحہ نہیں کرسکتیں (شرح الزرقانی ص ۳۱۷)

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں اس امر کو بھی اپنے ذہنوں میں تازہ کرلو، جس کو پہلے بتلا چکا ہوں کہ بہت سی احادیث بظاہر آپس میں متعارض معلوم ہوتی ہیں کہ ایک کا مضمون دوسری سے ٹکراتا ہے، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ شارع کا مقصد مراتب احکام کا بیان ہوتا ہے اور کبھی اختلاف ازمنہ و امکنہ وانظار کی طرف تنبیہ ہوتی ہے اور کبھی کچھ احادیث میں حکم اشیاء عالم غیب کی نسبت سے بتلایا گیا ہے اور کچھ میں عالم شہادۃ کے لحاظ سے اور یہ ضروری نہیں کہ دونوں عالموں کے احکام میں توافق ہو۔

سترہ کا مسئلہ: فرمایا:- سترہ قائم کرنا مذہب شافعی میں واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے مگر ترک سترہ کی وعید اور دوسری تاکیدات شرع پر نظر کرتے ہوئے میری رائے ہے کہ حنفیہ اس حکم کو استحباب سے اوپر رکھتے تو اچھا ہوتا، مسئلہ سترہ بحضور کعبہ معظمہ آگے آئے گا، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے فرمایا:- "قبرستان میں نماز پڑھے تو امام ومقتدی کے واسطے سترہ کی ضرورت ہے، سترہ امام کا مقتدی کو کافی ہونا مرور حیوان وانسان کے لئے ہے اور قبور کا حضور مشابہ بہ شرک وبت پرستی ہے، اس میں کافی نہیں ہے، اس لئے ہر ہر نمازی کے سامنے سترہ و پردہ واجب ہے" (فتاوی رشیدیہ ص ۲۸۸)

فائدہ قیمہ: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شریعت نے نماز جماعت کو نماز منفرد سے الگ نوع قرار دیا ہے اور ہر ایک کے کچھ احکام الگ بھی ہیں، اس لئے ایک نوع کے احکام کو دوسری نوع پر جاری نہیں کرسکتے، جس طرح شریعت نے غیر موجود کی بیع کو ممنوع قرار دیا لیکن بیع کی ہی ایک قسم مسلم بھی ہے، جس کو جائز قرار دیا حالانکہ وہ بھی بیع غیر موجود کی ایک نوع ہے، اسی طرح نماز جماعت کا باب ونوع بھی الگ اور مستقل ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ امام کی اقتداء ضروری ہے اور مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کا حکم نہیں دیا حالانکہ وہ نماز کا اہم رکن ہے اور اس سے بہت کم درجہ کی چیزوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، بلکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو، لیکن جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات جم چکی ہے کہ نماز بغیر فاتحہ کے قائم نہیں ہوسکتی وہ اس عام بات پر جمود کرلیتے ہیں اور مقتدی کے خاص حکم کو نظرانداز کردیتے ہیں، اس طرح وہ دونوع کے احکام کو باہم مختلط کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شافعیہ کی نماز بنی اسرائیل کی طرح ہوگئی ہے کہ وہ بھی باوجود اجتماع کے منفرد رہتے ہیں اور ان میں باہم ربط وتضمن نہیں ہوتا، حالانکہ حدیث میں امام کو ضامن فرمایا گیا ہے، جو باہمی ربط وتضمن کو مقتضی ہے اور حضور علیہ السلام نے حدیث ابی داؤد میں **لقد اعجبنی ان تکون صلوۃ المؤمنین واحدۃ** فرمایا ہے (مجھے مسلمانوں کی نماز جماعت بہت ہی پسند ہے کہ وہ مجموعی اکائی ہے) تو حنفیہ نے اس ارشاد کی حقیقت کو سمجھا اور اپنی خوشی کو حضور علیہ السلام کی خوشی سے وابستہ کردیا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں بخاری کی احادیث الباب سے بھی یہی ثابت ہوا کہ نماز جماعت واحد بالعدد یعنی مجموعی اکائی ہے، اس لئے سب کے لئے ایک ہی سترہ کافی ہوا، اگر ان سب کی نمازیں الگ الگ ہوتیں تو ظاہر ہے کہ سترہ بھی الگ الگ ہوتا۔

شافعیہ اگر **لا صلواۃ الا بفاتحۃ الکتاب** کے عموم سے استدلال کرتے ہیں تو حدیث میں **لا صلوۃ الا بخطبۃ** بھی ہے اس کے عموم سے نماز جمعہ کے لئے ہر ہر شخص کے ذمہ خطبہ کیوں لازم نہیں کرتے؟ اگر وہاں نہیں کرتے تو یہاں بھی لازم نہ کرنا چاہئے، نیز فرمایا کہ اس سے کچھ پہلے ہی حدیث بخاری ص ۶۹ میں **صلوۃ الجمیع تزید علی صلوتہ فی بیتہ الخ** بھی گذرا ہے اس سے بھی یہی مستفاد ہوا کہ نماز جماعت نظر شارع میں "صلوۃ الجمیع" (سب کی ایک نماز) ہے، وہ "**صلواۃ الجمیع**" (سب کی بہت سی نمازیں) نہیں ہیں، ایسے ہی قرآن مجید میں بھی "**اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعہ**" ہے، وہاں جمعہ کی نماز کو بھی ایک مجموعی نماز فرمایا گیا ہے۔

شافعیہ سمجھتے ہیں کہ نماز جماعت میں بہت سی نمازیں لوگوں کی ہیں جو اگرچہ ایک محل میں جمع ہیں مگر ہر ایک کی نماز الگ الگ ہے اور وہ سب اپنے اپنے امیر خود ہیں، امام کا اتباع صرف افعال میں ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر امام کی نماز فاسد بھی ہوجائے، تب بھی مقتدی کی درست رہتی ہے اور اسی لئے ان کے یہاں ہر مقتدی کو فاتحہ بھی پڑھنی پڑتی ہے کہ بغیر اس کے نماز نہیں، ہم کہتے ہیں یہ تسلیم مگر نماز جماعت چونکہ صلواۃ واحد ہے، اس لئے فاتحہ واحدہ اس کے لئے کافی ہے جو امام پڑھتا ہے۔

باب قدر کم ينبغي ان يکون بين المصلى والسترة

(مصلی اور سترہ میں کتنا فاصلہ ہونا چاہئے)

۴۶۹. حدثنا عمرو بن زرارة قال نا عبدالعزيز بن ابی حازم عن ابيه عن سهل بن سعد قال کان بين مصلیٰ رسول الله ﷺ و بين الجدار ممرا الشاة.

۴۷۰. حدثنا المکی بن ابراهيم قال نا يزيد بن ابی عبيد عن سلمة قال کان جدار المسجد عند المنبر ما کادت الشاة تجوزها.

ترجمہ ۴۶۹: حضرت سہل بن سعدؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے سجدہ کرنے کی جگہ اور دیوار کے درمیان ایک بکری کے گذر سکنے کا فاصلہ تھا۔

ترجمہ ۴۷۰: حضرت سلمہؓ نے فرمایا کہ مسجد کی دیوار اور منبر کے درمیان بکری کے گذر سکنے کا فاصلہ تھا۔

تشریح: مسجد نبوی میں اس وقت محراب نہیں تھی اور آپ منبر کی بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے، لہٰذا منبر اور دیوار کا فاصلہ بعینہ وہی تھا جو آپ کے اور دیوار کے درمیان ہو سکتا تھا۔

باب الصلوٰة الى الحربة

(چھوٹے نیزہ (حربہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا)

۴۷۱. حدثنا مسدد قال نا يحيیٰ عن عبيد الله قال اخبرنی نافع عن عبدالله بن عمر ان النبی ﷺ کان يرکز له الحربة فيصلی اليها.

باب الصلوٰة الى العنزة

(عنزہ (وہ ڈنڈا جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا ہو) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا)

۴۷۲. حدثنا ادم قال نا شعبة قال ناعون بن ابی حجيفة قال سمعت ابی قال خرج علينا النبی بالهاجرة فاتی بوضوء فتوضا فصلی بنا الظهر و العصر وبين يديه عنزة والمرأة الحمار يمران من ورآء ها.

۴۷۳. حدثنا محمد بن حاتم بن بزيع قال نا شاذ ان عن شعبة عن عطاء ابن ابی ميمونة قال سمعت انس بن مالک قال کان النبی ﷺ اذا خرج لحاجته تبعته انا وغلام و معنا عکازة او عصا او عنزة و معنا اداوة فاذا فرغ من حاجة ناولناه الاداوة.

باب السترة بمکة وغيرها

(مکہ اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات میں سترہ)

۴۷۴. حدثنا سليمان بن حرب قال نا شعبة عن الحکم عن ابی حجيفة قال خرج علينا رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلی الظهرو العصر رکعتين ونصب بين يديه عنزة و توضأ فجعل الناس يتمسحون بوضوءه.

ترجمہ ۴۷۱: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کے لئے حربہ گاڑ دیا جاتا تھا اور آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۴۷۲: حضرت عون بن ابی جحیفہ نے اپنے والد سے سنا کہ نبی کریم ﷺ دوپہر کے وقت تشریف لائے آپ کی خدمت میں وضوکا پانی پیش کیا گیا جس سے آپ نے وضوکیا، پھر ہمیں آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی اور عصر کی بھی، آپ کے سامنے عنزہ گاڑ دیا گیا تھا، اور عورتیں اور گدھے اس کے پیچھے سے گذر رہے تھے۔

ترجمہ ۴۷۳: حضرت عطاء بن ابی میمونہ نے حضرت انس بن مالک سے سنا کہ نبی کریم ﷺ جب رفع حاجت کے لئے تشریف لے جاتے، میں اور ایک لڑکا آپ کے پیچھے پیچھے جاتے تھے، ہمارے ساتھ عکازہ (ڈنڈا جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا تھا) یا چھڑی یا عنزہ ہوتا تھا اور ہمارے ساتھ ایک برتن بھی ہوتا تھا جب آنحضور ﷺ حاجت سے فارغ ہو جاتے تو ہم آپ کو وہ برتن دیتے تھے۔

ترجمہ ۴۷۴: حضرت ابوجحیفہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس دوپہر کے وقت تشریف لائے اور آپ نے بطحاء میں ظہر اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں، آپ کے سامنے عنزہ گاڑ دیا گیا تھا اور جب آپ نے وضوکیا تو لوگ آپ کے وضو کے پانی کو اپنے بدن پر لگانے لگے۔

تشریح: امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سترہ کے مسئلہ میں مکہ اور دوسرے مقامات میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ خاص بیت اللہ کے سامنے نماز اگر کوئی شخص پڑھ رہا ہے اور طواف کرنے والے اس کے سامنے سے آ جا رہے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ بیت اللہ کا طواف بھی نماز کے حکم میں ہے، یہ مسئلہ امام طحاوی نے اپنی مشکل الآثار میں ذکر کیا ہے، مسائل حج و زیارت کی کتابوں میں یہ بھی دیکھا کہ چونکہ بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھنے میں وصلہ قوی تر ہوتا ہے اس لئے وہاں کسی کے مرور سے وصلہ قطع نہیں ہوتا لہٰذا بغیر سترہ کے وہاں نماز درست ہے اور نماز کی حالت میں سامنے سے گذر سکتا ہے اور یہ مسئلہ صرف مسجد حرام کیلئے ہے۔

مقصد امام بخاری: حافظ نے لکھا:- علامہ ابن المنیر نے کہا کہ ''امام بخاری نے خاص طور سے مکہ کا ذکر کیا مغالطہ رفع کرنے کے لئے کیا ہے کہ سترہ بمنزلہ قبلہ ہوتا ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہ مناسب نہیں کہ مکہ کے لئے بجز کعبہ معظمہ کے کوئی اور قبلہ ہو، لہٰذا مکہ کے اندر سترہ کی ضرورت نہیں'' پھر حافظ نے لکھا کہ میرے نزدیک تو امام بخاری نے محدث عبدالرزاق پر تعریض کی ہے جنہوں نے اپنے مصنف میں **باب لا یقطع الصلوۃ بمکۃ شیء** قائم کر کے حدیث ابن جریج نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ مسجد حرام میں نماز پڑھ رہے تھے کوئی سترہ آپ کے سامنے نہیں تھا اور لوگ آپ کے سامنے سے گذر رہے تھے، دوسرے اصحاب السنن نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اس کے رجال رواۃ ثقہ ہیں، تاہم یہ روایت معلول ہے، لہٰذا امام بخاری نے اس کے ضعف پر تنبیہ کی ہے اور اپنی یہ رائے بتلانی چاہی ہے کہ مشروعیت سترہ کے مسئلہ میں مکہ اور غیر مکہ کا کوئی فرق نہیں ہے اور اپنے استدلال میں حدیث ابی جحیفہ پیش کی ہے، شافعیہ کا بھی یہی مسلک مشہور ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا مکہ اور غیر مکہ سب جگہ یکساں طور پر ممنوع ہے، البتہ بعض فقہاء نے بوجہ ضرورت طائفین کے لئے مرور کے گناہ کو مرجو المغفرت کہا ہے، دوسروں کے لئے یہ بھی نہیں، بعض حنابلہ نے مرور کو تمام مکہ میں جائز قرار دیا ہے (فتح ص ۳۸۴ ج ۱)

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ حنابلہ کے یہاں یہی راجح قول ہے بلکہ تمام حرم کا حکم یہی ہے کہ کافی المغنی اور ابن تیمیہ نے المنتقی میں باب الرخصۃ للطائفین بالبیت قائم کیا ہے، علامہ شامی نے بعض حنفیہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے (الا بواب والتراجم ص ۲۳۱ ج ۲)

موفق نے کہا کہ '' مکہ معظمہ میں بلاسترہ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، امام احمد نے فرمایا کہ مکہ معظمہ دوسرے شہروں کی طرح نہیں ہے اس کا حکم الگ ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے حرم میں نماز پڑھی ہے اور لوگ سامنے سے گذرتے رہتے تھے، معتمر نے کہا کہ میں نے طاؤس سے سنا کہ ایک شخص مکہ میں نماز پڑھتا ہے اور اس کے سامنے سے مرد عورتیں گذرتے رہتے ہیں، جواب دیا کہ کیا حرم میں نماز پڑھتے ہوئے لوگ ایک دوسرے کو آمنے سامنے نہیں دیکھتے رہتے ہیں؟ یعنی اس شہر کا حال دوسرے شہروں جیسا نہیں ہے اور تمام حرم کا حکم اس بارے میں مکہ کا ہی ہے کیونکہ سارے حرم میں مشاعر ومناسک ادا کئے جاتے ہیں'' علامہ شامی نے بعض حنفیہ کا قول نقل کیا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے

والے کو چاہئے کہ اپنے سامنے سے گذرنے والوں کو نہ روکے اوران سے مراد طواف کرنے والے ہیں کیونکہ طواف بحکم صلوٰۃ ہے تو یہ ایسا ہوگا جیسے کہ ایک صف کے نماز پڑھنے والوں کے سامنے آگے کی صف والے ہوتے ہیں اور علامہ عزالدین نے امام طحاوی کی مشکل الآثار سے نقل کیا ہے کہ بحضرۃ کعبہ معظمہ نمازی کے سامنے سے گذرنا جائز ہے، علامہ شامی نے اس کو نقل کر کے لکھا کہ یہ جزئیہ نادر وغریب ہے، اس کو یاد کر لینا چاہئے (حاشیہ لامع الدراری ص ۱۹۷ ج ۱)

امام احمد وابوداؤد کی رائے امام بخاری کے خلاف

یہ حدیث مطلب مسند احمد بھی ہے اور ابوداؤد نے ''باب فی مکہ'' میں امام احمد سے ہی روایت کی ہے اوران دونوں میں کثیر کی روایت اپنے دادا مطلب سے بعض افراد خاندان کے ذریعہ ہے، صاحب الفتح الربانی نے لکھا کہ مطلب اوران کے والد صحابی تھے، مکہ فتح ہونے پر اسلام لائے تھے، مسند احمد میں ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ سے حضور علیہ السلام کے بغیر سترہ کے نماز پڑھنے کی مروی ہے، صاحب الفتح الربانی نے لکھا کہ حدیث الباب سے جمہور نے عدم وجوب سترہ پر استدلال کیا ہے لیکن شوکانی نے کہا کہ حضور علیہ السلام کا فعل، آپ کے قول کا معارض نہیں ہوسکتا، لہٰذا وہ وجوب سترہ کے قائل رہے (الفتح الربانی ص ۱۴۵ ج ۳)

یہ عجیب بات ہے کہ اس جگہ مکہ میں سترہ کی بات بھی لانی تھی، جبکہ صرف مطلق وجوب سترہ کا ذکر ہوا، اسی طرح بذل المجہود ص ۱۹۶ ج ۳ میں بھی مطلق سترہ کے احکام بیان ہوئے، جبکہ امام ابوداؤد نے خاص باب مکہ کے بارے میں باندھا تھا اور مطلق سترہ کی احادیث کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کر چکے تھے، اور مطلب کی روایت ذکر کی تھی اور یہ بھی ظاہر تھا کہ امام بخاری مستقل باب قائم کر کے سترہ کے باب میں مکہ اور غیر مکہ کو برابر قرار دے چکے ہیں اس بارے میں لکھنا ضروری تھا کیونکہ بظاہر ابوداؤد امام بخاری کے خلاف گئے ہیں اور وہ بھی مکہ میں بلاسترہ نماز کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام ابن ماجہ ونسائی کی رائے امام بخاری کے خلاف ہے

سنن ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے مگر کثیر نے وہاں اپنے بعض اہل سے نہیں بلکہ اپنے باپ کثیر کے واسطہ سے اپنے دادا مطلب سے روایت کی ہے۔ محدث ابن ماجہ نے مطلق سترہ کے احکام کی احادیث کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کی ہیں، اور ابوداؤد کی طرح کتاب الحج میں باب الرکعتین بعد الطواف قائم کر کے یہ حدیث مطلب ذکر کی ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی تصریح کر دی کہ یہ حکم بلاسترہ نماز کا صرف مکہ کے لئے ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مسلک بھی امام بخاری کے خلاف ہے اور جمہور کے موافقت میں ہیں کہ مکہ اور غیر مکہ کا اس بارے میں فرق ہے، امام نسائی نے کتاب القبلۃ کے تحت باب التشدید فی المرور بین یدی المصلی و بین السترۃ قائم کر کے وہ احادیث ذکر کیں، جن سے ممانعت مرور ثابت ہے، پھر دوسرا باب ''الرخصۃ فی ذلک'' کا قائم کر کے یہی حدیث مطلب (عن ابیہ عن جدہ) ذکر کی ہے (نسائی ص ۱۲۳)

اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی بھی امام بخاری کے ہم رائے نہیں ہیں لامع الدراری ص ۱۹۷ ج ۱ میں ابویعلی و دیگر محدثین سے بھی اس روایت مطلب کا ثبوت دیا گیا ہے، آگے امام طحاوی کی مشکل الآثار سے بھی ہم پوری نقل لانے والے ہیں کہ بظاہر ان کی وجہ سے حنفیہ نے جمہور کا ساتھ دیا ہے، ان سب کبار محدثین نے مطلب والی روایت کو معتبر ٹھیرایا ہے اور بعض اہل کی وجہ سے جہالت راوی کی علت کو نظر انداز کر دیا ہے اور امام نسائی وابن ماجہ نے تو عن ابیہ عن جدہ کو راجح سمجھا ہے، اب رہی یہ بات کہ کثیر نے خود کہا کہ میں نے اپنے باپ سے نہیں بلکہ اہل سے سنا ہے تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ پہلے انہوں نے بعض اہل سے ہی سنا ہو اور پھر عن ابیہ عن جدہ سن کر بھی اسی طرح روایت کرتے ہوں، حضرت سفیان بن عیینہ، حضرت یزید بن ہارون وغیرہ بھی جبال محدثین میں سے تھے اور اصحاب صحاح ستہ کے اساتذہ میں تھے، انہوں

نے اطمینان کر کے ہی عن ابیہ عن جدہ کے طریقہ سے روایت کی ہوگی مگر ہوا تو یہ کہ امام بخاری کا سحر ایسا آیا کہ اس سے بڑے بڑے مسحور ہو گئے، پھر یہ کہ جمہور نے جو مسلک نماز حرم میں بلاسترہ کا اختیار کیا تو کیا وہ بالکل ہی بے دلیل کر لیا تھا، ان کو سترہ کی ضرورت شدت واہمیت معلوم نہ تھی، اور بلاسترہ نماز پڑھنے پر گذرنے والوں کے ساتھ خود نمازی کے گنہگار ہونے کی بات کیا ان سے بالکل ہی نظر انداز ہو گئے تھے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بڑا مارے اور رونے بھی نہ دے، امام بخاری وغیرہ کا یہی حال ہے وہ اپنی ذاتی فقہی رائے قائم کر کے آگے کوایسا بڑا بند لگا دینا چاہتے ہیں کہ کوئی عبور نہ کر سکے اور اوپر ذکر کیا گیا کہ امام احمدؒ جو امام بخاری کے استاذ حدیث بھی تھے) اس کے قائل ہیں کہ نہ صرف مسجد حرام میں اور نہ صرف مکہ معظمہ میں بلکہ سارے حرم کے طویل وعریض علاقے میں بلاسترہ نماز جائز بلا کراہت ہے نہ نمازی کو سترہ کا اہتمام کرنے کی ضرورت اور نہ سامنے سے گذرنے والوں پر کوئی گناہ، کوئی کہہ سکتا ہے کہ اتنا بڑا اقدام امام[1] احمدؒ ایسی عظیم اور جلیل شخصیت بلادلیل کر سکتی تھی اور خاص کعبہ معظمہ کے گرد مسجد حرام کے اندر تو امام طحاوی بھی جواز صلوۃ بلاسترہ کا فیصلہ حدیث مطلب ہی کی وجہ سے کر گئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

آپ نے فرمایا کہ ایسی بات ہمارے فقہاء ومحدثین حنفیہ میں سے کسی اور نے نہیں لکھی اور یہی بات شامی نے کہی کہ یہ نادر جزئیہ ہے اس کو محفوظ کر لینا چاہئے لیکن فیض الباری کی عبارت سے یہ ابہام ہوتا ہے کہ امام طحاوی کے علاوہ مذاہب اربعہ میں سے بھی کسی نے ایسی بات نہیں کہی یہ بات حضرتؒ کی طرف غلط منسوب ہوگئی، دوسری غلطی یہ ہوئی کہ امام طحاوی کا مسلک صرف طائفین کے لئے بتلایا گیا حالانکہ طائفین کے لئے تو بعض فقہاء شافعیہ نے بھی اجازت ضرورت کے تحت دیدی ہے، امام طحاوی تو کعبہ کی موجودگی کی وجہ سے مطلق مرور کی اجازت سب کے لئے دے گئے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو توجیہ وجیہ امام طحاوی نے فرمائی ہے وہ کسی اور نے نہیں کی اور اس سے امام موصوف کی غیر معمولی دقت نظر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

امام طحاوی کا ارشاد

آپ نے عنوان باب قائم کیا ''نمازی کے سامنے گذرنا بیت حرام کی موجودگی میں اس کی غیبت میں'' پھر سب سے پہلے کئی طرق سے حدیث مطلب ہی کی روایت فرمائی اور فرمایا کہ اس حدیث سے طائفین[2] کیلئے نمازی کے سامنے سے گذرنے کی اجازت حاصل ہوئی، پھر دوسری احادیث ممانعت مرور کی ذکر کیں، آگے لکھا کہ کسی نے اعتراض کیا کہ یہ احادیث تو مطلب والی کی ضد ہیں، تو ہم نے اس کا جواب خدا کی توفیق سے یہ دیا کہ مطلب والی حدیث کا محل وہ ہے کہ بیت اللہ کے معائنہ ومشہود کی صورت میں نماز پڑھ رہا ہو اور دوسری احادیث ممانعت والی اس کے لئے ہیں، جو مسجد حرام سے باہر کسی حصہ میں تحری قبلہ کے ذریعہ نماز پڑھتے ہوں۔

لہٰذا دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اور وجہ یہ ہے کہ کعبہ کے گرد نماز پڑھنے والوں کے چہرے تو ایک دوسرے کے مقابل بھی ہوتے ہیں اور اس میں ہاں کوئی کراہت بھی نہیں ہے، لیکن وہاں کے علاوہ جہاں بھی دنیا میں نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور کعبہ سامنے نہیں ہوتا تو اس طرح مقابل ہو کر نماز بھی درست نہیں ہوتی اور ممنوع ہے، اس سے ہم سمجھے کہ پہلا حکم کعبہ معظمہ کی موجودگی کے ساتھ مخصوص

---

[1] ابونعیم نے حضرت عمرؓ سے یہ روایت کی ہے کہ اگر نمازی یہ جان لے کہ کسی کے سامنے سے گذرنے کی وجہ سے اس کی نماز میں کتنا نقصان آجاتا ہے تو وہ کبھی بلاسترہ کے نماز نہ پڑھے، (بستان الاحبار مختصر نیل الاوطار شوکانی ص۳۸۳ ج۱) اور گزرنے والوں کے لئے جتنی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں وہ تو مشہور ہیں۔ (مؤلف)

[2] یہاں لفظ طائفین سے تخصیص کا شبہ نہ ہو کیونکہ حرم محترم میں سب طائفین ہی ہوتے ہیں، دوسرا وہاں کون ہوتا ہے اور حکم مرور کا جواز بحالت طواف وغیر طواف ہر طرح ہے جیسا کہ آگے امام طحاوی کی توجیہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے (مؤلف)

ہے اور جب ایک دوسرے کے مقابل آمنے سامنے ہوکر نماز کی اجازت بیت اللہ کے اردگرد جائز بلا کراہت ہوگئی تو اس امر کی گنجائش بھی نکل آئی کہ بیت اللہ کی طرف اس کی موجودگی میں رخ کر کے نماز پڑھنے والوں کے سامنے سے لوگ گذر بھی سکیں، برخلاف اس کے بیت اللہ کی غیر موجودگی میں چونکہ ایک دوسرے کے مقابل ہوکر نماز جائز نہیں تو گذرنے والوں کے لئے بھی تنگی وشدت ہی قائم رہے گی۔

اس تفصیل سے صاف طور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں اور دو جگہوں کے لئے حکم الگ الگ ہے، کعبہ معظمہ کے سامنے کا حکم الگ اور باقی سب جگہوں کا حکم الگ۔ واللہ نسئلہ التوفیق (مشکل الآثار ص ۲۴۹ تا ص ۲۵۲ ج ۳)

بعض حضرات نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ کعبۂ معظمہ کے سامنے نماز ادا کرنے کی حالت میں توجہ الی اللہ اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ سامنے سے کسی کے گذرنے کا احساس وخیال بھی نہیں ہوتا، اس لئے مرور مضر نہیں اور بعض نے کہا کہ حضور بیت اللہ کی حالت میں وصلہ اتنا قوی ہوتا ہے کہ وہ کسی کے گذرنے سے قطع نہیں ہوتا، اس لئے سترہ کی ضرورت نہیں نہ مرور کی ممانعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب الصلوٰة فی الاسطوانة وقال عمر المصلون احق باسواری من المتحدثین الیھا ورای ابن عمر رجلا یصلی بین السطوا نتین فادناہ الی ساریة فقال صل الیھا

(ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھنا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والے ستونوں کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جو اس پر ٹیک لگا کر باتیں کریں اور حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھتے دیکھا تو اسے ایک ستون کے قریب کر دیا اور فرمایا کہ اس کو سامنے کر کے نماز پڑھو (تاکہ گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہو)

۴۷۵. حدثنا المکی بن ابراھیم قال نا یزید بن ابی عبید قال کنت اتی مع سلمة بن الاکوع فیصلی عند الاسطوانة التی عند المصحف فقلت یا ابا مسلم ازا تتحری الصلوة عن ھذہ الاسطوانة قال فانی رایت النبی ﷺ یتحری الصلواة عندھا.

۴۷۶. حدثنا قبیصة قال حدثنا سفیان عن عمرو بن عامر عن انس بن مالک قال لقد ادرکت کبار اصحاب النبی ﷺ یبتدرون السواری عند المغرب و زاد شعبة عن عمرو عن انس حتی یخرج النبی ﷺ.

ترجمہ ۴۷۵: حضرت یزید بن ابی عبید نے بیان کیا کہ میں سلمہ بن الاکوع کے ساتھ (مسجد نبوی میں) حاضر ہوا کرتا تھا سلمہ ہمیشہ اس ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے تھے جو مصحف کے پاس تھا میں نے ان سے کہا کہ اے ابو مسلم میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہمیشہ اسی ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے ہیں، انہوں نے اس پر فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خاص طور سے اسی ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

ترجمہ ۴۷۶: حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے کبار اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کہ وہ مغرب کی اذان کے وقت ستونوں کے سامنے جلدی سے پہنچ جاتے تھے، شعبہ نے عمرو سے وہ انسؓ سے (اس حدیث میں) یہ زیادتی کی ہے ''یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لاتے''۔

تشریح: مغرب کی اذان اور نماز کے درمیان ہلکی پھلکی دو رکعتیں ابتداء اسلام میں پڑھ لی جاتی تھیں لیکن پھر اس پر عمل ترک کر دیا گیا کیونکہ شریعت کو مغرب کی اذان اور نماز میں زیادہ سے زیادہ اتصال مطلوب ہے، شوافع کے نزدیک یہ دو رکعتیں مستحب ہیں اور احناف اور مالکیہ کے یہاں صرف مباح ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں امام ابوحنیفہ کا مسلک نقل کیا کہ منفرد دو ستونوں کے درمیان نماز

پڑھے تو جائز بلا کراہت ہے، لیکن مقتدی ایک یا دو ہوں تو مکروہ ہے، زیادہ ہوں تو مکروہ نہیں کیونکہ وہ صف کے حکم میں ہوں گے، حضرتؒ نے فرمایا اس میں فقہی وجہ شاید یہ ہوگی کہ وہ دو صف کا جز ہوتے ہیں، ان کو صف سے الگ کھڑا نہ ہونا چاہئے اور تین یا زیادہ خود مستقل صف کا حکم رکھتے ہیں اس لئے مکروہ نہ ہوگا فرمایا کہ مجھے یہ مسئلہ کتب فقہ میں نہیں ملا، اور شوکانی نے حوالہ بھی نہیں دیا، تاہم میرا وجدان کہتا ہے کہ مسئلہ اسی طرح ہوگا، پھر فرمایا کہ میرا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ شوکانی کے پاس حنفی مذہب کا پورا علم نہیں تھا، اس لئے میں نقل مذہب میں ان پر اعتماد نہیں کرتا، حضرتؒ کی امام بخاریؒ کے بارے میں یہی رائے تھی کہ ان کے پاس پوری طرح مسلک حنفی کا علم نہ تھا، اور محدث ابن ابی شیبہؒ نے بھی بہت سے اعتراضات حنفی مسلک پر عدم علم کی وجہ سے کئے ہیں، ایسے اور حضرات بھی ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جان بوجھ کر مغالطے میں ڈالتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

قولہ عند المصحف اور حافظ و عینی کی غلطی

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا حافظ الدنیا ابن حجرؒ سے غلطی ہوگئی[1] کہ اس اسطوانہ کو جو مصحف کے پاس تھا، اسطوانہ مہاجرین سمجھے، شاید مخلقہ ہونے کی وجہ سے مغالطہ لگا ہوگا، علامہ سمہودیؒ نے بھی اس بارے میں اپنے استاذ حافظ ابن حجر کا رد کیا ہے اور کہا کہ وہ دوسرا تھا، اسطوانہ مہاجرین نہیں تھا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سمہودی کا قول اس بارے میں زیادہ معتبر ہے اب اس کی تفصیل درج کی جاتی ہے، حافظ نے فتح الباری ص ۳۸۵ ج ۱ میں اس طرح لکھا:- ''مصحف شریف کے لئے ایک صندوق تھا جس میں وہ (حضرت عثمانؓ کے وقت سے) رکھا جاتا تھا، چونکہ اس کی ایک جگہ مقرر تھی تو اس سے اسطوانہ کی تعیین کی گئی اور اس اسطوانہ کے بارے میں ہمارے بعض مشائخ نے ہمیں تحقیق طور سے بتلایا ہے کہ وہ روضۂ مکرمہ کے درمیان میں ہے اور وہ اسطوانۂ مہاجرین کے نام سے مشہور ہے، کہا کہ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں اگر لوگ اس کو پہچان لیتے تو قرعہ اندازی کے ذریعہ اس کا قرب ڈھونڈتے اور آپ نے حضرت ابن زبیرؓ کو راز کے طور پر بتلا دیا تھا تو وہ اس کے قریب بہ کثرت نمازیں پڑھا کرتے تھے، پھر میں نے ابن النجار کی تاریخ مدینہ میں بھی یہی بات دیکھی، اس میں یہ بھی ہے کہ مہاجرین قریش اس اسطوانہ کے پاس جمع ہوا کرتے تھے اور اس سے قبل محمد بن الحسن نے بھی اخبار المدینہ میں ایسا ہی درج کیا ہے (فتح)

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہی غلطی علامہ عینی سے بھی ہوگئی ہے، انہوں نے بھی اسطوانۂ مہاجرین ہی سمجھا ہے اور فیض الباری میں جو یہ درج ہوگیا کہ حافظ نے اس کو اسطوانۂ مخلقہ قرار دیا، یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس نام سے کوئی خاص اسطوانہ نہیں ہے، بلکہ جن ستونوں پر بھی خلوق (ایک خوشبو) لگائی جاتی تھی وہ سب ہی مخلقہ کہے جاتے تھے، چنانچہ اس لحاظ سے اسطوانۂ حضرت عائشہ بھی مخلقہ تھا اور اسطوانۂ علم المصلے شریف بھی اور یہاں حدیث بخاری میں جو مصحف شریف کے قریب والے اسطوانہ کا ذکر ہوا ہے وہ اسطوانہ علم المصلے ہی تھا، جس کی پوری تحقیق علامہ سمہودی نے ص ۲۶۲ ج ۱ سے شروع کر کے اسطوانوں کی آخر بحث ص ۳۲۱ ج ۱ تک متعدد جگہ کی ہے اور ص ۲۶۴ میں اپنے استاذ محترم حافظ ابن حجرؒ کی غلطی اور وجوہ اشتباہ بیان کر کے تصحیح کا حق ادا کیا ہے جس کی طرف استاذی وسیدی وسندی حضرت علامہ کشمیریؒ نے اشارہ فرمایا ہے، علامہ سمہودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ نے جو محمد بن الحسن بن زیاد اور ابن النجار کا حوالہ دیا ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ ان دونوں کے کلام سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسطوانہ عند المصحف سے مراد اسطوانۂ مہاجرین تھا، البتہ چونکہ دونوں کو مخلقہ کہا جاتا تھا، اس سے حافظ کو دھوکہ لگ گیا ہے۔ ص ۳۱۲ ج ۱ میں بخاری کی اسی حدیث الباب سلمہ والی کو ذکر کر کے بھی یہی تعیین کی کہ اس سے مراد وہ اسطوانہ ہے جو قریب ومحاذات کی وجہ سے حضور علیہ السلام کے مصلے (اور محراب) کی علامت تھا، اس کے بعد دوسرے اسطوانۂ قرعہ کا ذکر کیا اور بتلایا کہ وہ اسطوانۂ عائشہ، اسطوانۂ مخلقہ اور اسطوانۂ مہاجرین کے نام سے بھی مشہور تھا۔

---

[1] فتح الملہم ص ۱۰۹ ج ۳ میں اس حدیث پر حافظ کی عبارت بلا کسی نقد وتحقیق کے ذکر ہوئی ہے۔ (مؤلف)

چونکہ اسطوانات مسجد نبوی کے بارے میں اشتباہ ہوتا رہا ہے اور امام بخاری ومسلم وابن ماجہ کے سوا اور کتب صحاح ستہ میں اس حدیث سلمہؓ کو نہیں لیا گیا اور صرف حضرت شاہ صاحبؒ نے تاریخی وعلمی بحث کو اٹھایا ہے اور حافظ وعینی ایسے اکابر امت کو بھی مغالطہ لگ چکا ہے جس کی وجہ سے ہمیں اوپر تفصیلی بحث دینی پڑی، اس لئے ہم یہاں اسطوانات کی تفصیل وتشریح پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں، اس سے دوسرا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ زائرین روضۂ مقدسہ نبویہ ان کی صحیح دینی اہمیت سمجھ کر وہاں کی برکات سے بھی متمتع ہو سکیں گے۔ واللہ الموفق:-

یہ تفصیل ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی قاریؒ سے نقل کی جاتی ہے:-''مسجد نبوی میں نمازوں کا اہتمام کرنے کے ساتھ روضۂ مقدسہ نبویہ پر بہ کثرت حاضری دیتا اور سلام عرض کرتا رہے، عفو معاصی کے لئے شفاعت کی درخواست پیش کرتا رہے اور اساطین فاضلہ ودیگر مشاہد مقدسہ مثلاً محراب نبوی، منبر نبوی وغیرہ اور قبر نبوی کے قریب سنن ونوافل بہ کثرت پڑھتا رہے، ساتھ ہی اپنی نماز، تلاوت وذکر ودرود شریف وغیرہ کے لئے مسجد اول یعنی حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ والی مسجد کی حدود پہچان کر اس کے حصول کو اختیار کرے'' (ہم نے مسجد اول کا نقشہ پہلے دیدیا ہے خدا کا لاکھوں لاکھ شکر ہے کہ یہ سب یادگاریں اب تک محفوظ چلی آتی ہیں اور خدا کرے کہ مکہ معظمہ کی زمانہ نبوت کی یادگاریں بھی پھر سے زندہ کردی جائیں کہ ان سب ہی سے ایمانوں کو قوت ملتی ہے۔ مؤلف

(۱) **اسطوانہ علم مصلے نبوی:** یہ اسطوانہ حضرت عائشہؓ سے متصل جانب غرب میں ہے اور امام بخاری کی حدیث الباب میں اسی کا ذکر ہے، حضرت سلمہؓ اسی کو تلاش کرکے اس کے پاس نمازیں پڑھا کرتے تھے (یہ حضرات صحابہ ہی کے دور مبارک میں حضور علیہ السلام کی نمازوں کی جگہ کیوں تلاش کی جارہی ہے، اس میں اماکن واشخاص کی عظمت واہمیت بظاہر کچھ زیادہ ہی مذہبی معلوم ہورہی ہے اور ممکن ہے کسی ذکی الحس کو اس میں سے بوئے شرک بھی محسوس ہوئی ہو، کیونکہ آج کل کے دور جہالت میں ہر تعظیم کو شرک کے خانوں میں فٹ کرنے کی وبا بھی چلی ہوئی ہے اور امام بخاری کو دیکھئے کہ وہ بھی ایسے غیر معمولی محتاط محدث ہونے کے باوجود اس حدیث کی روایت کر گئے، پھر اور بھی دیکھئے کہ اس حدیث کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ جب حضرت سلمہؓ سے وجہ دریافت کی گئی کہ آپ اسی جگہ کی تلاش کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو بھی اس جگہ کو تلاش کرتے اور اس جگہ نماز پڑھتے دیکھا ہے، آگے محدثین نے یہ بھی کھوج نکالنے کی سعی کی ہے کہ آخر حضور علیہ السلام کیوں اس جگہ کی کھوج فرماتے تھے، مگر ساری باتوں کا صحیح علم حاصل ہوجانا بھی تو ضروری نہیں، کوئی بہت ہی برکت وعظمت اس جگہ میں ہوگی کہ وہاں حضور علیہ السلام نے بجز چند ایام کے اسی جگہ کو اپنا مصلے بنایا تھا، البتہ خیر جاری میں اتنا اور لکھا ہے کہ شاید مصحف شریف کو حضور کے بعد اسی لئے اسی جگہ رکھا گیا کہ اس مقام متبرک کی حضور علیہ السلام تحری فرماتے تھے اور عجب نہیں کہ وہ جگہ اسی لئے تحری نبوی کی مستحق ہوئی ہو کہ کلام سراپا عظمت کا مقام بننے والی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مؤلف)

(۲) **اسطوانۂ حضرت عائشہؓ:** یہ روضۂ مطہرہ کے درمیان میں ہے، نقشہ میں دیکھا جائے، اس پر سنہرے حروف سے نام بھی لکھا ہوا ہے اور اسی کو اسطوانہ مہاجرین، اسطوانۂ قرعہ اور اسطوانہ مخلقہ بھی کہتے ہیں، حضور علیہ السلام نے تحویل قبلہ کے بعد چند روز تک اس کے پاس نماز پڑھائی تھی، پھر اپنے مصلے پر آخر تک نماز پڑھاتے رہے، آپ اس سے ٹیک لگا کر شمال کو رخ کرکے بیٹھا کرتے تھے (غالباً صحابہ کرام کے افادہ وافاضہ کے لئے) حضرت عائشہؓ نے حضور علیہ السلام سے ارشاد نقل کیا کہ میری اس مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے تو بغیر قرعہ ڈالے وہاں نماز نہیں پڑھ سکتے اور حضرت عائشہؓ نے اسی اسطوانہ کی طرف اشارہ فرمایا، اسی لئے اس کا نام اسطوانہ عائشہ ہوا یہ بھی روایت ہے کہ اس کے پاس دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا حضور علیہ السلام کے اتباع میں اس کے پاس نمازیں بھی پڑھی جائیں اور اس سے پیٹھ لگا کر بیٹھا بھی جائے۔

(۳) **اسطوانۂ توبہ:** اسطوانۂ عائشہ سے مشرق میں ہے نام لکھا ہوا ہے، یہاں بھی حضور علیہ السلام کا نماز پڑھنا اور اعتکاف کرنا اور برعکس سابق اس سے پیٹھ لگا کر قبلہ رو بیٹھنا ثابت ہے، اس اسطوانہ سے حضرت ابولبابہ نے اپنے آپ کو باندھ دیا تھا اور جب تک ان کی معافی

نازل نہ ہوئی اور خود حضور علیہ السلام نے ہی نہ کھولا، کم وبیش ایک ہفتہ تک بندھے رہے، خود ہی اپنے اختیار سے کھانا پینا بھی بند رکھا تھا، اسی سے اس کو اسطوانۂ ابی لبابہ بھی کہتے ہیں اور علماء نے لکھا ہے کہ روضۂ مقدسہ پر سلام وزیارت اور دعاؤں سے فارغ ہو کر پہلے اسی اسطوانہ پر حاضر ہو کر توبہ واستغفار کرے، تاکہ حضرت ابولبابہ کی طرح توبہ قبول ہو۔

(۴) **اسطوانۂ سریر:** اسطوانۂ توبہ سے شرق میں شباک حجرۂ نبوی سے ملا ہوا، اس پر بھی نام ہے، اس کے قریب بھی اعتکاف فرمایا ہے اور اس کے پاس آپ کا سریر بچھایا جاتا تھا۔

(۵) **اسطوانۂ علیؓ:** اس کو اسطوانۂ محرس بھی کہتے ہیں اور یہی اس پر لکھا ہوا ہے، اسطوانۂ سریر پر سے متصل شمال میں ہے، حضرت علیؓ اس کے پاس بیٹھتے، پاسبانی فرماتے اور نمازیں پڑھتے تھے، یہ اس کھڑکی کے مقابل تھا، جس سے حضور علیہ السلام نکل کر حجرۂ شریفہ سے روضہ میں تشریف لاتے تھے۔

(۶) **اسطوانۂ وفود:** حضور علیہ السلام اس کے پاس صحابۂ کرام کے ساتھ بیٹھتے تھے اور وفود سے بھی یہیں ملاقات فرماتے تھے اس کے اور اسطوانۂ علی کے درمیان میں جو دروازہ حضور کی آمد ورفت روضہ کا تھا، وہ اب بند ہے۔

(۷) **اسطوانۂ تہجد:** یہ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے متصل شمال میں ہے، یہاں محراب بھی ہے، جس میں قبلہ رو کھڑا ہو تو اس سے بائیں جانب باب جبریل ہے۔

(۸) **اسطوانۂ مربعۃ القبر:** اس کو مقام جبریل علیہ السلام کہتے ہیں اب وہ حجرۂ شریفہ کے احاطہ میں اندر ہو گیا ہے، اس لئے عام لوگ اس کی زیارت وبرکت سے محروم ہو گئے ہیں اور صرف خواص وکبار ہی اندر جا سکتے ہیں۔

آخر میں لکھا:- ''مسجد نبوی کے دوسرے تمام اسطوانات کے قریب بھی نمازیں پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ وہ مواضع حضور علیہ السلام کی نظروں میں اور صحابہ کی نمازوں سے مشرف ہو چکے ہیں (ارشاد الساری ص۳۴۲ تا ۳۴۴ طبع مصر)

ضروری امور کی اہم یادداشت

(۱) نقشۂ مسجد نبوی میں محراب نبوی کی جگہ دی گئی ہے یہاں حضور علیہ السلام کا مصلے تھا، محراب کوئی نہ تھی اور عہد خلفاء میں بھی محراب نہ تھی، بعد کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پہلی دفعہ بنائی۔ (وفاء للسمہودی ص۲۶۴ ج۱)

حضور علیہ اسلام کا مصلے پہلی بار مسجد نبوی کے شمال میں تھا جبکہ آپ نے ۱۶، ۱۷ ماہ تک بیت المقدس کی طرف کو نماز پڑھائی تھی، دوسرا مصلے اسطوانۂ عائشہ کے پاس تھا، جہاں آپ نے تحویل قبلہ کے بعد چند روز تک نماز پڑھائی، تیسرا مصلے اسطوانۂ عائشہ سے متصل غرب کے جانب اسطوانۂ علم مصلے کے پاس ہوا جو آخر عمر تک رہا (منبر نبوی اور اس مصلے ومقام نبوی کے درمیان فاصلہ ۱۴ ذراع اور ایک بالشت کا ہے (وفاء ۲۶۷ ج۱) اس سے بھی صحیح جگہ متعین ہو سکتی ہے۔

(۲) مصحف کبیر جس صندوق میں رکھا گیا تھا اور حدیث الباب بخاری میں بھی اس کا ذکر ہے اسطوانۂ علم مصلے سے داہنی جانب میں تھا۔ (وفاء ۲۶۳ ج۱)

(۳) مصلے نبوی کے محاذ میں ہی آگے قبلہ کی طرف محراب عثمانی ہے اور یہ دونوں ٹھیک وسط مسجد نبوی میں نہیں ہیں، داہنی طرف فاصلہ زیادہ ہے البتہ حضور علیہ السلام نے جو چند روز اسطوانۂ عائشہ کی طرف میں پڑھی تھی وہ روضۂ نبویہ کے وسط میں تھا پھر آپ کچھ داہنی جانب اسطوانۂ علم مصلے کے پاس پڑھنے لگے، جس سے حضور کی مسجد کا تقریباً وسط ہو گیا تھا اور شاید زیادہ اور بالکل وسط صحیح کی طرف اسی لئے نہ

بڑھے ہوں کہ یہاں قرب محل مصحف شریف تھا، جس کی عظمت خاص کی وجہ سے حضور علیہ السلام اس کی تحری فرماتے تھے اور شاید اس لئے بھی شرقی حصہ کی طرف میلان کرایا گیا ہو کہ روضۂ جنت اور روضۂ مقدسہ اور حجرات شریفہ (منازل و بیوت نبویہ بیت سیدہ طاہرہ) مقام جبریل و مواضع نزول وحی وغیرہ سب اسی بائیں جانب میں تھے اور شاید اسی لئے محراب عثمان بھی بائیں جانب رکھی گئی جبکہ غرب کی طرف توسیع ہو جانے کی وجہ سے صف کی دائیں جانب میں نمایاں طور سے جگہ زیادہ ہوگئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ہم نے یہ اس لئے لکھا کہ فقہی مسئلہ ہے کہ امام کا مصلے یا محراب وسط مسجد میں ہی ہونی چاہئے تاکہ امام کے دائیں اور بائیں دونوں طرف مقتدی برابر ہوں، پھر زائرین کرام مسجد نبوی میں اس کے خلاف دیکھتے تو اس کے اسباب و وجوہ کی طرف اشارہ ضروری ہوگیا۔

باب الصلوٰة بین السواری فی غیر جماعة

(نماز دوستونوں کے درمیان جب کہ تنہا پڑھ رہا ہو)

۴۷۷. حدثنا موسی بن اسمٰعیل قال نا جویریة عن نافع عن ابن عمر قال دخل النبی ﷺ البیت و اسامة بن زید و عثمان بن طلحة و بلال فاطال ثم خرج و کنت اول الناس دخل علی اثره فسالت بلالا این صلے فقال بین العمودین المقدمین.

۴۷۸. حدثنا عبدالله بن یوسف قال انا مالک بن انس عن نافع عن عبدالله ابن عمر ان رسول الله ﷺ دخل الکعبة واسامة بن زید و بلال و عثمان بن طلحة الحجبی فاغلقها علیه ومکث فیها وسالت بلالا حین خرج ما منع النبی ﷺ قال جعل عمودا عن یساره عمودا عن یمینه و ثلثة اعمدة ورآء ه وکان البیت یومئذ علی ستة اعمدة ثم صلے و قال لنا اسمٰعیل حدثنی مالک فقال عمودین عن یمینه.

باب: ۴۷۹. حدثنا ابراهیم ابن المنذر قال نا ابو ضمرة قال نا موسی ابن عقبه عن نافع ان عبدالله کان اذا دخل الکعبة مشی قبل وجهه حین یدخل وجعل الباب قبل ظهره فمشی حتی یکون بینه وبین الجدار الذی قبل وجهه قریباً من ثلثة اذرع صلے یتوخی المکان الذی اخبره بلا ل ان النبی ﷺ صلے فیه قال ولیس علی احدنا باس ان صلے فی ای نواحی البیت شاء.

ترجمہ ۴۷۷: حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے، اسامہ بن زید، عثمان بن طلحہ اور بلال بھی آپ کے ساتھ تھے، آپ دیر تک اندر رہے پھر باہر آئے اور میں پہلا شخص تھا جو آپ کے بعد داخل ہوا میں نے بلال سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے کہاں نماز پڑھی تھی انہوں نے بتایا کہ سامنے والے دوستونوں کے درمیان۔

ترجمہ ۴۷۸: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور اسامہ، ابن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ حجبی بھی، پھر دروازہ بند کر دیا اور اس میں ٹھہرے رہے جب بلال باہر آئے تو میں نے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے اندر کیا کیا تھا، انہوں نے کہا کہ آپ نے ایک ستون کو تو بائیں طرف چھوڑا اور ایک کو دائیں طرف اور تین کو پیچھے اور اس زمانہ میں بیت اللہ میں چھ ستون تھے، پھر آپ نے نماز پڑھی اور ہم سے اسمٰعیل نے کہا کہ مجھ سے مالک نے بیان کیا کہ دائیں طرف دوستون چھوڑے تھے۔

ترجمہ ۴۷۹: حضرت عبداللہ بن عمر جب کعبہ میں داخل ہوتے تو چند قدم آگے کی طرف بڑھتے، دروازہ پشت کی طرف ہوتا اور آپ آگے بڑھتے جب ان کے اور ان کے سامنے کی دیوار کا فاصلہ تقریباً تین ہاتھ رہ جاتا تو نماز پڑھتے اس طرح آپ اس جگہ نماز پڑھنا

چاہتے تھے جس کے متعلق حضرت بلال نے آپ کو بتایا تھا کہ نبی کریم علیہ نے یہیں نماز پڑھی تھی، آپ فرماتے تھے کہ بیت اللہ میں جس جگہ بھی ہم چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

تشریح: یہاں حضرت ابن عمرؓ نے خود ہی وضاحت فرمادی کہ میں اس قسم کا تتبع واجب وضروری سمجھ کر نہیں کرتا بلکہ مستحب وپسندیدہ خیال کر کے کرتا ہوں اور یہی حضرت عمرؓ کی رائے بھی تھی کہ ان امور کو لازمی وواجب سمجھ کر نہ کیا جائے، باقی رہا استحباب وپسندیدگی کا درجہ اس کے خلاف جس نے کہا غلطی کی، واللہ اعلم۔

باب الصلوٰة الى الراحلة والبعير والشجر والرحل

(سواری، اونٹ، درخت اور کجاوہ کو سامنے کر کے نماز پڑھنا)

۴۸۰. حدثنا محمد بن ابی بکر المقدمی البصری قال نا معتمر بن سليمان عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر عن النبی علیہ انه كان يعرض راحلته فيصلی اليها قلت افرايت اذا ذهبت الركاب قال كان ياخذ الرحل فيعدله فيصلی الى آخرته او قال موخره وكان ابن عمر يفعله.

باب الصلوٰة الى السرير

(چارپائی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا)

۴۸۱. حدثنا عثمان بن ابی شيبة قال نا جرير عن منصور عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت اعدلتمونا بالكلب والحمار لقد رائيتنی مضطجعة علی السرير فيجیء النبی علیہ فيتوسط السرير فيصلی فاكره ان اسنحة فانسل من قبل رجلی السرير حتی انسل من لحافی.

ترجمہ ۴۸۰: حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ اپنی سواری کو سامنے کر کے عرض میں کر لیتے تھے اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے عبیداللہ بن عمر نے نافع سے پوچھا کہ جب سواری اچھلنے کودنے لگتی تو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے (آنحضور علیہ اس وقت کیا کرتے تھے) نافع نے جواب دیا کہ آپ اس وقت کجاوے کو اپنے سامنے کر لیتے تھے اور اس کے آخری حصہ کی طرف (جس پر سوار ٹیک لگاتا ہے ایک کھڑی سی لکڑی) رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور حضرت ابن عمرؓ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

ترجمہ ۴۸۱: حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتوں اور گدھوں کے برابر بنا دیا، حالانکہ میں چارپائی پر لیٹی ہوتی تھی اور خود نبی کریم علیہ تشریف لاتے اور چارپائی کو اپنے سامنے کر کے نماز ادا فرماتے تھے مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ میرا جسم سامنے آجائے یا میں آڑے آجاؤں، اس لئے میں چارپائی کے پایوں کی طرف سے آہستہ سے نکل کر اپنے لحاف سے باہر آجاتی تھی۔

تشریح: عرب میں چارپائی کھجور کی پتلی شاخوں اور رسی سے بنتے تھے، یہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ چارپائی کو بطور سترہ استعمال کرتے تھے، حضرت عائشہؓ چارپائی پر لیٹی ہوتی تھیں اور نبی کریم علیہ ان کے لیٹے رہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں فرماتے تھے، امام بخاریؒ ہی کی ایک حدیث میں ہے جو چند ابواب کے بعد آئے گی کہ عورت، کتے اور گدھے کے گذرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، یہ حدیث کے ظاہری الفاظ ہیں اور حضرت عائشہؓ اس حدیث کے ظاہر سے پیدا شدہ غلطی کی تصحیح اپنے مخاطبوں سے فرما رہی ہیں۔

یہاں ترجمۃ الباب کی رعایت سے حدیث کا ترجمہ لکھا گیا ہے، ورنہ حدیث الباب میں سترہ کی شکل نہیں بنتی کیونکہ فیتوسط کا ٹھیک ترجمہ تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام تخت پر درمیان میں ہوتے تھے اور حضرت عائشہؓ سامنے لیٹی ہوتی تھیں، البتہ آگے دوسری روایت مسروق عن

عائشہ آ رہی ہے، وہاں یہ ہے کہ آپ کے اور قبلہ کے درمیان تخت یا چار پائی ہوتی تھی اس لئے بہتر یہ ہوتا کہ یہ ترجمہ اس حدیث پر ہوتا یا وہ حدیث یہاں پر ہوتی، علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا کہ یہاں ترجمہ میں الی بمعنی علی ہے اور علامہ عینی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مگر اس طرح حدیث الباب اور ترجمہ کی مطابقت ہو جائے گی تو ابواب سترہ سے تعلق نہ رہے گا، اس لئے حافظ کا جواب کارآمد ہوگا کہ فیتوسط کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نیچے کھڑے ہو کر تخت کو درمیان میں کر لیتے تھے بطور سترہ کے۔

علامہ عینی نے کہا کہ فیتوسط کا اصل معنی یہی ہے کہ خود کو وسط سریر پر کر دیا جائے اور دوسری حدیث مسروق عن عائشہ کی وجہ سے یہاں معنی بدلنا مناسب نہیں، کیونکہ دونوں عبارتوں کے معنی الگ الگ ہیں، ایک کو دوسرے کے معنی میں کرنا درست نہیں، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ واقعات دو ہوں (عمدہ ص۴۸۲ ج ۲)

بظاہر تعدد واقعات و حالات کی بات زیادہ دل کو لگتی ہے کیونکہ مسروق والی روایت بالکل صاف ہے کہ آپ نے نیچے فرش پر نماز پڑھی ہے اور تخت آپ کے اور قبلہ کے درمیان تھا، جس پر حضرت عائشہؓ استراحت فرما تھیں، دوسری بعض روایات میں یہ بھی ہے حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں کہ میں سامنے لیٹی ہوتی تھی اور حضور نوافل تہجد میں مشغول ہوتے تھے سجدہ کے وقت حضور میرے پاؤں چھوتے تو میں متنبہ ہو کر اپنے پاؤں سکیڑ لیتی تھی تا کہ آپ اطمینان سے سجدہ فرمالیں یہ صورت تخت پر ہی نماز کی ہوسکتی ہے، اس لئے محقق عینی کی رائے اصوب معلوم ہوتی ہے اور حافظ کے مختار پر علامہ عینی کا نقد اصولی طور سے بالکل درست ہے کہ دو مختلف عبارتوں کو ایک معنی پر کیونکر محمول کر سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ حافظ کا مختار صحیح مان کر بھی دو حالتیں تو ضرور ہی ماننی پڑیں گی، اس لئے بھی محقق عینی کی رائے زیادہ محققانہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(نوٹ) تعدد حالات کی جوبات علامہ عینی نے یہاں لکھی ہے، اس کا اعتراف حافظ کو بھی آگے باب التطوع خلف المرأۃ میں کرنا پڑا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری ص۳۹۲ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ نماز کے سامنے سے گذرنے کا مسئلہ تو کتابوں میں ملتا ہے مگر یہ نہیں کہ سامنے بیٹھا ہو اور پیچھے کوئی نماز پڑھنے لگے تو کیا کرے، سامنے سے دائیں بائیں کو کھسک جائے یا نہیں؟ تو سامنے سے کھسک کر ہٹ جانے کا ثبوت حضرت عائشہؓ کے انسلال (کھسک جانے) سے ملتا ہے، صحراء میں نماز پڑھنے والے کے موضع سجود یا موضع نظر کے آگے سے گذرنا درست ہے، مسجد کبیر کا حکم بھی صحرا کا ہے، چھوٹی مسجد میں سامنے کی دیوار یا ستون تک گذرنا ممنوع ہے، مسجد کبیر میرے نزدیک چالیس ذراع یا زیادہ والی ہے، حاشیہ عنایہ میں ہے کہ اگر کوئی چیز چھت میں سے لٹکا دی تو وہ بھی سترہ بن سکتی ہے، اس لئے میرے نزدیک اگر کسی کو سامنے سے گذرنا ضروری ہی ہو جائے تو اپنا رومال وغیرہ نمازی کے سامنے لٹکا کر نکل جائے امید ہے کہ گذرنے کے گناہ سے بچ جائے گا۔

ضروری فائدہ: یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام بخاری حضرت عائشہؓ کی حدیث گیارہ جگہ لائے ہیں، ان میں سے سات حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوسکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تخت یا چار پائی پر بستر نبوی پر استراحت فرما ہیں اور نبی اکرم ﷺ تخت کے نیچے فرش پر نوافل ادا فرما رہے ہیں اس طرح حضرت عائشہؓ مع تخت و بستر استراحت کے آپ کے اور قبلہ کے درمیان ہیں، یہ احادیث بخاری ص ۷۲ اسود عن عائشہؓ ص ۷۳ مسروق عن عائشہؓ ص ۷۳ اسود عن عائشہؓ ص ۷۳ عروہ عن عائشہؓ ص ۷۴ قاسم عن عائشہؓ ص ۱۳۶ ابو ہشام عن عائشہؓ اور ص ۹۲۸ پر مسروق عن عائشہؓ والی ہیں اور ان سب میں ایک حالت کا بیان ہے۔

باقی چار احادیث جن میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے بستر پر استراحت کرتی اور حضور شب میں اٹھ کر مشغول نوافل ہوتے تو جس وقت آپ سجدہ میں جاتے تھے تو میرے پیروں کو اشارہ دیتے، میں ان کو سکیڑ لیتی کہ آپ سجدہ کرلیں پھر جب اٹھ جاتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی تھی، یہ دوسری حالت ہے اور یقیناً ایک ہی جگہ تخت یا فرش پر پیش آئی ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ تخت پر ہوتیں اور

حضور نیچے فرش پر نماز پڑھتے ہوئے آپ کے پاؤں پر اشارہ دیتے نہ اس کی ضرورت تھی۔

یہ احادیث بخاری ص ۵۶ عبدالرحمٰن عن عائشہؓ ص ۷۳ عبدالرحمٰن عن عائشہؓ ص ۷۴ قاسم عن عائشہؓ اور ص ۱۶۱ پر ابوسلمہ عن عائشہؓ والی ہیں یہ صرف بخاری کے ہیں دوسری کتب حدیث کے مرویہ الفاظ بھی قابل ملاحظہ ہیں، واضح ہو کہ حافظ نے مسروق عن عائشہؓ والی حدیث کے لئے جو اشارہ تجیء (عن قریب آنے والی) سے کیا ہے وہ غالباً ص ۷۳ والی باب استقلال الرجل الرجل والی ہے اور علامہ عینی نے کتاب الاستیذان والی مسروق عن عائشہؓ والی ۹۲۸ کی حدیث کا جواب دیا ہے۔

محدثانہ شان: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کیسی ضروری کام کی بات فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کسی حدیث کے سارے طرق روایت اور سارے الفاظ وکلمات ماثورہ سامنے نہ ہوں صحیح اور جچا تلا فیصلہ نہیں ہوسکتا مگر یہ دردسری کون کرے اور کیسے کرے کہ اس کے لئے اسباب بھی مہیا نہیں ہیں، یورپ کے مستشرقین نے لاکھوں کروڑوں روپے صرف کر کے ایسی فہرستیں تیار کردیں کہ ایک لفظ حدیث کا یاد ہو تو فوراً معلوم کرسکتے ہیں کہ کس حدیث کی کتاب میں کس جگہ ہے، مگر وہ تیار شدہ مطبوعہ فہرستیں بھی ہمیں میسر نہیں، لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری کام جو محدثین اسلام ہی کرسکتے ہیں باقی ہے کہ ایک ایک حدیث کے سارے طرق ومتون یکجا کردیئے جائیں، یہ کام آسان نہیں تو بہت زیادہ دشوار بھی نہیں کیونکہ عرب واسلامی حکومتوں کے لئے حق تعالیٰ نے زروجواہر کی نہریں بہادی ہیں اگر اس دولت کو یورپ وامریکہ کی سیر وتفریح اور ذاتی غیر معمولی تعیشات پر صرف کرنے کی جگہ علوم حدیث وفقہ وکلام کی خدمت پر صرف کیا جائے تو وہ کام جو چودہ سو سال میں نہ ہوسکا، چودہ ماہ میں انجام پاسکتا ہے۔وما ذٰلک علی اللہ بعزیز، وھو الموفق.

باب = لیرد المصلی من مربین یدیه ورد ابن عمر فی التشهد وفی الکعبة وقال ان ابیٰ الا ان یقاتله قاتله

(نماز پڑھنے والا اپنے سامنے سے گذرنے والے کو روک دے حضرت ابن عمرؓ نے کعبہ میں جبکہ آپ تشہد کے لئے بیٹھے ہوئے تھے روک دیا تھا اور کہا کہ اگر لڑائی پر اتر آئے تو اس سے لڑنا بھی چاہئے)

۴۸۲۔ حدثنا ابو معمر قال انا عبدالوارث قال نا یونس عن حمید بن هلال عن ابی صالح ان ابا سعید قال قال النبی ﷺ وحدثنا آدم بن ابی ایاس ناسلیمان بن المغیرة قال نا حمید بن هلال ن العدوی قال نا ابو صالح السمان قال رأیت ابا سعید الخدری فی یوم جمعة یصلی الی شیء یستره من الناس فاراد شاب من ابی معیط ان یجتازبین یدیه فدفع ابو سعید فی صدره فنظر الشاب فلم یجد مساغا الا بین یدیه فعاد لیجتاز فدفعه ابو سعید اشد من الولی فنال من ابی سعید ثم دخل علی مروان فشکا الیه ما لقی من ابی سعید و دخل ابو سعید خلفه علی مروان فقال مالک ولابن اخیک یا ابا سعید قال سمعت النبی ﷺ یقول اذا صلی احدکم الی شیء یستره من الناس فاراد احد ان یجتاز بین یدیه فلیدفعه فان ابیٰ فلیقاتله فانما هو شیطان.

ترجمہ: حضرت ابوصالح سمان نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ کو جمعہ کے دن نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ کسی چیز کی طرف رخ کئے ہوئے لوگوں کے لئے اسے سترہ بنائے ہوئے تھے، ابومعیط کے خاندان کے ایک جوان نے چاہا کہ آپ کے سامنے سے ہوکر گذر جائے، ابوسعیدؓ نے اس کے سینہ پر دھکا دے کر باز رکھنا چاہا جوان نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کوئی راستہ سوائے سامنے سے

گذرنے کے نہ ملا اس لئے وہ پھر اسی طرف سے نکلنے کے لئے لوٹا، اب ابوسعیدؓ نے پہلے سے بھی زیادہ زور سے دھکا دیا، اسے ابوسعیدؓ سے شکایت ہوئی اور وہ اپنی یہ شکایت مروان کے پاس لے گیا، اس کے بعد ابوسعیدؓ بھی تشریف لے گئے، مروان نے کہا، اے ابوسعیدؓ! آپ میں اور آپ کے بھائی کے بچے میں کیا معاملہ پیش آیا، آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام سے سنا ہے، آپ نے فرمایا تھا کہ جب کوئی شخص نماز کسی چیز کی طرف رخ کر کے پڑھے اور اس چیز کو سترہ بنا رہا ہو پھر بھی اگر کوئی سامنے سے (سترہ کے اندر سے گذرنا چاہے تو اسے دھکا دے دینا چاہئے، اگر پھر بھی اصرار ہو تو اس سے لڑنا چاہئے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

تشریح: حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر جہری نماز پڑھ رہا ہو تو ذرا اور اونچی آواز کر کے گذرنے والے کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر سری نماز ہے تو اس میں مشائخ کے مختلف اقوال ہیں، بہتر یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایک آیت کو زور سے پڑھ دے تا کہ گذرنے والا متنبہ ہو جائے، حضرت ابن عمرؓ نے گذرنے والے سے لڑائی (قتال) کے متعلق جو فرمایا ہے اسے حنفیہ مبالغہ پر محمول کرتے ہیں یعنی نماز کی حالت میں گذرنے والے سے مزاحمت کی اجازت نہیں دیتے، لیکن شوافع اس کی بھی اجازت دیتے ہیں۔

آنحضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ اگر پھر بھی نہ مانے تو لڑنا چاہئے اس سے مقصد دل میں اس فعل کی قباحت اور ناگواری کو راسخ کرنا ہے، نماز کی حالت میں لڑنے کا حکم نہیں ہے، گذرنے والے کو شیطان اس لئے کہا کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کر رہا ہے، تا کہ وصلۂ خداوندی کو قطع کرے جو شیطان کا کام ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ محدثین نے یہ بھی مراد لی ہے کہ اس گذرنے والے انسان پر شیطان سوار ہے کیونکہ شیطان عالم ارواح سے ہے، یعنی اس کے لئے بدن مثالی ہے جو اجسام میں تصرف کرتا ہے، جیسے جن مسخر کر کے انسانوں کی زبان میں بولتے ہیں اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ شیطان لوگوں کو نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے دل میں وساوس وضرورتیں ڈال کر آمادہ کرتا ہے تا کہ گنہگار ہو، مزید وضاحت و تفصیل فیض الباری ص۸۴ ج۲ میں ہے۔

باب اثم المآر بین یدی المصلی

(نمازی کے سامنے سے گذرنے پر گناہ)

۴۸۳. حدثنا عبداللہ بن یوسف قال انا مالک عن ابی النضر مولیٰ عمر بن عبیداللہ عن بسر بن سعید ان زید بن خالد ارسلہ الی ابی جھیم یسالہ ماذاسمع من رسول اللہ ﷺ فی المآر بین یدی المصلی فقال ابو جھیم قال رسول اللہ ﷺ لو یعلم المآر بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیرا لہ من ان یمر بین یدیہ قال ابوالنضر لآ ادری قال اربعین یوما او شھر او سنۃ.

ترجمہ: حضرت بسر ابن سعید نے کہا کہ زید بن خالد نے انہیں ابوجہیم کی خدمت میں پوچھنے کے لئے بھیجا کہ انہوں نے نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گذرنے والے کے متعلق نبی کریم علیہ السلام سے کیا سنا ہے، یہ ابوجہیمؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا تھا! اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا جانتا کہ اس کا گناہ کتنا بڑا ہے تو اس کے سامنے سے گذرنے پر چالیس تک وہیں کھڑے رہنے کو ترجیح دیتا، ابو النضر نے کہا مجھے یاد نہیں کہ راوی نے چالیس دن کہا یا مہینہ یا سال۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مسند بزار میں چالیس سال کی روایت یقین کے ساتھ ہے اور ایک دوسری حدیث میں ایک سوسال بھی آیا ہے، زیادہ تفصیل روایات فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے۔

باب استقبال الرجل الرجل وهو يصلى وكره عثمان ان يستقبل الرجل وهو يصلى وهذا اذا شتغل به فاما اذا لم يشتغل به فقد قال زيد ابن ثابت ما باليت ان الرجل لا يقطع صلٰوة الرجل

(نماز پڑھتے میں ایک مصلی کا دوسرے شخص کی طرف رخ کرنا، حضرت عثمانؓ نے نماز پڑھنے والے کی طرف رخ کرنے کو ناپسند فرمایا اور یہ جب ہے کہ نماز کی توجہ سامنے والے کی طرف ہو جائے لیکن اگر اس کی طرف کوئی توجہ نہ ہو تو زید بن ثابت نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، ایک شخص دوسرے کی نماز کو نہیں توڑ سکتا)

۴۸۴. حدثنا اسمٰعيل بن خليل قال انا على بن مسهر عن الاعمش عن مسلم عن مسروق عن عائشة ان ذكر عندها ما يقطع الصلٰوة فقالو يقطعها الكلب والحمار والمرأة فقالت لقد جعلتمونا كلا بالقد رايت النبى ﷺ يصلى و انى لبينه و بين القبلة وانا مضطجعة على السرير فتكون لى الحاجة واكره ان استقبله فانسل انسك لا و عن الاعمش عن ابراهيم عن الاسود عن عآئشة نحوه.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کے سامنے تذکرہ چلا کہ نماز کو کیا چیزیں توڑ دیتی ہیں، لوگوں نے کہا کتا، گدھا اور عورت نماز کو توڑ دیتی ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم نے ہمیں کتوں کے برابر بنادیا، حالانکہ میں جانتی ہوں نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے میں آپ کے اور آپ کے قبلہ کے درمیان (سامنے چارپائی پر لیٹی ہوتی تھی مجھے ضرورت پیش آتی تھی اور یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ خود کو آپ کے سامنے پیش کر دوں اس لئے میں آہستہ سے نکل آتی تھی، اعمش نے ابراہیم سے بھی انہوں نے اسود سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اسی طرح حدیث بیان کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کی رائے چونکہ یہ ہے کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کر سکتی، اس لئے یہاں اشتغال کی قید ذکر کی، مگر حنفیہ کے نزدیک قید نہیں ہے، یعنی نمازی کے سامنے اگر کوئی شخص اس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے یا کھڑا ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے اور یہاں حضرت عائشہؓ بھی صراحت کے ساتھ فرماتی ہیں کہ مجھے استقبال ناپسند ہوا (حالانکہ حضور علیہ السلام کے لئے اشتغال کا احتمال بہ نسبت دوسروں کے تقریباً معدوم تھا اور فتح الباری ص ۳۹۲ ج ۱ میں غمز نبوی فی الصلوٰۃ پر لکھا کہ حضور علیہ السلام کا اشتغال بہا آپ کے حق میں مامون تھا، معلوم ہوا کہ اشتغال کی قید ضروری نہیں ہے) امام بخاریؒ اپنے مذکورہ خیال کو اور زیادہ مضبوطی سے مستقل باب قائم کر کے بھی پیش کریں گے اور کہیں بھی وہ احادیث ذکر نہیں کریں گے جو قطع صلوٰۃ سے متعلق وارد ہیں، ان کے بارے میں تفصیلی بحث اسی باب میں ذکر ہوگی، ان شاء اللہ

محقق عینی نے لکھا:- صاحب توضیح نے فرمایا کہ انما هذا الخ امام بخاری کا کلام ہے، جس سے انہوں نے اپنا مذہب ظاہر کیا ہے (یعنی حضرت عثمانؓ سے یہ تفصیل وارد نہیں ہے جو امام بخاریؒ نے خود کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ اس صورت کو مطلقاً ناپسند کرتے تھے، امام بخاری کی طرح ان کے نزدیک قید و تفصیل نہ تھی) پھر علامہ عینی نے حضرت عمرؓ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ابن مسعود و امام مالک سے بھی مطلقاً کراہت کو ذکر کیا اور لکھا کہ اکثر علماء کراہت استقبال کے ہی قائل ہیں (عمدہ ص ۴۹۱ ج ۲)

حافظ نے لکھا:- میں نے مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت عمرؓ کا اثر تو دیکھا کہ وہ اس صورت استقبال پر زجر و تنبیہ فرمایا کرتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ کا اثر مجھے نہیں ملا، بلکہ حضرت عثمانؓ سے ایک قول عدم کراہت کا ملا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اصل میں حضرت عمرؓ کی جگہ (غلطی سے) حضرت عثمان ہو گیا ہو۔ (فتح الباری ص ۳۹۱ ج ۱)

باب الصلوٰة خلف النائم

(سوئے ہوئے شخص کے سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا)

۴۸۵. حدثنا مسدد قال نا یحیٰ قال نا ھشام قال حدثنی ابی عن عآئشة قالت کان النبی ﷺ یصلی و انارا قدة معترضة علی فراشه فاذا اراد ان یو ترا یقظنی فاوترت.

ترجمہ ۴۸۵: حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں سامنے اپنے بستر پر سوئی رہتی، جب وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے جگادیتے اور میں بھی وتر پڑھ لیتی تھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سونے والے کے سامنے نماز بھی عندنا مکروہ ہے، ممکن ہے وہ کچھ حرکتیں سوتے میں یا اٹھ کر کرنے لگے جس سے نمازی کا خشوع وخضوع خراب ہو، البتہ اس سے امن ہو تو حرج نہیں اور غالباً یہاں بھی امن ہی ہوگا، لہٰذا کراہت نہ ہوئی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صلوۃ اللیل اور نماز وتر میں فرق کرتی تھیں، بخلاف حضرت ابن عمرؓ کے کہ وہ سب کو صلوٰۃ اللیل کہتے ہیں اور حدیث سے وتروں کا تاکد بھی صلوٰۃ اللیل سے زیادہ ثابت ہوا، کیونکہ آپ نے حضرت عائشہؓ کو وتر کے لئے اٹھایا، تہجد کیلئے نہیں، لہٰذا حنفیہ کا وتر کے لئے قائل وجوب وتاکد ہونا درست ہے۔

باب التطوع خلف المرأة

(نفل نماز عورت کے سامنے ہوتے ہوئے پڑھنا)

۴۸۶. حدثنا عبدالله بن یوسف قال انا مالک عن ابی النضر مولی عمر بن عبیدالله عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن عآئشة زوج النبی ﷺ انها قالت کنت انام بین یدی رسول الله ﷺ و رجلای فی قبلته فاذا سجده عمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتهما قالت والبیوت یومئذ لیس فیها مصابیح.

ترجمہ ۴۸۶: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوئی ہوئی تھی، میرے پاؤں آپ کے سامنے (پھیلے ہوئے) ہوتے تھے پس جب آپ سجدہ کرتے تو پاؤں کو ہلکے سے دبادیتے اور میں انہیں سکیڑ لیتی پھر جب قیام فرماتے تو میں انہیں پھیلا لیتی تھی اس زمانہ میں گھروں کے اندر چراغ نہیں تھے۔

تشریح: حافظ نے لکھا:- علامہ کرمانیؒ نے اعتراض نقل کیا کہ لفظ ترجمۃ الباب تو چاہتا ہے کہ عورت کی پیٹھ نمازی کی طرف ہو، مگر لفظ حدیث عام ہے پھر جواب دیا کہ سنت سونے کے لئے قبلہ کا رخ ہے اور حضرت عائشہؓ بھی غالباً اسی پر عمل فرماتی ہوں گی، لہٰذا ترجمہ ثابت ہوا اس پر حافظ نے لکھا کہ اس جواب میں تکلف ہے کیونکہ سنت تو ابتداء نوم کی ہے، دوام کی نہیں اور سونے میں آدمی بلاشعور واحساس کے کروٹ بدل لیتا ہے اس لئے میرے نزدیک جواب یہ ہے کہ ترجمہ میں خلف المرأۃ ہے، خلف ظہر المرأۃ نہیں ہے، لہٰذا عورت کا سامنے ہونا کافی ہے خواہ وہ کسی حالت سے بھی لیٹی یا سوئی ہو۔ (فتح ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فاذا سجد غمزنی کی تاویل شافعیہ یہ کرتے ہیں کہ وہ غمز کپڑے کے اوپر تھا، بلاحائل کے نہ تھا، اس لئے ناقض وضو ومبطل صلوۃ نہ ہوا، حنفیہ جو کہتے ہیں کہ عورت کا بدن چھونے سے وضو ختم نہیں ہوتا (اگر بلاشہوت ہو) وہ اسی حدیث الباب کو پیش کرتے ہیں، کیونکہ حائل کی قید موجود نہیں ہے اور روایت نسائی کے الفاظ سے صراحت بھی مل جاتی ہے کہ وہاں حائل نہیں تھا، (مؤلف عرض کرتا ہے کہ اسی لئے امام نسائی نے باب "ترک الوضوء من مس الرجل امرأة من غیر شهوة" قائم کیا ہے اور حضرت عائشہؓ سے

متعدد روایات درج کی ہیں، ملاحظہ ہو نسائی ص ۳۸ ج ۱)

باب من قال لا يقطع الصلوٰة شیء

(جس نے یہ کہا کہ نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی)

۴۸۷. حدثنا عمر بن حفظ بن غياث ثنا ابى قال نا الاعمش قال نا ابراهيم عن الاسود عن عآئشة ح قال الاعمش وحدثنى مسلم عن مسروق عن عائشة ذكر عندها ما يقطع الصلوٰة الكلب والحمار و المرأة فقالت شبهتمونا بالحمر و الكلاب والله لقد رأيت النبى ﷺ يصلى و انى على السرير بينه و بين القبلة مضطجعة فتبدولى الحاجة فاكره ان اجلس واوذى النبى ﷺ فانسل عن عند رجليه.

۴۸۸. حدثنا اسحٰق بن ابراهيم قال انا يعقوب بن ابراهيم قال نا ابن اخى ابن شهاب انه سأل عمه عن الصلوٰة يقطعها شیء قال لا يقطعها شیء اخبرنى عروة بن الزبير ان عآئشة زوج النبى ﷺ قالت لقد كان رسول الله ﷺ يقوم فيصلى من الليل وانى لمعترضة بينه و بين القبلة علىٰ فراش اهله.

ترجمہ ۴۸۷: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ان کے سامنے ان چیزوں کا ذکر چلا جو نماز کو توڑ دیتی ہیں یعنی کتا، گدھا اور عورت اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمیں گدھوں اور کتوں کی طرح بنا دیا حالانکہ خود نبی کریم ﷺ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ میں چارپائی پر آپ کے اور قبلہ کے درمیان (سامنے) لیٹی رہتی تھی مجھے کوئی ضرورت پیش آتی اور چونکہ یہ بات پسند نہ تھی کہ آپ کے سامنے (جب کہ آپ نماز پڑھ رہے ہوں) بیٹھوں اس طرح آپ کو تکلیف ہو، اس لئے میں پاؤں کی طرف سے خاموشی کے ساتھ نکل جاتی تھی۔

ترجمہ ۴۸۸: ابن شہاب نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنے چچا سے پوچھا کیا نماز کو کوئی چیز توڑتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں اسے کوئی چیز نہیں توڑتی، مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے گھر کے بستر پر لیٹی رہتی تھی۔

تشریح: امام بخاریؒ اس حدیث کا جواب دینا چاہتے ہیں جس میں ہے کہ کتے، گدھے اور عورت نماز کو توڑ دیتی ہیں، یہ بھی صحیح حدیث ہے لیکن اس سے مقصد یہ بتانا تھا کہ ان کے سامنے سے گذرنے سے نماز کے خشوع وخضوع میں فرق پڑتا ہے، یہ مقصد نہیں تھا کہ واقعی ان کا سامنے سے گذرنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- امام بخاری کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ دوسرے کے کسی عمل سے نماز نہیں ٹوٹتی، مثلاً کوئی سامنے سے گذر جائے یا کوئی حرکت منافی صلوٰۃ کرے تو اس نمازی کا کوئی نقصان نہیں، یہ مقصد نہیں کہ خود نمازی بھی کوئی حرکت منافی صلوٰۃ کرے تو اس سے بھی نماز قطع نہ ہوگی حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کے ارشاد "وانى على السرير" کو امام بخاری نے مرور کی جنس سے قرار دیا اور جب اس نوع مرور سے بھی نماز قطع نہ ہوئی تو فیصلہ کر دیا کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کر سکتی اور یہ امام بخاریؒ کی خاص عادت ہے کہ جب کسی ایک جانب رائے قائم کر لیتے ہیں تو دوسری جانب کو بالکل گرا دیتے ہیں اور اسی لئے انہوں نے قطع نہ کرنے والی احادیث تو بہت جمع کر دی ہیں اور جگہ جگہ لائے ہیں، مگر قطع کرنے والی ایک حدیث بھی روایت نہیں کی، سب کو اڑا دیا ہے حالانکہ اصحاب صحاح ستہ میں سے (۱) امام مسلم نے حضرت ابوذرؓ سے مرفوع حدیث نقل کی نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا قطع کر دیتے ہیں، (۲) نسائی میں بھی حضرت ابوذرؓ کی یہ حدیث مروی ہے (نسائی ص ۱۲۲ ج ۱ باب ذکر **ما يقطع الصلوٰة و ما لايقطع**) (۳) ابوداؤد میں بھی ہے کہ حمار، عورت اور کلب نماز قطع کر دیتے ہیں،

(۴) ترمذی میں بھی باب ماجائز انه لا يقطع الصلوة الا الكلب و الحمار و المرأة ہے،(۵) ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نماز کو کلب اسود اور حائض عورت قطع کر دیتی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی يقطع الصلوة المرأة والكلب و الحمار مرفوعاً مروی ہے اور عبداللہ بن مغفلؓ سے بھی ایسی ہی روایت مرفوعاً ہے، اوران صحاح کے علاوہ بھی سارے محدثین کبار روایت کرتے ہیں، پھر کوئی ایک روایت بھی اس کے برخلاف ایسی کہیں نہیں کہ یہ تینوں نماز نہیں قطع کرتے، ایسی صورت میں اپنے خیال کے خلاف ساری حدیثوں کا ذکر بھی حذف کر دینا یہ امام بخاری ہی ایسے بڑے کر سکتے ہیں، چھوٹوں کی کیا مجال ہے؟! حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ ایسے ہی مواقع پر میں کہا کرتا ہوں کہ امام بخاری ''فاعل مختار'' ہیں اور جس فاعل مختار کے متعلق معقولی مختلف ہیں وہ یہاں موجود ہے کہ بخاری جس حدیث کو چاہیں چھوڑ دیتے ہیں، ہم سے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ حدیث کو بالکل ہی چھوڑ دیں سچ یہ ہے کہ خدا کسی کو چھوٹا نہ کرے، ہم چھوٹے ہیں اس لئے مجبور ہیں، اور امام بخاری جیسے جو چاہیں کریں۔

حضرت شاہ صاحبؒ ایسے مواقع میں مختلف طریقوں پر کچھ جملے فرما دیا کرتے تھے، کبھی مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری بہت بڑے اور جلیل القدر محدث ہیں اور بڑے کی ایک شان یہ بھی ہے کہ وہ مارے اور رونے نہ دے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ فقہی نظر سے تو قطع ہم بھی نہیں مانتے، مگر یہ کہ کسی قسم کا نقصان نہیں آتا، اس کے ہم قائل نہیں اور قطع وصلہ کی بات پہلے گذر چکی ہے، علامہ عینی نے لکھا کہ ابو نعیم نے کتاب الصلوٰۃ میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اگر نمازی کو معلوم ہو کہ اس کی نماز میں کتنا نقصان آجاتا ہے تو وہ کبھی بلاسترہ کے نماز نہ پڑھے اور محدث ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا نمازی کی آدھی نماز کو قطع کر دیتا ہے (عمدہ ۴۸۶ ج ۲) یہ دونوں اثر موقوف ہیں مگر بحکم مرفوع، کیونکہ ایسی بات کوئی صحابی اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم)

گذرنے کا گناہ کس پر ہے؟

علامہ ابن رشد نے لکھا:- اس امر پر جمہور کا اتفاق ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس پر وعید ہے اور تمام کتب شافعیہ میں مرور کی حرمت مصرح ہے اور کتب حنفیہ و مالکیہ میں بھی گذرنے والے کے گنہگار ہونے کی تصریح ہے، لیکن اس کی چار صورتیں ہیں (۱) نمازی سترہ کی طرف نماز پڑھے اور گذرنے والا سترہ کے اندر سے گذرنے پر مجبور نہ ہو، پھر بھی گذرے تو صرف وہ گناہ گار ہوگا (۲) کسی گذرگاہ پر بلا سترہ کے نماز پڑھے اور گذرنے والا سامنے سے جانے پر مجبور ہو تو صرف نمازی گنہگار ہوگا (۳) کسی گذرگاہ کے سامنے بلاسترہ کے نماز پڑھے لیکن گذرنے والا سامنے سے گذرنے پر مجبور نہ ہو، پھر بھی گذرے تو دونوں گنہگار ہوں گے (۴) سترہ کے سامنے نماز پڑھے، لیکن گذرنے والا سترہ کے اندر سے گذرنے پر مجبور ہو تو دونوں گنہگار نہ ہوں گے، حاشیہ زیلعی علی الکنز میں اسی طرح ہے، شامی میں کچھ فرق ہے۔ (اوجزص ۹۹ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں حفص بن غیاث بھی ہیں جو امام اعظمؒ کے اصحاب کبار اور مستفیدین امام ابو یوسفؒ میں سے ہیں، امام طحاوی ناقل ہیں کہ امام صاحب نے بارہ آدمیوں کے لئے کہا تھا کہ یہ قاضی بننے کے لائق ہیں، چنانچہ سب قاضی ہوئے اور یہ بھی ان میں سے ہیں، بہت بڑے عالم اور قاضی ہوئے ہیں (ان کا شمار شرکاء تدوین فقہ میں بھی ہے اور مقدمہ انوارالباری ص ۲۰۵ ج ۱ میں بھی ان کا ذکر ہے، ان کے صاحبزادے عمر بن حفص بھی بڑے محدث تھے، جن سے امام بخاری نے یہاں روایت لی ہے، اپنے والد ماجد سے حدیث پڑھی تھی۔

قولہ من عند رجلیہ: حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد کہ ''میں آپ کے پاؤں کی طرف سے خاموشی سے نکل جاتی تھی'' اس سے بظاہر مراد متعین ہے کہ وہ تخت یا چارپائی کی پائنتی کی جانب سے اتر کر چلی جاتی تھیں، لہٰذا یہاں من کو ابتدائیہ قرار دے کر سر پر کے سرہانے کی جانب سے نکل جانے کی بات ہماری ناقص رائے میں نہ آسکی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب اذا حمل جارية صغيرة على عنقه فى الصلوٰة

(نماز میں اگر کوئی اپنی گردن پر کسی چھوٹی بچی کو اٹھالے)

۴۸۹. حدثنا عبدالله بن يوسف قال انا مالک عن عامر بن عبدالله بن الزبير عن عمر بن سليم الزرقى عن ابى قتادة الانصارى ان رسول الله ﷺ كان يصلى وهو حامل امامة بنت زينب بنت رسول الله ﷺ ولابى العاص بن ربيعة بن عبد شمس فاذا سجد وضعها واذا قام حملها.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے وقت اٹھائے رہتے تھے، ابوالعاص بن ربیعہ بن عبد شمس کی حدیث میں ہے کہ جب وہ سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے اور جب قیام فرماتے تو اٹھا لیتے۔

تشریح: امامہ بنت زینب خود آنحضور ﷺ کے اوپر چڑھ جاتی تھیں اور جب آنحضور ﷺ سجدہ میں جاتے تو صرف اشارہ کر دیتے اور آپ چونکہ باشعور تھیں اس لئے اشارہ پاتے ہی اتر جاتی تھیں، راوی نے اسی کو "صلى وهو حامل لها" سے تعبیر کیا ہے اور یہ عمل قلیل ہے۔ جس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، آنحضور ﷺ نے یہ عمل بھی صرف امت کی تعلیم کے لئے کیا تھا، عمل کے ذریعہ کسی بات کی تعلیم فطرت کو اپیل کرتی ہے اور جس طرح بچے زندگی کے طور وطریقے ماں باپ کے عمل سے سیکھتے ہیں، امت بھی اپنے نبی کے عمل سے دین کے طور وطریق سیکھتی ہے۔

علامہ ابن بطالؒ نے کہا کہ امام بخاریؒ نے یہ ثابت کیا کہ جب ایک بچی کے نماز کی حالت میں اترنے چڑھنے سے نماز میں کوئی خلل نہ آیا تو عورت کے سامنے سے گذرنے کا بھی کوئی حرج نہیں کہ وہ تو اس سے کم درجہ کی چیز ہے (فتح ۳۹۳ ج ۱) لیکن اس میں بچی کا ذکر ہے، بڑی کے لئے قیاس کیونکر درست ہوگا؟

باب اذا صلى الى فراش فيه حائض

(ایسے بستر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جس پر حائضہ عورت ہو)

۴۹۰. حدثنا عمرو بن زرارة قال نا هشيم عن الشيبانى عن عبدالله بن شداد بن الهاد قال اخبرتنى ميمونة بنت الحارث قالت كان فراشى حيال مصلى النبى ﷺ فربما وقع ثوبه على وانا على فراشى.

۴۹۱. حدثنا ابو النعمان قال نا عبدالواحد بن زياد قال نا الشيبانى سليمان قال نا عبدالله بن شداد بن الهاد قال سمعت ميمونة تقول كان النبى ﷺ يصلى وانا الى جنبه نآئمة فاذا سجد اصابنى ثوبه وانا حائض.

ترجمہ ۴۹۰: حضرت عبداللہ بن شداد بن ہاد نے کہا کہ مجھے میری خالہ میمونہ بنت الحارث نے خبر دی کہ میرا بستر نبی کریم ﷺ کے برابر میں ہوتا تھا اور اکثر آپ کا کپڑا (نماز پڑھتے میں) میرے اوپر آجاتا تھا، میں اپنے بستر پر ہی ہوتی تھی۔

ترجمہ ۴۹۱: حضرت میمونہؓ فرماتی تھی کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے ہوتے اور میں آپ کے برابر میں سوتی رہتی، جب آپ سجدہ میں جاتے تو آپ کا کپڑا مجھے چھو جاتا، حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

تشریح: علامہ ابن بطالؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث اور سابقہ احادیث سے بھی صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ عورت سامنے ہو یا برابر وغیرہ تو قاطع نہیں، مگر اس کا سامنے سے گذرنا تو کسی سے بھی ثابت نہیں ہوتا حالانکہ امام بخاری کا مقصد مرور کا غیر قاطع صلوٰۃ ہونا ہے، حافظ نے لکھا کہ سامنے ہونے کی احادیث تو پہلے گذر چکیں، یہاں تو امام بخاری عورت کے برابر میں ہونے کی صورت میں نماز کی صحت کا مسئلہ بتلانا چاہتے ہیں (فتح ص ۳۹۵ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ محاذاۃ کا مشہور اختلافی مسئلہ سامنے لانا ہے، جس سے حافظ نے بھی دلچسپی لی ہے اور وہ حنفیہ کے اس مسئلہ پر بہت معترض بھی ہیں، اس کی پوری بحث تو اپنے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ، یہاں اتنا عرض کرنا ہے کہ ان دونوں حدیث سے یہ ثابت نہیں

ہوتا کہ حضرت میمونہ نماز پڑھ رہی تھیں یا آپ کے ساتھ شریک نماز تھیں اور حنفیہ صرف اس صورت میں فساد صلوٰۃ کا حکم بتلاتے ہیں کہ عورت و مرد دونوں کسی ایک نماز میں کسی امام کے مقتدی ہوں اور دونوں مل کر کھڑے ہوں تو اگر امام نے عورت کی بھی نیت امامت کی ہے تو مرد کی نماز فاسد ہوگی کہ وہ خلاف حکم شرع اس کے ساتھ غلط جگہ کھڑا ہوگیا کیونکہ نماز جماعت میں اس کا مقام آگے اور عورت کا پیچھے ہے اور نیت نہیں کی تو عورت کی فاسد ہوگی کہ وہ شریک جماعت ہی نہیں بنی اور مرد کی نماز جماعت والی ہے، دونوں کی نمازیں الگ ہوگئیں اس لئے مرد کی درست ہوجائے گی، بقول علامہ عینی چونکہ دوسرے ائمہ حنفیہ کی اس دقت نظر کو نہ پاسکے، اس لئے مخالفت کی ہے، واللہ الموفق

حنفیہ کے نزدیک عورتوں کے لئے نیت امامت بھی اسی لئے ضروری ہے کہ جہاں امام کو اطمینان ہوگا کہ عورتوں کے لئے پیچھے الگ کھڑے ہونے کا انتظام ہے وہاں وہ نیت کرے گا اور جہاں ایسا نہ ہوسکے وہ نہیں کرے گا تاکہ عورتیں مردوں میں مل کر جماعت میں شریک ہوں تو مردوں کی نماز فاسد نہ کریں یہ تو اختلاف فساد صلوٰۃ کا ہے، باقی عورتوں کے مردوں کے ساتھ پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا موجب کراہت سب کے نزدیک ہے کہ یہ خشوع وخضوع صلوٰۃ میں مخل تو یقیناً ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آج کل حرمین شریفین میں بہتر انتظام عورتوں کے لئے الگ نماز پڑھنے کا مسجد نبوی میں ہے، اگرچہ وہاں بھی سب مردوں کی صفوف سے پیچھے نہیں ہے تاہم اختلاط کی نوبت نہیں آتی، مسجد حرام مکہ معظمہ میں انتظام بہتر نہیں ہے، خصوصاً حج کے ایام میں بوجہ اجتماع کثیر وعظیم عورتوں کی صفیں آگے اور مردوں کی پیچھے بھی ہوجاتی ہیں اور اوپر کے درجوں میں بھی دیکھا کہ مصری عورتیں مردوں کے آگے یا برابر کھڑی ہوجاتی ہیں اور ان کو روکا جاتا ہے تو ناراض ہوجاتی ہیں، شاید اس لئے کہ مذہب شافعی وغیرہ میں عورت و مرد برابر کھڑے ہو کر نماز جماعت پڑھیں تو کوئی حرج نہیں ہے اس بارے میں حنفیہ کا مسلک نماز جیسی اہم عبادت کے لئے سب سے بہتر واحوط ہے ورنہ ظاہر کہ نماز کا سکون، خشوع وخضوع اور دل جمعی وغیرہ جو نماز کے لئے نہایت ضروری ہیں صنف نازک کے پہلو میں کہاں میسر ہوسکتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں ایک راوی عبدالواحد بن زیاد ہیں یہ بھی امام اعظمؒ سے تلمذ و استفادہ کا علاقہ رکھتے تھے، دارقطنی میں ہے کہ انہوں نے امام صاحب سے تصدق مال خبیث کے بارے میں سوال کیا اور یہ کہ اس کا جواز انہوں نے کہاں سے اخذ کیا تو فرمایا کہ حدیث عاصم بن کلیب سے، جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو ایک جگہ کھانے کی دعوت دی گئی اور کھانے میں بکری کا گوشت تھا جو بغیر اجازت مالک کے ذبح کی گئی تھی تو آپ نے حکم دیا کہ یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دیا جائے (اس بارے میں متعدد احادیث اور سوال مذکور دارقطنی ص ۲۸۶ ج ۴ طبع قاہرہ ۱۹۶۶ء میں ہے)

باب هل يغمز الرجل امرأته عند السجود لكي يسجد

(کیا سجدہ کے لئے جگہ کرنے کو مرد اپنی بیوی کو چھو سکتا ہے)

۴۹۲. حدثنا عمرو بن علی قال نا یحییٰ قال نا عبید الله قال نا القاسم عن عآئشة قالت بئسما عدلتمونا بالكلب والحمار لقد رايتنی ورسول الله ﷺ يصلی وانا مضطجعة بينه و بين القبلة فاذا اراد ان يسجد غمز رجلی فقبضتهما.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہمیں کتوں اور گدھوں کے برابر بنا کر تم نے برا کیا، خود نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے میں آپ کے سامنے لیٹی ہوئی تھی جب سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں کو چھودیتے تھے اور میں انہیں سکیڑ لیتی تھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، ممکن ہے امام بخاری نے اس سے مس مرأۃ کے غیر ناقض وضو ہونے کا اشارہ کیا ہو جو حنفیہ کی تائید ہے، مقصد یہاں بھی عورت کے غیر قاطع صلوٰۃ ہونے کا اثبات ہے۔

باب المرأة تطرح عن المصلی شیئاً من الاذیٰ

(عورت جو نماز پڑھنے والے سے گندگی کو ہٹادے)

۴۹۳۔ حدثنا احمد بن اسحاق اسور ماری قال نا عبید اللہ بن موسیٰ قال نا اسرآئیل عن ابی اسحاق عن عمرو بن میمون عن عبداللہ قال بینما رسول اللہ ﷺ قائم یصلی عند الکعبۃ وجمع قریش فی مجالسھم اذ قال قائل منھم الا تنظرون الی ھذا المرء ای ایکم یقوم الی جزور اٰل فلان فیعمد الی فرشھا ودمھا وسلاھا فلجی بہ ثم یمھہ حتی اذا سجد وضعہ بین کتفیہ فانبعث اشقاھم فلما سجد رسول اللہ وضعہ بین کتفیہ وثبت النبی ﷺ ساجدا فضحکوا حتی مال بعضھم علے بعض من الضحک فانطلق منطلق الی فاطمۃ وھی جویریۃ فا قبلت تسعیٰ وثبت النبی ﷺ ساجدا حتی القتہ عنہ واقبلت علیھم تسبھم فلما قضی رسول اللہ ﷺ الصلوٰۃ قال اللھم علیک بقریش اللھم علیک بقریش اللھم علیک بقریش ثم سمی اللھم علیک بعمرو بن ھشام و عتبۃ بن ربیعۃ وشیبۃ بن ربیعۃ والولید بن عتبۃ وامیۃ بن خلف وعقبۃ بن ابی معیط و عمارۃ بن ولید قال عبداللہ فواللہ لقد رأیتھم صرعی یوم بدر ثم سحبوآ الی القلیب قلیب بدر ثم قال رسول اللہ ﷺ و اتبع اصحاب القلیب لعنۃ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، قریش اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک قریشی بولا اس ریاکار کو نہیں دیکھتے؟ کیا کوئی ہے جو بنی فلاں کے ذبح کئے ہوئے اونٹ تک جانے کے لئے تیار ہو اور وہاں سے گوبر وخون سے بھری ہوئی اوجھ اٹھالائے پھر یہاں انتظار کرے، جب یہ (آنحضور ﷺ) سجدہ میں جائیں تو گردن پر رکھ دے (اس کام کو انجام دینے کے لئے) ان میں کا سب سے زیادہ بدبخت شخص اٹھا اور رسول اللہ ﷺ سجدہ میں گئے تو اس نے آپ کی گردن مبارک پر یہ غلاظتیں ڈال دیں، ان کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ سجدہ ہی کی حالت میں سر کو کئے رہے، مشرکین (یہ دیکھ کر) ہنسے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر لوٹنے پوٹنے لگے، ایک شخص (غالباً ابن مسعودؓ) حضرت فاطمہؓ کے پاس آیا آپ ابھی بچی تھیں، آپ دوڑتی ہوئی تشریف لائیں حضور اکرم ﷺ اب بھی سجدہ ہی میں تھے پھر ان غلاظتوں کو آپ کے اوپر سے ہٹایا اور مشرکین کو مخاطب کر کے انہیں برا بھلا کہا، پھر جب آنحضور ﷺ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا "خدایا قریش پر عذاب نازل کر، خدایا قریش پر عذاب نازل کر، خدایا قریش پر عذاب نازل کر" پھر نام لے کر کہا، خدایا عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عتبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کو ہلاک کر دے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا، خدا گواہ ہے میں نے ان سب کو بدر کی لڑائی میں خاک وخون میں پایا، پھر انہیں گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کنویں والے خدا کی رحمت سے دور کر دیئے گئے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ دمیاطیؒ نے لکھا کہ یہ حضور علیہ السلام کی کفار کے حق میں سب سے پہلی بددعا تھی جو قبول ہدایت سے قطعاً مایوسی کے بعد فرمائی ہوگی، حافظؒ نے لکھا کہ عمارہ بن الولید کو یہاں قلیب بدر والوں میں شمار کرنا وجہ اشکال بنا ہے، کیونکہ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ اس کی موت حبشہ میں ہوئی تھی، جبکہ نجاشی نے اس کی غلط روش پر تنبیہ کرنے کے لئے ایک جادوگر سے اس پر سحر کرایا، جس سے وہ وحشی بہائم کی طرح ہوگیا تھا اور اسی حالت میں حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مرا ہے، جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ان اشرار قریش میں سے اکثر کو قلیب بدر میں دیکھا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بسم الله الرحمن الرحيم

كتاب مواقيت الصلوٰة

(نماز کے اوقات کا بیان)

باب مواقيت الصلوٰة و فضلها وقوله تعالیٰ ان الصلواة كانت على المؤمنين كتبا موقوتا وقته عليهم.

(نماز کے اوقات اوران کی فضیلت کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ بے شک مسلمانوں پر نماز اوقات کے ساتھ فرض کی گئی ہے یعنی اس کا وقت ان کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے)

۴۹۴. حدثنا عبدالله بن مسلمة قال قرات على مالك عن ابن شهاب ان عمر بن عبدالعزيز اخر الصلوٰة يوما فدخل عليه عروة بن الزبير فاخبره ان المغيرة عن شعبة اخر الصلوٰة يوما وهوبالعراق فدخل عليه ابو مسعود الانصاري فقال ما هذا يا مغيرة اليس قد علمت ان جبريل عليه السلام نزل فصلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم قال بهذا امرت فقال عمر بعروة اعلم ما تحدث به و ان جبريل هو اقام لرسول الله ﷺ وقت الصلوٰة قال عروة كذلك كان بشير بن ابى مسعود يحدث عن ابيه قال عروة ولقد حدثني عآئشة ان رسول الله ﷺ كان يصلي العصر والشمس في حجرتها قبل ان تظهر.

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک دن نماز تاخیر سے پڑھی تو ان کے پاس عروہ بن زبیر آئے اوران سے بیان کیا کہ مغیرہ بن شعبہ نے ایک دن جبکہ وہ عراق میں تھے، دیر سے نماز پڑھی تو ان کے پاس حضرت ابومسعود انصاری آئے اور کہا کہ اے مغیرہ! یہ کیا بات ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر (جبریل علیہ السلام نے) کہا کہ مجھے ایسا ہی حکم دیا گیا ہے، تو صرف عمر (بن عبدالعزیز) نے عروہ سے کہا کہ تم سمجھ لو کہ کیا بیان کر رہے ہو کیا جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے اوقات مقرر کئے تھے، عروہ نے کہا کہ بشیر بن ابی مسعودؓ اپنے والد سے اسی طرح حدیث بیان کرتے تھے، عروہ نے کہا کہ مجھ سے حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز اس حالت میں پڑھتے تھے جب دھوپ ان (حضرت عائشہؓ) کے حجرے میں رہتی تھی، قبل اس کے حجرۂ مبارکہ سے اوپر ہو جائے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:- یہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قصہ اور اس کے ضمن میں حدیث امامت جبریل علیہ

السلام کا بیان ہوا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ایک روز نماز میں تاخیر ہوگئی تھی، یہاں اگرچہ نماز کی تعیین نہیں ہے، کہ کون سی تھی مگر بخاری باب بدء الخلق (ص ۴۵۷) میں نماز عصر کی تعیین ہے اور بخاری ص ۵۷۱ میں بھی اسی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عروہ ابن زبیرؓ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ان کی امارت کے زمانہ میں حضرت مغیرہ کی تاخیر عصر کا واقعہ سنایا تھا، لہذا فیض الباری ص ۸۸ ج ۲ میں "ولم یکن اذا ذاک امیر المومنین" سبقت قلم ہے، ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز منبر پر بیٹھے تھے اور عصر کی نماز میں تاخیر کردی تھی تب حضرت عروہ نے اعتراض کیا (بذل ص ۳۲۸ ج ۱) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ امارت کا قصہ ہے، نیز دور بنی امیہ میں چونکہ نمازوں کی تاخیر عام طور سے امراء کرنے لگے تھے، اس لئے بھی حضرت عروہ نے معمولی تاخیر کو بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے لئے ناپسند کیا ہوگا پھر اس پر بھی بحث ہوئی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عروہ کو یہ کیوں فرمایا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، سوچ سمجھ کر کہو تو بذل وغیرہ میں کئی جواب ہیں، بہتر یہ ہے کہ حدیث رسول اکرم ﷺ کو بے سند کے بیان نہ کرنا چاہئے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تنبیہ پر حضرت عروہ نے پھر اس کی سند پیش کی کہ اسی طرح بشیر بن ابی مسعودؓ اپنے والد ماجد سے روایت کیا کرتے تھے، باقی دوسری توجیہات مرجوع معلوم ہوتی ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس حدیث امامت جبریل علیہ السلام سے واقف ہی نہ تھے یا اس وقت بھول گئے تھے، یا امامت جبریل کو حضور علیہ السلام کی شان کے مناسب[۱] نہ جانتے تھے، وغیرہ۔

---

[۱] **حضرت ملا علی قاری کا تفرد:** یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے حضرات اکابر میں سے ملا علی قاری حنفیؒ کا یہ خیال بھی درست نہیں کہ امامت جبریل کی کوئی حقیقت واقعیہ نہ تھی بلکہ وہ نسبت مجازی ہے کیونکہ حضرت جبریل اشارہ سے بتلاتے ہوں گے اور حضور اس کے مطابق صحابہ کرام کو دونوں دن نماز پڑھاتے رہے ہوں گے، گویا امام نماز حضرت جبریل نہ ہوتے تھے، کذا نقل فی الاوجز ص ۳ ج ۱ وغیرہ، معلوم نہیں ملا علی قاریؒ نے اس میں کوئی استبعاد سمجھا یا اور کسی وجہ سے امامت جبریل سے انکار کیا، بہرحال جس وجہ سے بھی ہو، یہ ان کا تفرد معلوم ہوتا ہے، والحق احق ان یقال کیونکہ نسائی میں امامت جبریل کا تفصیلی ذکر دو جگہ ہے پہلے آخر وقت ظہر کے بیان میں ص ۸۷ ج ۱ پر حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے جو دوسری کتب ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے، اس کے بعد بیان آخر وقت عصر میں ۸۹ ج ۱ پر حضرت جابرؓ کی روایت لائے ہیں، جس میں تفصیل زیادہ ہے، اور اس کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی دیا ہے، ملاحظہ ہو فیض الباری ص ۹۹ ج ۲، اس میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے پاس مواقیت صلوٰۃ سکھانے کے واسطے تشریف لائے، پھر وہ آگے بڑھے اور رسول اکرم ﷺ ان کے پیچھے کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے صف بستہ ہوئے اور ظہر کی نماز زوال پر پڑھائی، پھر حضرت جبریل سایہ مثل شخص ہوجانے پر تشریف لائے اور پہلے کی طرح کیا کہ حضرت جبریل خود آگے ہوئے اور حضور علیہ السلام آپ کے پیچھے اور آپ کے پیچھے صحابہ نے کھڑے ہوکر نماز عصر پڑھی، پھر حضرت جبریل علیہ السلام غروب شمس پر تشریف لائے اور آگے بڑھے حضور علیہ السلام ان کے پیچھے اور لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز مغرب ادا کی، پھر شفق غائب ہونے پر حضرت جبریل تشریف لائے اور آگے ہوئے، حضور علیہ السلام ان کے پیچھے اور صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور عشا کی نماز پڑھی، پھر صبح ہوتے ہی حضرت جبریل تشریف لائے اور اوپر کی طرح نماز پڑھائی، پھر پہلے دن کی طرح دہر وقت کے لئے) تشریف لاکر دوسرے دن کی سب نمازیں اور تیسرے دن کی صبح پڑھائی، پھر فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان نمازوں کا وقت ہے، تعجب ہے کہ اتنی تفصیل وصراحت کے بعد بھی ملا علی قاریؒ نے ایسا خیال کیا، اگر صرف قولی تعلیم مقصود تھی تو وہ کام تو پانچ منٹ کا تھا، اس کے لئے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو تین روز تک دس بار ملاء اعلیٰ سے اترنے کی کیا ضرورت تھی، بعض لوگوں کو یہ بات کھٹکتی ہے کہ میں کسی بڑے پر نقد کیوں کرتا ہوں یا ان کی کسی مسامحت وغلطی کو کیوں نمایاں کرتا ہوں حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں بھی دوسروں کی طرح اپنوں کی یا دوسروں کے بڑوں کی مسامحتوں پر متنبہ نہ کروں اور معاملہ کو گول کرتا جاؤں تو انوار الباری کا فائدہ ناقص رہے گا، پھر لوگ یہ بھی تو دیکھیں کہ میں سب ہی اکابر کا کتنا احترام کرتا ہوں اور ان کے علوم وتحقیقات کی کھلے دل سے داد دیتا ہوں اور ان کو نقل کرتا ہوں پھر اگر ان سے کوئی مسامحت بھی ہوگئی ہے کہ وہ معصوم یقیناً نہ تھے، تو اس کی نشاندہی میں حرج کیا ہے؟ خصوصاً جبکہ اس کے لئے دلائل بھی پیش کرتا ہوں اب یہاں حضرت ملا علی قاریؒ ہی کو لیجئے، کیا خدانخواستہ میں ان سے کسی ادنی درجہ میں بھی منحرف ہوں؟ پھر جب ان کی جلالت قدر اور گرانقدر تحقیقات اور علمی خدمات کا سوبار اعتراف کرتا ہوں تو کیا کسی ایک دو مسامحتوں پر مجھے متنبہ کردینے کا حق نہیں ہے؟!

میں نے تو اپنے استاذ محقق علامہ کشمیریؒ اور ان کے بھی بیشتر اکابر کی یہی شان دیکھی ہے کہ غلطی پر ضرور متنبہ کرتے تھے خواہ وہ کسی بھی بڑے سے ہوئی ہو اور اس سے مستثنیٰ صرف انبیاء علیہم السلام تھے یا ان کے صحابہ کرامؓ، ان کے بعد نحن رجال وہم رجال والتحقیق العلمی سینا سجال غلطیوں اور مسامحتوں سے نہ وہ منزہ تھے نہ ہم ہیں۔ واللہ یوفقنا کما یحب و یرضاہ۔

حضرتؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ اوقات نماز کی تعیین جس طرح حنفیہ نے کی ہے وہ احادیث وآثار صحابہ کی روشنی میں زیادہ اصوب واضح ہے اور جن گہرائیوں تک وہ گئے ہیں دوسرے اہل مذاہب کی نظریں وہاں تک نہیں جاسکیں اور حدیث امامت جبریل ہمارے لئے سب سے زیادہ مفید ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے دونوں دنوں میں اوقات مستحب کے اندر نماز پڑھائی ہے، اس لئے کہ مثلاً عصر کا کچھ وقت مکروہ بھی تو ہے اور مغرب میں اشتباب نجوم تک تاخیر کردینا بھی عندالشرع مکروہ ہے، خواہ اس کو مکروہ تحریمی قرار دو یا تنزیہی، اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام نے مکروہ عندالحنفیہ والے اوقات میں نماز نہیں پڑھائی، یہ بھی فرمایا کہ امامت جبریل علیہ السلام والی حدیث ساری احادیث اوقات کی اصل واساس ہے، جو پوری تفصیل کے ساتھ ابوداؤد میں ہے اور بخاری ومسلم نے ان کی تخریج نہیں کی، موطأ امام مالک میں بھی اسی طرح ذکر کی ہے جس طرح امام بخاری نے پوری تفصیل کے ساتھ نہیں ہے، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم نے ٹھیک حدیث جبریل پر عمل کیا ہے، علامہ نووی وغیرہ تاویل کیا کریں اور پھر تاویل بھی ایسی کہ صریح حدیث جبریل کے خلاف ہے۔

لامع الدراری کا تسامح

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ لامع الدراری ص ۳۰۷ ج ۱ میں جو حضرت گنگوہیؒ کی طرف نسبت ہوگئی ہے وہ سبقت قلم ہے جس پر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی حاشیہ میں تنبیہ فرمادی ہے کہ تفصیل اوقات موطأ مالک میں نہیں ہے، بلکہ اس کی کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے اس دوسرے جملہ کو ہم نہ سمجھ سکے کیونکہ تفصیل اوقات کی دوسری روایت موطأ امام مالک میں موجود ہے اور جس طرح امام بخاری نے حدیث امامت جبریل کی طرف **نزل فصلی وصلی رسول اللہ ﷺ الخ** سے اشارہ کیا ہے اسی طرح موطأ میں بھی **نزل فصلی فصلی رسول اللہ ﷺ الخ** سے اشارہ موجود ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام بخاریؒ نے تو کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ہی اوقات نماز کی بحث کردی ہے اور ابوداؤد، ترمذی میں بھی اسی طرح ہے، نسائی ابتداء کتاب الصلوٰۃ میں امامت جبریل والی حدیث لائے ہیں، ابن ماجہ نے اولاً حضور علیہ السلام کی مدینہ طیبہ کی امامت نبویہ کا ذکر کیا، پھر امامت جبریل مکیہ کو لائے ہیں، امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں پہلے نماز کی ساری کیفیت وارکان کا ذکر کرنے کے بعد اوقات کی احادیث ذکر کی ہیں اور موطأ امام مالکؒ میں سب سے الگ راہ اختیار ہوئی کہ اوقات نماز کی احادیث کو کتاب الطہارۃ وغیرہ سے بھی مقدم کردیا، یعنی کتاب اسی سے شروع ہوئی ہے، کیونکہ نماز تو ایمان لاتے ہی یا بلوغ کے بعد ہی فوراً فرض ہوگئی جو اسلام کا سب سے اہم واقدم عملی فریضہ ہے، اب اس کے لئے طہارت بدن وثوب وموضع صلوٰۃ اور وضوو غسل وغیرہ کا درجہ بعد کا ہوگیا، کہ ان کے اوپر نماز کی صحت موقوف ہے۔

حدیث امامت جبریل مکیہ

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ ہوا بخاری ومسلم کے علاوہ تقریباً سب ہی کتابوں میں اس کی روایت نمایاں طور سے اہتمام کے ساتھ کی گئی ہے، مثلاً ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، حاکم، ابن حبان ابن خزیمہ، اسحٰق میں، اور دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے بیت اللہ کے پاس نماز پڑھائی وہ امام تھے اور حضور علیہ السلام مع دوسرے مسلمانان مکہ کے مقتدی اور آخر میں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ نمازوں کا وقت ان دونوں دنوں کی نماز کے اوقات کے درمیان ہے، یہ بھی واضح ہو کہ جس شب میں حضور علیہ السلام کو معراج کا شرف عظیم وجلیل حاصل ہوا علماء محققین نے لکھا ہے کہ جانے کے وقت جو نماز حضور اکرم ﷺ نے بیت المقدس میں پڑھی تھی وہ نفل تھی اور واپسی میں جو نماز آپ نے وہاں تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ امام ہو کر پڑھی وہ صبح کی نماز تھی اور اسی روز حضرت جبریل علیہ السلام نے ملاء اعلیٰ سے اتر کر سب سے پہلی نماز کعبہ معظمہ کے پاس ظہر کی پڑھائی اور اس سے ابتداء اس لئے کی کہ حضور اکرم ﷺ صبح کی نماز جماعت انبیاء کے ساتھ بیت المقدس

میں ادا فرما چکے تھے، پھر آپ نے تیسرے دن کی صبح کو نماز فجر پڑھا کر دس نمازیں پوری کی ہیں، کیونکہ بحکم خداوندی دس نمازوں کے اول و آخر وقت کی تعلیم مقصود تھی، اس پر یہ شبہ کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل کی نماز تو نفل ہوگی، ان کے پیچھے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کی فرض نماز کیسے ادا ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی اس وقت مکلّف و مامور باداء الصلوٰۃ تھے، اس لئے ان کی نماز بھی فرض ہی تھی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں پر ہماری طرح نماز بحیثیت مجموعی فرض نہیں ہے، بلکہ وہ دوسری طرح مامور و مشغول وعبادت ہوتے ہیں، مثلاً کچھ قیام کی حالت میں تو ہمیشہ اسی حالت یک رکنی عبادت میں وقت گذارتے ہیں، کچھ سجود میں ہیں، کچھ ذکر میں ہیں، کچھ دوسرے اعمال کے مامور ہیں، یہ نماز کی مکمل صورت مبارکہ طیبہ اور جماعت کے ساتھ یہ امت محمدیہ کے جن وانس کے ساتھ خاص ہے اور یہ نعمت عظیمہ حضور اکرم علیہ السلام کی معراج کمال کی یادگار ہے، اور اس کی ابتداء بیت اقدس کی جماعت انبیاء علیہم السلام سے ہوئی ہے کیونکہ اس سے پہلی امتوں پر جماعت کی نماز مشروع نہ تھی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث امامۃ نبویہ مدنیہ

ایک شخص مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور نماز کے اوقات کا سوال کیا، آپ نے حکم فرمایا کہ نمازوں میں شرکت کرو، پھر حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ سب نمازوں کے لئے اول وقت اذان دو، (اور اول وقتوں میں نماز پڑھائی) دوسرے دن حکم دیا کہ سب نمازوں کے لئے آخر وقت میں اذان دو (اور نمازیں پڑھائیں) پھر فرمایا کہ پوچھنے والا کہاں ہے، نمازوں کا وقت ان دونوں کے درمیان ہے، اس حدیث کو امام محمدؒ نے اپنی کتاب الآثار میں ذکر کیا اور صحیح مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں بھی ہے۔

اوقات معینہ کی عقلی حکمت

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حاشیہ لامع الدراری اور الابواب میں اس بارے میں نہایت عمدہ بحث فرمائی ہے اور امام رازی، شارح منہاج اور حضرت تھانوی کی المصالح العقلیہ کی تحقیقات کا حوالہ دے کر اپنی طرف سے جو تحقیق درج فرمائی ہے وہ بہت قابل قدر ہے، ہم یہاں طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کر سکتے، خلاصہ یہ ہے کہ جب مقصد پیدائش جن وانس ہی عبادت و ذکر الٰہی ہے تو چاہئے تو یہی تھا کہ سارے اوقات پر فرشتوں کی طرح ہمارے بھی مصروف عبادت ہوں، مگر چونکہ ہمارے ساتھ علائق دنیوی بھی لگے ہوئے ہیں اور زندگی گزارنے کے لئے فکر معاش اور اس کے دیگر لوازم بھی ضروری ہو گئے، اس لئے حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل وانعام سے ہماری تھوڑی سی عبادت کو پورے اوقات کی عبادت کے برابر قرار دے دیا، پھر یہ سوال کہ تقسیم اوقات صلوٰۃ میں توازن وتناسب کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ صبح سے ظہر تک کا طویل وقت خالی ہے، پھر ظہر سے عشاء تک مسلسل نمازیں ہیں، پھر رات کا طویل وقت خالی ہے، اور صرف صبح کو نماز رکھی گئی ہے، اس کا جواب حضرت دام ظلہم نے یہ دیا تھا کہ دن کا آدھا حصہ حوائج ضروریہ کے لئے خالی کر دیا گیا اور آدھا نمازوں میں مصروف کر دیا گیا ہے، اسی طرح رات کا نصف حصہ راحت وحوائج کے لئے اور عشا تک نماز کا حصہ تھا، پھر صبح کو نماز آ گئی، اس لئے بظاہر عدم توازن وتناسب بلا مصلحت وخلاف عقل نہیں ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ایک توجیہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ دن رات کو تین حصوں میں تقسیم کر دیں ایک ثلث تقریباً ۸ آٹھ گھنٹے معاشی ضروریات کے لئے ہوئے، دوسری ثلث عشا تک نمازوں کے لئے، پھر باقی ثلث راحت واکرام کے لئے، پہلا ثلث ضرورت کے لئے کہ قضاء حوائج کے امر خداوندی ہے، دوسرا عبادت کے لئے تیسرا حق تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام راحت وآرام کے لئے ''والثلث کثیر'' یعنی تہائی کو شریعت نے اکثر احکام میں کل کے برابر قرار دیا ہے، اس لئے گویا پورا وقت عبادت کا بھی ہوا اور پورا ہی معاشی ضرورتوں کا ہوا اور پورا ہی راحت، آرام وسکون کا بھی اسی لئے ان میں کمی بیشی نظر انداز ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یا خدا قربان احسانت شوم ایں چہ احسان است قربانت شوم

وان تعدو انعمة الله لا تحصوها والحمد لله رب العالمین

اوقات نماز میں اختلاف

مذاہب اربعہ فقہیہ کا فجر کے اول وآخر وقت میں اتفاق ہے کہ صبح صادق سے شروع ہوکر طلوع تک ہے، ظہر کے اول وقت میں سب متفق ہیں کہ زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، آخر میں اختلاف ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بڑا اختلاف اس میں اور اول عصر میں ہی ہے، باقی اوقات میں معمولی ہے، آخر ظہر میں اختلاف کی نوعیت ہمارے حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس طرح لکھی ہے:- امام مالک اور ایک طائفہ کے نزدیک ایک مثل ہونے پر عصر کا وقت تو شروع ہوجاتا ہے مگر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا بلکہ درمیان میں بقدر چار رکعت کے ایسا وقت ہوتا ہے کہ اس میں ظہر وعصر دونوں ادا ہوسکتی ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھی جبکہ پہلے دن اسی وقت پر عصر کی پڑھی تھی جمہور کی رائے یہ ہے کہ نہ کوئی وقت مشترک ہے نہ دونوں کے وقت میں فاصلہ ہے اور بعض شافعیہ وداؤد ظاہری کے نزدیک ادنی فاصلہ ہوتا ہے جس کو روایت مسلم سے رد کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ظہر کا وقت عصر کے وقت کے آنے تک ہے، پھر جمہور اور امام ابو یوسف وامام محمد کی رائے ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل سایہ ہوجانے پر ختم ہوجاتا ہے اور عصر کا شروع ہوجاتا ہے اور امام اعظمؒ سے بھی ایک روایت میں ایسا ہی ہے اور ان سے ظاہر روایت یہ ہے کہ سایہ دومثل ہونے تک نہ ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے نہ عصر کا داخل ہوتا ہے۔ (اوجز ص ۱ج۱)

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ امام صاحب سے یہ روایت مشہور تو ہوگئی مگر اس کو مصطلح ظاہر روایت قرار دینا درست نہیں، کیونکہ یہ روایت نہ جامع صغیر میں ہے نہ کبیر میں، نہ زیادات میں ہے نہ مبسوط میں اور سیر کبیر میں بھی نہیں ہے، اور امام محمدؒ نے آخر وقت ظہر سے کہیں تعرض ہی نہیں کیا، بلکہ بدائع میں تو اس امر کی صراحت بھی ہے کہ آخر ظہر کا ذکر ''ظاہر روایت'' میں نہیں ہے، پھر معلوم نہیں کہ ظاہر روایت کی بات کس طرح چلادی گئی؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ امام صاحب سے رائے جمہور وصاحبین کی طرف رجوع بھی ثابت ہے، جیسا کہ سید احمد وصلانی شافعی نے خزانۃ المفتیین وفتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا ہے، یہ دونوں معتبر کتابیں ہیں، لیکن خزانۃ الروایات میرے نزدیک معتمد نہیں ہے، باقی ہماری اکثر کتب حنفیہ میں بھی حسن بن زیاد عن الامام ابی حنیفہ نقل ہے، جس کو مبسوط سرخسی میں امام محمد سے منسوب کیا گیا ہے اور اسی قول مرجوع الیہ پر صاحب درمختار نے فتویٰ دیا ہے، علامہ شامی نے اس کو خلاف ظاہر روایت بتلا کر رد کیا اور غیر مفتیٰ بہ قرار دیا، مگر میرے نزدیک مختار صاحب درمختار ہی زیادہ راجح ہے۔

ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ دومثل سے کچھ کم پر ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے اور پورے دومثل پر عصر کا شروع ہوتا ہے، کمافی عمدة القاری، چوتھی روایت یہ ہے کہ ظہر ایک مثل تک ہے، دوسری مثل مہمل اور تیسری پر وقت عصر ہوگا، یہ روایت اسد بن عمرو عن ابی حنیفۃ ہے۔

خلاصہ بحث: حضرتؒ نے فرمایا میرے نزدیک ساری تفصیل مذکور کا ماحصل یہ ہے کہ مثل اول ظہر کے ساتھ خاص ہے، تیسری عصر کے لئے خاص ہے اور دوسری میں دونوں ادا ہوسکتی ہیں، البتہ عمل میں فاصلہ ہونا چاہئے کہ اگر ظہر جلدی مثلاً بعد زوال فوراً پڑھے تو عصر بھی جلد یعنی مثل اول پر پڑھے، اور اگر ظہر کو مؤخر کرے، مثلاً مثل پر پڑھے تو عصر کو مثل دوم پر پڑھے، جس طرح حدیث امامت جبریل اور حدیث امامت نبویہ مدنیہ سے بھی ثابت ہے، کیونکہ حدیث امامت جبریل میں اشتراک مثل دوم کی صراحت ہے کہ اگلے دن حضرت جبریل نے اسی وقت نماز ظہر پڑھی، جس وقت پہلے دن نماز عصر پڑھی تھی، اور ترمذی میں بھی تصریح ہے کہ حضرت جبریل نے اگلے دن ظہر کی نماز گذشتہ دن کے عصر کے وقت پڑھی ہے جبکہ سایہ ایک مثل ہوگیا تھا۔

(دوسری حدیث میں جس میں بعد کو مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کے دوروز تک نمازوں کے اوقات بتلانے کا ذکر ہے اسکو اکثر کتب حدیث میں مختصراً ذکر کیا گیا ہے، البتہ ابوداؤد میں وہ بھی مفصل ذکر ہوئی ہے اور اس میں اور بھی زیادہ صراحت ہے کہ حضور علیہ السلام نے دوسرے

دن ظہر کو پہلے دن کی عصر کے وقت میں قائم کیا (بذل المجہود ص ۲۳۱ ج ۱) اس موقع پر شارح علام صاحب بذل المجہودؒ نے لکھا یہ حدیث ظہر وعصر کے اشتراک وقت پر دلالت کرتی ہے کہ آخر وقت ظہر واول وقت ظہر مشترک ہے، مگر ہم کہیں گے کہ ممکن ہے حضور علیہ السلام نے دوسرے دن ظہر کو جس وقت پورا کیا، اس سے متصل پہلے دن عصر کو شروع کیا ہوگا اور چونکہ دونوں وقت متصل تھے، اس لئے یہ کہہ دیا گیا کہ دوسرے دن ظہر کو پہلے دن عصر کے وقت پڑھا گیا ہے لہٰذا اشتراک لازم نہ آیا، لیکن بعینہ یہی تاویل تو شافعیہ نے کی ہے، انہوں نے کہا کہ دوسرے دن حضرت جبریل ایک مثل ہونے پر نماز سے فارغ ہوگئے تھے اور پہلے دن ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز شروع کی تھی۔ کما ادلہ النوویؒ، مؤلف)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احادیث مذکورہ کیوجہ سے اشتراک ماننا پڑے گا اور اسی لئے امام مالک بھی اشتراک کے قائل ہوئے ہیں، البتہ یہ احادیث امام شافعیؒ کے مخالف ہیں کیونکہ وہ مثل اول پر ظہر کو بالکل ختم کر دیتے ہیں اسی لئے علامہ نووی نے ان میں تاویل کی ہے لیکن نسائی کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مثل اول ہو جانے پر اترے ہیں، تو ظاہر ہے کہ نماز ظہر مثل اول کے بعد پڑھی ہوگی جو شافعیہ کے نزدیک عصر کا وقت ہے لہٰذا نووی کی تاویل نہیں چل سکتی۔

پھر فرمایا کہ دوسرے دن نماز عصر دو مثل کے بعد پڑھی ہے، جو ختم مثل ثالث سے قبل کسی وقت بھی ہو سکتی ہے کیونکہ کسور کو حذف کر دیا کرتے ہیں، لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ ظہر ایک دفعہ تو مثل کے اندر پڑھی جو اس کا وقت مخصوص ہے اور دوسری مرتبہ دوسرے مثل میں جو اس کے لئے وقت صالح ہے، اور اسی طرح عصر کی نماز ایک بار مثل اول کے بعد پڑھی ہے جو اسکے لئے وقت صالح ہے، دوسری مرتبہ مثل ثانی کے بعد اور ختم مثل ثالث سے قبل، جو اس کا وقت مخصوص ہے، اس کے ساتھ دونوں دنوں کی طرح فاصلہ کی رعایت بھی رکھنی چاہئے اور یہی ہمارا مذہب ہے، البتہ یہ فاصلہ کی قید سفر و مرض کی مجبوری سے رفع ہو سکتی ہے، لہٰذا مسافر مثل ثانی کے اندر جمع کر سکتا ہے اور مستحاضہ ظہر و عصر کو ایک غسل سے جمع کر سکتی ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ سرخسی نے اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ ظہر کا وقت صاحبین کے نزدیک فقط مثل تک نہیں ہے بلکہ کچھ بعد تک رہتا ہے، لہٰذا مشہور بات درست نہیں کہ ان کے نزدیک ایک مثل پر وقت ظہر ختم ہو گیا اور وقت عصر داخل ہو گیا، اس سے غالباً حضرتؒ کا اشارہ اس طرف ہے کہ صاحبین بھی مثل ثانی کے اندر فی الجملہ اشتراک کے قائل ہیں، اور اس طرح حدیث جبریل کا صحیح ترین مصداق مذہب حنفیہ ہے، کیونکہ اس میں اول دن ہر وقت میں تعجیل اور دوسرے دن ہر وقت میں تاخیر ہے اور فاصلہ کی بھی رعایت ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اشتراک کے قول کو زیادہ تعجب کی نظر سے نہ دیکھنا چاہئے کیونکہ اس کی طرف سلف کی ایک جماعت گئی ہے جیسا کہ طحاوی میں ہے کہ یہی مذہب امام مالک کا ہے اور ایک روایت امام شافعی سے بھی ہے جس کا ثبوت ان کے بعض مسائل سے بھی ہوتا ہے مثلاً یہ کہ اگر عورت آخر وقت عصر میں حیض سے پاک ہو تو اس پر نماز ظہر کی بھی قضا ہے اور آخر وقت عشاء میں ہو تو مغرب کی بھی قضا ہے، اگر اشتراک نہ مانتے تو ایسا حکم کیوں کرتے اور حافظ نے حضرت ابن عباس و عبدالرحمٰنؓ سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اشتراک کا وجود تمام[1] مذاہب میں ہے اور حدیث مسلم میں جو وقت ظہر کو وقت عصر آنے تک بیان کیا ہے وہ بھی اشتراک کے خلاف نہیں ہے کیونکہ مراد

---

[1] اشتراک کی بحث علامہ ابن رشدؒ نے بڑی تفصیل سے لکھی ہے، جس کا حوالہ حاشیۂ لامع ص ۲۱۵ ج ۱ میں ہے، وہ بھی اساتذہ وطلبہ حدیث کے لئے قابل مطالعہ ہے اس میں درج ہے کہ اوقات ضرورت میں امام شافعی و مالک و امام احمدؒ کا اتفاق ہے کہ ظہر وعصر میں اشتراک ہے اور مغرب وعشاء میں بھی (معارف السنن للبنوری ص ۱۴ ج ۱ بحوالہ بدایۃ المجتہد ص ۷۷ و ۷۸ ج ۱) اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق سے حنفیہ کے یہاں بھی اشتراک کا ثبوت موجود ہے لیکن اس کو جس طرح حضرتؒ نے نمایاں کر کے اور دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے کسی نے نہیں کیا، حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے یہ بھی تھی کہ بیاض کا وقت مشترک ہے، بین المغرب والعشاء، یعنی اس سے قبل مخصوص وقت مغرب ہے اور بعد میں مخصوص وقت عشا ہے، الا یہ کہ مرض یا سفر ہو تا ہم فاصلہ رکھنا ضروری ہے، (احقر نے درس بخاری میں حضرتؒ میں یہی کلمات نوٹ کئے تھے مورخہ ۳۱ مئی ۳۲ء م ۲۴ محرم ۵۱ھ) حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف البنوری دام فضلہم نے بھی اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے افادات قیمہ معارف السنن جلد دوم کے ابتداء میں باحسن اسلوب جمع کر دیئے ہیں، جزاہم اللہ خیر الجزاء (مؤلف)

وقت ظہر مجموع ہے جس میں وقت مخصوص اور غیر مخصوص دونوں شامل ہیں، اور اگر اشتراک کی بات کسی بھی آیت یا حدیث کے خلاف ہوتی تو صحابہ اور ائمہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہ ہوسکتا تھا۔

آخر وقت ظہر اور اول وقت عصر میں چونکہ بڑا اختلاف تھا، اس میں تفصیل کی گئی، اس کے علاوہ دوسرے مسائل وقتیہ میں بقول حضرت شاہ صاحبؒ معمولی اختلاف استحباب وغیرہ کا ہے، مثلاً ابراد ظہر یا اسفار فجر وغیرہ تو ان پر امام بخاریؒ نے آگے مستقل عنوانات قائم کئے ہیں، لہٰذا ان پر وہیں بحث ہوگی۔ ان شاء اللہ

باب قول الله عزو جل منيبين اليه واتقوه واقيمو الصلوٰة ولا تكونوا من المشركين

(اللہ تعالیٰ کا قول کہ خدا کی طرف رجوع کرو اور اس سے ڈرتے رہو، نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ)

۴۹۵. حدثنا قتيبة بن سعيد قال نا عباد وهو ابن عباد عن ابی جمرة عن ابن عباس قال قدم وفد عبدالقيس علیٰ رسول الله فقالو انا من هذا الحی من ربيعة والسنا نصل اليک الا فی الشهر الحرام فمرنا بشیء ناخذه عنک وندعو اليه من ورآء نا فقال امركم باربع وانهاكم عن اربع الايمان بالله ثم فسرها لهم شهادة ان لا اله الا الله وانی رسول الله واقام الصلوٰة ايتاء الزكوٰة وان تودو الی خمس ما غنمتم وانهاكم عن الدبآ والحنتم والمقير والنقير.

ترجمہ ۴۹۵: حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان لوگوں نے کہا کہ ہم قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہیں اور ہم آپ سے صرف حرام کے مہینے میں مل سکتے ہیں، اس لئے آپ ہمیں ایسی بات بتائیے جس پر ہم عمل کریں اور اپنے پیچھے رہنے والوں کو اس کی طرف بلائیں، تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اسکی تفسیر بیان کی کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا دینا، اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ دینا اور میں تمہیں دباء، حنتم، مقیر اور نقیر کے استعمال سے روکتا ہوں۔

تشریح: محقق عینی نے لکھا کہ حدیث کی مناسبت ترجمہ سے ظاہر ہے کیونکہ ترجمۃ الباب کی آیت مبارکہ میں نفی شرک کو اقامۃ الصلوٰۃ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور حدیث الباب میں بھی توحید کو اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ذکر کیا ہے (نفی شرک اور توحید ہم معنی ہیں) (عمدہ ص ۵۱۰ ج ۲)

حافظؒ نے بھی یہی مناسبت درج کی ہے، لیکن حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ آیت میں ترک صلوٰۃ کو اشتراک کے درجہ میں کیا ہے اور حدیث میں نماز کو جزو ایمان کہا گیا ہے، یہ مناسبت ہوئی، جس پر حاشیہ لامع میں حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ یہ توجیہ حافظ عینی کی توجیہ سے بہتر ہے (لامع ص ۲۰۸ ج ۱) لیکن اس پر یہ ایراد ہوسکتا ہے کہ حدیث میں مامور چار چیزیں الگ الگ بیان کی گئیں، جن میں نمبر اول پر ایمان کو رکھا اور اس کی تشریح بھی شہادت توحید و رسالت سے فرمادی، نمبر دو پر اقامت صلوٰۃ کو رکھا پھر نمبر تین ۳ پر اداء زکوٰۃ کو اور چوتھے پر اداء خمس کو، پھر اس کے بعد چار ممنوعہ اشیاء بیان فرمائیں تو اس طور سے تو اقامت صلوٰۃ وغیرہ کی جزئیت کی نفی نکل رہی ہے، نہ کہ اثبات، اور شاید اسی لئے علامہ عینی و حافظ نے اس توجیہ کو ذکر نہیں فرمایا، بلکہ یہاں سے یہ بات بھی صاف حاصل ہو رہی ہے کہ ایمان کا تعلق فعل قلب و لسان سے ہے اور نماز وغیرہ کا تعلق افعال جوارح سے اور اگر چہ آیت میں اقتران شرک و ترک صلوٰۃ سے غایت درجہ کی اہمیت وعظمت و فضیلت نماز کی نکلتی ہے، مگر حدیث نے یہ بتلا دیا کہ فرض اولین ایمان کی تفسیر صرف شہادت قلب و لسان ہی ہے، باقی اشیاء سبعہ

مامورہ ومنہیہ کا درجہ دوسرے نمبر پر ہے اور وہ ایمان کا جز نہیں ہیں، اسی لئے تارک صلوٰۃ کی تکفیر محققین سلف وخلف نے نہیں کی ہے اور دوسری مشہور حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر کی مراد بھی یہی متعین کی ہے کہ ایسے شخص نے کافر جیسی صورت اپنائی، یہ نہیں کہ وہ حقیقۃً کافر ہوگیا یا ایمان قلبی کے باوجود وہ ایمان سے خارج ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا آیت الباب میں صنائع بدیع میں سے صنعت طرد ورعکس ہے اور شاہ عبدالقادرؒ کا ارشاد نقل فرمایا کہ ترک عبادت اگر خواہش نفسانی کے تحت ہو تو وہ بھی ایک نوع شرک ہے، اسی لئے آیت میں ولا تکونوا من المشرکین فرمایا گیا ہے، علامہ عینیؒ نے دباء غیر کی لغوی تحقیق بھی فرمائی:۔(۱) دباء سوکھا کدو کہ اس میں نبیذ بناتے ہیں، (۲) حنتم، سبز رنگ کی ٹھلیا اس میں نبیذ وشراب بناتے تھے، (۳) مقیر، روغن قارمل کر نبیذ وشراب بنانے کا برتن تیار کرتے تھے، (۴) نقیر کھجور کی جڑ کھود کر اس میں نبیذ بناتے تھے، چونکہ وفد عبدالقیس اور ان کی قوم کے لوگ شراب کے بہت عادی تھے اور یہ سب ظروف ان کے یہاں استعمال ہوتے تھے، اس لئے شراب اور اس کے برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمایا اور ان لوگوں سے مال غنیمت میں خیانت کا بھی خطرہ تھا، اس لئے اس کی ممانعت بھی خاص طور سے ان کو فرمادی (عمدہ ص ۵۱۰ ج ۲)

اس حدیث کی مزید تشریح و بحث انوارالباری ص ۹ ج ۳، لغایۃ ص ۱۴ ج ۳ میں گذر چکی ہے، وہاں امام بخاری کی روایت میں صیام رمضان کا بھی ذکر ہے، اس لئے وہاں چار اور پانچ کا اشکال وجواب بھی گذرا ہے اور ہم نے اوپر واضح کیا کہ یہاں حدیث الباب میں چار ہی کا ذکر ہے، جس سے اعمال کے جز وایمان ہونے کی نفی بہ صراحت اور بلا کسی اشکال کے ثابت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب البیعة علیٰ اقام الصلوٰة

(نماز کے قائم رکھنے پر بیعت کا بیان)

۴۹۶. حدثنا محمد بن المثنیٰ قال ثنا یحییٰ قال حدثنا اسمٰعیل قال ثنا قیس عن جریر بن عبدالله قال بایعت النبی ﷺ علیٰ اقام الصلوٰة و ایتاء الزکوٰة والنصح لکل مسلم.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی۔

تشریح: یہ بیعت بطور معاہدہ ہوئی تھی تاکہ اسلام میں ان امور مذکورہ کی عظمت وتاکید واضح ہو اور ان کا غیر معمولی طریقہ پر التزام و اہتمام کیا جائے اسی لئے جہاں اسلام پر بیعت لی جاتی تھی، امور جزئیہ نماز وغیرہ پر بھی ہوئی ہے۔

باب الصلوة کفارة

(نماز گناہوں کا کفارہ ہے)

۴۹۷. حدثنا مسدد قال حدثنا یحی عن الاعمش قال حدثنی شقیق قال سمعت حذیفة قال کنا جلوسا عند عمرؓ وقال ایکم یحفظ قول رسول الله ﷺ فی الفتنة قلت انا کما قاله قال انک علیه او علیها بجری قلت فتنة الرجل فی اهله و ماله وولده وجاره تکفرها الصلوة والصوم والصدقة والامر والنهی قال لیس هذا ارید و لکن الفتنة التی تموج کما یموج البحر قال لیس علیک منها باس یا امیر المومنین ان بینک وبینها لبابا مغلقاً قال ایکسر ام یفتح؟ قال یکسر قال اذا لا یغلق ابدا قلنا اکان عمر یعلم الباب قال نعم کما ان دون الغد اللیلة انی حدثته بحدیث لیس بالاغالیط فهبنا ان

نسال حذیفة فامرنا مسروقاً فساله فقال الباب عمر

۴۹۸. حدثنا قتیبة قال حدثنا یزید بن زریع عن سلیمان التیمی عن ابی عثمان النهدی عن ابن مسعود ان رجلاً اصاب من امراة قبلةً فاتی النبی ﷺ فاخبره فانزل الله عزوجل اقم الصلوة طرفی النهار وزلفاً من الیل ان الحسنت یذهبن السیات فقال الرجل یا رسول الله الیٰ هذا قال لجمیع امتی کلهم

ترجمہ ۴۹۷: حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ فرمانے لگے کہ فتنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث تم میں سے کسی کو یاد ہے؟ میں نے کہا مجھے بالکل اسی طرح یاد ہے جیسا آپ نے فرمایا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم سے اس جرأت کی امید بے شک ہو سکتی ہے، میں نے کہا کہ آدمی کا وہ فتنہ جو اس کی بی بی اور اس کے مال اور اولاد میں ہوتا ہے، اس کو نماز اور روزہ صدقہ اور امر (معروف) ونہی (منکر) مٹا دیتا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا میں یہ نہیں پوچھنا چاہتا، بلکہ وہ فتنہ جو دریا کی طرح جوش زن ہوگا، حذیفہ نے کہا کہ اے امیر المومنین اس فتنہ سے آپ کو کچھ خوف نہیں کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان میں بند دروازہ ہے، حضرت عمرؓ نے کہا اچھا وہ دروازہ توڑ ڈالا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ حذیفہؓ نے کہا، توڑ ڈالا جائے گا، حضرت عمرؓ نے کہا، تو پھر کبھی بند نہ ہوگا، ہم لوگوں نے (حذیفہ سے کہا) کیا عمرؓ دروازہ کو جانتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں (اسی طرح جانتے تھے) جیسے (تم) کل سے پہلے رات ہونے کو جانتے ہو، میں نے ان سے وہ حدیث بیان کی، جو غلط نہ تھی (دروازہ کے متعلق) ہم لوگوں کو تو حضرت حذیفہ سے دریافت کرنے میں ان کا رعب مانع ہوا لیکن مسروق نے کہا تو انہوں نے حذیفہ سے پوچھا (کہ دروازہ کون تھا) حذیفہ نے کہا کہ دروازہ حضرت عمرؓ تھے۔

ترجمہ ۴۹۸: حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی (اجنبی) عورت کا بوسہ لے لیا، اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے بیان کیا تو اللہ بزرگ و برتر نے نازل فرمایا نماز کو دن کے دونوں سروں میں اور کچھ رات گئے قائم کر (بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں) وہ شخص بولا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ میرے ہی لئے ہے، آپ نے فرمایا، میری تمام امت کے لئے ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فتنہ آزمائش و امتحان کو کہتے ہیں کہ اس سے نکھار ہوتا ہے اور حق و باطل والے ممتاز ہو جاتے ہیں، پہلی امتوں پر کبائر معاصی اور شرک و کفر کی وجہ سے عذاب الٰہی آجاتے تھے لیکن اس امت کو حضور علیہ السلام کی برکت سے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا اور موقع دیا گیا کہ وہ کبائر معاصی و شرک وغیرہ سے باز آئیں تو اس امت میں فتنے، کثرت سے ہوں گے، جن سے اہل حق و باطل کو الگ الگ کیا جائے گا اور شریعت حقہ کی روشنی میں حق کی طرف لوٹنے کی مہلتیں ملتی رہیں گی، یہاں تک کہ خود حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں بہت سے منافق تھے جو ظاہر میں مسلمان تھے اور نماز بھی سب کے ساتھ پڑھتے تھے، مگر اندر سے کافر تھے اور ان سے ابتداء اسلام کے دور میں بڑے بڑے نقصانات بھی پہنچے، مگر نہ ان پر عذاب آیا کہ یک دم ختم کر دیئے جاتے نہ کوئی دوسری عام مصیبت بیماری وغیرہ اور حضور علیہ السلام ان کو جانتے بھی تھے، بلکہ صحابہ مثلاً حضرت حذیفہؓ کو آپ نے بتلا بھی دیا تھا اور وہ صاحب السر کہے جاتے تھے، جو اس حدیث الباب کے راوی بھی ہیں، اور بڑے بڑے صحابہ خدا کے خوف اور غایت ورع کی وجہ سے ان سے دریافت بھی کر لیا کرتے تھے کہ خدانخواستہ میں تو منافق نہیں ہوں۔

یہاں حضرت عمرؓ نے ان ہی صاحب السر النبویؐ سے فتنہ کا کچھ حال دریافت کیا ہے، اور پہلے آپ نے ایک عام فتنہ کا حال بیان کیا جو تقریباً ہر گھر میں ہر مسلمان مرد و عورت کو آپسی نزاعات اور دوسری خواہشات نفسانی کے تحت ایک دوسرے کی حق تلفی ایذا، یا اداء حقوق میں کوتاہی وغیرہ کی شکل میں پیش آیا کرتا ہے جس کی طرف آیت قرآنی انما اموالکم و اولادکم فتنة، سے بھی اشارہ کیا گیا ہے، کہ تمہاری آزمائش اموال و اولاد کے ذریعہ ہوگی۔

کفارہ کی حقیقت: حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ اہل و اولاد کے فتنوں میں جو کوتاہیاں شرعی نقطہ نظر سے سرزد ہو جاتی ہیں ان کی معافی تو حق تعالیٰ نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کے ذریعہ فرماتے رہتے ہیں تاکہ مومن کے چھوٹے گناہ طاعات یومیہ کی برکت سے ہی ختم

ہوتے رہیں اور وہ گناہوں کے بوجھ سے زیادہ زیر بار نہ ہو جائے، اسی لئے علماء اسلام نے احادیث وآثار کی روشنی میں یہ تفصیل بھی کی ہے کہ بہت چھوٹے گناہ تو وضو میں ہی دھل جاتے ہیں، ان سے بڑے مسجد کی طرف جانے کی برکت سے ختم ہو جاتے ہیں، پھر ان سے بھی بڑے نماز سے اگر وہ رعایت احکام اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھی جائے اور ان سے بھی بڑے ہوں تو روزہ سے اور ان سے بھی بڑے ہوں تو حج وجہاد سے حتیٰ کے بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہے کے حج مبرور کے ذریعہ حقوق العباد بھی ختم کردیئے جاتے ہیں، بشرطیکہ ان کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا ہو اور توبہ بھی کرے، مثلاً حدیث ابن ماجہ وبیہقی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ کی شام میں دعا فرمائی اپنی امت کی مغفرت کے لئے، وہاں اس وقت وہ دعا مظالم وحقوق العباد کے علاوہ سب معاصی کے بارے میں قبول ہوگئی، آپ نے عرض کیا کہ بارالٰہا! آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت کے ذریعہ خوش کر کے اور اس کے حقوق سے دستبردار کرا کر ظالم کی مغفرت فرما سکتے ہیں، ایسی رحمت کی نظر ہو جائے! مگر دعا کا یہ جز و اس وقت قبول نہ ہوا، آپ نے مزدلفہ کی صبح کو پھر یہی دعا فرمائی اور وہاں حق تعالیٰ نے اس کو کامل ومکمل طور سے قبولیت سے نواز دیا، جس پر رحمت عالم ﷺ کو ہنسی آ گئی، حضرت ابوبکر وعمرؓ نے سوال کیا کہ حضرت! اس وقت جناب والا کی ہنسی کی کوئی خاص وجہ ہے؟ فرمایا کہ ابھی جبکہ میری دعا کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا تو ابلیس کو بڑی مایوسی ہوئی وہ بے تاب ہو کر اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا اور بری طرح واویلا کرنے لگا، اس کے جزع فزع کی عجیب حالت دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی (مشکوۃ ص ۲۳۹)

علامہ محدث شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات شرح مشکوۃ میں اس حدیث پر لکھا کہ ''امت سے مراد نعمت حج سے سرفراز ہونے والے ہیں جو وادی عرفات ومزدلفہ کی حاضری سے مشرف ہوتے ہیں اور اس حدیث کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حج سے حقوق العباد کا بھی کفارہ ہو جاتا ہے، تاہم بعض علماء نے یہ قید لگائی ہے کہ ان سے مراد وہ حقوق ہیں جن کو ادا کرنے سے عاجز ہو اور توبہ بھی کرے''۔

عاجز مؤلف عرض کرتا ہے کہ اکثر اکابر امت کی رائے یہی ہے کہ کبائر وحقوق العباد کی مغفرت توبہ اور اداء حقوق پر موقوف ہے اور حتمی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بغیر توبہ وادائیگی حقوق کے عذاب سے نجات ہو سکتی ہے، برخلاف مرجئہ فرقہ کے کہ ان کے نزدیک کبائر وحقوق کا کفارہ یا ازالہ بھی عبادت سے ہو جاتا ہے۔

حافظؒ نے لکھا کہ مرجئہ نے اس باب کی دونوں حدیثوں کے ظاہر سے یہ استدلال کیا ہے کہ افعال خیر کبائر وصغائر سب معاصی کے لئے کفارہ ہو جاتے ہیں، لیکن جمہور اہل سنت کی رائے ہے کہ ان سے صرف صغائر محو ہوتے ہیں، کیونکہ یہاں اگرچہ احادیث میں اطلاق وعموم ہے مگر دوسری احادیث سے قید معلوم ہوتی ہے، مثلاً حدیث مسلم میں ہے کہ پانچ نمازیں ان کے درمیانی گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہیں اگر کبائر سے اجتناب کیا جائے وغیرہ مفصل تحقیق کے لئے دیکھیں فتح الباری ص ۸ ج ۲ وعمدہ وغیرہ۔

مرجئہ کے مقابلہ میں جمہور اہل سنت کی رائے اور اصول یقیناً راجح ہے لیکن ان احادیث صحیحہ کو بھی ضرور سامنے رکھنا ہے جن میں صراحت کے ساتھ بعض عبادات وطاعات کی فضیلت خاصہ بیان ہوئی ہے، مثلاً حج مبرور کے لئے مذکورہ بالا حدیث ابن ماجہ وبیہقی، یا جہاد کی احادیث فضیلت خاصہ، یا حدیث معراج بروایت مسلم شریف کی یہ صراحت کہ ان مبارک ساعات میں حضور علیہ السلام کو پانچ نمازیں، خواتیم سورہ بقرہ اور ہر امتی کے لئے مقحمات کی مغفرت عطا ہوئی بشرطیکہ وہ شرک کی ہر ہر چیز سے مجتنب رہے، مقحمات کی تفسیر تباہ وہلاک کردینے والے معاصی وذنوب سے کی گئی ہے جو کبائر ہیں اور دوسری حدیث معراج میں فیم یختصم الملاء الاعلیٰ کے تحت بھی کفارات کا ذکر آیا ہے، یعنی وہ اعمال جن کی وجہ سے گناہ بغیر توبہ کے معاف ہو جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اس موقع پر شاہ صاحبؒ نے صوم کے کفارہ ہونے کے سلسلہ میں نہایت اہم تحقیق ارشاد فرمائی جس کو ہم کتاب الصوم میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

باب فضل الصلٰوة لوقتها

(نمازاس کے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان)

۴۹۹. حدثنا ابو الولید هشام بن عبدالملک قال حدثنا شعبة قال الولید ابن العیزار اخبرنی قال سمعت ابا عمرون الشیبانی یقول حدثنا صاحب هذه الدار واشار الیٰ دار عبدالله قال سالت النبی ﷺ ای العمل احب الی الله قال الصلٰوة علیٰ وقتها قال ثم ای قال ثم بر الو الدین قال ثم ای قال الجهاد فی سبیل الله قال حد ثنی بهن ولوا ستز دته لزادنی

ترجمہ ۴۹۹: حضرت ابوعمرو شیبانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے اس گھر کے مالک نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا اپنے وقت پر نماز پڑھنا، ابن مسعودؓ نے کہا کہ اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا اس کے بعد والدین کی اطاعت کرنا ابن مسعود نے کہا اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے اسی قدر بیان فرمایا اور اگر میں آپ سے زیادہ پوچھتا تو (امید تھی کہ) آپ زیادہ بیان فرماتے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:-"اس ترجمۃ الباب سے امام بخاریؒ کا مقصد نماز جلد پڑھنا یا اول وقت میں پڑھنا نہیں ہے کیونکہ نماز وقت پر پڑھنے میں توسع ہے، لہٰذا مقصد یہ ہے کہ وقت کے اندر پڑھ لی جائے، قضا نہ کردی جائے اسی کو حافظؒ نے بھی واضح کیا ہے" حافظ نے لکھا:- امام بخاریؒ نے یہاں ترجمہ لوقتہا سے قائم کیا اور حدیث لائے علی وقتہا والی لیکن کتاب التوحید ص ۱۱۲۴ میں حدیث لوقتہا والی ذکر کریں گے (بخاری کتاب الجہاد ص ۳۹۰ اور کتاب الادب ۸۸۶ میں علی میقاتہا اور علی وقتہا مروی ہے)

حافظؒ نے یہ بھی لکھا کہ بعض روایات میں جو فی اول وقتہا آیا ہے وہ ضعیف وساقط ہے اور بہت سے راویوں نے دونوں کا معنی ایک سمجھ کر بھی اس طرح روایت کی ہے اور بعض نے لدلوک الشمس کی طرح لوقتہا میں لام کو ابتداء کے لئے سمجھ لیا ہے مگر یہ سب کمزور باتیں ہیں (فتح الباری ص ۷ ج ۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے درس ترمذی شریف میں باب ماجاء فی الوقت الاول میں الفضل من حدیث الصلوٰة لا ول وقتها پر فرمایا کہ امام احمد، بیہقی، نووی اور حافظ ابن حجر وغیرہم نے اس حدیث کی تمام سندوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور ایسی ہی "اول الوقت رضوان اللہ" والی سب احادیث ضعیف ہیں، تفصیل زیلعی و تلخیص میں ہے اور فرمایا کہ شافعیہ کے نزدیک اول وقت میں نماز مستحب ہے، البتہ نماز عشا کی تاخیر اکثر متبعین امام شافعی کے یہاں مستحب ہے، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی جن اوقات میں نماز کی عادت مبارکہ تھی وہی اوقات مستحب ہیں، مثلاً تعجیل مغرب تاخیر عشا وغیرہ۔

احادیث بخاری و مسلم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں اپنے اوقات کے اندر پڑھی جائیں اور اوقات نبویہ کی احادیث سے استحباب ثابت ہوتا ہے البتہ ایک حدیث صحیح مستدرک حاکم سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے آخر وقت تک کبھی کسی نماز کو آخر وقت میں نہیں پڑھا تو آخر وقت میں حنفیہ بھی نمازوں کو مستحب نہیں کہتے، بلکہ نماز ظہر عصر و فجر میں جو حنفیہ فی الجملہ تاخیر کے قائل ہیں وہ بھی احادیث صحیحہ منصوصہ کے سبب ہے اور عصر کی زیادہ تاخیر کو مکروہ تنزیہی و تحریمی تک کہتے ہیں۔ (معارف السنن ص ۸۴ ج ۲)

فائدہ علمیہ: حضرتؒ نے فرمایا کہ حافظ نے یہاں لفظ "الصلٰوة اول وقتها" کو باوجود اس کے راوی کے ثقہ ہونے کے ساقط کردیا ہے کیونکہ وہ اکثر الفاظ مرویہ کے مخالف ہے حالانکہ مشہور یوں ہے کہ زیادتی ثقہ معتبر ہوتی ہے، میں کہتا ہوں کہ زیادتی ثقہ کو ایک

جماعت نے تو بالا طلاق معتبر کہا ہے، دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ بحث وتنقیح کے بعد قبول کی جائے گی، اگر اس کا کسی مقام میں صحیح ہونا محقق ہو جائے تو قبول کرلیں گے ورنہ نہیں لہٰذا حکم کل نہیں ہے کہیں مقبول ہوگی اور کہیں نہیں، میرے نزدیک یہی دوسری رائے حق ہے اور اسی کو امام احمد، ابن معین وامام بخاری وغیرہ ماذقین علماء اصول الحدیث نے اختیار کیا ہے، کما ذکرہ الزیلعی فی بحث آمین

لیکن حضرت الاستاذ مولانا شیخ الہندؒ بالاطلاق قبول کرتے تھے، میری ایک بار گفتگو ہوئی تو مولانا خفا ہو گئے، اس کے بعد میں نے نہیں پوچھا، کیونکہ میرے نزدیک یہ قبول بالاطلاق غلط کے قریب ہے اور قاعدہ کلیہ کوئی بھی نہیں ہے، یہاں حافظؒ نے بھی زیادتی ثقہ کو ساقط کر دیا ہے۔

باب الصلوة الخمس كفارة للخطايا اذا صلاهن لوقتهن فی الجماعة وغيرها

(جب کہ پانچوں نمازوں کو ان کے وقت میں جماعت سے یا تنہا پڑھے، تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں)

۵۰۰. حدثنی ابراهيم بن حمزة قال حدثنا ابن ابی حازم والدراوردی عن يزيد بن عبدالله عن محمد بن ابراهيم عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن ابی هريرة انه سمع رسول الله ﷺ يقول ارايتم لو ان نهراً بباب احدكم يغتسل فيه كل يوم خمسا ما تقول ذالک يبقی من درنه قالوا لا يبقی من درنه شيئاً قال فذالک مثل الصلوات الخمس يمحوالله بها الخطايا.

ترجمہ ۵۰۰: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی کے دروازہ پر کوئی نہر جاری ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو تم کیا کہتے ہو کہ یہ (نہانا) اس کے میل کو باقی رکھے گا، صحابہ نے عرض کیا کہ اس کے جسم پر بالکل بھی میل نہ رہے گا، آپ نے فرمایا کہ پانچوں نمازوں کی بھی یہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹاتا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر امام بخاری وغیرہا کا لفظ نہ لاتے تو اچھا تھا، کیونکہ اس سے نماز جماعت میں توسع نکلتی ہے یعنی تاکید جماعت کا حکم کمزور پڑتا ہے، یا ممکن ہے کہ جماعت کے مسئلہ میں ان کا مسلک امام شافعیؒ والا ہو، عاجز مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہاں حدیث الباب میں بھی جماعت کی قید نہیں ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ عفو صغائر کی فضیلت تو مطلق نماز ہی کے لئے ہے اور جماعت کی نماز کے ذریعہ ان سے بڑے گناہوں کی معافی ہوتی رہے گی اور تاکید جماعت کے لئے بھی دوسری احادیث ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

افادۂ انور: حضرتؒ کے خصوصی ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلہ میں وضو، نماز، روزہ وغیرہ کے کفارہ ذنوب ہونے کا ثبوت احادیث کثیرہ صحیحہ سے ہو چکا ہے، سلف کا طریقہ تفویض کا تھا کہ حق تعالیٰ کی مشیت پر ہے، جن اعمال کو چاہے جن سیئات کے لئے کفارہ بنادے، پھر متاخرین نے تمام ہی احادیث ماثورہ کو مغفرت صغائر کے ساتھ مقید کر دیا اور کبائر کو مستثنیٰ قرار دیا، میری رائے یہ ہے کہ جہاں قید وارد ہوئی ہے، وہاں مقید کریں گے، باقی کو اطلاق پر رکھیں گے، اور الفاظ حدیث کو بھی سامنے رکھیں گے، کیونکہ ذنوب، خطایا معاصی وغیرہ الفاظ مترادف نہیں ہیں، ان کے معانی میں بھی فروق ہیں۔ (العرف الشذی ص ۱۰۵ و معارف السنن ص ۲۵۹ ج ۲)

راقم الحروف نے جیسا کہ پہلے اشارہ کیا، حضرتؒ کے ارشادات خصوصی کی روشنی میں بھی حج و جہاد وغیرہ اعمال کے کفارہ ذنوب و معاصی وحقوق العباد ہونے پر پھر سے غور وفکر کی گنجائش ہے، اور سب کے لئے ایک ہی فیصلہ کافی نہیں ہے کیونکہ جہاں اطلاق ہے وہاں اطلاق ہی رہنا چاہئے اور جہاں مثلاً حقوق ومظالم تک کے لئے کفارہ ہو جانے کا ذکر احادیث صحیحہ میں آچکا ہے وہاں کے لئے تحقیق اور فیصلہ کا رخ دوسری طرح ہونا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مالم يغش الكبائر: پانچ نمازوں کے درمیان اور جمعوں کے مابین جو گناہوں کے کفارہ ہونے کی حدیث ترمذی وغیرہ میں ہے،

اوراس میں یہ قید بھی ہے کہ اگر تمام شرعی رعایتوں کے ساتھ ان نمازوں کوادا کرتا رہے گا تو جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے، اس کے سارے گناہ ختم ہوتے رہیں گے اور ایسا ہمیشہ ہی ہوتا رہے گا، اس میں اگر یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ہر نماز کے وقت مومن کی شان یہ ہے کہ سارے ہی کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے نادم وتائب ہو اور مغفرت طلب کرے تو ان لوازم کے ساتھ نماز کی ادائیگی سے بین الصلاتین کے سارے ہی معاصی محو ہوتے رہنے کی بات درست ہوجاتی ہے۔

باب فی تصییع الصلوة عن وقتها

(نماز کے بے وقت پڑھنے کا بیان)

۵۰۱. حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل قال حدثنا مهدی عن غیلان عن انس قال حدثنا مهدی عن غیلان عن انسؓ قال مآاعرف شیئا مما کان علےٰ عهد النبیﷺ قیل الصلوٰة قال الیس صنعتم ما صنعتم فیها.

۵۰۲. حدثنا عمر بن زرارة قال اخبرنا عبدالواحد بن واصل ابو عبیدة الحداد عن عثمان بن ابی رواد اخی عبدالعزیز قال سمعت الزهری یقول دخلت علیٰ انس بن مالک بدمشق وهو یبکی فقلت ما یبکیک فقال لا اعرف شیئاً مما ادرکت الا هذه الصلوٰة وهذه الصلوة قد ضیعت وقال بکر بن خلف حدثنا محمد بن بکر البرسانی قال اخبرنا عثمان بن ابی روا د نحوه.

ترجمہ۵۰۱: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ جو باتیں نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھیں ان میں سے اب کوئی بات نہیں پاتا، کسی نے کہا کہ نماز تو (ویسے ہی) باقی ہے، حضرت انسؓ نے کہا کہ (یہ تمہارا خیال ہے) کیا نماز میں جو کچھ تم نے کیا ہے وہ تم کو معلوم نہیں (کہ اس کے اوقات میں تم کس قدر بے پروائی کرتے ہو)

ترجمہ۵۰۲: حضرت زہری روایت کرتے ہیں کہ میں دمشق میں انس بن مالک کے پاس گیا وہ رو رہے تھے میں نے کہا (خیر ہے) آپ کیوں رو رہے ہیں فرمایا کہ جو باتیں میں نے رسول خدا کے زمانہ میں دیکھی ہیں، اب ان میں سے کوئی بات نہیں پاتا، صرف ایک نماز ہے (لیکن اگر دیکھا جائے) تو وہ ضائع ہوچکی ہے اور بکر بن خلف نے کہا کہ مجھ سے محمد بن بکر برسانی نے بیان کیا کہ مجھ سے عثمان بن ابی داؤد نے اسی طرح بیان کیا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت انسؓ نے دمشق جا کر حجاج کی تاخیر نماز والی بات کی شکایت ولید بن عبدالملک سے بھی کی تھی جو اس وقت خلیفہ تھے، مگر اس نے بھی کوئی تدارک نہ کیا تاہم حضرت انسؓ نے صبر کیا، کیونکہ صحابۂ کرام کی شان یہی تھی کہ آپس میں رحیم وشفیق تھے اور کفار کے مقابلہ میں شدید وجری تھے، ارشاد باری ہے **"اذلة علےٰ المؤمنین اعزة علی الکافرین"** اسی لئے قیصر وکسریٰ کی قوتوں کو پامال کیا اور جب مسلمانوں ہی کی طرف سے اذیتیں اٹھانی پڑیں تو صبر کیا۔

باب المصلی یناجی ربه

(نماز پڑھنے والا اپنے پرودگار سے سرگوشی کرتا ہے)

۵۰۳۔ حدثنا مسلم بن ابراهيم قال حدثنا هشام عن قتادة عن انس قال قال النبی ﷺ ان احدکم اذا صلے یناجی ربه فلا یتفلن عن یمینه ولکن تحت قدمه الیسریٰ.

۵۰۴۔ حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا یزید بن ابراهيم قال حدثنا قتادة عن انس عن النبی ﷺ انه قال اعتدلو فی السجود ولا یبسط احدکم ذراعیه کالکلب واذا بزق فلا یبزقن بین یدیه ولا عن یمینه فانه یناجی ربه وقال سعید عن قتادة لا یتفل قدامه او بین یدیه ولکن عن یساره او تحت قدمه وقال شعبة لا یبزق بین یدیه ولا عن یمینه ولکن عن یساره اوتحت قدمه وقال حمید عن انس عن النبی ﷺ لا یبزق فی القلبة ولا عن یمینه ولکن عن یساره او تحت قدمه.

ترجمہ۵۰۳: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے اس وقت وہ اپنے پرودگار سے مناجات کرتا ہے، اسے چاہئے کہ اپنے داہنی جانب نہ تھوکے، بلکہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے۔

ترجمہ۵۰۴: حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ سجدوں میں اعتدال کرو اور تم سے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ کتے کی طرح نہ بچھادے اور جب تھوکے تو نہ اپنے آگے تھوکے اور نہ اپنے دائیں جانب، اس لئے کہ وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے اور سعید نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ اپنے آگے یا اپنے سامنے نہ تھوکے، بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے، اور شعبہ نے کہا ہے کہ نہ اپنے سامنے تھوکے اور نہ اپنی داہنی جانب لیکن اپنی بائیں جانب یا قدم کے نیچے اور حمید نے انس سے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ قبلہ (کی جانب) میں نہ تھوکے اور نہ اپنے داہنی جانب، بلکہ اپنے بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے تھوکے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔شافعیہ اگر کہیں کہ مناجاۃ کے لئے موزوں یہ ہے کہ فاتحہ پڑھی جائے، استماع اور خاموشی مناسب نہیں تو جواب یہ ہے کہ یہاں تنہا کی نماز کا بیان ہے کیونکہ **ان احدکم اذا صلے** فرمایا ہے اور اس میں بھی فاتحہ پڑھتے ہیں، دوسرے یہ کہ نماز جماعت بھی شریعت میں واحدہ بالعدد ہے، لہٰذا امام پڑے گا تو وہ سب ہی کی طرف سے ہے، تیسرے یہ کہ نماز جماعت میں ہر شخص کے لئے مناجاۃ مان لیں تو وہ بھی صرف سری نماز میں درست ہوسکتی ہے، کیونکہ جہری نماز میں تو وہ منازعت بن جائے گی اور حکم انصاف واستماع کے بھی خلاف ہوگی باقی سری نماز میں گنجائش ہے اور اس کا معاملہ اہون ہے کیونکہ مجھے امام صاحب سے کوئی نقل نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ سری میں قرأت ان کے نزدیک ناجائز ہے، ان سے صرف عدم قراءت مروی ہے اور محقق میرے نزدیک یہ ہے کہ جہریہ میں امام صاحب کے نزدیک ناجائز ہے، اور سریہ میں ناپسندیدہ ہے (پوری بحث اپنے موقع پر آئے گی، ان شاءاللہ)

سمت قبلہ کی طرف تھوکنے کے مسائل وتفصیل پہلے گذر چکی ہے اور داہنی طرف کی ممانعت فرشتے کی وجہ سے بھی ہے اور مناجات خداوندی کے لحاظ سے بھی بے محل ہے، اور بائیں طرف یا قدم کے نیچے کی اجازت بھی بوجہ ضرورت ومجبوری ہے، حضرتؒ نے یہ توجیہ بھی فرمائی ہے کہ نمازی کو بحالت نماز سب سے اچھی حالت وہیئت میں ہونا چاہئے، اس لئے اقعاء الکلب، افتراش ثعلب، بروک الجمل اور خفض راس کالحمار وغیرہ کی بھی ممانعت کی گئی ہے، اس طرح تھوکنے، سنکنے، بے ضرورت کھانسنے، کھنکارنے سے بھی روک دیا گیا ہے، غرض نماز میں ہر لحاظ سے سکون، شائستگی، ادب، خشوع وخضوع، حسن لباس وہیئت وغیرہ مطلوب ہیں۔

باب الابراد بالظهر فی شدة الحر

(گرمی کی شدت میں ظہر کوٹھنڈا وقت کر کے پڑھنے کا بیان)

۵۰۵. حدثنا ایوب بن سلیمان قال حدثنا ابو بکر عن سلیمان قال صالح بن کیسان حدثنا الاعرج عبدالرحمن وغیرہ عن ابی ہریرة و نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر عن عبداللہ بن عمر انہما حدثاہ عن رسول اللہ ﷺ انہ قال اذا اشتد الحر فابردو بالصلوٰة فان شدة الحرمین فیح جہنم.

۵۰۶. حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر حدثنا شعبة عن المہاجر ابی الحسن سمع زید بن وہب عن ابی ذر قال اذن موذن النبی ﷺ الظہر فقال ابرد ابرد او قال انتظر انتظر وقال شدة الحرمن فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوٰة حتی راینا فی التلول.

۵۰۷. حدثنا علی بن عبداللہ المدینی قال حدثنا سفیان قال حفظناہ من الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرة عن النبی ﷺ انہ قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰة فان شدة الحرمین فیح جہنم واشتکت النار الی ربہا فقالت یا رب اکل بعضی بعضا فاذن لہا بنفسین نفس فی الشتاء و نفس فی الصیف وہو اشد ما تجدون من الحر وہو اشد ما تجدون من الزمہر.

۵۰۸. حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا اولی قال حدثنا الاعمش قال حدثنا ابو صالح عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ ابردو بالظہر فان شدة الحرمین فیح جہنم تابعہ سفیان ویحییٰ و ابو عوانة عن الاعمش.

ترجمہ ۵۰۵: اعرج عبدالرحمٰن وغیرہ نے ابو ہریرہؓ سے اور عبداللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام نافع نے عبداللہ بن عمرؓ سے اور دونوں (ابو ہریرہ اور ابن عمرؓ) نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا جب گرمی زیادہ ہوجائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔

ترجمہ ۵۰۶: حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ گرمی میں) نبی کریم ﷺ کے مؤذن (بلال) نے ظہر کی اذان دینی چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ہوجانے دو، ٹھنڈ ہوجانے دو یا یہ فرمایا کہ ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ، پھر فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے لہٰذا جب گرمی کی شدت ہوتو نماز کو ٹھنڈ میں پڑھا کرو، اس وقت تک ٹھہرو کے ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگے۔

ترجمہ ۵۰۷: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب گرمی زیادہ بڑھ جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے (ہوتی) ہے اور آگ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی، عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے ایک حصہ نے دوسرے حصہ کو کھا لیا ہے، اللہ نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس کی جاڑوں میں اور ایک سانس کی گرمی میں اور وہی سخت گرمی ہے جس کو تم محسوس کرتے ہو، اور سخت سردی ہے جو تم کو معلوم ہوتی ہے۔

ترجمہ ۵۰۸: حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لئے کے گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے اوقات ظہر بیان کرتے ہوئے، سب سے پہلے ابراد کی حدیث ذکر فرمائی اگلے باب میں سفر کی حالت میں

بھی ابراد کی حدیث لائے، پھر اگلے باب میں وقت ظہر بتلایا اور چوتھے باب میں تاخیر ظہر کا ذکر کیا ہے اس کے بعد کتاب الاذان میں باب الاستہام فی الاذان حدیث ص ۵۸۵ لائیں گے جس میں ضمناً آیا ہے کہ نمازوں کو وقت کے اندر عجلت کے ساتھ ادا کر لینا چاہئے اور اسی حدیث کو باب فضل التہجیر میں نمبر ۶۲۰ پر لائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے بھی حنفیہ کے موافق ابراد کو ترجیح دی ہے، جس طرح امام ترمذی نے باوجود شافعی المسلک ہونے کے ابراد کو اختیار کیا اور حدیث ابراد فی السفر کی وجہ سے مسلک شافعیہ کو مرجوع قرار دیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ عینی نے لکھا کہ باب فضل التہجیر کو ابراد کے خلاف نہ سمجھا جائے کیونکہ علامہ ہروی نے اس سے مراد سب نمازوں میں عجلت کرنے کی فضیلت لی ہے اور اس عام حکم کو حضور علیہ السلام کے ارشاد ابراد و اسفار کی وجہ سے خاص کرنا پڑے گا ورنہ وہ ارشادات متروک العمل ہونگے، اور اگر تہجیر ظہر کی مراد لی جائے تو لفظ ہاجرہ کا اطلاق پورے وقت ظہر تا قریب عصر پر ہوتا ہے۔ (عمدہ ص ۶۴۴ ج ۲)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ موطأ امام مالکؒ ابواب مواقیت میں ایک باب **نھی عن الصلوٰۃ فی الھاجرہ** بھی ہے، جس سے ہاجرہ اور گرمی کے وقت میں ممانعت نماز والی بھی بخاری کی حدیث الباب روایت کی گئی ہے (اوجز ص ۳۰ ج ۱)

ابراد جمعہ: یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نماز جمعہ کے لئے بھی ابراد کا حکم ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، علامہ عینیؒ نے تو یہ اختیار کیا کہ ابراد صرف نماز ظہر کے لئے ہے، جمعہ کے واسطے نہیں، لیکن صاب البحر الرائق نے فرمایا کہ جمعہ کے لئے بھی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ جمعہ کے لئے عدم ابراد کی تھی (العرف الشذی ص ۲۳۰)

المغنی لابن قدامہ ص ۱۴۴ ج ۲ میں ہے کہ استحباب جمعہ کے لئے بعد زوال کے شدت گرمی وغیرہ کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ لوگ جمعہ کے لئے جمع ہوں گے، اگر ابراد کا انتظار کیا جائے تو وہ ان پر شاق ہوگا۔ (معارف السنن ص ۳۵۸ ج ۴)

حافظؒ نے لکھا:- ظہر کے لئے حکم ابراد سے ابراد جمعہ کے لئے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے اور بعض شافعیہ اس کے قائل بھی ہوئے ہیں اور امام بخاری کے طریقہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو انہوں نے باب **اذا اشتد الحر یوم الجمعہ** میں اختیار کیا ہے، وہاں حدیث اذا اشتد الحر بکر بالصلوٰۃ کے آگے یعنی الجمعۃ کا اضافہ کیا ہے اس پر علامہ زین بن المنیر نے بھی فرمایا کہ امام بخاری کا رجحان ابراد جمعہ کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ (ص ۱۳ و ص ۲۶۴ ج ۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض شافعیہ بھی ابراد جمعہ کے قائل ہوئے ہیں، جبکہ جمہور حنفیہ وغیرہم بھی جمعہ کو ابراد سے مستثنیٰ کر رہے ہیں، پھر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ بعض شافعیہ صرف جمعہ کے لئے ہی ابراد کے قائل ہوئے ہیں، یا ظہر کے بھی، بظاہر تو یہی ہے کہ امام بخاری کی طرح وہ بھی ابراد ظہر و جمعہ دونوں کے قائل ہوں گے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابراد کا مسئلہ احادیث و آثار کی روشنی میں بہت قوی ہے جس طرح اسفار فجر کا مسئلہ بھی اسی لحاظ سے نہایت قوی ہے، اس کو ہم آگے بیان کریں گے۔

یہاں سے یہ بات بھی روشنی میں آجاتی ہے کہ بہت سے مسائل جو مذاہب اربعہ کے اختلاف کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا دیا گیا ہے وہ حقیقت سے بہت دور ہے اور بقول علامہ کوثریؒ کے چاروں مذاہب کی حیثیت اور صحیح ترین پوزیشن ایک ہی کنبہ وقبیلہ کے افراد کی ہے اور تقریباً تین چوتھائی مسائل میں تو بالکلیہ اتفاق ہے، باقی میں زیادہ تر معمولی اختلافات ہیں۔

البتہ اہل ظاہر اور غیر مقلدین کے ساتھ مذہب فقہیہ کا اختلاف نہ صرف فروعی مسائل میں ہے بلکہ اصول وعقائد کے اندر بھی ہے چونکہ عام طور سے اہل علم بھی متنبہ نہیں ہیں اس لئے اس کو ہم بہ تکرار کہتے ہیں۔ واللہ الموفق

شدت حر کے اسباب

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا:۔حکم ابرادظہر کی علت بتلائی گئی ہے کہ ٹھیک دوپہر کے موسم گرما میں جہنم کی حدت وگرمی کا اثر سورج کے اندر نمایاں ہوتا ہے جس سے دھوپ میں بھی شدت وحرارت بڑھ جاتی ہے، پھر اس سے نماز پڑھنے والوں کی تکلیف ومشقت کا لحاظ کیا گیا ہے، یا جہنم کی حرارات کے اثرات سورج میں آجانے کو حق تعالیٰ کے غضب وغصہ کی علامت سمجھ کر نماز کو موخر کیا گیا ہے تا کہ رأفت ورحمت کا وقت آجائے، جس کی علامت ابراد ہے اور یہ ایسا ہے کہ جس طرح حدیث شفاعۃ روز قیامت میں وارد ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام شفاعت کرنے سے معذرت کریں گے اپنی لغزشوں کی وجہ سے اور حق تعالیٰ کے غیر معمولی غضب وغصہ کی وجہ سے بھی، مگر چونکہ وہاں نماز ظہر کی طرح مؤخر کرنے کی بات بھی نہ ہو سکے گی کہ تمام لوگ تاخیر حساب سے بھی سخت پریشان ہوں گے، اس لئے حضور اکرم علیہ کی شان رأفت ورحمت اور آپ کے لئے حق تعالیٰ کے خصوصی فضل وانعام کے تحت اجازت شفاعت کام آئے گی اور آپ کی پہلی شفاعت پر حساب شروع ہو جائے گا، پھر دوسرے مراحل شفاعت بھی آگے آئیں گے۔

ایک وجہ شدت حر کے وقت کراہت صلوٰۃ کی یہ بھی علماء نے بیان کی ہے کہ اس وقت نماز میں خشوع وخضوع کا حصول بھی دشوار ہوتا ہے، یعنی اگر سخت گرمی وتپش کی تکلیف اٹھا کر نماز کی جگہ تک پہنچ بھی جائیں تو ادائیگی نماز کے وقت بھی دل کی یکسوئی اور مناجات کی برتری میسر نہ ہوگی، حافظؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ گرمی کی شدت کو جو جہنم کی لپٹوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے، یہ بات حقیقت پر بھی محمول ہو سکتی ہے، جیسا کہ جہنم کے شکوہ کرنے کی بات بھی حدیث سے ثابت ہے، اور مجاز تشبیہ پر بھی محمول کر سکتے ہیں کہ اس وقت کی سخت گرمی وتپش کو جہنم کی سی گرمی بتلایا گیا ہے، اسی طرح جہنم کی شکایت پر بھی علماء کے مختلف اقوال ہیں، علامہ ابن عبدالبر، قاضی عیاض، علامہ قرطبی، علامہ نووی، محقق طوربشتی اور علامہ زین بن المنیر نے حقیقت پر محمول کیا ہے اور علامہ بیضاویؒ نے مجازی معنی کو ترجیح دی ہے۔ (فتح الباری ص ۱۲ ج ۱)

افادۂ انور: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: یہاں ایک عقلی سوال ہے کہ شدۃ حرارت وضعف حرارت کا سبب تو سورج کا قرب وبعد ہے، اسی لئے مثلاً ہمارے ملک میں موسم گرما میں قرب شمسی کی وجہ سے گرمی اور موسم سرما میں بعد شمسی کی وجہ سے سردی ہوتی ہے اور جنوبی افریقہ میں مثلاً اس کا برعکس ہوتا ہے، یونانی فلاسفہ تو کہتے تھے کہ اجرام اثیریہ میں حرارت وبرودت کچھ بھی نہیں ہے، مگر جدید سائنس والے کہتے ہیں کہ تمام اجرام عالم سے زیادہ حرارت سورج میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح اشیاء عالم کے ظاہری اسباب ہیں اسی طرح ان کے لئے باطنی اسباب بھی ہیں، شریعت ان ہی کو ذکر کرتی ہے اور ظاہری اسباب کی نفی نہیں کرتی، پس شریعت نے باطنی سبب بتلا دیا کہ سورج میں گرمی جہنم سے آتی ہے جو حرارت اور مہالک وشرور کا معدن ہے جو بات ہمیں ظاہر میں نظر نہیں آتی وہ بتلا دی ہے اور یہی جواب رعد وبرق ومطر اور نہر جیحان وسیحان کے بارے میں بھی ہے، پھر علامہ عینی کے نزدیک مدار حرارت پر ہے اور یہی رائے اوفق بالحدیث ہے، صاحب بحر نے مدار موسم گرما پر رکھا ہے اسی طرح تبکیر جمعہ میں بھی دو قول ہیں۔

یہ بھی حدیث میں ہے کہ دوپہر کے وقت جہنم کو تایا جاتا ہے اور جمعہ کا دن اس سے مستثنیٰ ہے، یعنی ایسا حضرت رب کے غضب کے باعث ہے لہٰذا تاخیر ہونی چاہئے نماز کی تا کہ اس کے رحم کے وقت حاضر ہوں۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ظہر میں ابراد اس وقت ہے کہ کسی مسجد میں لوگ دور سے آکر نماز پڑھتے ہوں، منفرد اور اس شخص کے لئے نہیں ہے جو قریب کی مسجد میں پڑھے، لیکن ترمذی باوجود شافعی ہونے کے اس تاویل کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ حنفیہ کی رائے زیادہ بہتر اور اتباع سنت پر مبنی ہے، کیونکہ حضرت ابوذرؓ کی حدیث بتلاتی ہے کہ حضور علیہ السلام صحابہ کرام کے ساتھ سفر میں تھے اور ایک جگہ تھے،

پھر بھی آپ نے حضرت بلالؓ کو ابراد کا حکم فرمایا تھا۔

امام طحاویؒ کی رائے یہ ہے کہ پہلے ظہر میں تعجیل ہی تھی، پھر منسوخ ہوگئی، حدیث حضرت مغیرہؓ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے، التلخیص الجبیر میں ہے کہ امام ترمذی نے امام بخاری سے حدیث مغیرہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے تصحیح کی، حضرت ابن مسعود و حضرت انسؓ سے بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام موسم سرما میں تعجیل ظہر کرتے تھے اور موسم گرما میں ابراد فرماتے تھے۔

باب الابراد بالظهر فی السفر

(سفر میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان)

۵۰۹. حدثنا آدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا مهاجر ابو الحسن مولی لبنی تیم الله قال سمعت زید بن وهب عن ابی ذر الغفاری قال کنا رسول الله ﷺ فی سفر فاراد المؤذن ان یوذن للظهر فقال النبی ﷺ ابرد ثم اراد ان یوذن فقال له ابرد حتی راینا فی التلول فقال النبی ﷺ ان شدة الحر من فیح جهنم فاذا اشتد الحر فابردو بالصلوٰة وقال ابن عباس یتفیو یتمیل.

ترجمہ ۵۰۹: حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا کے ہمراہ کسی سفر میں تھے، موذن نے چاہا کہ ظہر کی اذان دے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ٹھنڈ ہو جانے دو، اس نے پھر چاہا کہ اذان دے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ٹھنڈ ہو جانے دو یہاں تک کہ ہم کو ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے، لہٰذا جب گرمی کی شدت ہو تو (ظہر کی نماز) ٹھنڈ میں پڑھو اور ابن عباسؓ نے "یتفیأ" کی تفسیر "یتمیل" بیان کی یعنی ہٹ جائے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری کتاب الاذان میں "**حتی ساوی فی التلول**" بھی لائیں گے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے، علامہ نووی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس سے غیر معمولی تاخیر نکلتی ہے اور انہوں نے اس کو جمع سفر پر محمول کیا ہے حالانکہ حدیث میں کہیں بھی سفر کا ذکر نہیں ہے، اگرچہ میرے نزدیک مساواۃ فی التلول سے حنفیہ کو بھی استدلال نہ کرنا چاہئے کیونکہ بظاہر راوی کا ارادہ حقیقی مساواۃ کا نہ ہوگا اور نہ مثل و مثلین کا مسئلہ ثابت کرنا تھا، بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض علماء کے اشعار سے استدلال کر کے بعد جاہلوں نے حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب کلی مان لیا ہے، حالانکہ ان اشعار میں بطور مبالغہ اوصاف کے بیان میں زیادتی ہوگئی ہے، ان علماء کا قصد تعیم علم نبوی کا نہ تھا، جاہلوں نے عقیدہ اور باب مدح میں فرق نہ کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ احقر نے مولوی احمد رضا خان صاحب کی بعض تصانیف میں دیکھا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب کلی کی نفی کی ہے اور علم ذاتی کی بھی، بلکہ اپنے مخالفوں پر یہ طعن بھی کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا اذاتی علم غیب وکلی ہم بھی نہیں مانتے اور ہمارے مخالفین بھی اور ہم دونوں ہی علم جزئی کے قائل ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہ علم جزئی ایسا مانتے ہیں جس سے حضور علیہ السلام کی تحقیر ہوتی ہے اور ہم ایسا علم جزئی مانتے ہیں جس سے آپ کی تعظیم ہوتی ہے، اور حق یہ ہے کہ کچھ تعبیراتی مسامحتیں ہوگئیں ہیں "**والحق قد یعتریه سوء تعبیر**" ان سے احتراز کرنا چاہئے تھا وللتفصیل محل آخر ان شاء الله تعالیٰ۔

نکتۂ دقیقہ علمیہ: حضرتؒ نے فرمایا کہ ابردوا بالظہر میں باصلہ کی ہے جو مفعول بہ پر داخل ہوئی ہے، جس سے فعل میں تاکید و مبالغہ مفہوم ہوتا ہے جیسے اخذت باللجام اور وامسحوا برؤسکم میں ہے اور زمخشری نے آیت کریمہ **وهزی الیک بجذع النخلة** کے تحت بھی تفسیر اسی طرح کی ہے، یعنی اچھی طرح کھجور کی شاخوں کو ہلاؤ تاکہ کھجوریں اچھی طرح گریں، اسی طرح ترجمہ یہ ہوگا کہ سروں کا مسح اچھی طرح کرو

اور میں نے گھوڑے کا لگام اچھی طرح مضبوطی سے پکڑا، لہٰذا یہاں بھی ترجمہ یہ ہوگا کہ ظہر کی نماز کے لئے اچھی طرح ٹھنڈا وقت ہو جانے دو۔

باب الظهر عند الزوال وقال جابر كان النبی ﷺ يصلی بالهاجرة

(ظہر کا وقت زوال کے وقت ہے، جابر کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ دوپہر کو نماز پڑھتے تھے)

۵۱۰. حدثنا ابو اليمان قال حدثنا شعيب عن الهری قال اخبرنی انس بن مالک ان رسول الله ﷺ خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر فقام على المنبر فذكر الساعة وذكر ان فيها امورا عظاما ثم قال من احب ان يسئل عن شیء فليسئل فلا تسالونی عن شیء الا اخبرتكم مادمت فی مقامی هذا فاكثر النسا فی البكاء واكثر ان يقول سلونی فقام عبدالله بن حذافة السهمی فقال من ابی قال ابوک حذافة ثم اكثر ان يقول سلونی فبرک عمرؓ على ركبتيه فقال رضينا بالله رباو بالاسلام دينا و بمحمد نبيا فسكت ثم قال عرضت على الجنة والنار انفا فی عرض هذا الحآئط فلم اركا الخير و الشر.

۵۱۱. حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا شعبة عن ابی المنهال عن ابی برزة قال كان النبی ﷺ يصلی الصبح واحدنا يعرف جليسه و يقرأ فيها مان بين الستين الى المائة ويصلی الظهر اذا زالت الشمس والعصر واحدنا يذهب الى اقصى المدينة رجع والشمس حية ونسيت ما قال فی المغرب ولا يبالی بتاخير العشاء الى ثلث الليل ثم قال الى شطر الليل وقال معاذ قال شعبة ثم لقيته مرة فقال او ثلث الليل.

۵۱۲. حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبدالله قال حدثنا خالد بن عبدالرحمن قال حدثنی غالب ن القطان عن بكر بن عبدالله المزنی عن انس بن مالک قال كنا اذا صلينا خلف رسول الله ﷺ وسلم بالظهآئر سجدنا علٰی ثيابنا اتقاء الحر.

ترجمہ ۵۱۰: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول خدا ﷺ جب آفتاب ڈھل گیا باہر تشریف لائے اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور آپ نے قیامت کا ذکر شروع کیا، فرمایا کہ اس میں بڑے بڑے حوادث ہوں گے، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جو شخص کچھ پوچھنا چاہے وہ پوچھے جب تک کہ اپنے اس مقام میں ہوں، جو شخص مجھ سے کچھ پوچھنا چاہے گا میں اسے بتاؤں گا، لوگوں نے کثرت سے رونا شروع کیا اور آپ نے اس قول کی کثرت فرمائی کہ ''سلونی'' پھر عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہو گئے، انہوں نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے، آپ نے فرمایا کہ تمہارا باپ حذافہ ہے، آپ پھر بار بار فرمانے لگے کہ ''سلونی'' تب عمرؓ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم اللہ سے راضی ہیں جو (ہمارا) پروردگار ہے اور اسلام سے جو (ہمارا) دین ہے اور محمد ﷺ سے جو (ہمارے) نبی ہیں، اس وقت آپ ساکت ہو گئے اس کے بعد فرمایا کہ جنت اور دوزخ میرے سامنے ابھی اس دیوار کے گوشے میں پیش کی گئی ہے، ایسی عمدہ چیز (جیسی جنت ہے) اور ایسی بری چیز (جیسی دوزخ ہے) کبھی نہیں دیکھنے میں آئی۔

ترجمہ ۵۱۱: حضرت ابوالمنہال حضرت ابو برزہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے پاس بیٹھنے والے کو پہچان لیتا تھا، اس میں ساٹھ ۶۰ آیتوں اور سو ۱۰۰ آیتوں کے درمیان میں قراءت کرتے تھے، ظہر کی نماز جب آفتاب ڈھل جاتا تھا، پڑھتے تھے، اور عصر کی ایسے وقت کہ ہم میں سے کوئی لوٹ کر مدینہ کے کنارہ تک چلا جاتا تھا اور آفتاب متغیر نہ ہوا ہوتا تھا (ابوالمنہال کہتے ہیں) اور مغرب کے بارے میں جو کچھ ابو برزہ نے کہا تھا، میں بھول گیا اور عشا کی تاخیر میں تہائی رات تک آپ

کچھ پروانہ کرتے تھے، بعداس کے ابو برزہ نے کہا کہ نصف شب تک اور معاذ کہتے ہیں کہ شعبہ نے بیان کیا کہ اسکے بعد ایک مرتبہ میں نے ابو منہال سے ملاقات کی، توانہوں نے کہایا تہائی شب تک۔

ترجمہ۵۱۲: حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو گرمی کی تکلیف سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے تھے۔

تشریح: سابقہ احادیث جن میں گرمی کی شدت کے موقع پر ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اوراس حدیث میں بظاہر تضادنظر آتا ہے، لیکن چونکہ ہماری نظر کے سامنے ان احادیث کا موقع اور محل یا ماحول نہیں اس سے الجھن واقع ہوتی ہے بظاہر ایسا ہے کہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ کا یہی عمل ہوگا کہ زوال ہوتے ہی نماز ادا فرماتے ہوں گے، پھر جب آپ کو صحابہ کی تکلیف اور دشواری کا احساس ہوا ہوگا تو آپ نے حکم دیا کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو اس طرح یہ حدیث مقدم ہوئی اور سابقہ متاخر اور قابل عمل حدیث متاخر ہوتی ہے، یہی مسلک حنفیہ کا ہے، نیز احادیث اول قولی اور ثانی عملی ہیں، قولی حدیث عملی سے تعمیل میں مقدم ہوتی ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ پہلی حدیث الباب میں حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ جب تک میں یہاں ہوں، تمہارے ہر سوال کا جواب دونگا، معلوم ہوا کہ یہ ایک وقتی چیز تھی، لہٰذا اس سے آپ کے علم غیب کلی کے لئے استدلال نہیں ہوسکتا کہ یہ صفت صرف حق تعالیٰ کی ہے، دوسری حدیث الباب میں "**واحدنا یعرف جلیسه**" سے ثابت ہوا کہ نماز فجر اسفار میں ختم ہوتی تھی کہ ایک دوسرے کو پہچان لیتا تھا، جو حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرے ائمہ تغلیس کو افضل بتلاتے ہیں یعنی اندھیرے میں پڑھنے کو مفصل دلائل آگے آئیں گے، ان شاء اللہ

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہی حدیث ان ہی راویوں سے ابوداؤد میں بہ لفظ "**وما یعرف احدنا جلیسه**" مروی ہے حالانکہ وہ اس حدیث بخاری اور حدیث مسلم کے بھی خلاف ہے، لہٰذا یہ لفظ صرف ابوداؤد میں ہیں، پھر یا تو کسی راوی کا وہم ہے یا کاتب کی غلطی ہے، بذل المجہود ص۲۲۴ ج۱ میں لکھا:۔نسخہ دہلویہ وکانپوریہ میں تو اسی طرح ما نافیہ کے ساتھ ہے مگر مصری نسخہ میں بغیر ما کے ہے اور اسی کو صاحب عون المعبود نے لیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہی صواب ہے کہ بخاری ومسلم کے موافق ہے۔

قولہ "**واحدنا فیذهبان لی اقصی المدینه**" پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ آخر مدینہ تک جا کر پھر مسجد نبوی کو لوٹ کر آنا نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز عصر پڑھ کر لوٹتا تو آخر مدینہ میں اپنے گھر پہنچ جاتا تھا، اس حالت میں کہ ابھی سورج کی روشنی میں جان باقی رہتی تھی، چنانچہ آگے باب وقت العصر میں بخاری میں ہی سیار کی حدیث (نمبر۵۱۷) آرہی ہے، اس میں یہی بات صاف طور سے بتلائی گئی ہے، غرض معلوم ہوا کہ یہ صرف ایک طرف کی مسافت کا بیان ہے اور اس سے تعجیل نہیں بلکہ تاخیر ثابت ہوتی ہے جس کو امام طحاویؒ نے بھی کہا ہے دوسروں نے اس سے تعجیل سمجھی ہے تاہم یہ اختلاف صرف افضلیت واستحباب کا ہے، جیسا کہ ظہر میں بھی تعجیل وتاخیر کا ہے یا صبح میں اسفار وتغلیس کا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ تیسری حدیث الباب میں ہے کہ ہم نے گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کیا یہ حنفیہ کی دلیل ہے کہ اپنے ملبوس کپڑوں کے کناروں پر سجدہ کر سکتے ہیں، شافعیہ کے نزدیک نہیں کر سکتے، لہٰذا وہ یہاں بھی جدا کپڑوں کی تاویل کریں گے، جبکہ ظاہر ان کے خلاف ہے (کیونکہ کپڑوں کا لفظ عام ہے، بلکہ اپنے کپڑوں سے اشارہ ملبوسہ کپڑوں کی طرف ہی نکل سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب تاخير الظهر الى العصر

(ظہر کی نماز کوعصر کے وقت تک موخر کرنے کا بیان)

۵۱۳. حدثنا ابو النعمان قال حدثنا حماد بن زيد عن عمرو بن دينار عن جابر بن زيد عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلیٰ بالمدينة سبعا و ثمانيا الظهر والعصر المغرب والعشاء فقال ايوب لعله فی ليلة مطيرة قال عسیٰ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر اورعصر کی آٹھ رکعتیں اور مغرب وعشا کی سات رکعتیں (ایک ساتھ) پڑھیں تو ایوب نے (جابر سے) کہا کہ شاید بارش والی رات میں ہوا ہوگا، جابر نے کہا کہ شاید۔

تشریح: امام بخاریؒ کے نزدیک جمع تاخیر جائز ہے، جمع تقدیم جائز نہیں، اسی لئے یہاں تاخیر کا لفظ استعمال کیا ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع حقیقی کسی عذر کے ساتھ جائز ہے، مثلاً سفر، مرض اور بارش کی وجہ سے، امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے یہاں جمع حقیقی جائز نہیں کہ ایک کے وقت میں دوسرے وقت کی نماز پڑھی جائے، کیونکہ نمازوں کے اوقات مقرر کردیئے گئے ہیں اور محافظۃ صلوات کا بھی حکم ہے، نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بخاری ومسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے کبھی کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں نہیں پڑھا بجز عرفہ ومزدلفہ کے حج کے دن میں، لہٰذا تشریع عام یہی ہے اور جن احادیث میں جزئی واقعات اس کے خلاف وارد ہیں ان میں احتمال جمع صوری کا ہے، یعنی ایک نماز اس کے آخر میں اور دوسری کو اس کے اول وقت میں پڑھا گیا، جس سے اوقات مستحبہ کے خلاف تو کسی عذر کی وجہ سے ہوا ہوگا، باقی جواز کے اندر ہی وہ صورتیں بھی پیش آئی ہوں گی، چنانچہ آگے حدیث نمبر ۵۱۹ آرہی ہے جس کے تحت حافظ ابن حجرؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ظہر کی نماز آخر وقت میں پڑھا کرتے ہوں گے اور حضرت انسؓ نے عصر کی اول وقت میں پڑھی ہوگی، اسی لئے حضرت ابوامامہ کو حضرت انسؓ کی نماز میں شک پڑا کہ انہوں نے اس وقت ظہر کی پڑھی ہے یا عصر کی، لہٰذا جمع کی حدیثوں کو جمع وقتی حقیقی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے اور حنفیہ کی رائے اس بارے میں نہایت درست ہے اور اصول وقواعد شرع سے اوفق بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ارشاد حضرت شاہ ولی اللہؒ

آپ نے "شرح تراجم ابواب البخاری" میں لکھا کہ امام بخاری کی غرض اس باب میں یہ بتلانا ہے کہ حضور علیہ السلام کا دو نمازوں کو بلا کسی عذر کے اور بحالت اقامت بستی کے اندر جمع کرنا حقیقی طور سے نہ تھا، بلکہ ایک نماز کو مؤخر کرکے آخر وقت میں اور دوسری کو مقدم کرکے اول وقت میں پڑھا تھا، اس طرح یہ جمع بین الصلاتین صرف صورۃً وفعلاً تھی، پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی لکھا کہ اس حدیث میں صلے بالمدینۃ وہم راوی ہے، کیونکہ یہ واقعہ مدینہ کا نہیں بلکہ تبوک کا ہے، راوی نے کہا تھا کہ یہ بغیر سفر کا قصہ ہے، یعنی حالت سیر کا نہیں اقامت کا ہے، دوسرے راوی نے اس کو حضر کا واقعہ سمجھ لیا، پھر بعض نے اس کی تعبیر مدینہ سے کردی، لیکن اس پر اعتراض ہوا کہ اس طرح تو ثقہ راویوں پر سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا، حضرت شاہ صاحبؒ نے تو اس کا کوئی جواب نہ دیا، مگر شیخ الحدیث نے یہ جواب دیا کہ واقعہ مدینہ کا ہی ہوگا، جمع صوری ہوئی ہوگی، جس کو محققین شافعیہ و مالکیہ نے بھی راجح قرار دیا ہے، جیسے حافظ ابن حجر، قرطبی، امام الحرمین، ابن ماجشون اور ابن سیدالناس وغیرہ نے دوسرے یہ کہ اگر قصہ سفر کا ہوتا تو نماز قصر پڑھی جاتی، یعنی چار ظہر وعصر کی اور پانچ مغرب وعشا کی نہ کہ آٹھ وسات، علامہ عینی نے بھی لکھا کہ سب سے بہتر تاویل جمع صوری والی ہے الخ (لامع ص ۲۱۴ ج ۱)

ارشاد حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ

فرمایا کہ بخاریؒ کے اس ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جمع بین الصلاتین کے مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک اختیار کیا ہے، اور ابو داؤد نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ جمع تقدیم میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، اگرچہ بعض ائمہ پھر بھی اس کے قائل ہیں، نیز فرمایا کہ مدینہ منورہ کی یہ جمع بین الصلاتین نہ سفر کی وجہ سے ہوئی نہ بارش کی وجہ سے، پھر بجز جمع فعلی وصوری کے اور کیا تھی؟ اور مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے تلمیذ حدیث جابر بن زید نے عرض کیا کہ میرا خیال ہے حضور علیہ السلام ظہر میں تاخیر اور عصر میں تعجیل فرمائی ہوگی اور مغرب وعشاء کو موخر فرمایا ہوگا، اس پر حضرت عباسؓ نے جواب یا کہ میرا بھی یہی گمان ہے اور حدیث نسائی میں بھی تصریح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ مدینہ میں آٹھ ایک ساتھ اور سات ایک ساتھ پڑھیں، آپ نے ظہر کو موخر اور عصر کو مقدم فرمایا اور مغرب کو مؤخر عشاء کو معجل کیا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ علامہ نووی نے اس حدیث کی جمع بین الصلاتین کو مرض کے سبب سے قرار دیا ہے، لیکن اگر یہ مان بھی لیں کہ حضور علیہ السلام نے مرض کی وجہ سے ایسا کیا تو کیا سارے مقتدی صحابہ کرام بھی مریض تھے اور حافظ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ جمع نظر حنفیہ کے مطابق ہے۔

راوی نے جو یہ کہا کہ شاید وہ رات بارش والی تھی، غالباً یہ احتمال کسی نیچے کے راوی نے بیان کیا ہے، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ اور ان کے تلمیذ بلا واسطہ نے جمع صوری سمجھی تھی جو حنفیہ کا مذہب ہے اور اس کے لئے کسی عذر کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ بعض رواۃ کا یہ کہنا بھی کہ جمع بلا سفر وخوف ہوا، اسی طرف مشیر ہے کہ کسی قسم کا عذر نہیں تھا، اور بعض راویوں نے تو بارش کی بھی نفی کی ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے لفظ جمع کو ترجمۃ الباب میں اختیار نہیں کیا، اس سے بھی یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ جمع حقیقی کے قائل نہیں ہیں، مثل حنفیہ کے۔

حضرت ابن عباسؓ کے اس فرمانے سے بھی کہ حضور علیہ السلام نے جمع اس واسطے کیا کہ امت پر تنگی ودشواری نہ ہو، مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ترک اوقات مستحبہ کی گنجائش ہے، کوئی ان کو لازم نہ سمجھ لے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب وقت العصر

(وقت عصر کا بیان)

۵۱۴. حدثنا ابراهيم بن المنذر حدثنا انس بن عياض عن هشام عن ابيه انا عآئشة قالت كان النبي ﷺ يصلي العصر والشمس لم تخرج من حجرتها.

۵۱۵. حدثنا قتيبة قال حدثنا الليث عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة ان رسول الله ﷺ صلے العصر والشمس فى حجرتها لم يظهر الفى بين حجرتها.

۵۱۶. حدثنا ابو نعيم قال حدثنا ابن عيينة عن الزهرى عن عروة عن عآئشة قالت كان النبى ﷺ يصلى صلوٰة العصر الشمس طالعة فى حجرتى ولم يظهر الفىء بعد قال ابو عبدالله وقال مالك ويحيى بن سعيد و شعيب و ابن ابى حفصة والشمس قبل ان تظهر.

۵۱۷. حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبدالله قال اخبرنا عوف عن سيار بن سلامة قال دخلت انا وابى على ابى برزة الاسلمى فقال له ابى كيف كان رسول الله ﷺ يصلى المكتوبة فقال كان يصلى

الهجير التى تدعونها الاولىٰ حين تدحض الشمس ويصلى العصر ثم يرجع احدنا الى رحله فى اقصى المدينة والشمس حية ونسيت ما قال فى المغرب وكان يستحب ان يوخر من العشاء التى تدعونها العتمة وكان يكره النوم قبلها والحديث بعدها وكان ينفتل من صلوٰة الغداوة حين يعرف الرجل جليسه و يقرأ بالستين الى المائة.

۵۱۸. حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک عن اسحاق بن عبدالله بن ابى طلحة عن انس بن مالک قال كنا نصلى العصر ثم يخرج الانسان الى بنى عمر و بن عوف فيجدهم يصلون العصر.

۵۱۹. حدثنا ابن مقاتل قال اخبرنا عبدالله قال اخبرنا ابو بكر بن عثمان ابن سهل بن حنيف قال سمعت ابا امامة يقول صلينا مع عمر بن عبدالعزيز الظهر ثم خرجنا حتى دخلنا علےٰ انس بن مالک فوجدناه يصلے العصر فقلت يا عم ما هذه الصلوٰة التى صليت قال العصر وهذه صلوٰة رسول الله ﷺ التى كنا نصل معه.

۵۲۰. حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شهاب عن انس ابن مالک قال كنا نصلى العصر ثم يذهب الذاهب منا الى قباء فياتيهم والشمس مرتفعة.

۵۲۱. حدثنا ابواليمان قال اخبرنا شعيب عن الزهرى قال حدثنى انس بن مالک قال كان رسول الله ﷺ يصلى العصر والشمس مرتفعة حية فيذهب الذاهب الى العوالى فياتيهم والشمس مرتفعة وبعض العوالى من المدينة علےٰ اربعه اميال او نحوه.

ترجمہ۵۱۴: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب ان کے حجرے سے باہر نہ نکلا ہوتا تھا۔

ترجمہ۵۱۵: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے عصر کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ آفتاب ان کے حجرے میں تھا اور سایہ ان کے حجرے سے بلند نہ ہوا تھا۔

ترجمہ۵۱۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھا کرتے تھے کہ آفتاب میرے حجرے میں ہوتا تھا اور ہنوز سایہ نہ بلند ہوا ہوتا تھا، امام بخاریؒ نے کہا کہ مالک، یحییٰ بن سعید، شعیب اور ابن ابی حفصہ نے یہ ایں لفظ روایت کیا **والشمس قبل ان تظهر** (سورج اس وقت تک حجرہ سے باہر نہ ہوتا تھا)

ترجمہ۵۱۷: حضرت سیار بن سلامہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد ابو برزہ اسلمی کے پاس گئے ان سے میرے والد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کس طرح پڑھتے تھے، انہوں نے ہجیر (یعنی ظہر) جس کو تم اولیٰ کہتے ہو، اس وقت پڑھتے تھے، جب آفتاب ڈھل جاتا اور عصر (ایسے وقت) پڑھتے کہ اس کے بعد ہم میں سے کوئی اپنی اقامت گاہ میں جو مدینہ کے حاشیہ پر ہوتی تھی، واپس پہنچ جاتا اور آفتاب میں حیات ہوتی تھی (سیار کہتے ہیں) اور میں بھول گیا کہ مغرب کے بارے میں ابو برزہ نے کیا کہا اور آپ کو یہ پسند تھا کہ عشاء جس کو تم عتمہ کہتے ہو، دیر کر کے پڑھیں اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد بات کرنے کو برا جانتے تھے، اور صبح کی نماز (فراغت پا کر) ایسے وقت لوٹتے تھے کہ آدمی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا، اور (صبح کی نماز میں) آپ ساٹھ سے سو تک آیتیں پڑھتے تھے۔

ترجمہ۵۱۸: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز پڑھ چکے ہوتے تھے اس کے بعد آدمی بنی عمر بن عوف

(کے قبیلے) تک جاتا تو انہیں نماز عصر پڑھتے ہوئے پاتا۔

ترجمہ ۵۱۹: حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم عمر بن عبدالعزیز کے ہمراہ ظہر کی نماز پڑھ کر باہر نکلے اور انس بن مالک کے پاس گئے، تو انہیں نماز عصر پڑھتے ہوئے پایا، میں نے کہا کہ اے میرے چچا، یہ کون سی نماز آپ نے پڑھی، انہوں نے کہا عصر، یہی رسول خدا ﷺ کی نماز کا وقت ہے، جو ہم آپ کے ہمراہ پڑھا کرتے تھے۔

ترجمہ ۵۲۰: حضرت انسؓ بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھ چکتے تھے، اس کے بعد ہم میں سے جانے والا (مقام) قبا تک جاتا اور اس کے پاس ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب بلند ہوتا تھا۔

ترجمہ ۵۲۱: حضرت انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند ہوتا تھا، عوالی کے بعض مقامات مدینہ سے چار میل پر یا اس کے قریب تھے۔

تشریح: وقت عصر کے اول میں جو اہم اختلاف تھا وہ پہلے ذکر ہوا، اب وقت مستحب کا بیان ہو رہا ہے، حنفیہؒ کے نزدیک تاخیر مستحب ہے، دوسرے حضرات تعجیل کو مستحب کہتے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ ظاہر قرآن مجید سے تاخیر عصر نکلتی ہے کیونکہ **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** وارد ہے اور قبل طلوع وغروب سے طلوع وغروب سے قریب تر ہی زمانہ مراد ہوا کرتا ہے، مثلاً آپ کسی سے وعدہ کریں کہ قبل الغروب آؤں گا تو وہ آپ کا انتظار غروب سے کچھ قبل ہی کرے گا، اسی طرح نماز عصر بھی حنفیہ گھنٹہ سوا گھنٹہ غروب سے قبل افضل بتلاتے ہیں، مگر شافعیہ وغیرہم کے مسلک پر ایک مثل پر وقت ہو جانے کے بعد تعجیل عصر کریں گے، تو کئی گھنٹے قبل نماز افضل ٹھیرے گی، جو قبلیت قریب سے بعید تر ہوگی۔

دوسرے فقہی نقطۂ نظر سے بھی حنفیہ کا مسلک ارجح ہے، کیونکہ شریعت نے بعد عصر سے غروب تک نوافل سے روک دیا ہے، اگر عصر کو چند گھنٹے قبل غروب کے پڑھ لیں گے تو نوافل کے لئے وقت تنگ ہو جائے گا۔

امام طحاویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ عصر کے لغوی معنی نچوڑنے کے ہیں اور عصر کا وقت بھی دن کے نچوڑ کا وقت ہوتا ہے جو آخری تھوڑا حصہ ہونا چاہئے۔

امام بخاری پہلی حدیث الباب میں لائے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایسے وقت عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے کہ سورج حجرہ مبارکہ سے نہ نکلتا تھا، یعنی اس کی دھوپ یا روشنی ابھی حجرہ مبارکہ کے اندر ہوتی تھی، امام طحاویؒ نے فرمایا کہ حجرہ مبارکہ چھوٹا تھا، اس لئے دھوپ غروب شمس کے قریب تک رہتی تھی، کیونکہ حجرۂ مبارکہ کا دروازہ غربی جانب تھا۔

دوسری احادیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نماز عصر ایسے وقت ہوتی تھی کہ سورج میں حیات ہوتی تھی، جس کے لئے ابوداؤد میں حضرت خیثمہ سے نقل ہوا کہ حیات سے مراد یہ کہ اس میں حرارت باقی ہوتی تھی، یہ بات بھی غروب کے قریب تر ہی ہوتی ہے، حضرت ابوہریرہؓ اس وقت نماز عصر نہ پڑھتے تھے جب تک ہم سورج کو مدینہ کے سب سے اونچے پہاڑ پر نہ دیکھ لیتے تھے، اور یہی وقت حنفیہ کا ہے۔

آخری حدیث الباب میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر ایک شخص عوالی تک پہنچ جاتا تھا اور ابھی سورج بلند ہوتا تھا، عوالی کے بعض حصے تقریباً چار میل دور تھے، اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ صورت بھی مختار حنفیہ پر منطبق ہو سکتی ہے، لہٰذا مخالف نہیں ہے، موطا امام مالکؒ میں سیر راکب کا ذکر آتا ہے اور بعض روایات میں سیر عنق بھی وارد ہے، یعنی نماز پڑھ کر سوار تیز رفتاری کے ساتھ ۲-۳ فرسخ تک غروب سے قبل پہنچ سکتا تھا، یہ حنفیہ کے خلاف نہیں کیونکہ جب دن بڑا ہوتا ہے تو تقریباً دو گھنٹے قبل عصر حنفیہ ہوتی ہے اور تیز رفتار اونٹنی اتنی مسافت آسانی سے طے کر سکتی ہے۔

ترمذی شریف میں مستقل باب تاخیر صلوٰۃ العصر قائم کر کے صرف یہ حدیث ذکر کی کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا:- رسول اکرم ﷺ تمہاری نسبت سے ظہر کی نماز جلد پڑھتے تھے اور تم عصر کی نماز حضور علیہ السلام کے وقت سے پہلے پڑھتے ہو، اس سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

ساکنین عوالی کی نمازعصر

حدیث نمبر ۵۱۸ میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی نماز عصر پڑھ کر بعض لوگ قبیلۂ بنی عمرو بن عوف میں پہنچ کر دیکھتے تھے کہ وہاں کے حضرات نماز عصر میں ہوتے تھے، علامہ عینیؒ نے لکھا کہ اس سے بھی تاخیر عصر پر دلالت ہے کہ قباو عوالی کے رہنے والے صحابہ کرام اتنی دیر سے پڑھتے تھے کہ آدمی دوتین میل مسجد نبوی سے چل کر بھی وہاں ان کی عصر کے وقت پہنچ جاتا تھا (عمدہ ۵۴۲ ج ۲) چونکہ اطراف مدینہ کے صحابہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں وقت گزارتے تھے، ممکن ہے ان کی رعایت سے بھی آپ کچھ عجلت فرماتے ہوں کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے اطراف مدینہ کے گھروں میں شام سے پہلے پہنچ جائیں جس کی طرف اشارہ حدیث نمبر ۵۲۰ میں اور ۵۲۱ میں بھی آئے گا، اور وہاں کے رہنے والے حضور علیہ السلام کے منشاء مبارک کو جان کر زیادہ تاخیر سے نماز عصر پڑھتے ہوں گے اس کے سوا اور بہتر توجیہ ان کی تاخیر کی کیا ہوسکتی ہے؟! نمبر ۵۱۹ میں حضرت انسؓ کی تعجیل عصر کی وجہ یہ تھی کہ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں آخر وقت مکروہ میں منافقوں کی طرح ان کی نماز عصر نہ ہوجائے، جس سے حدیث میں ڈرایا گیا تھا یہ ان کی خاص اور غیر معمولی احتیاط تھی (اور اسی لئے حضرت ابوامامہ نے حیرت سے ان کی وجہ دریافت کی) ورنہ ابھی اوپر کی حدیث میں ساکنین قباو عوالی کا معمول کتنی تاخیر سے پڑھنے کا معلوم ہو چکا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا:- بدائع میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارکہ کی دیواریں چھوٹی تھیں، اس لئے سورج ان میں تغیر شمسی تک رہتا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ تو جب ہے کہ اندر کی روشنی مراد ہو اور اگر دروازہ سے داخل ہونے والی روشنی مراد ہو تو ان کے حجرہ مبارکہ کا دروازہ غرب کی طرف تھا، اس میں قرب غروب تک روشنی زیادہ ہی ہوتی رہتی ہوگی، اور بالکل اسی سے غروب کے قریب ہی ختم ہوتی ہوگی، لہٰذا حدیث حضرت عائشہؓ اور بھی زیادہ تاخیر عصر پر دلیل بن جاتی ہے، نیز حدیث ترمذی، بروایت الخدری بھی مشیر ہے کہ حضور علیہ السلام عصر کی نماز ہمیشہ غروب کے قریب پڑھتے تھے، جیسا کہ وہ آیت **قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** کا بھی مقتضیٰ ہے اور امام محمدؒ نے حضرت ابراہیم نخعی سے کتاب الحج میں نقل کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب کو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز آخر وقت میں پڑھا کرتے تھے اور روایات تاخیر عصر کی بہ نسبت تعجیل کے زیادہ ماثور ہیں۔ (اوجز ص ۵ ج ۱)

تدعونہا الاولیٰ: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اولیٰ ظہر کی نماز کو اس لئے کہتے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سب سے پہلے وہی نماز پڑھائی تھی اور اسی لئے امام محمدؒ نے کتاب المواقیت کو نماز ظہر سے شروع کیا، متاخرین کے طریقہ کے خلاف کہ وہ فجر سے شروع کرتے ہیں۔

عوالی: بقول زہری مدینہ منورہ سے ۲-۳ میل پر ہیں (عمدہ ص ۵۴۳ ج ۲) یہ وہ علاقہ کہلاتا تھا جہاں مشرقی جانب صحابہ کرام کے مکانات تھے، اسی کے مقابل غربی جانب کے سوافل تھے۔

وکان یکرہ النوم: نماز عشا سے قبل سونے کی کراہت اس لئے ہے کہ نماز فوت ہونے کا خطرہ ہے، اگر ایسا نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

والحدیث بعدہا: شریعت چاہتی ہے کہ فاتحہ وخاتمہ خیر پر ہو، اسی لئے صبح کو بھی نماز کے بعد ہر کام کرنا ہے اور رات کو نماز عشا پر ختم کردینا ہے، کہ نماز پڑھ کر سوجائے۔

درمختار میں ہے کہ عشاء کے بعد کلام مباح مکروہ ہے اس پر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ غیر مباح کلام مطلقاً جائز ہے اور کلام خیر، ذکر وعلم وغیرہ ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، علامہ زیلعی نے فرمایا کہ بعد عشا باتوں کی کراہت اس لئے ہے کہ بسا اوقات لغو تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور نماز صبح بھی فوت ہوسکتی ہے یا تہجد کے عادی کی نماز تہجد فوت ہوجائے گی، لہٰذا اگر کوئی مہم ضرورت پیش آئے تو کوئی حرج نہیں، ایسے ہی قراءت، ذکر، حکایات صالحین، فقہ اور مہمان کے ساتھ باتیں کرنا بھی جائز بلا کراہت ہیں، برہان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے

فرمایا بعد نماز عشا کے کوئی بات نہ کرے مگر دو آدمیوں کو اجازت ہے، نمازی یا مسافر اور ایک روایت عرس کے لئے بھی ہے۔ کذا فی الشامی (لامع ص۲۲۲ج۱)

امام ترمذیؒ نے رخصت سفر بعد العشاء کے لئے باب قائم کیا اور اس میں حضرت عمرؓ کی روایت نقل کی کہ رسول اکرم ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بعد عشاء کسی امر میں امور مسلمین میں سے باتیں کیا کرتے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ سمر ممنوع نہ تھی اور اس کو درحقیقت سمر ہی کہنا صحیح نہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ بہت امور کی نوعیت نیتوں کے بدلنے سے مختلف ہو جاتی ہے، چنانچہ فتح القدیر میں تحصیل لغت عربیہ کی نیت سے اشعار غزل وتشبیب پڑھنے کی اجازت لکھی ہے، بشرطیکہ جس عورت یا مرد کی تشبیب ہو وہ موجود نہ ہو اور علامہ شامی نے نحو، لغت وحساب وغیرہ کی تحصیل کو فرض کفایہ لکھا ہے، الخ (معارف السنن ص۱۸۱ج۲)

باب اثم من فاتته العصر

(اس شخص کو کتنا گناہ ہے جس کی نماز عصر جاتی رہے)

۵۲۲. حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال الذی تفوته صلوٰة العصر فکانما وتر اهله وماله قال ابو عبدالله یترکم وترت الرجل اذا قتلت له قتیلا او اخذت ماله.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جس شخص کی نماز عصر جاتی رہی، ایسا ہے کہ گویا اس کے اہل ومال ضائع ہو گئے، امام بخاری کہتے ہیں یترکم، وترت الرجل سے ماخوذ ہے اور یہ اس وقت بولتے ہیں، جب تم کسی عزیز کو قتل کر دو یا اس کا مال لوٹ لو۔

تشریح: نماز عصر کے فوت ہو جانے کا مطلب کیا ہے؟ بعض حضرات کی رائے ہے کہ جماعت کا فوت ہونا مراد ہے اور امام اوزاعیؒ کی تفسیر ابوداؤد میں یہ ہے کہ سورج کی دھوپ میں زردی آ جائے، یعنی وقت مختار ومستحب فوت ہو جائے، علامہ عینی اور حافظ نے کہا کہ بلا کسی عذر مجبوری کے وقت جواز نکل جائے، اور امام بخاری کی مراد اس باب میں بغیر قصد وارادہ کے فوت ہو جانا معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اگلے باب میں ترک کرنے کا لفظ لائے ہیں، جو عمداً ترک کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے، آپ نے فرمایا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ پہلی امتوں نے بھی نماز عصر میں کوتاہی کی تھی (شاید اس لئے کہ کاروبار وغیرہ میں مشغولیت کا وقت ہوتا ہے اور اسی لئے غفلت وسستی کرنے پر وعید آئی ہے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب اثم من ترک العصر

(اس شخص کا گناہ جو نماز عصر کو چھوڑ دے)

۵۲۳. حدثنا مسلم بن ابراهیم قال حدثنا هشام قال اخبرنا یحی بن ابی کثیر عن ابی قلابة عن ابی الملیح قال کنا مع بریدة فی غزوة فی یوم ذی غیم فقال بکروا بصلوٰة العصر فان النبی ﷺ قال من ترک صلوٰة العصر فقد حبط عمله.

ترجمہ: حضرت ابوملیح روایت کرتے ہیں کہ ہم کسی غزوہ میں ابر کے دن بریدہ کے ہمراہ تھے، تو انہوں نے کہا کہ عصر کی نماز سویرے پڑھ لو، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص عصر کی نماز چھوڑ دے، تو سمجھ لو کہ اس کا (نیک) عمل ضائع ہو گیا۔

تشریح: پہلے باب کی حدیث میں نماز عصر بہ غفلت ولا پروائی فوت ہوجانے پر وعید تھی، یہاں عمداً ترک کرنے کا بیان ہے اور صحابہ کرام کی غایت احتیاط بتلائی ہے کہ ابر و باد کے موقع پر نماز عصر میں جلدی کرتے تھے، مبادا وقت مکروہ آجائے یا غروب ہی ہوجائے اور پتہ نہ چلے، حقیقت یہ ہے کہ غفلت ولا پروائی اور عمداً ترک کرنے میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے، اس حدیث الباب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابر و بارش کے دن صحابہ کے جلدی کرنے کی وجہ ظلمت واندھیرا ہوجاتا تھی، ورنہ وہ عام دنوں میں تاخیر ہی سے پڑھتے تھے، اور اکثر احادیث میں جو سورج کی حرارت باقی تھی وہ بلند تھا وغیرہ الفاظ آتے ہیں وہ بھی یہی بتلاتے ہیں کہ تاخیر کرتے تھے، مگر ایسی بھی نہیں کہ مکروہ وقت داخل ہوجائے اور یہی حنفیہ بھی کہتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب فضل صلوٰۃ العصر

(نماز عصر کی فضیلت کا بیان)

۵۲۴. حدثنا الحمیدی قال حدثنا مروان بن معاویة قال حدثنا اسماعیل عن قیس عن جریر بن عبداللہ قال کنا عند النبی ﷺ فنظر الی القمر لیلة فقال انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر لا تضآمون فی رؤیته فان استطعتم ان لا تغلبو علےٰ صلوٰۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا فافعلوا ثم قرأ فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب قال اسماعیل افعلوا لا تفوتنکم.

۵۲۵. حدثنا عبداللہ بن یوسف قال حدثنا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرة ان رسول اللہ ﷺ قال یتعاقبون فیک ملئکة باللیل وملئکة بالنھار و یجتمعون فی صلوٰۃ الفجر و صلوٰۃ العصر ثم یعرج الذین باتوا فیکم فیسأ لھم ربھم وھو اعلم بھم کیف ترکتم عبادی فیقولون ترکناھم وھم یصلون اتینا ھم وھم یصلون.

ترجمہ ۵۲۴: حضرت جریر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو یقیناً اس طرح دیکھو گے، جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیکھنے میں شک نہ کرو گے، لہٰذا اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب سے پہلے کی نماز میں (شیطان پر غالب آکر) ادا کرلیا کرو تو (ضرور) کرو، پھر آپ نے **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** تلاوت فرمائی۔

ترجمہ ۵۲۵: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب و روز میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں اور یہ سب فجر اور عصر کی نماز میں مجتمع ہوتے ہیں، جو فرشتے رات کو تمہارے پاس رہے ہیں (آسمان پر) چڑھ جاتے ہیں، تو ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خود اپنے بندوں سے خوب واقف ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے (تب بھی) وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اکثر حضرات نے نماز عصر کو افضل الصلوٰۃ قرار دیا ہے، مگر امام بخاریؒ نے صرف فضیلت بتلائی، شاید وہ دوسرے حضرات کے ہمنوا نہیں ہیں۔

قولہ لا تضامون پر فرمایا کہ یہ ضم سے بھی مشتق ہوسکتا ہے کہ تم ازدحام ناظرین کی وجہ سے رؤیت باری تعالیٰ سے محروم نہ ہوگے اور ضیم سے بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی رؤیت کے وقت کوئی کسی پر ظلم کرکے اس سے محروم نہ کرسکے گا۔

تجلیات باری تعالیٰ

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر تجلی خداوندی کا بھی تفصیل سے ذکر کیا، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:- میرے نزدیک یہاں رؤیت سے مراد رؤیت تجلی ہے، رؤیت ذات نہیں ہے، جیسا کہ شیخ اکبرؒ نے اختیار کیا ہے اور اس کی تقسیم رؤیۃ شمسیہ وقمریہ سے کی ہے، (حدیث میں رویۃ قمر وشمس دونوں سے تشبیہ وارد ہے) پھر یہ ہے کہ رؤیت تجلی ہی کو رؤیت ذات بھی کہا جاتا ہے، مثلاً تم خواب میں حق تعالیٰ کا دیکھنا بیان کرو تو مراد اس کی تجلی ہی ہوتی ہے، تو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کوہ طور پر حضرت حق تعالیٰ کی تجلی ہوئی تھی، ایسے ہی محشر میں بندوں کے لئے ہوگی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رؤیۃ ذات باری کی درخواست کی تھی جو تجلی دکھلا کر پوری کر دی گئی کیونکہ رؤیت ذات تجلی کے ذریعہ ہوسکتی ہے اور اسی کے ضمن میں انکشاف ذات بھی کما یلیق بشأنہ ہوسکتا ہے اور ان تجلیات کے مراتب غیر متناہی ہیں، یہ تو شیخ اکبرؒ کی تحقیق ہے، پھر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی اس بارے میں بہت عمدہ تحقیق فرمائی ہے نیز تجلیات اور وجہ ویدوغیرہ میں بھی فرق ہے کہ یہ مبادی صفات اور متعلقات ذات ہیں، اسی لئے اس سے منفصل نہیں ہے، تجلیات صور مخلوقہ وآثار افعال میں جو ذات حق سے منفصل اور جدا ہیں، امام بخاریؒ نے ان کا نام شؤن رکھا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لئے جنت میں دیدار خداوندی

حضرتؒ نے فرمایا:- اس سے معلوم ہوا کہ ان نمازوں کے اہتمام کی وجہ سے ہی رؤیت باری کا شرف نمازی مومنوں کو جنت میں حاصل ہوگا، اور شاید دار قطنی کی روایت میں جو ہے کہ عورتوں کو جنت میں عیدین کے دنوں میں رؤیت حاصل ہوا کرے گی وہ اس لئے ہے کہ ان کو عیدین میں حاضر ہونے کی اجازت دی گئی تھی (جو فتنوں کے خوف سے قابل عمل نہ رہی، مگر چونکہ وہ خود اس میں معذور ہیں، اس لئے وہ شرف ان کو ضرور حاصل ہوگا جس طرح مجبوری، بیماری یا سفر کی وجہ سے نوافل واوراد نہ ہوسکیں تو اجر وثواب ضرور ملتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

قولہ یتعاقبون فیکم پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں حدیث مختصر ہے، نسائی اور صحیح ابن خزیمہ میں زیادہ تفصیل ہے، فتح الباری میں بھی حدیث کے مزید کلمات کی تخریج حافظ نے کی ہے۔

نہار شرعی وعرفی: حضرتؒ نے فرمایا کہ نہار شرعی وعرفی ہونے کا لحاظ مختلف طریقوں پر ہوا ہے، مثلاً روزہ کے لئے نہار شرعی صبح صادق سے غروب تک ہے اور نماز کے حق میں صبح سے عصر تک ہے، اسی لئے نماز عصر کے بعد نفل مکروہ ہوئے کہ دن کا دفتر بند ہو چکا۔

اجتماع ملائکہ نہار دلیل

حافظؒ اور عینی نے جو حدیث ذکر کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فجر وعصر دونوں میں دن ورات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں جب نماز فجر میں جمع ہوتے ہیں تو رات کے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں اور دن کے رہ جاتے ہیں، پھر عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں تو دن کے اوپر جاتے ہیں اور رات کے ٹھہر جاتے ہیں، حق تعالیٰ صبح وشام اوپر جانے والے فرشتوں سے سوال فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو، الحدیث۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ اس میں تصریح ہے کہ ہر گروہ سے سوال فرماتے ہیں (عمدہ ۵۵۴ ج ۲، بحوالہ خزیمہ ومسند السراج عن ابی ہریرہ) پھر یہ سوال کے وہ فرشتے انسان کے محافظ فرشتے ہیں یا دوسرے ہیں، علامہ عینی نے لکھا کہ اکثر علما کے نزدیک وہ محافظ فرشتے ہیں جو بندوں کے اعمال پر نگران ہیں اور لکھنے کے لئے بھی مامور ہیں، قاضی عیاض نے غیر محافظ فرشتوں کا احتمال ذکر کیا، اس طرح کہ حق تعالیٰ ان سے بطور توبیخ کے سوال کرے گا کیونکہ فرشتوں نے "**اتجعل فیھا من یفسد فیھا**" کہا تھا، قرطبی نے فرمایا کہ یہی حکمت

دونوں وقت فرشتوں کے اجتماع کی بھی ہوسکتی ہے، کہ وہ دونوں وقت اس دنیا میں آکر مسلمانوں کو نمازوں میں مشغول دیکھیں اور حق تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوکر نمازوں کی شہادت دیں، اور یہ حق تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت و شفقت بندوں کے حال پر ہے کہ ان فرشتوں کو ان کی دن و رات کی برائیوں اور معاصی پر مطلع نہ ہونے دیا اور نمازوں کے اوقات میں جمع ہونے کا حکم دیا، علامہ عینی نے لکھا کہ اس مذکورہ حکمت و توجیہ کی بناء پر تو دوسرے پر محافظ فرشتوں ہی کی بات ٹھیک ہوتی ہے کیونکہ محافظ فرشتوں پر تو انسانوں کے سارے ہی احوال منکشف رہتے ہیں ان سے صرف دو خاص وقتوں کا حال دریافت فرمانا کیسے مناسب ہوگا، دوسرے یہ کہ بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ جب بندہ مرجاتا ہے تو اس کے اعمال لکھنے والے دونوں کاتب[1] فرشتے اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر استغفار کرتے ہیں اور قیامت تک اس کے لئے رحمت الٰہی کی درخواست کرتے رہتے ہیں، لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ وہ نمازوں کے وقت جمع ہونے والے غیر محافظ اور غیر کاتب فرشتے ہی ہوں گے۔

فضیلت کس کے لئے ہے

علامہ عینیؒ نے لکھا کہ جب ان دونوں نمازوں کی بہت ہی بڑی فضیلت اجتماع ملائکہ اور رفع اعمال کی ثابت ہوگئی، تو مناسب ہوا کہ جو بندے ان دونوں نمازوں پر مداومت و محافظت کریں گے ان کو افضل عطایا یعنی رؤیت باری جل ذکرہ سے سرفراز کیا جائے، حافظ عینیؒ[2] نے یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ حدیث کے الفاظ تو مطلق ہیں مگر یہ فضیلت بظاہر ان مومنوں کے لئے ہے جو ان دونوں وقتوں کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ (عمدہ ۵۵۳ ج ۲)

حکمت سوال: علامہ عینی نے لکھا کہ حکمت فرشتوں سے خیر کی شہادت لینی ہے، بنی آدم کے لئے اور استعطاف بھی ہے تاکہ وہ ان پر مہربان ہوں، یا ان کی اتجعل والی بات کا جواب دینا ہے اور بتلانا ہے کہ صرف تم ہی تقدیس باریٔ کرنے والے نہیں ہو، بنی آدم میں بھی تم جیسے اور تمہاری ہی شہادت سے تسبیح و تقدیس کرنے والے ہیں۔

قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہ سوال بطریقہ تعبد ہے، جس طرح ان فرشتوں کو اعمال بنی آدم لکھنے کا حکم ہوا، حالانکہ حق تعالیٰ سب باتوں کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (عمدہ ص ۵۵۴ ج ۲)

فوائد: علامہ عینی نے بہت سے فوائد حدیث الباب کے لکھے ہیں مثلاً (۱) نماز اعلیٰ و افضل عبادت ہے کیونکہ اس کے بارے میں سوال و جواب وارد ہوا ہے (۲) نماز فجر و عصر دونوں اعظم ترین نمازیں ہیں (۳) ان دونوں وقتوں کا خصوصی شرف بھی معلوم ہوا، اور حدیث میں ہے کہ نماز صبح کے بعد رزق تقسیم ہوتا ہے اور اعمال دن کے آخری حصہ میں اوپر اٹھائے جاتے ہیں، لہٰذا جو ان اوقات میں مشغول عبادت ہوگا اس کے رزق و عمل میں خیر و برکت ہوگی۔ (۴) اس امت کا شرف دوسری امتوں پر ثابت ہوا (۵) فرشتے بھی اس امت سے محبت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال خیر کو خدا کے یہاں لے جاکر پیش کرکے اس کا تقرب تلاش کرتے ہیں (۶) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کلام فرماتے ہیں (۷) نماز عصر کو خاص طور سے اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب ہے کیونکہ وہ مشغولیت کے وقت ہوتی ہے (عمدہ ۵۵۵ ج ۲)

---

[1] کتنی عظیم و جلیل نعمت و رحمت خداوندی ہے کہ جو لوگ ہر قسم کے شرک سے مجتنب رہے اور ایمان و یقین پر ان کا حسن خاتمہ ہوجائے تو دوسرے معاصی کی مغفرت اگر زندگی میں میسر نہ بھی ہوسکے تو عالم قبر میں ان کی مغفرت کا سامان مہیا کردیا گیا تاکہ قبر سے اٹھے تو بخشا بخشایا، صاف ستھرا ہو اور یہ مغفرت کا سامان بھی ان فرشتوں کے ذریعہ کرایا گیا، جو اس بندہ کی پوری زندگی کے معاصی اور بداعمالیوں سے نہ صرف پوری طرح واقف رہے، بلکہ اس کو اس بندہ کے نامۂ اعمال میں آخر دم تک لکھ کر اس کا ریکارڈ تیار کرتے رہے، اب چونکہ انہوں نے دیکھا کہ حق تعالیٰ نے اس کے لئے حسن خاتمہ مقدر فرما کر احسان عظیم فرمادیا ہے تو حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مزید سامان مہیا کرنے کے لئے استغفار میں مشغول ہوگئے۔ (مؤلف)

[2] حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ کی رائے بھی یہی تھی کہ یہ فضیلت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لئے ہے، منفرد کے لئے نہیں (مؤلف)

قولہ "ترکناھم وھم یصلون" پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے اس میں تردد ہے کہ فرشتے بھی جماعت فجر وعصر میں شریک ہوکر اقتدا کرتے ہیں یا نہیں؟ موطأ امام مالکؒ میں[1] حضرت سعید بن المسیب سے نقل ہے کہ جو شخص جنگل میں نماز پڑھے تو اس کے دائیں بائیں دو فرشتے بھی نماز پڑھتے ہیں اور اگر وہ اذان دے کر نماز قائم کرے تو اس کے پیچھے فرشتے پہاڑوں کی برابر کثرت سے اقتدا کرتے ہیں تو جب ایک نماز میں اقتدا ثابت ہوگئی تو سب نمازوں میں ثابت ہوجائے گی اور آیت "ان قرآن الفجر کان مشھودا" سے اقتدا ثابت نہ ہوگی، کیونکہ مشہود بغیر اقتدا کے بھی ہوسکتا ہے جیسے یشھدون دعوۃ المسلمین وغیرہ ہیں، لہٰذا اگر مشہود کا اطلاق حضور پر ہو تو معنی ظاہر ہیں کہ ہم نے انہیں نماز پڑھتے چھوڑا ہے اور اگر اقتداء ادا ہو تو باعتبار جنس کے مطلب یہ ہوگا کہ جن کی لہٰذا ہم نے نہیں کی ان کو نماز پڑھتے چھوڑا ہے، وہ مراد نہ ہوں گے جن کی اقتدا میں وہ فرشتے خود نماز پڑھ کر گئے ہیں کہ ان کے ساتھ تو نماز ختم کرکے اوپر گئے ہیں، یا مسبوق وغیرہ مراد ہوں گے کہ ان کو نماز پوری کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے امام بخاری کے اس طریقہ میں بھی اشکال ہے کہ انہوں نے حدیث مذکور کو صرف فضیلت عصر کے لئے خاص کرلیا جبکہ حدیث میں فجر کی بھی فضیلت موجود ہے، پھر جب فجر کی فضیلت کا باب قائم کیا تو وہاں بھی اس حدیث کو نہیں لائے اور صرف آیت ان قرآن الفجر کان مشھودا کو ذکر کیا پس ہوسکتا ہے کہ حدیث مذکور کو صرف فضیلت عصر پر محمول کیا ہو اور فجر میں ملائکہ کو طرف نہار پر محمول کیا ہو بخلاف عصر کہ اس میں حضور ملائکہ کو خود اس کی ذاتی فضیلت پر مبنی سمجھا طرف نہار کی وجہ سے نہیں کہ طرف حسی مغرب ہے اگر طرف ہونے کی وجہ سے حاضر ہوتے تو مغرب کے وقت آتے نہ کہ عصر کے وقت ایک اشکال یہ بھی ہے کہ جب فرشتوں کی آمد دونوں وقت ہوئی ہے تو آیت میں صرف فجر کی تخصیص کیوں ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ اس میں قراءت جہری ہونے کی وجہ سے فرشتوں کے حضور وشہود کا ذکر زیادہ اہم ہوگیا، کیونکہ ان میں قرآن مجید سننے کا اشتیاق وشغف بہت ہی زیادہ ہے۔

باب من ادرک رکعة من العصر قبل الغروب

(اس شخص کا بیان، جو غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائے)

۵۲۶۔ حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شبان عن یحییٰ عن ابی سلمة عن ابی ھریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا ادرک احدکم سجدة من صلوٰة العصر قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلوٰته واذا ادرک سجدة من صلوٰة الصبح قبل ان تطلع الشمس فلیتم صلوته.

۵۲۷۔ حدثنا عبدالعزیز بن عبدالله قال حدثنی ابراھیم عن ابن شھاب عن سالم بن عبدالله عن ابیه انه اخبره انه سمع رسول الله ﷺ یقول انما بقاؤکم فیما سلف قبلکم من الامم کما بین صلوٰة العصر الیٰ غروب الشمس اوتی اھل التوراة التوراة فعملوا حتیٰ اذا نتصف النھار عجزو فاعطوا قیراطاً قیراطاً ثم اوتی اھل الانجیل الانجیل فعملوا الیٰ صلوٰة العصر ثم عجزو فاعطوا قیراطاً و قیراطا ثم اوتینا القرآن فعملنا الی غروب الشمس فاعطینا قیراطین قیراطین فقال اھل الکتابین ای ربنا اعطیت ھؤلاء قیراطین قیراطین واعطیتنا قیراطا قیراطا ونحن کنا اکثر عملا قال الله عز و جل ھل ظلمتکم من اجرکم من شیء قالو الا قال وھو فضلی اوتیه من اشآء.

---

[1] یہ اثر موطأ امام مالک میں موقوفاً مروی ہے مگر مرفوع ہے، کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی اور موصولاً بھی بروایت حضرت سلمان فارسیؓ بالمعنی نسائی میں ہے، بیہقی وابن ابی شیبہ وغیرہما کے یہاں حضرت سلمانؓ ہی سے موقوفاً مروی ہے۔ اوجز ص ۱۹۵)

۵۲۸. حدثنا ابو کریب حدثنا ابو اسامة عن برید عن ابی بردة عن ابی موسی عن النبی ﷺ قال مثل المسلمین والیهود و النصاریٰ کمثل رجل ن الستاجر قوما یعملون له عملا الی اللیل فعملوا الی نصف النهار فقالو لاحاجة لنا الی اجرک فاستاجر اٰخرین فقال اکملو بقیة یومکم ولکم الذی شرطت فعملوا حتیٰ اذا کان حین صلوٰة العصر قالو لک ما عملنا فاستاجر قوما فعملو بقیة یومهم حتیٰ غابت الشمس فاستکملو آ اجرا لفریقین.

ترجمہ ۵۲۶: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو نماز عصر کی ایک رکعت آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے مل گئی تو باقی نماز پوری کر لینی چاہئے اور جب نماز فجر کی ایک رکعت طلوع آفتاب سے پہلے مل گئی تو باقی نماز پوری کر لینی چاہئے۔

ترجمہ ۵۲۷: حضرت سالم بن عبداللہ (ابن عمرؓ) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمہاری بقا ان امتوں کے مقابلہ میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسی ہے، جیسے نماز عصر سے لے کر غروب آفتاب تک، کہ توراۃ والوں کو توراۃ دی گئی اور انہوں نے (اس پر) عمل کیا، یہاں تک کہ دوپہر کا وقت آ گیا تو وہ تھک گئے اور انہیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا، اس کے بعد انجیل والوں کو انجیل دی گئی اور انہوں نے عصر کی نماز تک کام کیا پھر وہ تھک گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دے دیا گیا اس کے بعد ہم لوگوں کو قرآن دیا گیا اور ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا تو ہمیں دو، دو قیراط دیئے گئے، اس پر دونوں اہل کتاب نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ان لوگوں کو دو، دو قیراط دیئے اور ہمیں ایک ہی قیراط دیا، حالانکہ ہم کام کے اعتبار سے زیادہ ہیں، اللہ عزوجل نے فرمایا کہ میں نے تمہاری مزدوری میں سے کچھ کم کیا، وہ بولے نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا فضل ہے، جسے چاہتا ہوں زیادہ دیتا ہوں۔

ترجمہ ۵۲۸: حضرت ابوموسیٰؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، مسلمانوں کی اور یہود و نصاریٰ کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص نے کچھ لوگوں کو مزدوری پر لیا ہو، تا کہ رات تک اس کا کام کریں چنانچہ انہوں نے دوپہر تک کام کیا اور کہا کہ ہمیں تیری مزدوری کی کچھ حاجت نہیں، لہٰذا اس نے دوسروں کو مزدوری پر لگا لیا اور (ان سے) کہا کہ باقی دن اپنا پورا کرو اور جو کچھ میں نے مزدوری مقرر کی ہے، تمہیں دوں گا، لہٰذا انہوں نے کام کیا، یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا، ان لوگوں نے کہا کہ جو کچھ ہم نے کام کیا، وہ تیرے لئے اتنا ہی ہے، پھر اس نے دوسرے لوگوں کو مزدوری پر لگایا تو انہوں نے بقیہ دن کام کیا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ان لوگوں نے دونوں فریق کی (برابر) مزدوری پوری حاصل کر لی۔

تشریح: امام بخاری اس باب میں تین حدیثیں لائے ہیں پہلی سے بتلایا کہ کسی کام کے آخری حصہ میں شریک ہو جانے سے بھی اس میں پوری شرکت سمجھی جاتی ہے، جس طرح نماز عصر وغیرہ کو اگر آخر وقت میں پالیا تو گویا پوری نماز کو پالیا یا جس طرح حق تعالیٰ کی مقررہ اجرت عمل کو پہلی امتوں نے شروع اور درمیانی دن کے حصہ میں عمل کر کے پایا تو آخر دن میں عمل کرنے والے بھی اس کے مستحق بن گئے، امام بخاری پہلی حدیث کو چند ابواب کے بعد آگے لائیں گے (نمبر ۵۴۹ و ۵۵۰) اور دوسری و تیسری حدیث کو بھی اجرت وغیرہ کے ابواب میں لائیں گے۔

یہاں یہ بحث نہایت اہم اور دقیق چھڑ گئی ہے کہ حدیث اول کا اصل مطلب کیا ہے، ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر طلوع و غروب آفتاب سے قبل نماز کے ایک سجدہ یا رکعت کا وقت پالیا تو اس نماز کو پورا کرنا ضروری ہے، اس کے شروع کرنے سے نماز پڑھنے والوں میں اس کا شمار ہو گیا مگر چونکہ عمل پورا نہیں ہوا اس لئے اس کی تکمیل کرے گا، پھر چونکہ طلوع و غروب کے وقت کوئی نماز صحیح نہیں ہو سکتی جیسا کہ بخاری کی حدیث نمبر ۵۵۳ میں آئے گا کہ جب سورج نکلنا شروع ہو جائے یا ڈوبنے لگے تو نماز کو مؤخر کر دو، تو امام طحاوی تو کہتے ہیں کہ جتنی

پڑھ چکا ہے وہ باطل ہوگئی، پھر سے طلوع وغروب کے بعد پوری پڑھے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ صبح کی ہو تو یہی حکم ہے، غروب کے قریب والی ہو تو پوری کرلے، وہ جائز ودرست ہوگی، امام ابویوسف سے ایک شاذ روایت یہ ہے کہ صبح کی نماز کی اگر ایک رکعت پڑھی تھی اور سورج طلوع ہونے لگا تو اتنی دیر توقف کرے کہ سورج اچھی طرح نکل آئے اور کراہت کا وقت نہ رہے تو باقی رکعت پوری کرلے، اس کے فرض ادا ہوجائیں گے، امام اعظمؒ کے نزدیک ایسا کرنے سے وہ نماز نفل ہوگی، فرض پھر سے پڑھے گا، دوسری روایت امام ابویوسف سے بھی اس کے مطابق ہے امام محمدؒ کی رائے ہے کہ ایسی نماز نہ فرض ہوگی نہ نفل، سرے سے باطل ہی ہے۔

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی، احمد) فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز بھی عصر کی طرح درست ہوجاتی ہے اور بخاری کی یہ حدیث اور آگے آنے والی دو حدیثیں نمبر ۵۴۹ و ۵۵۰ بظاہر ان ائمہ ثلاثہ کی موافقت کررہی ہیں مگر زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے اور احادیث وآثار کے پورے ذخیرے پر نظر کی جائے تو امام اعظمؒ کی رائے عالی ہی زیادہ صائب ثابت ہوگی، وجہ یہ ہے کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کہ حدیث الباب میں اشارہ وقت کی طرف ہے مگر یہ بات قطعی نہیں کیونکہ دوسری احادیث مسلم وابوداؤد وغیرہ یہ بتلاتی ہیں کہ اس نوع کی احادیث وقت سے متعلق نہیں بلکہ مسبوق یا معذور سے تعلق رکھتی ہیں اور خود حافظ ابن حجرؒ نے بھی باوجود شافعی ہونے کے حدیث نمبر ۵۴۹ کے تحت لکھا:-"ادراک کے معنی پالینے کے ہیں" تو بظاہر جو مطلب اس سے نکلتا ہے کہ جس نے ایک رکعت فجر کی پالی تو فجر کی نماز پالی اور نماز فرض کا مطالبہ ایک ہی رکعت پڑھنے سے ختم ہوگیا، یہ مطلب تو بالاجماع غلط ہے، پھر دوسرا مطلب یہ محتمل ہے کہ ایک رکعت پالینے سے اس کو وقت مل گیا، لہٰذا دوسری رکعت بھی پڑھ لے گا تو نماز کامل ہوجائے گی، اس ثانوی احتمال کو جمہور نے اختیار کیا ہے، جس کی تائید بیہقی وغیرہ کی روایات سے بھی ہوتی ہے الخ۔ پھر حافظ نے حدیث نمبر ۵۵۰ پر پہلے تو محدث کرمانی شارح بخاری کا کلام ذکر کرکے اس کے تضاد کی طرف اشارہ کیا، پھر علامہ تیمی (شارح بخاری) کا قول ذکر کیا کہ امام بخاری کی حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک رکعت مل گئی تو اس کو جماعت کی فضیلت مل گئی اور لکھا کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز سے مراد جمعہ کی نماز ہے کہ اس کی ایک رکعت بھی امام کے ساتھ پالی تو جمعہ کی نماز پوری مل گئی اور لکھا کہ دوسرے اقوال بھی ہیں اس بارے میں منقول ہیں، پھر لکھا کہ یہ بات تو واضح ہے کہ "فقد ادرک بالصلوٰۃ" (کہ ایک رکعت مل جانے سے پوری نماز مل گئی) یہ بات اپنے ظاہری مطلب کے لحاظ سے بالاجماع غیر صحیح ہے یعنی کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہوسکتی، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے لہٰذا اس کا مطلب درست کرنے کے لئے کچھ مقدر ماننا پڑے گا، مثلاً یہ کہ جس کو ایک رکعت مل گئی اس نے نماز کا وقت پالیا، یا حکم نماز کا پالیا وغیرہ اور اس کو باقی نماز کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔ (فتح ۳۸ ج ۲)

امام طحاویؒ وغیرہ کا مسلک

اس سے معلوم ہوا کہ من ادرک رکعة فقد ادرک الصلوٰۃ کے مطلب میں کئی احتمال ہیں اسی لئے ائمہ مجتہدین ومحدثین کے انظار وآراء بھی مختلف ہوگئی، امام طحاویؒ جو بظاہر سب سے الگ معلوم ہوتے ہیں ان کے ساتھ بھی بہت سے اہل علم ہیں جیسا کہ محدث ابن وہب کا بیان ہے ملاحظہ ہو مدونہ ۹۳، ان سب کی رائے یہ ہے کہ اس نوع کی تمام احادیث حائضہ عورت، نائم یا نومسلم یا مریض وغیرہ کے لئے ہیں، یعنی حائضہ عورت آخر وقت میں پاک ہوئی کہ صرف ایک رکعت کا وقت پایا، یا سونے والا ایسے آخر وقت میں بیدار ہوا، یا ایک غیر مسلم ایسے آخر وقت میں اسلام لایا، یا کوئی مریض بے ہوش تھا اور نماز کے آخرت وقت پر ہوش میں آیا تو ان سب پر اس وقت کی نماز لازم ہوگئی، اور حدیث میں صرف طلوع وغروب سے قبل والی دو نمازوں کا ذکر اس لئے ہوا ہے کہ ان وقتوں کے ختم ہونے کو ہر عامی وجاہل بھی جان لیتا ہے، اس لئے حکم سب نمازوں کے آخر وقت کا ایک ہی ہے، غرض امام طحاوی اور ان کے ہم خیال سب دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ ان احادیث سے خاص طلوع وغروب کے وقت نماز درست ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور اگر مان بھی لیا جائے تو دوسری احادیث متواترہ اس کے

جواز کومنسوخ کردیتی ہیں، جن میں طلوع وغروب کے وقت میں نماز کی صریح ممانعت آگئی ہے، لہٰذا اگر نماز پوری ہونے سے قبل طلوع و غروب ہونے لگے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

ائمۂ ثلاثہ کا مسلک

یہ دوسرا مسلک ہے کہ طلوع وغروب ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اگر ایک رکعت پہلے پڑھ لی ہے تو دوسری بعد طلوع یا بعد غروب کے پڑھ لے تو اس کی نماز ادا اقرار پائیگی امام شافعیؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ پہلی رکعت ادا اور دوسری قضا شمار ہوگی، غرض ان سب حضرات نے بجائے دقت نظر کے ظاہریت کی شان دکھلائی ہے اور احتمال والی احادیث کی وجہ سے صریح وصاف احادیث سے صرف نظر کی ہے، جیسا کہ ہم اس بات کو دلائل کے ساتھ واضح کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وبہ نستعین

امام اعظمؒ کا مسلک

بظاہر امام صاحب کی رائے اس مسئلہ میں سب سے الگ ہے کہ وہ نماز عصر میں تو ائمۂ ثلاثہ کے ساتھ ہیں، مگر نماز فجر میں الگ ہو گئے، اگرچہ ہم یہ بھی بتلائیں گے کہ نماز عصر کے بارے میں بھی جو ان کا مسلک بعض حنفیہ نے سمجھا ہے وہ نہیں بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق میں دوسرا ہے، امید ہے کہ حضرتؒ کی اس تحقیق وتدقیق کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مسلک امام کی توضیح تو اس طرح فرمائی کہ عام کتب متون حنفیہ میں جو یہ لکھا ہے کہ اگر عصر کی نماز شروع کی اور ایک رکعت پڑھی تھی اور جو سورج غروب ہونے لگا تو اس کو بعد غروب کے پورا کرلے، یہ ترجمانی صحیح نہیں بلکہ جس طرح امام محمدؒ نے اپنے موطأ میں لکھا ہے وہ صحیح ہے، آپ نے باب الرجل ینسی الصلوٰۃ میں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے لیلۃ التعریس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور فرمایا:- جو شخص نماز بھول جائے تو جب یاد آئے تو پڑھ لے، کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قائم کرو نماز میری یاد کے لئے، امام محمدؒ نے فرمایا کہ اسی پر عمل کرتے ہیں، الا یہ کہ کوئی ان ساعات میں یاد کرے، جن میں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھنے سے روک دیا ہے جبکہ سورج طلوع ہو بلند اور روشن ہونے تک، نصف النہار کے وقت زوال ہونے تک اور شام کو جب سورج کی دھوپ لال پیلی ہو جائے، اس کے غروب ہونے تک، البتہ اسی دن کی عصر کی نماز پڑھے گا اگرچہ آفتاب زرد ہو جائے غروب سے پہلے تک اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ بڑی عجیب بات ہے کہ حنفیہ نے امام محمدؒ کے اس صریح ارشاد کی طرف توجہ نہ کی، پھر فرمایا کہ در مختار میں قنیہ سے نقل کیا کہ اگر ایک شخص غروب سے پہلے نماز شروع کرے پھر غروب تک اس کو طویل کرلے تو ہمارے نزدیک مکروہ نہ ہوگا اور یہی روایت امام شافعی سے ہے، اس کتاب کا مصنف فقہ میں تو حنفی ہے مگر اعتقاد میں معتزلی ہے، اس لئے ہم اس کے تفردات کو قبول نہ کریں گے، مگر پھر میں نے اس مسئلہ کو فخر الاسلام کی اصول البزدوی میں بھی دیکھا تو انکار کی گنجائش نہ رہی مگر تردد باقی رہا اور صاحب التوضیح نے جو اعتذار خشوع وخضوع کا پیش کیا اس سے بھی تشفی نہ ہوئی، پھر میں نے فیصلہ کیا کہ فخر الاسلام نے قول مرجوع پر تفریع کی ہے، کیونکہ صورت مذکورہ میں فقہاء حنفیہ نے اختلاف کیا ہے، بحر میں ہے کہ ایسی طوالت کا فقط فعل مکروہ ہے، نماز میں کراہت نہیں آتی، دوسرے فقہاء کی رائے ہے کہ ایسا فعل اور نماز دونوں مکروہ ہیں، اور یہی قول ارجح ہے، فخر السلام نے بھی عدم کراہت صلوٰۃ والا مرجوع قول اختیار کرلیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کا مسلک وہی ہے جو امام محمدؒ نے بھی لکھا ہے کہ اس دن کی نماز عصر بھی صرف اصفرار شمس کے وقت پڑھی جا سکتی ہے جو غروب سے پہلے ختم ہو جائے تا کہ پوری نماز غروب سے قبل ہو جائے، حضرتؒ نے مزید وضاحت فرمائی کہ غروب دو ہیں ایک شرعی، دوسرا حسی اور حنفیہ کے یہاں جو اسی دن کی عصر ادا ہو سکتی ہے وہ غروب شرعی (اصفرار شمس) تک ہے، دوسرے ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ اگر

غروب حقیقی وحسی سے قبل بھی صرف ایک رکعت پڑھ سکے تو پڑھ لے اور غروب کے بعد باقی پڑھ لے، لہٰذا حدیث نبوی کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ایک رکعت نماز عصر کی امام کے ساتھ اصفرار شمس سے پہلے پالے اس کو نماز عصر مل گئی اور یہ کہ اصفرار کے بعد غروب تک وقت منافق کا ہے، یہ حصہ تعلیم نبوی میں داخل ہونے کے لائق نہ تھا، اس لئے متروک ہوا، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک کوئی بھی دلیل، اس کے لئے نہیں ہے کہ اگر ایک شخص غروب سے قبل ایک رکعت پالے تو غروب کے بعد اس کو پورا کر لے اور وہ اس نماز کا مدرک ہو جائے گا۔

بخاری کی حدیث الباب مسبوق کے لئے ہے

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ علامہ نوویؒ نے حدیث **من ادرک رکعة من العصر** کے بارے میں کہا کہ یہ اس کے لئے صریح دلیل ہے کہ جو شخص ایک رکعت صبح یا عصر کی پڑھ لے، پھر وقت نکل جائے تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی بلکہ اس کو پورا کر لے گا اور وہ صحیح ہوگی اور یہ مسئلہ عصر کے بارے میں مجمع علیہ ہے، لیکن صبح میں اس کے قائل ائمہ ثلاثہ اور سارے ہی علماء امت ہیں بجز امام ابوحنیفہؒ کے انہوں نے فرمایا کہ صبح کی نماز طلوع شمس سے باطل ہو جائے گی، کیونکہ ممانعت صلوٰۃ کا وقت داخل ہو گیا، بخلاف غروب شمس کے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

حضرت شاہ صاحب کا افادۂ خصوصی

حضرتؒ نے فرمایا کہ بخاری کی اس حدیث الباب کو علماء حنفیہ نے بھی مواقیت پر محمول کیا ہے، جس کا مفاد یہ ہوگا کہ دوسری رکعت طلوع یا غروب کے بعد پڑھی جا سکتی ہے اور اس طرح اسی مسئلہ میں حنفیہ کا باہم اختلاف ہوگا، جو اوپر ذکر کیا گیا ہے مگر میرے نزدیک یہ حدیث بھی دوسری احادیث کی طرح مسبوق کے حق میں ہے اور مواقیت سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے، لہٰذا باہمی اختلاف کی صورت میں یہاں سامنے آئے گی اور دلیل میری یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ والی چند جگہ اور آئی ہے اور سارے ہی حنفیہ متفق ہیں کہ وہ سب حدیثیں مسبوق کے بارے میں ہیں۔

(۱) مسلم شریف وغیرہ کی حدیث **من ادرک رکعة من الصلوٰة فقد ادرک الصلوٰة**، اس میں اور بخاری کی حدیث الباب میں کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ یہ سب نمازوں کے لئے عام ہے اور حدیث الباب صرف فجر وعصر کے لئے ہے اور ان کی تخصیص کا نکتہ یہ ہے کہ وہ دونوں بعض اوصاف میں مشترک ہیں، مثلاً دونوں کے التزام واہتمام پر رؤیت باری کا وعدہ ہے اور حدیث **من صلے البردین دخل الجنة** بھی ہے اور قرآن مجید کی بھی بہت سی آیات میں ایک ساتھ ذکر ہوئی جیسے **وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** اور تمام حنفیہ متفق ہیں کہ حدیث عام قطعاً بحق مسبوق ہے، کیونکہ مسلم شریف میں دوسرے طریق سے **من ادرک رکعة من الصلوٰة مع الامام** فقد ادرک وارد ہے، اس میں تصریح مسبوق کی ہے، جبکہ ان دونوں کی سند واحد ہے، لہٰذا دونوں کے اتحاد کا دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے کہ کبھی راوی نے تعمیم کر دی اور کبھی تخصیص اور اس کو باب اختلاف رواۃ یا اختلاف راوی میں سے بھی قرار دے سکتے ہیں، پس ایک کی قید کو دوسری میں ثابت کر سکتے ہیں اور دونوں کو مسبوق یا نصاً محمول کر سکتے ہیں، تاہم میں نے ان دو کو حدیث مان کر ہی دونوں کو بحق مسبوق قرار دیا ہے۔

(۲) (راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری میں بھی حدیث نمبر ۵۵۰ مسلم شریف کی مندرجہ بالا عام حدیث کی طرح ہے بعینہ)

(۳) نسائی شریف باب **من ادرک رکعة من الصلوٰة** میں حضرت سالمؓ سے حدیث **من ادرک رکعة من صلوة من الصلوت فقد ادرکھا الا انه یقضی مافاته**، دوسری حدیث حضرت سالمؒ عن ابیہ سے ہے **من ادرک رکعة من الجمعة او غیرھا فقد تمت صلوته**، یہ دونوں بحق مسبوق ہیں۔

(۴) ابوداؤد شریف **باب الرجل یدرک الامام ساجد اکیف یصنع** میں بھی حدیث ابی ہریرہؓ ہے:- **اذا جئتم الی**

الصلوة و نحن سجودنا سجد واولا تعدوها شيئا ومن ادرک رکعة فقد ادرک الصلوة.

(۵) علامہ عینی نے دارقطنی سے حدیث نقل کی من ادرک صلوة رکعة قبل ان یقیم الامام صلبه فقد ادرکها، یہ بھی صریح حکم مسبوق ہے اور حدیث ابوداؤد پر امام بخاری نے کچھ نقد بھی کیا ہے، مگر یہ صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں یہ تو دعوے نہیں کرتا کہ حدیث ایک ہی ہے، البتہ یہ کہتا ہوں کہ احادیث ماثورہ میں اختلاف لفظی ہے جو راویوں کی طرف سے آیا ہے بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس متعدد احادیث نبویہ ہوں جو ان کو مختلف اوقات میں حاصل ہوئی ہوں گی اور حضور علیہ السلام نے ان کو مختلف اوقات میں مختلف ارشادات کئے ہوں، مگر سب کا مفاد و حکم ایک ہی ہے، جو باوجود اختلاف تعبیرات کے بدل نہیں سکتا۔

حدیث بیہقی کی تحقیق

حضرتؒ نے فرمایا کہ حدیث کے الفاظ فقد ادرک الصلوٰة یا فلیصل الیها رکعة اخری یا فلیضف یا فلیتم صلوة وغیرہ کو بلا کسی تکلیف کے مسبوق کے حق میں شمار کر سکتے ہیں لیکن حدیث بیہقی کے یہ الفاظ من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس و رکعة بعد ما تطلع الشمس فقد ادرک الصلوة بتلاتے ہیں کہ حدیث وقت وقت کے بارے میں ہے، مسبوق کے بارے میں نہیں اور یہ کہ رکعت طلوع شمس کے بعد پڑھی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ سے سہو ہو گیا کہ اس حدیث کو باب مواقیت میں لے آئے حالانکہ وہ فجر کی سنتوں کے بارے میں ہے اور حدیث مشارالیہ زیادہ صحیح طور پر ترمذی شریف میں ہے مرفوعاً حضرت ابو ہریرہؓ سے کہ جو شخص صبح کی دو رکعت (سنت) نہ پڑھے تو ان کو طلوع شمس کے بعد پڑھ لے، علامہ ذہبی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے تو اصل حدیث تو یہ تھی، اس کو راویوں نے بدل دیا اور یہ حدیث میرے پاس اکیس طریقوں سے موجود ہے، ان سب کا مدار حضرت قتادہ پر ہے اور راوی صحابی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں پھر بعض نے تو مسئلہ اداء سنن فجر بعد الطلوع کی صراحت کر دی اور بعض نے مبہم طور سے ایسے الفاظ روایت کر دیئے جو حافظؒ نے نقل کئے ہیں، حالانکہ ان کی مراد بھی رکعت سے نماز ہی تھی اور رکعت قبل طلوع سے نماز صبح کے فرض مراد لئے تھے اور رکعت بعد الطلوع سے سنت فجر کا ارادہ کیا تھا، اور اس قسم کی تخلیط راویوں سے بہت ہوتی رہتی ہے، جس کو فن حدیث و رجال کے واقف جان لیتے ہیں۔

رکعتی الفجر کی دلیل

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دلیل رکعتی الفجر کے ہونے کی یہ بھی ہے کہ ان طرق میں کسی طریق میں عصر کا کوئی ذکر نہیں ہے، اگر یہ بھی اسی حدیث عام (زیر بحث) کے زمرے سے ہوتی تو اس میں بھی عصر کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔

ادراک رکعت سے ادراک جماعت کا حکم

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے لئے پورے غور و فکر اور کثیر مطالعہ کے بعد یہ بات منقح ہو گئی ہے کہ حدیث من ادرک رکعة والی باب اجتماع و جماعت میں وارد ہوئی ہے تاکہ اس امر کی تعلیم دے کہ کتنا حصہ پا لینے سے جماعت کی نماز پانے والا اقرار پائے گا اور شریعت نے اس کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے اور بتلایا کہ کم سے کم ایک رکعت امام کے ساتھ پالے تو مدرک جماعت ہوگا اور اس سے کم میں نہ ہوگا اگرچہ فضیلت جماعت حاصل ہو جائے گی۔

حقیقت ادراک: یہ ہے کہ کوئی چیز فوت ہونے کے قریب ہو اور اسے کوشش کر کے پالیا جائے، جیسے دوڑ میں کوئی آگے نکل جائے تو کوشش کر کے اس کو پکڑ لیا جائے، یہی حال مدرک صلوة امام کا ہے کہ امام کئی رکعت پڑھ کر آگے بڑھ گیا ہے اور اس نے آخری رکعت میں

شریک ہوکر اس کو پالیا، شریعت نے اس کی کوشش کی وجہ سے اس کو پوری نماز میں شرکت کرنے والوں کے ساتھ شامل کر دیا، جس طرح رکوع میں شامل ہو جانے والے کو پوری رکعت پڑھنے والوں کے برابر کر دیا، اور فاتحہ بھی اس سے ساقط کر دی، پس تکبیر تحریمہ تو مقام سبقت ہے، موضع آمین مقام جمع ہے، جو نقطہ مرکز دائرہ بھی اور مجتمع الملائکہ والناس بھی ہے، رکوع مقام احتساب ہے، پھر اگر آمین کا مقام فوت ہو جائے تو موضع تحمید سے تلافی ہوگی کہ اس میں بھی فرشتے شرکت کرتے ہیں۔

ابتداء سمع اللہ لمن حمدہ: حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ دیر سے پہنچے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہوئے، پھر رکوع سے اٹھتے ہوئے تحمید کی، گویا نماز کا خلاصہ پیش کیا، نماز سے فارغ ہو کر حضور علیہ السلام کے پاس وحی آئی کہ خدا نے حمد کرنے والے کی آواز سن لی اور اس کے بعد سے ہی **سمع الله لمن حمده** کہنے کا حکم ہوگیا، جبکہ پہلے رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے بھی تکبیر ہی کہی جاتی تھی۔

عصر کا وقت مکروہ: اوپر کی تحقیق سے واضح ہوگیا کہ اصفرار شمس سے غروب شمس تک وقت نماز عصر کے لئے وقت مکروہ اور حضور علیہ السلام نے جو دوسرے دن آخری وقتوں میں نماز عصر پڑھ کر بتلائی تھیں، تو عصر کی نماز ختم ہوتے ہی صحابہ کا کہنا ہے کہ سورج میں سرخی آ گئی تھی اور اسی لئے حنفیہ کا راجح مسلک وہ ہے جو امام محمدؒ نے بتلایا کہ اسفرار شمس سے قبل عصر پڑھ لی جائے اور جن حضرات حنفیہ نے غروب تک کی عصر کی نماز کو بھی مکروہ قرار نہیں دیا وہ مرجوع ہے بلکہ اس کو مسلک حنفی نہ کہا جائے تو بہتر ہے اسی لئے حضرت شاہ صاحبؒ بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، کہ کچھ حنفیہ نے امام محمدؒ کی تصریح کو نظر انداز کر دیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ عصر میں زیادہ تاخیر کرتے ہیں وہ بھی مسلک حنفی کی صحیح رعایت نہیں کرتے، حضرت شاہ صاحبؒ نے مسجد دارالعلوم دیوبند کی نماز عصر کی زیادہ تاخیر کو بھی ناپسند کیا تھا۔

ائمہ اربعہ کا اتحاد: یہاں غالباً اس امر کا اظہار بھی بے محل نہ ہوگا کہ جن حضرات نے امام اعظمؒ کا مسلک نماز عصر کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے ساتھ متحد بتلایا ہے وہ ان کی مسامحت ہے کیونکہ اوپر کی تفصیل سے یہ بات نکھر جاتی ہے کہ امام صاحب کا مسلک جواز عصر یومیہ وقت مکروہ (اصفرار) میں شروع اور اسی پر ختم ہے نہ کہ وہ کچھ نماز عصر غروب سے قبل اور کچھ بعد میں جو دوسرے ائمہ کا مسلک ہے، لہٰذا اگر عصر کی نماز ختم کرنے سے قبل بھی غروب شروع ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی جس طرح صبح کا حکم ہے، یعنی طلوع و غروب حقیقی کے وقت شارع علیہ السلام کی ممانعت نماز کی وجہ سے صبح و عصر دونوں نمازوں کا حکم ایک ہے، البتہ غروب شرعی (اصفرار) مبطل صلوۃ یومیہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ انما بقاءکم: بخاری کی پہلی حدیث الباب پر کلام گذرا، اب دوسری و تیسری باقی ہے اور دونوں کا مضمون تقریباً مشترک ہے، تشریح و بحث سے قبل مختصر مطلب کو اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ گذشتہ امتوں کی نسبت سے تمہاری دنیا میں بقاء و رہائش اتنی ہے جتنی کہ عصر سے مغرب تک مدت ہوتی ہے، اہل توراۃ کو عمل کے لئے حکم ہوا تو دو پہر تک کام کر کے عاجز ہو گئے، لہٰذا مقررہ اجرت ایک ایک قیراط دے دی گئی، پھر اہل انجیل کو کام سپرد کیا تو انہوں نے عصر کے وقت کام چھوڑ دیا اور پورا نہ کیا، ان کو بھی ایک ایک قیراط دے کر رخصت کر دیا گیا تب ہمیں قرآن مجید دیا گیا کہ اس پر عمل کریں، اور ہم نے غروب تک عمل میں مشغول رہ کر دن پورا کر دیا، لہٰذا حق تعالیٰ نے کام کی تکمیل سے خوش ہوکر ہمیں دو دو قیراط عطا فرما دیئے، دونوں اہل کتاب نے شکایت کی کہ بار الہا! ہم نے تو زیادہ عمل کیا تھا (اجرت میں کمی کیوں ہوئی؟) حق تعالیٰ نے فرمایا:- کیا میں نے تمہاری مقررہ اجرت سے کچھ کم کیا (حالانکہ تم نے پورے دن کام بھی نہ کیا) وہ بولے نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر یہ تو میرا فضل و انعام ہے، جس کو چاہوں زیادہ دیدوں (یعنی کمی پر تو اعتراض کی گنجائش ہے، زیادہ پر نہیں)

دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں کو صبح سے رات کے لئے کام پر لگایا لیکن انہوں نے دو پہر تک کام کر کے کہا کہ اب ہمیں کام نہیں کرنا نہ تمہاری اجرت کی ضرورت ہے، اس شخص نے دوسروں کو کام پر رکھا کہ باقی دن کام کرو تمہیں بھی مقررہ اجرت دوں گا، نماز عصر تک کام کر کے انہوں نے بھی چھوڑ دیا تو اس نے دوسرے لوگوں سے کام پورا کرانا

چاہا، انہوں نے آخر دن تک جم کر کام کیا اور پورا کر دیا، اس شخص نے خوش ہو کر ان کو ڈبل اجرت دے دی، اب سوال یہ ہے کہ تشبیہ کا مقصد کیا ہے، بعض نے کہا کہ پہلی امتوں کو مدت زیادہ ملی اور اس امت کو کم، پہلی امتوں کے لوگوں کی عمریں بڑی تھیں، ان کی تھوڑی ہیں، بعض نے کہا کہ مجموعی لحاظ سے زمانہ اور عمروں کی کمی بیشی مراد ہے اور یہی ظاہر ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ساری دنیا کو سالوں، مہینوں اور دنوں کے لحاظ سے ایک دن مان لیا جائے تو اس امت کا وقت مثل وقت عصر تا غروب ہوگا، یعنی بہ نسبت گذشتہ مدت مدید کے دنیا کی عمر بہت کم رہ گئی ہے، پھر فرمایا کہ اس امت کی ترقی کا دور ایک ہزار سال رہا، جیسا کہ شیخ اکبر، حضرت مجدد صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب اور قاضی ثناء اللہ صاحب کی رائے ہے اور اس کی تائید حدیث ابوداؤد سے بھی ہوتی ہے کہ میری امت کے لئے آدھا دن ہے اگر وہ مستقیم رہے تو باقی دن بھی استقامت کے ساتھ گذار لیں گے، ورنہ پہلوں کی طرح ہلاک ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے عروج کے پانچ سو ۵۰۰ سال

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ابوداؤد باب قیام الساعۃ میں حدیث ہے کہ حق تعالیٰ اس امت کو آدھے دن کے عروج سے عاجز یا محروم نہ کرے گا، دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے توقع ہے کہ میری امت حق تعالیٰ کی جناب میں اتنی وجاہت ماننے سے عاجز

۱؎ فیض الباری ص ۱۲۵ ج ۲ میں سبقت قلم سے حوالہ ابن ماجہ کا غلط اندراج ہو گیا، میری یادداشت میں ابوداؤد کا حوالہ ہے اور وہی صحیح ہے اگر مؤلف فیض الباری مراجعت کر لیتے تو یہ غلطی نہ ہوتی اور افسوس ہے کہ اس قسم کی غلطیوں کو ہی حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب سمجھ کر حضرت کے فضل و تبحر کے بارے میں غلط فہمی ہوگی اور ایسی اغلاط حضرتؒ کے تمام امالی مطبوعہ میں بہ کثرت ہیں، بجز معارف السنن للبنوری کے کہ وہ پوری تحقیق و مراجعت فرماتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ حضرتؒ کی طرف غلط انتسابات نہ ہوں، ان کے بعد راقم الحروف بھی قلیل بضاعت کے موافق سعی کرتا ہے واللہ المعین، حال ہی میں ''الانور'' کے نام سے محترم جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب کوندو (کشمیری) نے حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات پر کتاب تالیف کی ہے جو ندوۃ المصنفین سے نہایت عمدگی کے ساتھ شائع بھی ہوگئی ہے، اس میں جو مضمون مولانا عبدالعلیم چشتی کراچی کا شائع ہوا ہے وہ نہایت اہم اور تحقیقی ہے، انہوں نے یہ بات بہت ہی صحیح لکھی ہے کہ حضرتؒ کے امالی درس حدیث جن حضرات نے قلمبند کئے ہیں، وہ حضرتؒ کے علوم کی گہرائی تک پہنچنے سے قاصر تھے، حتیٰ کہ مولانا گیلانی بھی باوجود اپنے وسیع و عمیق علم و فضل کے اور میں کہتا ہوں کہ حضرتؒ کے امالی قلمبند کرنے کے لئے جتنے وسیع علم و مطالعہ کی ضرورت تھی کہ ایک من علم کے لئے دس من عقل کی ضرورت تو مسلم ہی ہے، اس کے ساتھ بیس من مطالعہ کی بھی ضرورت ہے، اس کے بغیر حضرت شاہ صاحب ایسے فرید عصر، یگانہ روزگار و محدث محقق کے علوم کو ضبط تحریر میں لانا جوئے شیر لانے کے مرادف تھا، یہ بات بہت لمبی ہے اور حضرتؒ کے علوم عالیہ ضائع ہونے کے کیا کیا اسباب ہوئے، کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستان اس کی''۔

ایک بڑی وجہ فیض الباری میں غلطیوں کی یہ بھی ہوئی ہے کہ حضرتؒ کے آخری دو سالوں میں احقر اور مولانا بدر عالم صاحب دونوں درس بخاری شریف میں حاضر ہوتے تھے اور دونوں ہی حضرتؒ کے ارشادات نوٹ کرتے تھے، مگر بعد میں حضرتؒ کی اردو تقریر کے الفاظ بعینہ ضبط کرنے کی کوشش کرتا تھا اور وہ ان کی عربی بنا کر لکھتے تھے، اور سنا کہ یہی طریقہ صاحب ''العرف الشذی'' نے بھی اپنایا تھا۔

حضرتؒ چونکہ تیزی روانی کے ساتھ اردو بولتے تھے، اس لئے بہ یک وقت ضبط کرنے اور عربی بنانے کی ڈبل ذمہ داری کو پورا کرنا بہت دشوار تھا، اور میں نہ صرف درس کے بلکہ حضرت کے مجلسی ارشادات بھی قلمبند کرنے کا عادی ہو گیا تھا، پھر یہ کہ مولانا موصوف بعد کو مراجعت کتب بھی اپنے درس وغیرہ کی مشغولی کے باعث نہ کر سکے ورنہ ضبط امالی میں جو غلطیاں حوالوں کی ہوگئی ہیں وہ تو صحیح کر ہی سکتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و تحقیقات عالیہ کو پیش کرنا تو بڑی بات ہے، جو کتابیں آپ کی سوانح حیات پر لکھی گئی ہیں ان میں بھی غلطیاں کم نہیں ہیں، بجز نفحۃ العنبر للبنوری کے، مثلاً کسی نے لکھ دیا کہ حضرتؒ نسباً سید تھے، حالانکہ آپ کا شجرۂ نسب امام اعظمؒ کے خاندان سے متعلق ہے، کسی نے لکھ دیا کہ آپ مصر و شام گئے تھے، حالانکہ آپ صرف حرمین شریفین تشریف لے گئے تھے اور کافی قیام فرما کر وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ فرمایا تھا، ہمیں تو بڑا افسوس ہے کہ اگر دارالعلوم والے حضرتؒ کو مصر و شام وترکی بھیج دیتے اور آپ سے صحاح ستہ کی شروح لکھوا لیتے تو آج علم کی دنیا ہی دوسری ہوتی۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میری علمی یادداشتوں سے تین بکس بھرے ہوئے گھر پر ہیں، مگر وہ سب کیا ہوئے؟ ہمیں تو کچھ بھی نہ ملا حضرت نے نوادر کتب خریدنے پر بڑی رقوم صرف کی تھیں اور ان پر حواشی درج کئے تھے، مگر وہ بھی حضرتؒ کے انتقال کے بعد میں نہ مل سکیں اور جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ فروخت کی گئی ہیں تو جو کچھ بچی تھیں مجلس علمی ڈابھیل کے لئے خرید کیں، وہ کراچی میں موجود ہیں، مگر بہت بڑا اور گراں قدر حصہ بہت پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (مؤلف)

نہیں ہے کہ وہ آدھے دن تک ان کو سر بلندی کا موقع میسر کرے، راوی حدیث حضرت سعد بن وقاصؓ سے پوچھا گیا کہ آدھا دن کتنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ پانچ سو سال، حاشیہ میں صاحب فتح الودود نے محدث سہیل کا قول نقل کیا کہ اس حدیث میں زیادہ کی نفی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی مروی ہے کہ اگر میری امت کے احوال اچھے رہے تو اس کے عروج کا بقاء آخرت کے ایک دن کے برابر ہوگا ورنہ آدھے دن کے برابر رہے گا، لمعات میں ہے کہ عدم عجز کفایہ ہے حق تعالیٰ کے یہاں قرب و منزلت حاصل کرنے سے، یعنی اس کی وجہ سے امت کو پانچ سو سال تک سربلند رہنے کا موقع میسر ہوتا رہے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ سب علماء پر اس امر پر اتفاق ہے کہ دن سے مراد آخرت کا دن ہے، جو قرآن مجید کی رو سے ایک ہزار سال کا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ بڑا واہیہ اور فتنۂ عظیمہ تاتار والا پانچ سو سال کے بعد پیش آیا تھا جس سے دین کی بنیادیں ہل گئی تھیں، مگر حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا کہ ایک ہزار سال کی مدت پوری فرمادی، اس مدت میں اسلام سارے ادویان و ملل پر شرق و غرب میں غالب رہا، اور اس کی شان و شوکت باقی رہی، کسی حکومت کو سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی، یہی دور غلبۂ امت محمدیہ کا تھا، اسکے بعد عالم اسلام پر یورپ کا تسلط ہوا اور زوال شروع ہوگیا، سرمیور نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کیا کہ گیارہویں صدی کے پہلے سال میں انگریزوں نے بلاد اسلام کا رخ کیا ہے، شیخ اکبر کا بھی کشف یہی تھا کہ ایک ہزار سال تک اسلام کا دبدبہ رہے گا، غالباً شیخ مجدد، شاہ عبدالعزیز اور قاضی ثناء اللہ نے بھی شیخ سے ہی لیا ہوگا۔

حاصل تشبیہیں: حدیث ابن عمرؓ اور حدیث ابی موسیٰؓ دونوں کی تشبیہوں کا حاصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اعتبار مجموعہ اور خاتمہ کا ہے، جو شخص آخر دن میں داخل ہوگا وہ اول دن میں داخل ہونے والے کے برابر اس دن کا اجر پائے گا اور باب اجتماع میں یہی اصول چلتا ہے، کیونکہ جن امور میں شرکت کے لئے بہت سے لوگوں کو بلایا جاتا ہے ان میں سب کی شرکت یک دم ممکن نہیں، لہٰذا آگے پیچھے ہی داخل ہوتے ہیں، نفس دخول میں سب برابر سمجھے جاتے ہیں اگرچہ اجر و انعام میں متفاوت ہوں، اس کو یوں سمجھو کہ حق تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا اور اس میں ایک ضیافت کا اہتمام فرمایا اور سب کو دعوت دی، پھر کسی نے اجابت کی، کسی نے اعراض کیا اور ہم نے آخر میں داخل ہو کر پورے دن کا اجر موعود حاصل کیا، پس ساری دنیا خدا کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے اور اس میں آنے والوں کے ذمہ آخر دن کا کام بتلا دیا گیا ہے، جو عاجز و درماندہ ہو کر بیٹھ گیا، اس کا اجر کم ہوگیا اور جو کام میں لگا رہا وہ پورے اجر کا مستحق ہوگیا، آخر دن تک کام کرنے والوں کے لئے دو قیراط ازل سے لکھے ہوئے تھے، اور اتفاق سے ہمیں آخر دن میں بلا کر کام پر لگایا اور ہم نے کام آخر رات تک پورا کر دیا تو ہمیں پورے دو قیراط مل گئے، کیونکہ خدا کے یہاں تو مجموع عمل اور خاتموں کا اعتبار تھا، اس پوری تفصیل سے ان دونوں حدیثوں کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی معلوم ہوگئی کہ نظر شارع میں رکوع کا مدرک رکعت کا مدرک ہوتا ہے اور رکعت کا مدرک نماز کا مدرک ہوتا ہے، جس طرح ایک شخص آخر دن میں شریک عمل ہونے والا ہے، اول دن میں شریک عمل ہونے والے کی طرح ہوتا ہے۔

اس تحقیق کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں ایک بحث اور باقی رہی کہ پہلی امتوں نے کیا کمی چھوڑی تھی اور ہم نے کس چیز کو مکمل کیا، اگر شریعت مراد ہو تو اس کی اطاعت میں کمی و تقصیر ہم سے بھی ہوئی ہے جیسے پہلوں سے ہوئی تھی، کہ ہم میں بھی عاصی و مطیع ہیں، پھر اگر مقابلہ اس امت کے افاضل کا سابقین کے افاضل ہو تو یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس امت کے افاضل و خیار اور برگزیدہ حضرات کی تعداد بہ نسبت سابقین افاضل کے ضرور زیادہ اور بہت زیادہ ہے اور اگر مقابلہ کمتر و ارذل سے کیا جائے تو برابری معلوم ہوتی ہے اور حضور علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ برائیوں میں پہلوں کا بھرپور اتباع کرو گے تو بہتر توجیہ یہ ہے کہ اس امت کا مقابلہ پہلی امتوں سے، بحیثیت مجموعی کیا جائے کہ ان میں ان سے زیادہ بہتر قسم کے لوگوں میں ہیں، کیونکہ اتباع والی حدیث میں بھی قلت و کثرت کا کوئی ذکر نہیں ہے، غرض کم و کیف دونوں لحاظ سے یہ امت پہلی امتوں پر خیر میں بڑھ گئی ہے۔

ظہر وعصر کا وقت: آخر میں حضرتؒ نے فرمایا کہ قاضی ابوزید دبوسیؒ جواز کیائے امت میں سے تھے، اور سب سے پہلے انہوں نے علم الخلاف کو مدون کیا ہے (یہ فن فقہ سے اعم اور اصول فقہ سے نیچے ہے یعنی دونوں کے درمیان ہے) آپ نے حدیث مذکور انما اجلکم سے وقت ظہر کے دو مثل تک رہنے پر استدلال کیا ہے اور کہا کہ اگر ظہر کو صرف ایک مثل تک مانیں اس کے بعد عصر کا شروع کردیں تو ظہر وعصر کا وقت برابر ہو جائے گا، جبکہ حدیث بتلانا چاہتی ہے کہ نصاریٰ کا وقت بھی اس امت کے زیادہ تھا اور اس امت کا کم ہے، کیونکہ دونوں اہل کتاب نے کہا کہ ہمارا کام زیادہ وقت کا ہے (ونحن اکثر علما) اس استدلال پر ابن حزم نے سخت نکتہ چینی کی ہے اور کہا کہ پہلے ہی مثل میں اتنا وقت گذر جائے گا کہ عصر کا کم رہ جائے گا، کیونکہ سایہ ٹاپیں مارتا جاتا لیجاتا ہے، اسی لئے پہلا مثل زیادہ وقت کا ہے، پھر دوسرا اس سے سریع اور تیسرا اس سے زیادہ سریع گذرتا ہے، میں کہتا ہوں کہ اعتراض درست ہے مگر اس سرعت کو ریاضی دان ہی سمجھ سکتے ہیں، تشبیہ کا موقع ہر شخص کے سمجھنے کا ہوتا ہے اس لئے ایک مثل جب کچھ زیادتی ہی مانیں گے تو وقت ظہر کی زیادتی اور عصر کی کمی محسوس ہو سکے گی، اور مثل سے کچھ اوپر تک وقت ظہر امام محمدؒ بھی کہتے ہیں اور حنفیہ کا تاخیر عصر کے لئے استدلال بھی درست ہے، جس کی تفصیل گذر چکی ہے، باقی علامہ دبوسی نے اس تاخر کو توقیت میں ڈال دیا یہ ان کی اپنی رائے ہے۔

آخری فیصلہ: حضرتؒ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ دو حدیثوں[1] میں الگ الگ مضمون بیان ہوئے ہیں، پہلی میں انما اجلکم یا انما بقاءکم سے اس امت کے لئے کمی وقت کا بیان ہوا ہے، بہ نسبت امم سابقہ کے، اور اس کو دوسری احادیث میں بھی بقدر تواتر بیان کیا گیا کہ اس امت کا وقت بہت کم ہے چنانچہ فرمایا گیا **بعثت انا والساعہ کھاتین** ، یعنی اپنی بعثت اور قرب قیامت کو دو انگلیوں کے قرب سے متمثل فرمایا، چنانچہ علماء نے اس امت کے زمانہ کا اندازہ دن کے سدس سے کیا (جیسا کہ علامہ شامی نے اہل بلغاریہ کے مسئلہ میں ذکر کیا) یا بقدر خمس کے جیسا کہ فتح ۳۰۲ ج ۱۱ طبع قدیم میں ہے (فیض ص ۱۲۸ ج ۲) لہٰذا اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال صحیح ہے اور بلا شک وقت ظہر کو ایک مثل سے زیادہ ماننا پڑے گا تا کہ وقت عصر کم رہے جو حدیث کا مقتضیٰ ہے، دوسری سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔

جس میں اہل کتاب اور مسلمانوں کی مثال بحیثیت قبول وعدم قبول ہدایت بیان ہوئی ہے کہ دوسرے اجیروں نے کہا **لا حاجۃ لنا الی اجرک** اور **لک ما عملنا** (ہمیں تمہارے اجر کی ضرورت نہیں یا کردیا تمہارا کام جتنا کرنا تھا) اس مثال سے یہود ونصاریٰ کے اعراض وعدم قبول حق کی طرف اشارہ ہے اور پھر مسلمانوں کے قبول حق اور کام پورا کرنے کا حال ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ دونوں حدیثوں کے الگ الگ دو قصے اور جدا جدا مضمون ہونے کو ان کے تحت تشریح میں حافظؒ نے بھی فتح الباری ص ۲۷ ج ۲ میں ذکر کیا ہے، بلکہ حافظ نے یہ بھی لکھا کہ جس نے ان دونوں کے مضمون کو ایک قرار دینے کی سعی کی، اس نے غلطی کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] بخاری کتاب الاجارہ ص ۳۰۲ میں باب الاجارۃ الی نصف النہار اور باب الاجارۃ الی الصلوۃ العصر اور باب الاجارۃ من العصر الی اللیل میں تین حدیثیں بیان ہوئیں، پہلی دونوں حضرت عمرؓ اور تیسری حضرت موسیٰؓ سے اس آخری میں یہ بھی ہے کہ دوسرے اجیروں نے جب عصر تک کام کر کے چھوڑ دیا تو ان سے کہا گیا کہ اب تو دن کا حصہ تھوڑا سا ہی رہ گیا ہے اس کو پورا کردو پھر بھی انہوں نے انکار کردیا، تب عصر سے مغرب تک کام لینے کے لئے نئے اجیروں کو لینا پڑا، وہ آخری امت کی مثال ہے، اس سے بھی امت محمدیہ کے لئے وقت کم اور اجرت زیادہ کی بات ثابت ہوئی اور عصر سے مغرب تک وقت کم ہونا بھی ثابت ہوا، پھر حدیث میں **فذلک مثلھم و مثل ما قبلوا من ھذا النور** سے اشارہ قبول وعدم قبول ہدایت کی طرف واضح ہے، حافظ اور عینی نے کتاب المواقیت میں بھی اور یہاں بھی کچھ کچھ لکھا ہے دیکھ لیا جائے۔ (مؤلف)

باب وقت المغرب وقال عطآء يجمع المريض بين المغرب والعشآء.

(مغرب کے وقت کا بیان،عطاء نے کہا کہ بیمار مغرب اور عشاء کی نماز ساتھ پڑھ سکتا ہے)

۵۲۹. حدثنا محمد بن مهران قال حدثنا الوليد قالحدثنا الاوزاعی قال حدثنی ابو النجاشی اسمه عطاء بن صهيب مولیٰ رافع بن خديج قالسمعت رافع بن خديج يقول كنا نصلی المغرب مع النبی ﷺ فينصرف احدنا وانه ليبصر مواقع نبله.

۵۳۰. حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة عن سعد عن محمد بن عمرو بن الحزبين علی قال قدم الحجاج فسألنا جابربن عبدالله فقال كان النبی ﷺ يصلی الظهر بالهاجرة والعصر الشمس نقية والمغرب اذا وجبت والعشآء احيانا و احيانا اذا راهم اجتمعو عجل واذا راهم ابطاؤا اخرو الصبح كانوا او كان النبی ﷺ يصليها بغلس.

۵۳۱. حدثنا المكی بن ابراهيم قال حدثنا يزيد بن ابی عبيد عن سلمة قال كنا نصلی مع النبی ﷺ المغرب اذا تورات بالحجاب.

۵۳۲. حدثنا ادم قال حدثنا شعبة قال حدثنا عمرو بن دينار قال سمعت جابر بن زيد عن ابن عباسؓ قال صلے النبی ﷺ سبعا جميعا و ثمانياً جميعا.

ترجمہ۵۲۹: حضرت عطاءؒ (حضرت رافع بن خدیج کے آزادکردہ غلام) روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز پڑھتے تھےتو ہم میں سے ہر ایک (نماز پڑھ کے) ایسے وقت لوٹ آتا تھا کہ وہ اپنے تیر کے گرنے کے مقام کو دیکھ سکتا تھا۔

ترجمہ۵۳۰: حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علیؓ (ابن ابی طالب) روایت کرتے ہیں کہ حجاج نماز میں بہت تاخیر کردیتا تھا ہم نے جابر بن عبداللہ سے (اس کی بابت) پوچھا، انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز دوپہر کو پڑھتے تھے اور عصر ایسے وقت کہ آفتاب صاف ہوتا تھا اور مغرب کی جب آفتاب غروب ہوجاتا، اور عشاء کی کبھی کسی وقت، کبھی کسی وقت، جب آپ دیکھتے کہ لوگ جمع ہوگئے ہیں، جلد پڑھ لیتے اور جب آپ دیکھتے کہ لوگوں نے دیر کی، تو دیر میں پڑھتے اور صبح کی نماز وہ لوگ، یا یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

ترجمہ۵۳۱: حضرت سلمہ (ابن اکوعؓ) روایت کرتے ہیں کہ آفتاب غروب ہوتے ہی ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز ادا کرلیا کرتے تھے۔

ترجمہ۵۳۲: حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (مغرب اور عشا کی) سات رکعتیں ایک ساتھ پڑھیں، اور (ظہر وعصر) کی آٹھ رکعتیں ایک ساتھ پڑھیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:-نماز مغرب کا وقت اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، اس لئے اس کا وقت بتلانے کی ضرورت نہ ہوئی، امام بخاری نے قال عطاء سے مریض کے لئے جواز جمع بین الصلا تین ثابت کیا، اور آخری حدیث الباب بھی اس کیلئے لائے ہیں مگر ہم اس کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں، **قولہ اذا رآھم** سے بتلایا کہ مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے اور بیہقی میں حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، پھر جب دیکھتے کہ لوگ جمع نہیں ہوئے تو بیٹھ جاتے تھے اور ابوداؤ د باب الصلوۃ تقام میں بھی ہے، کہ حضور علیہ

السلام اقامت نماز کے وقت اگر دیکھتے کہ لوگ کم ہیں تو بیٹھ جاتے تھے، نماز شروع نہ کرتے تھے اور جب دیکھتے کہ سب آ گئے تو پڑھاتے تھے۔

باب من کره ان یقال للمغرب العشآء

(اس شخص کا بیان جس نے اس کو مکروہ سمجھا ہے کہ مغرب کو عشا کہا جائے)

۵۳۳. حدثنا ابو معمر هو عبدالله بن عمرو قال حدثنا عبدالوارث عن الحسین قال حدثنا عبدالله بن بریدة قال حدثنی عبدالله المزنی ان النبی ﷺ قال لا یغلبنکم الاعراب علے اسم صلٰوتکم المغرب قال ویقول الاعراب هی العشاء.

ترجمہ ۵۳۳: حضرت عبداللہ مزنی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اعراب مغرب کی نماز کو عشاء کہتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم پر (اس اصطلاح) میں غالب آ جائیں (لہٰذا تم غروب آفتاب کے بعد والی نماز کو مغرب اور اس کے بعد والی کو عشا کہا کرو)

تشریح: حافظؒ نے علامہ ابن المنیر سے نقل کیا کہ امام بخاری نے یہاں **باب من کره ان یقال** لکھا اور باب کراہیۃ ان یقال جزم کے ساتھ نہ کہا، شاید اس لئے کہ حدیث الباب کو مطلق نہی کے لئے نہ سمجھا ہو، حالانکہ اس میں غلبۂ اعراب سے نہی صاف موجود ہے، پھر بھی امام بخاری نے اس کو ممانعت کے لئے کافی نہ سمجھا (فتح ص ۳۰ ج ۲) دبے ہوئے الفاظ میں یہ ابن المنیر کا نقد امام بخاری کے ترجمۃ الباب پر ہے اور حافظ کا اس کو نقل کرنا بھی اہم ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ممانعت یہاں اس لئے بھی ہے کہ اعراب نام رکھنے میں برعکس طریقہ اختیار کرتے تھے، مثلاً یہاں مغرب کو عشاء کہتے تھے، جبکہ مغرب سے غروب کا اول وقت مراد ہوتا ہے اور عشا کا اطلاق شفق غائب ہونے کے وقت پر ہوتا ہے، یعنی اول وقت کو آخر وقت کا نام دینا بڑے مغالطہ میں ڈال دیتا ہے، اس لئے شریعت نے اس کی اصلاح کی اور چونکہ اس کے برعکس نام رکھنے کے طریقہ کو جزم کے ساتھ ممنوع فرما دیا گیا ہے، اسی لئے حضور علیہ السلام سے مغرب پر عشاء کا اطلاق کسی حدیث میں نہیں ہے، (لہذا امام بخاری کو بھی جزم کے ساتھ اس کی کراہت کو بیان کرنا تھا، نہ کہ اس کو کمزور کر کے جو عام طور سے وہ باب من کہہ کر کیا کرتے ہیں)۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ عشا کا لفظ مغرب پر اطلاق کرنے سے محظور شرعی قوی یہ ہے کہ دونوں کے احکام میں التباس ہوگا، حالانکہ دونوں کے احکام بالکل، الگ الگ ہیں برخلاف عتمہ وعشاء کے کہ وہاں ایسا محظور شرعی لازم نہ آئے گا، کیونکہ عتمہ بھی عشاء ہی کے لئے بولا جاتا ہے اور حضور علیہ السلام سے بھی اس کا اطلاق ثبوت ہوا ہے۔ (حاشیہ لامع ص ۲۲۱ ج ۱)

(تنبیہ): فیض الباری ص ۱۲۹ میں یسمون العشاء العتمہ غلط ہے، صحیح یسمون المغرب العشاء ہے، پھر واعلم سے والامر بعد سہل تک کا ٹکڑا باب ذکر العشاء والعتمہ سے متعلق ہے، یہاں بے محل جڑ گیا ہے **وکم فیه مثل هذه المسامحات** ہم نے اب تک فیض الباری کی اغلاط کی نشاندہی ضروری نہ سمجھی تھی، مگر کچھ لوگوں نے مغالطہ دیا ہے کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے امالی میں سے سب سے زیادہ معتمد ہے اور حضرتؒ کے مطالعہ سے گزر چکی ہے، جبکہ دونوں باتیں خلاف واقعہ ہیں اور اس مغالطہ کی وجہ سے اس کی اغلاط و مسامحات حضرتؒ کی طرف منسوب ہوں گی۔ اس کا تدارک ضروری معلوم ہوا۔ **والله المعین.**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انوار الباری
۱۵
اردو شرح
صحیح البخاری

تقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

انوارالباری کی پندرھویں قسط پیش ہے۔اس میں آخری بحث ''رفع یدین'' پر ہے، جو اختلافی مسائل میں سے معرکۃ الآراء مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور اسی لئے اس پر اکابرِ امت نے مستقل رسائل بھی لکھے ہیں، ہم نے امام بخاری اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیقات بھی اختصار کے ساتھ ذکر کردی ہیں۔

قسط نمبر ۱۴ و ۱۵۔کافی تاخیر سے شائع ہورہی ہے، اس کا سبب دوسرے نامساعد حالات کے علاوہ اپنی علالت وغیرہ بھی ہوئی، اب خدا کا شکر ہے تازہ دم ہوکر پھر سے کمر ہمت باندھی ہے، اور احباب افریقہ نے بھی حوصلہ افزائی کی ہے قسط نمبر ۱۶، ۱۷ کا بھی کافی مواد مہیا ہو چکا ہے۔اور توقع ہے کہ اس موسم سرما میں ان دونوں کے مسودات بھی مرتب ہوکر کتابت کے مراحل طے کریں گے۔ان شاءاللہ۔

یہ بھی خیال ہوا تھا کہ آئندہ اقساط میں متن بخاری شریف اور ترجمہ کا التزام نہ کیا جائے، بلکہ صرف حدیثی مباحث اور اکابرِامت کی تحقیقات عالیہ ہی پیش کردی جائیں تاکہ مزید ۱۰، ۱۲ جلدوں میں شرح پوری ہو جائے مگر احبابِ افریقہ نے اس خیال سے اتفاق نہ کیا لہٰذا شرح بدستور متن بخاری وترجمہ کے ساتھ ہی چلے گی۔ان شاءاللہ تعالیٰ وبہ نستعین۔

فضل الباری کا خیر مقدم

ہمارے اکابر دیوبند میں سے حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ بھی بڑے پایہ کے مفسر ومحدث تھے، ان کے مشہور ومعروف تفسیری فوائد اور فتح الملہم شرح صحیح مسلم عرصہ سے شائع شدہ ہیں۔اب خدا کا شکر ہے ان کے زمانۂ قیام ڈابھیل کے امالی درس بخاری شریف کا بھی ایک مجموعہ ''فضل الباری'' کے نام سے ادارۂ علوم شرعیہ کراچی نے شائع کرنا شروع کیا ہے اور اس کی دو جلدیں ہمارے پاس بھی آچکی ہیں، اس کے مرتب فاضل جلیل مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب فاضل دیوبند مستحق مبارکباد ہیں کہ اتنے بڑے کام کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمائے۔اوران کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔صفحہ نمبر ۴۹/۱ تا صفحہ نمبر ۷۳/۱ میں جوانہوں نے سوانح امام بخاریؒ ذکر کئے ہیں، ان کے بارے میں ہماری کچھ معروضات ہیں، خاص طور سے تعداد احادیث بخاری پر بھی کچھ لکھنا ہے واللہ الموفق:۔

تعداد احادیث بخاری

مکررات ومعلقات وغیرہ سب کی مجموعی تعداد نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) لکھی ہے۔حالانکہ حسبِ تحقیق حافظ صحیح تعداد ۹۰۷۹ (نو ہزار اناسی) ہے اس طرح کہ کل تعالیق ۱۳۴۱ اور متابعات ۳۴۱ باقی ۷۳۹۷ موصول ہیں۔

حافظ ابن حجر نے پہلے مقدمہ کی ترتیب وتالیف ۸۱۳ھ میں کی تھی، پھر تیس سال میں شرح لکھ کر ۸۴۲ھ میں ختم کی تھی۔حافظ نے مقدمہ میں لکھا کہ ابن صلاح ونووی وغیرہ نے کل تعداد مع مکررات وغیرہ کے ۷۲۷۵ اور بغیر مکررات کے چار ہزار لکھی ہے، یہ غلط ہے، پھر حافظ نے ہر

باب کی احادیث صحیح طور سے شمار کر کے تین صفحات میں رد و اصلاح کی اور ۷۲۷۵ کے عدد پر ۱۲۲ کا اضافہ کیا۔ لہٰذا کل ۷۳۹۷ ہو گئیں، پھر ہر باب کی تعالیق و متابعات کو بھی نہایت احتیاط سے شمار کیا اور ۲ صفحات میں رد و قدح کر کے کل تعالیق کی تعداد ۱۳۴۱ اور متابعات کی تعداد ۳۴۱ منضبط کی۔ تینوں میزانوں کا مجموعہ ۹۰۷۹ ہوتا ہے، مگر حافظ سے یہ چوک ہو گئی کہ دو جگہ مقدمہ صفحہ ص ۴۶۵/ اور فتح الباری صفحہ ۱۳/ ۴۱۹ میں مجموعی تعداد ۹۰۸۲ درج کر دی، تیسری جگہ فتح صفحہ ۶۳/ ا میں مجموعی تعداد کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

سہو حافظ: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے درسِ بخاری شریف میں حافظ کی اسی فروگذاشت کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ شمارِ مجموع میں تین کا فرق ہو گیا۔ اور یہ ایسا تسامح ہے کہ ہر شخص ہر وقت سہولت سے معلوم کر سکتا ہے، اور بظاہر یہ کاتب کی غلطی بھی نہیں ہے نہ حضرتؒ نے اس کو کاتب کی غلطی بتلائی ہے۔

دوسری بات یہ کہ حافظ نے صفحہ ۶۳/ ا میں بغیر تکرار کی کل تعداد ۲۵۱۳ لکھی ہے، اور صرف معلق و متابع کی تعداد بغیر تکرار کے ۱۶۰ بتلائی ہے۔ اس طرح غیر مکرر موصول کی خالص تعداد ۲۳۵۳ رہ جاتی ہے اور اسی لئے حافظ نے لکھا کہ چار ہزار کی بات بھی ابن صلاح وغیرہ کی درست نہیں ہے۔

مقدمہ فیض الباری صفحہ ۱/ ۳۸ میں جو مقدمہ فتح الباری کے حوالہ سے احادیث موصولہ کی تعداد ۲۴۶۰ لکھی ہے اور اس بارے میں مقدمہ قسطلانی کا حوالہ بھی محل نظر ہے، کیونکہ اصل مقدمہ فتح الباری میں یہ چیز نہیں ملی، پھر اس کی تلخیص قسطلانی میں کیسے چلی گئی؟

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ مرتب سوانح نے صفحہ ۱۷ میں جو مراد حضرت شاہ صاحبؒ کی سمجھی اور اس کی تغلیط کی، وہ صحیح نہیں۔ افسوس ہے کہ حضرتؒ کے علم و فضل اور تبحر و جامعیت سے پوری طرح واقف حضرات بھی شائع شدہ امالی کی اغلاط و تسامحات کو بے تکلف حضرتؒ کی طرف منسوب کر کے اعتراض کر دیتے ہیں، راقم الحروف نے متعدد بار صراحت کی ہے کہ حضرتؒ کے درس ترمذی و بخاری کے مطبوعہ امالی میں سے کوئی بھی حضرتؒ کے ملاحظہ سے نہیں گذرے اور نہ حضرتؒ نے کسی کے مضامین کی تصویب فرما کر ان کی ذمہ داری لی ہے اور درحقیقت ضبط و فہم کی نقائص، حوالوں کی اغلاط، تعبیری مسامحات اور دوسری قسم کی کوتاہیاں خاص طور سے حضرت کے امالی لکھنے والوں سے بہ کثرت ہوئی ہیں، اور اسی لئے فیض الباری کے مقدمہ میں تو علامہ بنوریؒ امر مذکور کی وضاحت اسی لئے کر دی تھی کہ حضرتؒ کی طرف غلطیوں کا انتساب نہ ہو، مگر بہت سے لوگ مقدمہ بھی نہیں پڑھتے، اور غلطیوں کو بھی حضرتؒ کی طرف منسوب کر کے اعتراض کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی کتنی واضح بات تھی اور حضرتؒ کا اشارہ حافظ کے سہو کی طرف بالکل درست تھا، مگر کچھ بات تو فیض الباری کی تعبیری غلطیوں کی نذر ہوئی اور کچھ مرتب فضل الباری کے اعتراض و جواب سے مغالطہ میں پڑ گئی۔ اور حضرتؒ کے اصل مقصد اور مراد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

افادہ: یہاں مناسب ہے کہ دوسری مشہور کتب صحاح سابقہ کا ذکر بھی بہ ترتیب تقدم و تاخر تالیفی و زمانی اجمالاً ایک جگہ کر دیا جائے:۔

(۱) کتاب الآثار امام اعظمؒ (م ۱۵۰ھ) بروایتِ امام محمد امام ابو یوسف و امام زفر وغیرہ جو چالیس ہزار احادیث و آثار کا انتخاب ہے۔ جو بقول علامہ سیوطی شافعیؒ (دور صحابہ کے بعد کہ وہ تالیفی دور نہ تھا) احادیث کا سب سے پہلا مجموعہ ہے، اور لکھا کہ امام صاحب اس امر میں منفرد ہیں کہ آپ نے سب سے پہلے علم شریعت کو مرتب و مبوب کیا پھر ان کا اتباع امام مالک نے موطأ کی ترتیب میں کیا اور امام صاحب سے کسی نے سبقت نہیں کی (تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ) گویا امام صاحبؒ محدثین مولفین کے جد امجد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مزید تفصیل و تحقیق کیلئے ملاحظہ ہو۔

''جامع المسانید'' صفحہ ۳۴ اور ''امام ابن ماجہ و علم حدیث'' (از مولانا عبد الرشید نعمانی) صفحہ ۱۵۸ تا ۱۷۶، جس میں حضرتؒ شاہ ولی اللہ و شاہ عبد العزیزؒ کی عبارات سے پیدا شدہ غلط فہمی کا بھی ازالہ کیا گیا ہے۔ اور مقدمہ شرح کتاب الآثار امام اعظمؒ از علامہ مفتی مہدی حسنؒ۔ یہ

کتاب اب دوبارہ مفتی صاحبؒ کی شرح کے ساتھ بھی شائع ہوگئی ہے۔

(۲) موطأ امام مالک (م ۱۷۹ھ) جس میں ۶۰۰ حدیث مسند جمع ۲۲۲ مرسل جمع ۶۱۳ موقوف + ۲۸۵ اقوال تابعین ہیں۔کل ۱۷۲۰

(۳) مصنف عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ) احادیث وآثار کا گرانقدر مجموعہ مجلس علمی کراچی سے مکمل شائع ہوگیا ہے۔

(۴) ابی بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)............حیدرآباد دکن سے پانچ جلدیں شائع ہوچکی ہیں

(۵) مسند امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) جس میں ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث وآثار ہیں سترہ لاکھ میں سے انتخاب۔

(۶) صحیح الامام البخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کل تعداد مع مکررات ۹۰۷۹۔بغیر مکررات ۲۳۵۳ جو چھ لاکھ کا انتخاب ہے (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۹۰،۵)

(۷) صحیح الامام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) کل تعداد چار ہزار جو تین لاکھ احادیث کا انتخاب ہے۔

(۸) سنن ابن ماجہؒ (م ۲۷۳ھ) کل تعداد چار ہزار (بلاتکرار) (۹) سنن ابی داؤدؒ (م ۲۷۵ھ) کل تعداد چار ہزار آٹھ سو

(۱۰) سنن امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) (۱۱) سنن امام نسائی (م ۳۰۳ھ)

(۱۲) صحیح ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) (۱۳) معانی الآثار امام طحاویؒ (۳۲۱ھ)

جامع سفیان کا مرتبہ اس وقت ایسا ہی ہوگا جیسے اب ہم آخر میں بخاری وترمذی وغیرہ کا درس لیتے ہیں، اور امام بخاری کو جو مالی منافع امام ابوحفص شفیق استاذ سے پہنچے تھے وہ علمی سرپرستی کے علاوہ تھے، حافظ ذہبی نے بھی اپنے رسالہ ''الامصار ذوات الاثار'' میں بخارا کے جن اعیان محدثین کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے ان میں بھی عبداللہ بن محمد مسندی کے ساتھ امام ابوحفص کبیر کا ذکر موجود ہے حافظ سمعانی نے لکھا کہ ان سے بے شمار مخلوق نے روایت حدیث کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی ذات سے اقلیم ماوراء النہر میں حدیث وفقہ کی جتنی اشیا ہوئی ان کے معاصرین میں سے کسی سے نہیں ہوئی بخارا کا ایک ایک گاؤں ان کے تلامذہ سے بھرا ہوا تھا السمعانی نے یہ بھی لکھا کہ صرف خیزاخزا میں ان کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے باہر تھی، یہ صرف ایک قریہ کا حال تھا،

امام ابوحفص کبیر موصوف نے فقہ وحدیث کی تعلیم امام ابو یوسف وامام محمدؒ سے حاصل کی تھی، اسی لئے ان کا شمار امام محمد کے کبار تلامذہ میں ہوا ہے اور بخارا کے علاقہ میں علماء احناف کی سربراہی ان پر ختم تھی۔امام موصوف کے صاحبزادے امام ابوحفص صغیر اور امام بخاری مدت تک طلب حدیث میں رفیق وہم سفر رہے ہیں اور دونوں کے خاندانوں کے تعلقات عرصہ تک قائم رہے ہیں حافظ ابن حجر نے بھی مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۲ میں امام ممدوح کو امام بخاری کے مشائخ میں شمار کیا ہے، اور ان کے حق میں ممدوح کا یہ قول بھی نقل کیا کہ ایک دن یہ لڑکا بڑا آدمی بنے گا، یعنی اس کی بڑی شہرت ہوگی ملا بن ماجہ (اردو صفحہ ۱۸۵)

جامع سفیان ثوری

فقہ میں سفیان ثوری اور امام اعظمؒ کا عموماً ایک ہی مذہب ہے، امام ترمذی اپنی جامع ترمذی میں جو مذہب ان کے نام سے نقل کرتے ہیں وہ اکثر امام ابوحنیفہؒ کے موافق ہوتا ہے، امام ابو یوسف نے تو یہاں تک فرمادیا تھا کہ سفیان ثوری مجھ سے بھی زیادہ امام ابوحنیفہ کے متبع ہیں، امام ثوری اگرچہ خود بھی امام اعظمؒ کی مجلس درس حاضر ہوئے ہیں اور ان سے حدیثیں بھی روایت کی ہیں مگر امام صاحب کی فقہ کو انہوں نے علی بن سیر سے اخذ کیا ہے جو امام صاحب کے مختص تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔امام ثوری نے اپنی جامع میں زیادہ تر ان ہی سے مدد لی ہے، امام حدیث یزید بن ہارون نے بھی فرمایا کہ سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ کی فقہ کو علی بن سیر سے حاصل کرتے تھے اور ان ہی کی مدد اور مذاکرہ سے انہوں نے اپنی یہ کتاب جس کا نام جامع رکھا ہے تصنیف کی ہے (ابن ماجہ اردو علامہ نعمانی عم فیضہم ص ۱۸۴)

اسی طرح امام بخاری نے اپنے علم فقہ وحدیث کی تکمیل حضرت عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی تصنیفات پڑھ کر کی ہے، اور یہ دونوں مع امام ابوحفص کے حنفی تھے، اس لئے امام بخاری کے علمی استفادات اور تکمیل دروس کے زمانہ کو ایسے اکابر ائمہ حدیث وفقہ خصوصاً حنفی مکتب فکر علماء کے ذکر سے خالی رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

راقم الحروف کا حاصل مطالعہ

امام بخاریؒ کی زمانہ تکمیل تک کی تعلیم وتربیت کا ماحول اوپر بتایا گیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ سفیان ثوری خود بھی صاحب مذہب مجتہد مطلق تھے، اور ان کا مذہب چوتھی صدی تک جاری رہا، وہ امام اعظم کے مداحین بلکہ تلامذہ حدیث وفقہ میں سے تھے، عبداللہ بن مبارک کا درجہ تو ایسا ہے کہ ان کو امام بخاری وعبدالرحمن مہدی اور اسحٰق بن راہویہ سب ہی نے مسلم امام فقہ وحدیث کا مانا ہے، اور عبداللہ بن مبارک امام اعظم کے نہ صرف تلمیذ رشید بلکہ متبع اعظم ومداح کبیر تھے کہ امام صاحب کی کوئی برائی سننے کے روادار ہی نہ تھے، اسحٰق بن راہویہ بھی جب تک اپنے وطن میں رہے امام صاحب اور ان کی فقہ کے دلدادہ تھے، عراق پہنچ کر جب عبدالرحمن بن مہدی وغیرہ معاندینِ امام اعظم کی صحبت اختیار کی تو اس کا اثر لے لیا تھا، اسی لئے جو حضرات ان کو اب بھی حنفی کہتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں، وہ اگر حنفی رہتے تو امام بخاری پر ہی کیوں خلاف اثر ڈالتے۔

بہر حال! مقدرات نہیں ٹلتے، ورنہ امام بخاری بھی امام اعظم ہی کی فقہ کے دلدادہ ہوتے، مگر علامہ حمیدی، نعیم خزاعی اور عبدالرحمن بن مہدی اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ نے مخالف اثرات ڈالے اور حنفی قضاۃ نے بھی امام بخاری پر بے جا سختیاں کیں، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام بخاریؒ ائمہ حنفیہ اور فقہ حنفی کے سب سے بڑے مخالف ہو گئے، اور چونکہ مزاج میں تشدد اور زود تاثری کا مادہ زیادہ تھا، اس لئے ایسی زبان اور لہجہ بھی اختیار فرمالیا جس کی ایسے عظیم المرتبت امام حدیث سے توقع نہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم علمہ اتم واحکم

مقدمہ فضل الباری پر معروضات

صفحہ ۵۳ میں امام بخاری کی عبداللہ بن مبارک اور وکیع پر جو وجہ تفوق تحریر کی گئی ہے، وہ اول تو محتاج حوالہ ہے۔ ایسی اہم علمی باتوں کو بغیر حوالہ کے نہیں لکھنا چاہیے تھا، پھر یہ کہ امام بخاری کے پاس وہ پانچ سو احادیث کس درجہ کی تھیں؟ کیونکہ ان کو تو لاکھوں احادیث غیر صحیح بھی یاد تھیں، اور عبداللہ بن مبارک تو امام بخاری سے بھی بڑے عالم حدیث تھے، خود امام بخاری نے بھی ان کو اپنے زمانہ کا اعلم مانا ہے، پھر ان کا زمانہ بھی امام بخاری سے مقدم تھا، اس لئے ممکن ہے، غیر صحیح احادیث ان کو بھی امام بخاری کی طرح اتنی ہی یاد ہوں یا غیر صحیح احادیث بعد کے زمانہ کی پیدا وار ہوں تو اس سے تفوق کیسے ثابت ہوگا؟ اسی طرح امام وکیع بھی کبار محدثین میں سے تھے۔ کسی بے سند بات کے ذریعہ ان کو گرانا مناسب نہیں، صفحہ ۵۴ میں محدثین کرام کی طرف یہ امر مسلمہ طور سے منسوب کرنا کہ امام بخاری جس پر بھی ثقہ ہونے کا حکم لگا دیں وہ ہر خطرے سے باہر ہے، احتیاط کے خلاف ہے، جبکہ ان کی تاریخ کبیر وصغیر وغیرہ سامنے ہیں اور خود صحیح بخاری میں بھی ضعیف رواۃ موجود ہیں، کیا ان سے صحیح میں روایت کرنا ان کی توثیق نہیں ہے باقی یہ بات ضرور ایسے موقع پر ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی محفوظ رکھنی چاہئے کہ صحیح بخاری کے ضعیف رواۃ کی وجہ سے کوئی روایت اس لئے نہیں گرے گی کہ اس کے متابعات اس کو صحیح وقوی ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں۔ لیکن اس سے خود امام بخاری کے عمل روایت عن الضعاف کی توثیق تو درست نہ ہو جائے گی، پھر یہ امر بھی نظر انداز نہ ہونا چاہئے کہ توثیق کو اگر یہ پایہ دے دیا گیا تو جرح کو کیسے مجروح کریں گے، جو توثیق سے بھی کہیں زیادہ کہے خصوصاً ائمہ حنفیہ وغیرہ کے لئے۔ فافہم ولا تغفل۔

بہر حال مدح وذم میں مبالغہ یا بے سند کوئی بات نہ آئے تو زیادہ اچھا ہے۔ **ھذا ما عندی وما ابرئ نفسی۔**

ص ۵۵۔ میں فن روایت کے سلسلہ میں بے لاگ جرح وتنقید کے لئے انتہائی محتاط الفاظ استعمال کرنے کا دعوے بھی محتاج دلیل بلکہ

بے دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ص ۵۹۔ میں جہاں حضرت عبداللہ بن مبارک ۱۸۱ھ تک کی خدمت تدوینِ حدیث کا بھی ذکر آ گیا، وہاں امام اعظمؒ کی مشہور ومعروف مسانید اور امام ابو یوسف وامام محمد کی موطا، کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہ کے ذکر کو نظر انداز کرتا بے محل معلوم ہوا۔ اگر ہم بھی ائمہ حنفیہ کی ایسی اہم حدیثی خدمات کو نظر انداز کریں گے تو دوسرے تو پہلے ہی سے ان کو زاویۂ خمول میں ڈالے ہوئے ہیں، اور اگر زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو تدوینِ فقہ کا عظیم الشان کام جو امام اعظم نے اجلۂ محدثین کے ذریعہ اپنی سرپرستی میں انجام دلایا، وہ بھی تو معنیً وحکماً تدوینِ حدیث ہی تھی، جس سے ساڑھے بارہ لاکھ شرعی مسائل مدون ہو کر ساری دنیا میں پھیل گئے، اور اس کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا یہ ارشاد بھی پھر سے اپنی یاد میں تازہ کر لیں کہ ابو حنیفہؒ کی رائے مت کہو، کیونکہ جو کچھ انہوں نے دین میں کہا ہے وہ سب قرآن وحدیث ہی کا مقصد ومنشا ہے اور کچھ نہیں۔

ص ۶۰۔ میں امام اعظم کے مسانید کا ذکر ہوا تو اس تکر کے ساتھ کہ "وہ خود امام کے تصنیف کردہ نہیں بعد میں کسی نے جمع کئے ہیں" یہ تعبیر نہایت غیر انسب ہے جبکہ امام اعظم کی ۲۲۔۲۳ مسانید کی روایت اکابر محدثین نے کی ہے، اور سلسلۂ روایت امام اعظم تک بلا شک وریب متصل ہے۔ شاید اس بارے میں قاضی صاحب کا مطالعہ بہت ناقص ہے۔ پھر یہ کہ مسند احمد کی روایت وتبییننں ان کے صاحبزادے شیخ عبداللہ نے کی ہے، اور مسانید امام اعظم کی روایت شیخ عبداللہ سے کہیں زیادہ بڑے اکابر اور جلیل القدر محدثین نے کی ہے۔ پھر یہ تفوق بھی امام اعظم کی مسانید کو حاصل ہے کہ ان میں ثلاثیات بہ کثرت ہیں، اور ثنائیات بلکہ وحدانیات بھی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امام صاحب کے درمیان صرف ایک راوی (صحابی) کا واسطہ ہے۔ جبکہ موطا امام مالک میں وحدانیات بالکل نہیں ہیں، اور مسند امام احمد ومسند امام شافعی میں ثلاثیات ہیں، ثنائیات نہیں ہیں۔

صحیح بخاری کی کل غیر مکرر ۲۵۱۳ احادیث میں سے صرف ۲۲ ثلاثیات ہیں باقی رباعیات ہیں، مسلم کی چار ہزار احادیث میں سب رباعیات ہیں، ترمذی میں صرف ایک ثلاثی ہے، باقی سب رباعیات ہیں، ابوداؤد کی ۴۸۰۰ احادیث میں سے صرف ایک ثلاثی ہے باقی سب رباعیات ہیں، نسائی میں بھی سب رباعیات ہیں، ابن ماجہ کی چار ہزار مرویات میں سے صرف پانچ ثلاثیات ہیں باقی سب رباعیات ہیں (جن میں حضور علیہ السلام تک چار واسطے ہوتے ہیں)۔

ص ۶۲، ص ۶۳، ص ۶۴ میں امام بخاری کی تاریخ کبیر وصغیر اور رسالہ رفع یدین وفاتحہ کے ذکر میں ان کے محتویات کا تعارف نہیں کرایا گیا جو ضروری تھا۔ تاکہ طلبۂ حدیث واقف ہوتے۔

ص ۶۴ میں اسحٰق بن راہویہ کو حنفی لکھنا صحیح نہیں، وہ تلمذاً ضرور حنفی تھے مگر بعد کو وہ بھی امام بخاری وغیرہ کی طرح اصحاب الظواہر میں شامل ہو گئے تھے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری پر زیادہ اثر ان کا ہی پڑا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام بخاری کا اجتہاد

اسی طرح یہ لکھنا بھی تسامح ہے کہ امام بخاری ایک مجتہد کی شان رکھتے تھے، ہاں اگر یہ کہا جاتا تو درست ہوتا کہ وہ بھی ایک درجہ کا اجتہاد رکھتے تھے، باقی ان کو مجتہد مطلق قرار دینا ائمہ اربعہ کی طرح درست نہیں ہے۔ ان کے تلمیذ خاص امام ترمذیؒ نے بھی ان کے اجتہاد یا اجتہادی مسائل کو اہمیت نہیں دی جبکہ وہ دوسرے مذاہب ومسالک کی طرف تصریحاً یا اشارۃً ضرور تعرض کرتے ہیں۔ اور مقدمہ فیض الباری للشیخ محمد بدر عالمؒ ص ۵۸ میں بھی امام بخاری کو مجتہد بلا ریب جو لکھا گیا ہے وہ موہم ہے، وہاں بھی مراد ایک درجہ کا اجتہاد ہے، مجتہد مطلق مراد نہیں ہے۔ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ امام بخاری مجتہد مطلق نہ تھے، البتہ اتنا اجتہاد ان کو حاصل تھا کہ کسی کے مقلد ہونے کے محتاج نہ

تھے، نیز فرمایا تھا کہ امام اعظمؒ پر تو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد میں توسع کیا ہے، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ امام بخاری نے تو ان سے بھی زیادہ توسع اختیار کیا ہے کہ معمولی اشاروں اور عموم سے بھی استنباط کر لیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاری کے مجتہد ہونے نہ ہونے کے بارے میں اپنے مقدمۂ فتح الباری میں کوئی تعرض نہیں کیا، ثناء اماثل کے ذیل میں بھی بعض اماثل سے صرف حدیث وفقہ میں برتری نقل کی ہے۔ اور بعض نے حدیث وفقہ میں مثل امام مالک بھی کہا ہے (مقدمہ ص ۴۸۳)۔

دراسات اللبیب میں امام بخاری کو اہل ظاہر سے قرار دیا۔ اور مستقل فصل میں ظاہریہ واہل الظاہر میں مفصل طور سے فرق بیان کیا ہے۔ ظاہریہ میں داؤد ظاہری وغیرہ اور اصحاب الظواہر میں امام بخاری کو گنایا (ص ۳۰۰)۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ایضاح الادلہ کی تذییل ص ۷ میں داؤد ظاہری، ابن تیمیہ، ابن قیم، نواب صدیق حسن خان اور مولوی نذیر حسین وغیرہ کو عاملین علی الظاہر لکھا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری کے مجتہد ہونے میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

ص ۶۵۔ میں لکھا کہ کسی ایک بڑے کی حمایت میں دوسرے کی تنقیص کرنا مسلک اہل حق کے خلاف ہے الخ تو کیا ائمہ حنفیہ کی جتنی تنقیص وتحقیر شروع سے اب تک کی گئی ہے اور اب تک بھی کی جارہی ہے، جبکہ وہ سب ان بعد کے تنقیص کرنے والوں کے بڑوں کے بھی بڑے تھے، اس کے ذکر وتذکرے سے بھی پہلو تہی کرنا ہی اولیٰ وانسب قرار پائے گا؟ اس موقع پر حضرت مجدد قدس سرہٗ کے ارشاد سے استدلال بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ اور امام صاحب کو صرف فنِ فقہ میں امام ماننے کے ذکر سے کیا فائدہ جبکہ وہ فن حدیث کے بھی امام اعظم تھے۔

ص ۶۵ میں امام بخاری کے بارے میں مطلق طور سے یہ لکھنا بھی خلاف تحقیق ہے کہ ان کے اقوال کو ہم سند مانتے ہیں۔ فن جرح و تعدیل میں ان کے سب اقوال سند مان لئے جائیں تو امام بخاریؒ نے اپنی تصانیف (التاریخ الکبیر، التاریخ الصغیر۔ کتاب الضعفاء الصغیر وخلق افعال العباد) میں امام اعظم کے بارے میں لکھا کہ مرجئی تھے اور لوگوں نے ان کی رائے اور حدیث سے سکوت اختیار کیا۔ امام ابویوسف کو بھی متروک قرار دیا، امام محمد کو جہمی بتلایا، محدث کبیر یوسف بن خالد سمتی بصری پر بھی مسکوت عنہ کا حکم لگایا جبکہ وہ سنن ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں، اسد بن عمرو کو صاحب الرائی اور ضعیف فی الحدیث کہا جبکہ وہ امام احمد واحمد بن منیع ایسے محدثین کبار کے استاد ہیں اور امام احمد نے ان کو صدوق کہا اور ان سے روایت حدیث بھی کی ہے، پھر امام صاحب اور امام ابویوسف وامام محمد کا جو مسلم درجہ حدیث ورجال میں ہے وہ ہم نے تفصیل کے ساتھ ان کے حالات میں درج کیا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ انوار الباری جلد اول ودوم)۔

رسالہ رفع یدین میں امام بخاری نے جیسے جیسے سخت کلمات واقوال امام اعظم کے بارے میں استعمال کئے، کیا وہ بھی ہمارے لئے سند ہیں؟ اور رسالہ فاتحہ خلف الامام میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ اس مسئلہ کے ذیل میں آئے گا اور کچھ ذکر مقدمہ انوار الباری میں امام بخاری کی تصانیف کا تعارف کرانے کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ امر بھی لائق نسیان نہیں کہ جس کے مداح زیادہ ہوں اس کے بارے میں جارحین کی جرح مقبول نہیں ہوتی، خاص طور سے جب کہ وہ جرح ہم عصروں کی طرف سے ہو یا متعصبین کی طرف سے اور امام بخاری ودارقطنی وغیرہ کا شمار بھی متعصبین میں سے کیا گیا ہے۔ اور امام بخاری وغیرہ کے متعصّبانہ رویہ پر نہ صرف اکابر حنفیہ نے بلکہ غیر حنفیہ نے بھی نقد کیا ہے۔ صاحب دراسات اللبیب شیخ معین سندی نے تو امام بخاری کی تہمت ارجاء پر شدید لہجہ میں جوابدہی کی ہے۔ اور لکھا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے لئے جو خدائے عظیم کی طرف سے علوم عقلیہ ونقلیہ کے اونچے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھے، امام بخاری جیسے کی طرف سے ارجاء کی تہمت کیوں کر مانی جاسکتی ہے جبکہ ارجاء کا بطلان اور خلاف کتاب وسنت واجماع ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔ اور امام بخاری کا امام صاحب کے حق میں "سکتوا عن رأیه و حدیثه" کہنا تو اس لئے بھی غلط ہے کہ خود امام بخاری نے یہ اعتراف کیا ہے کہ کبار سلف میں سے عبداللہ بن مبارک، وکیع، عباد بن العوام، ہشیم، مسلم بن خالد، ابومعاویہ

مصری وغیرہ شیوخ بخاری جیسے ائمۂ حدیث نے امام صاحب سے روایت حدیث کی ہے اور دوسرے حضرات (علامہ مزی وغیرہ) نے تو سینکڑوں کی تعداد میں امام صاحب سے سماع حدیث کرنے والے گنائے ہیں، اور امام صاحب کی رائے کو اخذ کرنے والوں سے تو دنیا بھری ہوئی ہے۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ ان کی رائے سے سکوت کرنے والے کتنے نفر ہیں، بہت ہوئے تو ایک قطرہ کے برابر بہ نسبت سمندر کے۔ جو شخص ''عقد الجمان فی مناقب النعمان'' میں ان کا شمار پڑھے گا وہ ہمارے بیان کی تصدیق کرے گا (دراسات اللبیب ص۲۵۴ طبع کراچی) تہذیب المزی قلمی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد سے ترجمۂ امام اعظمؒ کی نقل ص ۱۷۱ لغایۃ ص ۲۸۴ احقر کے پاس ہے جس میں ۹۷ شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں جو امام صاحب کے تلمیذ حدیث تھے اور ان کا ذکر علامہ سیوطی شافعی نے بھی ''تبییض الصحیفہ بمناقب الامام ابی حنیفہ'' میں کیا ہے۔

یہ شیخ معینؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ رشید فی الحدیث کا بیان ہے، جو خود بھی اہل حدیث اور اصحاب الظواہر میں سے بڑے پایہ کے محدث وعلامہ تھے، اور جنہوں نے فقہ حنفی پر بڑے بڑے اعتراضات بھی کئے ہیں، مگر بڑی حد تک منصف تھے، دوسرے متعصب اہل حدیث حضرات کی طرح نہ تھے۔ اور یہ بھی نہیں کہ وہ امام بخاری کی جلالات قدر کے قائل نہ ہوں بلکہ ان کے نہایت درجہ کے معتقد تھے اور ان کے لئے دراسات میں امام الائمہ اور قبلۃ مشائخ الستہ جیسے القاب لکھتے ہیں، لیکن یہ ان کے انصاف، مرتبہ شناسی اور **انزلوا ان علی منازلھم** کی بات تھی کہ امام بخاریؒ کی جلالت قدر ہی کے ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے اعلیٰ وارفع مقام کو بھی پہنچانتے تھے، اور اسی لئے مذکورہ زوردار طریقہ پر دفاع کو ضروری سمجھا۔

اسی طرح بعض جروح امام بخاری کا دفاع امام اعظمؒ کی طرف سے حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی کیا ہے، اور امام صاحب کی براءت ثابت کی ہے، پھر اکابر محققین حنفیہ نے بھی اس بارے میں بہت کافی ووافی لکھا ہے۔

امام بخاری کا قول امام ابویوسف کے بارے میں ''متروک الحدیث'' ہونے کا کس طرح معتبر وسند بن سکتا ہے جبکہ امام نسائی جیسے متشدد فی الرجال نے ان کی توثیق کی ہے، اور امام احمد، علی بن المدینی وامام یحییٰ بن معین ایسے کبار شیوخ امام بخاری نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کو شیخ متقن لکھا۔ علامہ ذہبیؒ نے مستقل رسالہ میں امام ابویوسفؒ کے حفظ حدیث ودیگر کمالات کی دل کھول کر مدح کی ہے۔ متاخرین ائمہ رجال امام ابن قتیبہ وغیرہ نے امام صاحب یا امام ابویوسف پر کسی جرح کو قابل ذکر بھی نہیں سمجھا۔ خطیب نے حسب عادت امام ابویوسف پر جرح نقل کی مگر اثناء جرح میں جواب بھی دے دیا ہے۔ امام شافعی ایسے محدث کبیر بھی بواسطۂ امام محمدؒ ابویوسف کے تلمیذ حدیث ہیں۔ **فکیف یصح القول فیہ انہ متروک الحدیث**

واللہ المستعان۔ پھر کیا امام بخاری کی یہ بات بھی کسی کے لئے حجت وسند بن سکتی ہے کہ جو راوی حدیث الایمان قول وعمل کا قائل نہ ہو اس سے حدیث کی روایت نہ لی جائے۔ حالانکہ خود امام بخاری بھی معتزلہ کی طرح الایمان قول وعمل کے قائل نہ تھے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سارے ہی اہل حق کا مسلک ارجاء سنت ہے، اور ارجاء بدعت کی تہمت حنفیہ پر بھی نہیں لگ سکتی۔

امام بخاری کا قول امام محمد کے بارے میں جہمی ہونے کا کیونکر صحیح وسند بنے گا جبکہ محدث صیمریؒ نے امام محمدؒ سے نقل کیا کہ ''میرا مذہب اور امام ابوحنیفہ وابویوسف کا مذہب وہی ہے جو حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کا تھا''۔

ائمہ حنفیہ کے سارے عقائد ''کتاب عقیدۂ طحاوی'' میں مذکور ہیں، پھر بھی کوئی ان کو مرجیٔ یا جہمی بتلائے تو سراسر غلطی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے مجموعہ رسائل ص ۴۳۶/۱ میں خود امام محمدؒ ہی سے یہ روایت پیش کی کہ وہ جہمی عقائد والے کو خارج از ملت قرار دیتے تھے، پھر بھی ان کو جہمی بتلانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اور امام صاحبؒ کا جہم بن صفوان کو اپنی مجلس سے کافر کہہ کر نکلوادینے کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔ پھر ان ہی کے اتنے بڑے تلمیذ کبیر ونائب الامام الاعظم ...... جہمی کیسے ہوسکتے تھے؟ ہم اپنے علم ومطالعہ کی حد تک یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی بڑی شخصیت نے امام

بخاری کے سواامام محمد کوجہمی نہیں کہا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

ص ۶۹ میں امام الحرمین اور امام غزالی رحمہ اللہ کے بارے میں جو قصہ بیان ہوا وہ بھی محلِ نظر اور محتاج سند ہے، ایسے اکابر ملت سے ایسے واقعات کی صحت مشکوک ہے، پھر اسی کے مثل امام ذہلی وامام بخاری کے واقعہ کو ظاہر کرنا بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ امام ذہلی بڑے جلیل القدر محدث وفقیہ تھے، اور امام بخاری کے اساتذۂ کبار میں سے تھے اور انہوں نے امام بخاری کی خیر خواہی کے لئے ہی ان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ خلق قرآن کے بارے میں کسی کو مسئلہ نہ بتلائیں اور سکوت اختیار کریں، مگر امام صاحب نہ مانے اور پھر پریشانیوں میں مبتلا ہوئے۔ اس واقعہ کو حسد وغیرہ پر محمول کرنا خلافِ تحقیق ہے۔ اور غالباً اسی لئے امام بخاری نے اپنے استاذِ حدیث امام ذہلی سے بہت سی احادیث بخاری میں روایت کی ہیں۔ جبکہ امام مسلم نے نہ اپنے استاذ امام ذہلی سے کوئی حدیث روایت کی اور نہ اپنے ممدوح اعظم امام بخاری سے کوئی حدیث لی۔ حافظ ابن حجر نے اس کو امام مسلم کے انصاف سے تعبیر کیا ہے، مگر روایتِ حدیث ایسے مقدس ومحترم ترین امر کے بارے میں یہ انصاف کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مجھے قوی امید ہے کہ مرتب فضل الباری فاضلِ محترم مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب دام فیضہم میری گذارشات سے ناراض نہ ہوں گے اور کوئی غلط ہوئی ہو یا خلافِ شان کوئی بات تو اس کو معاف فرمادیں گے۔ خدا کا شکر ہے ہم دونوں کا مقصد ایک ہے اور اس خالص علمی میدان میں ہم ایک دوسرے کے رفیق ومعاون رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔ آخر میں میری ان سے یہ گذارش بھی ہے کہ وہ مجھے میری غلطیوں پر متنبہ فرما کر ممنون وماجور ہوں۔ وعند اللّٰہ فی ذاک الجزاء. وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

تشکر وامتنان

جیسا کہ سابق جلد کے مقدمہ میں عرض کیا گیا تھا انوار الباری کا پھر سے کام احبابِ آفریقہ کی تائید واصرار پر شروع ہوا ہے، اور یہ دونوں جلدیں ان ہی کی مالی اعانت سے شائع ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں الحاج ایس ایم ڈوکرات، الحاج مولانا اسماعیل گارڈی، الحاج ایم ایم بوڈھانیہ، میاں برادرس، مفتی برادرس، الحاج ابراہیم کوساڈیہ، الحاج مولانا عبدالحق عمرجی، مولانا قاسم محمد سیما، مولانا عبدالقادر، مولانا احمد محمد گردا، مولانا یوسف احمد اور دیگر حضرات ناظرینِ انوار الباری کی نیک دعاؤں اور خصوصی تشکر کے مستحق ہیں جو مالی اعانت کے علاوہ اپنے مفید مشوروں سے بھی راقم الحروف کو مستفید کرتے رہتے ہیں۔ جزاھم اللّٰہ خیر ما یجزی بہ عبادہ.

احقر

سیّد احمد رضاء عفا اللّٰہ عنہ.

بجنور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ علی القادر المقتدر الذی بیدہ تتم الصالحات، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا و مولانا محمد افضل المرسلین و خاتم النبین و علے آلہ و صحبہ والائمۃ المجتھدین و من تبعھم الی یوم الدین

باب ذکر العشآء والعتمة و من راٰہ واسعاً وقال ابوھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اثقل الصلوٰۃ علی المنافقین العشآء والفجر وقال لو یعلمون ما فی العتمة والفجر قال ابوعبداللہ والاختیار ان یقول العشآء لقول اللہ تعالیٰ و من بعد صلوٰۃ العشآء ویذکر عن ابی موسیٰ قال کنا تتناوب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند صلوٰۃ العشآء فاعتم بھاوقال ابن عباس و عائشة اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعشآء وقال بعضھم عن عائشة اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعتمة وقال جابر کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی العشآء وقال ابو برزۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یؤخر العشآء وقال انس اخر النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء الآخرۃ وقال ابن عمروابوایوب و ابن عباس صلی اللہ علیہ وسلم العشاء الاٰخرۃ وقال ابن عمرو ابوایوب و ابن عباس صلی النبی صلے اللہ علیہ وسلم المغرب والعشآء

(عشاءاور عتمہ کا ذکر،اور جس نے عشاءاور عتمہ دونوں کہنا جائز خیال کیا ہے۔اور حضرت ابوہریرہؓ نے نبی کریم علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ منافقین پر عشاءاور فجر کی نماز تمام نمازوں سے زیادہ گراں ہیں اور فرمایا کہ کاش وہ جان لیں کہ عتمہ اور فجر میں کیا (ثواب) ہے،امام بخاری کہتے ہیں، کہ بہتر یہ ہے کہ عشاء کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" و من بعد صلوۃ العشاء "ابوموسیٰ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا، کہ (ہم) نبی علیہ السلام کے پاس عشاء کی نماز میں باری باری سے جاتے تھے،(ایک مرتبہ) آپ نے اس کو عتمہ میں پڑھا،حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے عشاء کی نماز عتمہ میں پڑھی،ابو برزہ کہتے ہیں، کہ نبی کریم علیہ السلام عشاء میں تاخیر کرتے تھے،حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے (ایک مرتبہ) پچھلی عشاء میں تاخیر فرمادی،ابن عمراورابوایوب اورابن عباس نے کہا ہے، کہ نبی کریم علیہ السلام نے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی)۔

۵۳۴: حدثنا عبدان قال اخبرنا عبداللہ قال اخبرنا یونس عن الزھری قال سالم اخبرنی عبداللہ قال صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلة صلوٰۃ العشآء و ھی التی یدعوالناس العتمة ثم انصرف فا قبل علینا فقال ارائیتکم لیلتکم ھٰذہ فان راس مائة سنة منھا لایبقیٰ ممن ھو الیوم علیٰ ظھر الارض احد.

ترجمہ: حضرت عبداللہ (ابن عمرؓ) روایت کرتے ہیں، کہ ایک شب رسولِ خدا علیہ السلام نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی،اور یہ وہی (نماز) ہے۔جس کولوگ عتمہ کہتے تھے،نماز سے فارغ ہوکر ہماری طرف متوجہ ہوئے،اور فرمایا کہ میں تمہیں تمہاری اس شب کی خبر دوں جولوگ اس وقت زمین کے اوپر ہیں آج سے سو۱۰۰ برس کے شروع تک ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا۔

تشریح: اس باب میں امام بخاریؒ نے ایسے الفاظ واسماء کے لئے گنجائش وتوسع نکالی ہے،جن کے اطلاق سے کوئی بڑی غلط فہمی اوپر کی طرح نہ ہو،مثلاً عشاء کے لئے عتمہ کا اطلاق،حافظ نے لکھا کہ یہ پہلے کی طرح نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام سے بھی ایسا ثابت ہے جبکہ مغرب پر عشاء کا اطلاق حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے، پھر سلف کا اختلاف مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ عتمہ کہنے والوں پر عتاب وغصہ کرتے تھے،حضرت ابوبکر صدیقؓ وغیرہ سے جوازنقل ہوااور بعض نے خلاف اولیٰ قرار دیا،اور یہی راجح ہے۔(فتح ص ۳۱،۲) قال ابوہریرہؓ سے امام

بخاری نے اطرافِ احادیث مجذوفۃ الاسانید ذکر کئے ہیں، جو بقول حافظ سب صحیح ہیں اور دوسری جگہوں پر ان کی تخریج ہو چکی ہے، ان سے عتمہ وعشاء کا ایک دوسرے پر جو اطلاق کا ثبوت ہوتا ہے، حافظ نے ان کی تخریج ذکر نہیں کی، علامہ عینی نے ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

قولہ فان رأس مائۃ سنۃ الخ

اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت زمین پر زندہ تھے، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آسمان پر زندہ ہیں، اس میں داخل نہیں، پھر فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسدِ مثالی کے ساتھ نزول کریں گے، اس نے غلطی کی، کیونکہ وہ یقیناً جسدِ اصلی وعنصری کے ساتھ نزول فرمائیں گے۔ حافظ نے یہاں کچھ نہیں لکھا، محقق عینیؒ نے لکھا۔ علامہ نووی نے یہ مراد لی کہ اس رات میں زمین پر کوئی ایسا نہیں جو ایک سو سال سے زیادہ زندہ رہے گا، اس امر کی نفی نہیں ہے کہ اس کے بعد بھی کسی کی عمر ایک سو سال سے زیادہ نہ ہوگی، علامہ ابن بطال نے کہا کہ ایک سو سال کے اندر یہ قرن ختم ہو جائے گا، جس میں ہم ہیں، اور حضور علیہ السلام کا مقصد اس کے فرمانے سے اس امت کے لوگوں کی عمروں کا بہ نسبت سابقہ امم کے کم ہونے کی طرف اشارہ تھا تا کہ عبادت وخیر میں پوری سعی کریں، اور کسی نے کہا کہ ارض سے حضور علیہ السلام کی مرادارضِ مدینہ طیبہ تھی جس طرح آیت الم تکن ارض اللہ واسعۃ میں ارض سے مراد مدینہ ہے اور وجہ الارض سے ملائکہ نکل گئے کہ وہ آسمانی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان پر زندہ ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی اقامت بحر میں ہے، ہاروت وماروت اگرچہ دنیا میں ہیں مگر وہ بشر نہیں ہیں، ابلیس وشیاطین وجن بھی بشر نہیں ہیں اور حدیث میں بشر مراد ہیں، نیز سیدنا حضرت عیسیٰ اور خضر علیہما السلام کے بارے میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ امت محمدیہ میں نہیں ہیں اور حدیث میں ذکر امت کا ہے کہ ان کو اعمالِ خیر کی طرف رغبت دلاتا ہے۔

حیاتِ خضر علیہ السلام

علامہ عینی نے یہاں یہ بھی لکھا کہ امام بخاری اور ان کے ہم خیال حضرات نے حدیث الباب سے حضرت خضر علیہ السلام کی موت پر استدلال کیا ہے، لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں اور علامہ سہیلی نے محقق امت ابن عبد البرؒ سے نقل کیا ہے کہ متواتر اخبار وآثار سے حضرت خضر علیہ السلام کا اجتماع حضور اکرم علیہ السلام کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا اس سے عدمِ اجتماع والی بات بھی غلط ہو جاتی ہے، اور بالفرض اگر وہ حضور علیہ السلام کے پاس نہ بھی تشریف لائے ہوں تو کتنے ہی حضرات حضور علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں مگر حاضرِ خدمت نہیں ہو سکے نہ آپ کو دیکھ سکے اس لئے عدمِ اتیان عدمِ حیات کی دلیل نہیں بن سکتی، پھر لکھا کہ حضرت ابن عباس ووہب کی رائے ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی مرسل ہیں، مقاتل و اسماعیل بن ابی زیاد شامی کی بھی یہی رائے ہے۔ بعض نے کہا کہ ولی ہیں، علامہ ابوالفرج نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ نبی ہیں۔ (عمدہ ص ۲/۵۷۲)

باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس او تاخروا

(عشاء (کی نماز) کا وقت، جب لوگ جمع ہو جائیں، تو پڑھنا اگر دیر میں آئیں، تو دیر کر کے پڑھنا)

۵۳۵: حدثنا مسلم بن ابراھیم قال حدثنا شعبة عن سعد بن ابراھیم عن محمد بن عمرو وھو ابن الحسن بن علی بن ابی طالبؓ قال سالنا جابر بن عبداللہ عن صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الظھر بالھاجرۃ والعصر والشمس حیة والمغرب اذا وجبت والعشآء اذا کثر الناس عجل واذا اقلوا آخر والصبح بغلس

ترجمہ: (۵۳۵) حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے جابر بن عبداللہ سے نبی کریم علیہ السلام کی نماز کی

کیفیت پوچھی، انہوں نے کہا کہ ظہر کی نماز آپ دوپہر میں پڑھتے تھے، اور عصر کی ایسے وقت کہ آفتاب صاف ہوتا، اور مغرب کی جب وہ غروب ہو جاتا، اور عشاء کی نماز جب آدمی بہت ہو جاتے، جلد پڑھ لیتے، اور جب کم ہوتے تو دیر میں پڑھتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں (پڑھتے)۔

تشریح: علامہ عینیؒ نے لکھا کہ اس باب میں عشاء کا وقت بیان ہوا ہے کہ وہ اجتماع کے وقت ہے، اول وقت جمع ہوں تو اول وقت ہے اور دیر سے جمع ہوں تو تاخیر ہے اور حدِ تاخیر میں مختلف اقوال ہیں۔ ان کو ہم حدیث نمبر ۵۴۱ کے تحت بیان کریں گے۔

باب فضل العشآء

(نماز عشاء کی فضیلت کا بیان)

۵۳۶: حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن عروۃ ان عآئشۃ اخبرتہ قالت اعتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ بالعشاء و ذٰلک قبل ان یفشوا الاسلام فلم یخرج حتیٰ قال عمرؓ نام النسآء والصبیان فخرج فقال لاھل المسجد ماینتظرھا احدمن اھل الارض غیرکم

۵۳۷: حدثنا محمد بن العلآء قال حدثنا ابواسامۃ عن برید عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ قال کنت انا واصحابی الذین قد موامعی فی السفینۃ نزولا فی بقیع بطحان والنبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ فکان یتناوب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند صلوٰۃ العشآء کل لیلۃ نفرمنھم فوافقنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا واصحابی ولہ بعض الشغل فی بعض امرہ فاعتم بالصلوٰۃ حتیٰ ابھآر اللیل ثم خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصلی بھم فلما قضیٰ صلوٰتہ قال لمن حضرہ علیٰ رسلکم ابشروا ان من نعمۃ اللہ علیکم انہ لیس احد من الناس یصلی ھٰذہ الساعۃ غیرکم اوقال ما صلےٰ ھٰذہ الساعۃ احد غیرکم لایدری ای الکلمتین قال قال ابوموسیٰ فرجعنا فرحیٰ بما سمعنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: ۵۳۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک شب عشا کی نماز میں رسول خدا ﷺ نے تاخیر کر دی یہ (واقعہ) اسلام کے پھیلنے سے پہلے (کا ہے) (چنانچہ) آپ اس وقت نکلے، جس وقت حضرت عمرؓ نے آپ سے آ کر (کہا) کہ عورتیں اور بچے سو چکے۔ آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا، کہ زمین والوں میں سوا تمہارے کوئی اس نماز کا منتظر نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵۳۷۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ میں اور میرے وہ ساتھی جو کشتی میں میرے ہمراہ آئے تھے بقیع بطحان میں مقیم تھے۔ اور نبی کریم ﷺ مدینہ میں تھے، تو ان میں سے کئی کئی آدمی نوبت بہ نوبت نبی کریم ﷺ کے پاس جاتے تھے (ایک دن) ہم سب یعنی میں اور میرے ساتھی نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپکو اپنے (کسی) کام میں (ایسی) مصروفیت تھی، کہ (عشاء کی) نماز میں آپ نے تاخیر کر دی، یہاں تک کہ رات آدھی ہو گئی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ اور لوگوں کو نماز پڑھائی جب آپ نماز ختم کر چکے تو جو لوگ وہاں موجود تھے، ان سے فرمایا، کہ ٹھہرو، خوش ہو جاؤ، کیونکہ تم پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ تمہارے سوا کوئی آدمی اس وقت نماز نہیں پڑھتا، یا یہ فرمایا کہ اس وقت میں تمہارے سوا کسی نے نماز نہیں پڑھی، معلوم نہیں آپ نے (ان دو جملوں میں سے) کون سا فرمایا حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ ہم اس بات سے جو کہ رسول خدا ﷺ سے ہم نے سنی خوش ہو کر لوٹے۔

تشریح:۔ حافظؒ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے جو دو حدیثیں اس باب میں ذکر کی ہیں ان دونوں سے کوئی واضح خصوصی فضیلت نماز عشاء کی ثابت

نہیں ہوتی، البتہ انتظار عشا کی فضیلت نکلتی ہے، شاید وہی مراد ہو۔ (فتح صفحہ ۳۲۲) لیکن اگر انتظار کی فضیلت بتلانی تھی تو یہ لفظ کیوں حذف کیا اور آگے امام بخاری کتاب الاذان میں ایک باب مسجد میں انتظار صلوٰۃ کا لائیں گے تو تکرار ہو گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا کہ ظاہر یہ ہے کہ حسب ارشاد نبوی نماز کا یہ وقت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا یہی نماز عشا کی فضیلت بن گئی۔ پھر شاہ صاحبؒ نے انتظار والی توجیہ کے مقابلہ میں اسی توجیہ کو ترجمۃ الباب کے مناسب بتلایا اور لکھا **کما لایخفی علی من له طبع سلیم.** گویا انتظار والی توجیہ طبع سلیم پر گراں ہے اور علامہ عینی نے بھی حافظ کی توجیہ پر نقد کیا ہے، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک فضل انتظار العشا ہی فضل العشا ہے۔ (الابواب ۲ صفحہ ۲۴۵) لیکن سوال یہ ہے کہ انتظار کی فضیلت تو ہر ایک نماز کے لئے یکساں ہے، اس میں عشا کی الگ کیا خصوصیت ہے، لہٰذا بہتر توجیہ وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بیان کی اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اور آپ نے اس بارے میں پوری تحقیق وتفصیل بھی فرمائی جو قابل ذکر ہے۔

افادۂ انور: حضرتؒ نے قولہ علیہ السلام **و ما ینتظرها احد غیر کم** پر فرمایا کہ علامہ سیوطیؒ نے حصر بہ نسبت اہل کتاب کے قرار دیا اور اپنی شرح البخاری میں یہ دعویٰ کیا کہ عشا کی نماز کسی امت میں نہیں تھی بجز اس امت کے، اور امام طحاوی کے قول سے استدلال کیا کہ سب سے پہلے عشا کی نماز ہمارے نبی اکرم ﷺ نے پڑھی ہے، لیکن اس میں مجھے تامل ہے کیونکہ سب نمازیں دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہیں، اگرچہ ان کی امتوں پر فرض نہ تھیں، اور بنی اسرائیل پر صرف فجر وعصر کی نماز تھی جیسا کہ نسائی میں ہے۔ اس لئے علامہ سیوطیؒ کی رائے مذکور کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ عشا کی نماز بوصف فرضیت اسی امت کے ساتھ خاص ہے اور دوسروں نے اگر پڑھی ہے تو وہ نفل کے طور پر پڑھی ہے۔ لہٰذا **ما ینتظرها** کا مطلب بھی بحیثیت فرض ہونے کے ہوگا، بعض نے یہ کہا کہ ابتدا میں اسلام چونکہ اطراف مدینہ میں نہ پھیلا تھا جیسا کہ حدیث الباب میں بھی اس کا ذکر ہے لہٰذا حصر بہ نسبت اطراف کے ہوگا۔ (یہاں فیض الباری صفحہ ۲۔۱۳۱ میں بجائے اطراف کے الکفار غلط ہے) حافظ اور عینی نے لکھا:۔ مراد یہ ہے کہ اس ہیئت مخصوصہ یعنی جماعت کے ساتھ نماز نہ ہوتی تھی۔ بجز مدینہ کے، اور اسی کو داؤدی نے بھی اختیار کیا ہے۔ کیونکہ مکہ معظمہ میں تو صحابہ کرام کمزور تھے، چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، اور بجز مکہ و مدینہ کے اور شہروں میں اسلام داخل نہ ہوا تھا (فتح ۲ صفحہ ۳۴ و عمدہ ۲ صفحہ ۵۷۸) پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حصر بہ نسبت مسجد نبوی کے ہو اور دوسری مساجد میں نماز عشا اپنے وقت پر بلا تاخیر کے ہو جاتی ہو، کیونکہ حسب روایت دار قطنی مدینہ میں ۹ مساجد تھیں، اور علامہ سمہودی نے بھی متعدد بتلائی ہیں، یعنی دوسری مساجد میں لوگ نماز عشا پڑھ کر سو چکے، اور تم میری وجہ سے تاخیر سے پڑھ رہے ہو۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری صفحہ ۹۱ میں حدیث آنے والی ہے، جس میں حضور علیہ السلام کا ارشاد **صلی الناس وارقدوا** الخ موجود ہے، جس سے حضرتؒ کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے اور صفحہ ۱۱۹ میں **ولم یکن احد یومئذ یصلی غیر اهل المدینة** اور دوسری جگہ اسی صفحہ پر **ما ینتظرها احد غیر کم من اهل الارض، ولا تصلی یومئذ الا بالمدینة** بھی ہے، ان سب کو سامنے رکھ کر بات منقح ہو جاتی ہے۔

تحقیق مزید: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مسجد نبوی میں انتظار نماز عشا کے واقعات متعدد اوقات میں پیش آئے ہیں، یہاں حضرت عائشہ کی حدیث میں ابتداء اسلام کا واقعہ ہے پھر حضرت ابو موسیٰؓ کی حدیث بہت بعد کی ہے، کیونکہ وہ حبشہ سے ۷ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ہیں، وہ یمن سے حضور علیہ السلام کی زیارت شریفہ کے لئے نکلے تو پہلے ہی تھے، مگر راستہ میں ہوا آندھی نے ان کو حبشہ میں پھینک دیا اور وہاں وہ سات سال تک رکے رہے، پھر وہ مع اپنے اصحاب کے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے اور بقیع بطحان میں اترے، وہاں سے نوبت بہ نوبت ان میں سے کچھ افراد حضور اکرم ﷺ کی خدمت مبارک میں ہر رات عشاء کے وقت حاضر ہوا کرتے تھے اور اسی زمانہ کا قصہ حدیث

میں بیان ہوا ہے، اور باب النوم قبل العشاء میں جو حدیث ابن عباس آنے والی ہے، اس کا واقعہ اس سے بھی بعد کا ہے کیونکہ وہ ۸ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے چشم دید حالات بعد کے ذکر فرماتے ہیں۔

حضرتؒ نے اس تفصیل کی کوئی خاص وجہ بیان نہیں فرمائی، اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی اس کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، احقر عرض کرتا کہ شاید مقصد یہ ہوگا کہ ہر زمانہ کے مناسب توجیہ اختیار کر لی جائے، اور خاص طور سے مسجد نبوی والی توجیہ ہر زمانہ کے لئے موزوں ہو سکتی ہے، یعنی دوسری مساجد مدینہ میں نماز عشا میں اتنی تاخیر نہ ہوتی تھی جتنی مسجد نبوی میں ہو جاتی تھی، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرات صحابہ کرام علوم دینیہ حاصل کرنے کے لئے مختلف اطراف سے پہنچے تھے، اور کچھ کچھ دن قیام کر کے اپنے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام کی ہمہ وقتی مشغولی اور شبانہ تعلیم جاری رہنے کے سبب سے نماز عشا میں تاخیر معمولی بھی اور بعض اوقات غیر معمولی بھی ہو جاتی ہوگی، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہوگا کہ آپ دن کے معمولات سے تھک کر بعد مغرب آرام فرماتے ہوں گے، اس لئے بھی نماز عشا میں زیادہ تاخیر ہو جاتی ہوگی، وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ اتنی تاخیر کی مسجد نبوی کے علاوہ کہیں بھی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

باب ما یکرہ من النوم قبل العشآء

(عشاء کی نماز) سے پہلے سونا مکروہ ہے)

۵۳۸: حدثنا محمد بن سلام قال حدثنا عبدالوهاب الثقفي قال حدثنا خالدن الحذآء عن ابی المنهال عن ابی برزة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یکره النوم قبلها والحدیث بعدها

ترجمہ ۵۳۸: حضرت ابوبرزہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ عشا سے پہلے سونے کو، اور اس کے بعد بات کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، اگر کوئی نماز عشا کے وقت اٹھانے والا ہو، یا عادۃً نماز سے قبل اٹھ سکتا ہو تو سونے میں کوئی حرج نہیں، (بشرط یہ کہ نماز قضا نہ ہو کہ صبح تک سوتا ہی رہے) امام طحاویؒ نے فرمایا کہ رخصت صرف دخول وقت عشا سے قبل کے لئے ہے، اس کے بعد کراہت ہے۔

باب النوم قبل العشآء لمن غلب

(جس شخص پر نیند کا غلبہ ہو اس کے لئے عشاء سے پہلے سونے کا بیان)

۵۳۹: حدثنا ایوب بن سلیمان قال حدثنی ابوبکر عن سلیمان قال صالح بن کیسان اخبرنی ابن شهاب عن عروة ان عآئشه قالت اعتم رسول الله صلی الله علیه وسلم بالعشآء حتیٰ ناداه عمر الصلوٰة نام النسآء والصبیان فخرج فقال ما ینتظرها من اهل الارض احدغیرکم قال ولا یصلی یومئذ الابالمدینه قال وکانوا یصلون فیما بین ان یغیب الشفق الیٰ ثلث اللیل الاول

۵۴۰: حدثنا محمود قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبر نا ابن جریج قال اخبرنی نافع قال حدثنا عبدالله بن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم شغل عنها لیلة فاخرها حتی رقد نافی المسجد ثم استیقظنا ثم رقد نا ثم استیقظنا ثم خرج علینا النبی صلی الله علیه وسلم ثم قال لیس احد من اهل الارض ینتظر الصلوٰة غیرکم و کان ابن عمر لا یبالی اقدمها ام اخرها اذاکان لایخشیٰ ان یغلبه النوم عن وقتها و قد کان یرقدقبلها قال ابن جریج قلت لعطاء فقال سمعت ابن عباس یقول اعتم رسول الله صلی الله علیه

وسلم ليلة بالعشآء حتىٰ رقد الناس واستيقظوا ورقدوا واستيقظوا فقام عمر بن الخطاب فقال الصلوٰة قال عطآء قال ابن عباس فخرج نبی الله صلی الله علیه وسلم کانی انظر الیه الاٰن یقطر راسه' مآء واضعاً یده' علیٰ راسه فقال لولا ان اشق علیٰ امتی لامرتهم ان یصلوها هٰکذا فاستثبت عطآء کیف وضع النبی صلی الله علیه وسلم علیٰ راسه یده' کمآ انباه ابن عباسؓ فبددلی عطآء بین اصابعه شیئاً من تبدید ثم وضع اطراف اصابعه علیٰ قرن الراس ثم ضمها یمرها کذٰلک علیٰ الراس حتیٰ مست ابهامه' طرف الاذن مما یلی الوجه علی الصدغ وناحیة اللحیة لایعصرولا یبطش الا کذٰلک وقال لولآان اشق علیٰ امتی لامرتهم ان یصلوا هٰکذا.

ترجمہ ۵۳۹: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں، کہ (ایک مرتبہ) رسول خدا ﷺ نے عشا (کی نماز) میں تاخیر کردی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو آواز دی، کہ نماز (تیار ہے) عورتیں اور بچے سو گئے، تب آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا، کہ اس نماز کا تمہارے سوا کوئی انتظار نہیں کرتا (ابو برزہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک مدینہ منورہ کے سوا اور کہیں نماز نہ پڑھی جاتی تھی، وہ کہتے ہیں کہ صحابہ (عشاء کی نماز) شفق کے غائب ہوجانے کے بعد رات کی پہلی تہائی تک پڑھ لیتے تھے۔

ترجمہ ۵۴۰: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک رات رسول خدا ﷺ کو عشا کے وقت کوئی ضرورت پیش آ گئی، اس وجہ سے آپ کو (عشا کی) نماز میں تشریف لانے میں تاخیر، ہوگئی، یہاں تک کہ ہم مسجد میں سو رہے، پھر جاگے، پھر سو رہے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف لائے، اور فرمایا کہ اس وقت زمین والوں میں تمہارے سوا کوئی (اس) نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے، (اور ابن عمر کچھ پروانہ کرتے تھے، کہ عشاء کی نماز جلد پڑھ لیں یا دیر میں پڑھیں۔ بشرطیکہ نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا۔ اور کبھی وہ عشاء سے پہلے سو رہتے تھے، ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطاء سے (اس حدیث کو) بیان کیا تو انہوں نے کہا، کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا وہ کہتے تھے، کہ ایک شب رسول خدا ﷺ نے عشاء کی نماز میں اس حد تک تاخیر کردی کہ لوگ سو رہے اور پھر جاگے، اور پھر سو رہے اور پھر جاگے، تو عمر بن خطاب کھڑے ہوگئے، اور انہوں نے (جا کر آپ سے) کہا کہ نماز (تیار ہے) عطاء کہتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا، پھر رسول خدا ﷺ باہر تشریف لائے گویا کہ میں آپ کی طرف اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے، اور آپ اپنا ہاتھ سر پر رکھے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا، کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو یقیناً انہیں حکم دے دیتا کہ عشاء کی نماز اسی طرح (اسی وقت) پڑھا کریں (ابن جریج کہتے ہیں) پھر میں نے عطاء سے بطور تحقیق کے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر کس طرح رکھا تھا، جیسا کہ ابن عباس نے ان کو خبر دی تو عطاء نے میرے (دکھانے کے) لئے اپنی انگلیوں کے درمیان میں کچھ تفریق کردی اس کے بعد اپنی انگلیوں کے سرے سر کے ایک جانب پر رکھ دیئے پھر ان کو ملا کر اس طرح سر پر کھینچ لائے۔ یہاں تک کہ ان کا انگوٹھا ان کے کان کی لو سے جو چہرے کے قریب ہے، داڑھی کے کنارے مل گیا، آپ جب پانی بالوں سے نچوڑتے اور جلدی کرنا چاہتے تو اسی طرح فرمایا کرتے، آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا، تو بے شک انہیں حکم دے دیتا کہ وہ (عشاء کی نماز) اسی طرح (یعنی اسی وقت) پڑھا کریں۔

تشریح: حضرت نے فرمایا کہ حالات کے مطابق تقسیم ہے، اسی لئے جس پر کسی وجہ سے نیند کا زیادہ غلبہ ہوتو اس کے لئے بھی شرعاً گنجائش واجازت ہے۔ حدیث الباب میں ہے کہ عشا کی نماز غروب شفق سے تہائی شب تک پڑھائی جاتی تھی، اس لئے شفق کی تحقیق بھی ضروری ہوئی، علامہ خطابی نے لکھا: کچھ حضرات کی رائے ہے کہ شفق سرخی ہوتی ہے غروب کے بعد، یہ حضرت ابن عمر وحضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور مکحول وطاؤس کا بھی یہی قول ہے امام مالک، سفیان ثوری، ابن ابی لیلی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد واسحٰق نے اسی کو اختیار کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے

شفق بیاض کو قرار دیا جو سرخی کے بعد ہوتی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی یہی منقول ہے، اسی قول کو امام ابوحنیفہ اور اوزاعیؒ نے اختیار کیا، تیسری رائے بعض حضرات کی یہ بھی ہے کہ شفق حمرۃ و بیاض ملی جلی کا نام ہے کہ نہ خالص سرخی ہو نہ کھلی سفیدی، (معالم السنن صفحہ۱ تا ۱۲۵)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے بھی یہ آخر کا قول زیادہ پسند ہے کیونکہ شفق اشفاق وشفقت سے مأخوذ ہے، جس کے معنی میں رقت ہے، اس لئے اس میں دونوں کا ہلکا رنگ وعکس ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا وقت ہوتا ہے تقریباً اتنا ہی غروب شمس سے غروب شفق ابیض تک ہوتا ہے۔ علم ریاضی والوں نے یہی تحقیق کی ہے نیز فرمایا کہ احادیث میں جو عشا کا وقت ثلث یا نصف لیل تک آیا ہے وہ سورۂ مزمل کی آیت "قم اللیل الا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا اوزد علیه" کے مطابق ہے، حق تعالے نے اوقات لیل کو نماز عشا اور نماز تہجد کے درمیان تقسیم فرمادیا ہے، اگر عشا کو نصف کے اندر پڑھ لیا تو باقی نصف تہجد کے لئے رہ گئی اور اگر نماز عشا ثلث کے اندر پڑھی تو اس رات میں باقی دو ثلث تہجد کے لئے رہ گئے۔ اور اسی کے مطابق نزول باری بھی ہوتا ہے، کہ اس کی روایات بھی عشا کی طرح کوئی نصف کی ہے کوئی ثلث کی حافظؒ نے اگرچہ ثلث آخر کو ترجیح دی ہے مگر میرے نزدیک محقق یہ ہے کہ سب روایات صحیح ہیں، اور نزول کے بھی انواع ہیں، کسی کا وقت ثلث کے لئے ہے، کسی کا نصف کے لئے اور ہم ان نزولات کی کیفیات وذوق سے ناواقف ہیں مزید تحقیق اس کے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

باب وقت العشآء الیٰ نصف اللیل وقال ابوبرزة کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستحب تاخیرھا

۵۴۱: حدثنا عبدالرحیم المحاربی قال حدثنا زائدة عن حمید ن الطویل عن انس قال اخر النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰة العشآء الیٰ نصف اللیل ثم صلی ثم قال قد صلی الناس وقاموا اما انکم فی صلوة ما انتظر تموھا وزادا بنَ مریم قال اخبرنا یحییٰ بن ایوب قال حدثنی حمید سمع انساً کانی انظر الیٰ و بیض خاتمه لیلتئذ

ترجمہ ۵۴۱: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عشا کی نماز میں (ایک مرتبہ) نصف شب تک تاخیر فرمائی، اس کے بعد نماز پڑھی اور فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ کر سو رہے، اور تم نماز میں رہے، جب تک کہ تم نے اس کا انتظار کیا، اور ابن ابی مریم نے اتنی بات زیادہ روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن ایوب نے کہا، وہ کہتے ہیں مجھ سے حمید نے بیان کیا، انہوں نے انسؓ سے سنا کہ گویا میں اس شب والی آپ کی انگوٹھی کی چمک کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔

تشریح: علامہ عینیؒ نے آخر وقت عشا کے لئے صحابہ کرام کے مختلف آثار واقوال ذکر فرما کر لکھا کہ ان ہی کے تحت ائمہ مجتہدین کا بھی اختلاف پیش آیا ہے، چنانچہ قاضی عیاض نے لکھا کہ امام مالک وشافعی (فی قول) ثلث رات تک کے قائل ہیں، اصحاب الرأی وشافعی (فی قول آخر) اور ابن حبیب (مالکیہ میں سے) نصف تک کہتے ہیں، امام نخعی ربع تک مانتے ہیں۔ بعض حضرات طلوع فجر تک کہتے ہیں، یہی قول داؤد کا ہے اور امام مالک بھی وقت ضرورت اس کے قائل ہیں۔ اس کے بعد علامہ عینی نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے مسلک میں تاخیر افضل ہے، مگر لیالی صیف میں شرح ہدایہ میں نصف شب تک تاخیر کو مباح لکھا ہے، بعض نے تاخیر بعد الثلث کو مکروہ بہ کراہت تحریمہ قرار دیا۔ (عمدہ ۲ صفحہ ۵۷۳)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ۔ نماز عشا ثلث لیل تک مستحب ہے، اور نصف تک جائز بلا کراہت ہے، اس کے بعد کراہت تنزیہی ہے، جیسا

کہ محقق ابن امیر الحاج نے تحقیق کی ہے اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے، پھر جن حضرات نے کراہت تحریم کہا ہے وہ بھی مسافر کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اس لئے بعد نصف بھی بلا کراہت مانتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مسافر کے لئے تاخیر مغرب میں بھی کراہت نہیں تاکہ وہ جمع صوری کر سکے، یعنی مغرب کو آخر وقت میں اور عشا کی اول وقت میں پڑھ لے (غیر مسافر کے لئے حنفیہ کے یہاں بھی مغرب میں تعجیل مسنون ہے اور تاخیر مکروہ) حافظ نے لکھا کہ یہاں تو امام بخاری نے نصف لیل تک کا باب باندھا ہے۔ مگر مسلم میں حدیث صریح ہے جس میں اول و آخر وقت عشا کا بیان ہے، علامہ نووی نے فرمایا کہ نصف لیل تک وقت اداء مختار ہے، لیکن وقت جواز طلوع فجر تک ہے، کیونکہ حضرت ابوقتادہ سے مسلم میں حدیث ہے کہ دوسری نماز تک پہلی کا وقت رہتا ہے، اور پہلی نماز میں اتنی تاخیر کرنا ممنوع نہیں ہے۔ اصطخری نے ضرور یہ کہا ہے کہ اگر آدھی رات گذر گئی تو پھر نماز عشا وقتا ہو گئی، مگر جمہور کا استدلال حدیث ابی قتادہ مذکور سے ہے۔ اس پر حافظ نے اضافہ کیا کہ عموم حدیث ابی قتادہ سے بالا جماع نماز فجر کو مستثنیٰ کریں گے (کہ اس کا وقت دوسری نماز یعنی ظہر تک نہیں ہے) اور امام شافعی کے قول جدید پر مغرب کو بھی۔ (کہ اس قول پر مغرب کا وقت ان کے نزدیک صرف اتنا ہے کہ وضو وغیرہ کر کے تین رکعات پڑھ لے) حافظ نے یہاں یہ بھی لکھا کہ مجھے امتداد وقت عشا الی طلوع الفجر کے لئے کوئی صریح حدیث نہیں ملی (فتح ۲ صفحہ ۳۵)

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک امام بخاری نے بھی اصطخری کا مسلک اختیار کیا ہے، اور وہ ایک قول امام شافعی و مالک کا بھی ہے۔ لیکن اسی حدیث الباب بخاری میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز عشا کو نصف لیل تک موخر کیا، اور پھر نماز پڑھی اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے نصف کے بعد نماز پڑھی تو ظاہر ہے کہ پھر یہ وقت صبح تک کے لئے ہو گیا کیونکہ اقوال صرف تین ہی ہیں۔ ایک ثلث کا دوسرا نصف کا' تیسرا طلوع فجر تک کا، ایسا قول کسی کا بھی نہیں ہے کہ بعد نصف کے اور طلوع فجر سے پہلے ختم ہو۔ امام طحاوی نے کہا کہ تمام احادیث پر نظر کر کے یہ بات ثابت ہے کہ عشا کا وقت جائز طلوع فجر تک ہے کیونکہ حدیث حضرت عائشہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز کو مؤخر کیا تا آنکہ بیشتر رات کا حصہ جاتا رہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پوری رات ہی نماز عشا کا وقت ہے، اور اس کی تائید کتاب حضرت عمرؓ بنام ابی موسیٰ سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ عشا کی نماز رات کے جس حصہ میں چاہو پڑھو، اور حدیث ابی قتادہ مسلم کی اوپر گذری ہے، جس سے علامہ نووی نے بھی طلوع فجر تک کا وقت تسلیم کیا ہے، پھر امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں پوری تفصیل سے اسی کو ثابت کیا ہے اور لکھا کہ حضرت عبید بن جریج نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سوال کیا کہ نماز عشا میں افراط کیا ہے، آپ نے جواب دیا طلوع فجر۔ (اس سے بھی وقت جواز کی انتہا معلوم ہوئی) حاشیہ لامع ۲۲۳ صفحہ ۲۲۲ اول، او جز اصفحہ ۲ میں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عشا کا وقت طلوع فجر تک ہے۔ اور مغنی میں بھی وقت ضرورت طلوع فجر ثانی تک ہے۔ ابھی امام طحاوی کے مسلک اور تحقیق کا حوالہ بھی اوپر آ چکا ہے۔

انتظار صلوۃ کا مطلب: حدیث الباب میں ہے کہ جب تک تم نماز کے انتظار میں رہو گے تمہارا وقت نماز میں ہی شمار ہوگا۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ تو نماز جماعت سے پہلے مسجد میں جا کر وہاں انتظار صلوۃ میں بیٹھنے کی فضیلت ہے جو اور بھی بہت سی احادیث میں وارد ہے، مگر بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نماز سے فارغ ہو کر دوسری نماز کا انتظار کرنے میں بھی بڑی فضیلت ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ اس پر تعامل بھی ہوا یا نہیں کیونکہ سلف سے یہ بات شہرت و کثرت کے ساتھ منقول نہیں ہوئی کہ وہ نمازوں کے بعد دوسری نمازوں کے لئے مساجد میں رکے رہتے تھے، حالانکہ فضیلت کی بہ کثرت احادیث کے پیش نظر عملی نظائر بھی سامنے ضرور آئے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید مراد فقط تعلق قلب ہو۔ اور اس معنی کی تائید بھی بعض احادیث سے ہوتی مثلاً حدیث ابی ہریرہؓ بخاری و مسلم میں ہے کہ سات آدمیوں کو حق تعالیٰ قیامت کے روز اپنے سایہ میں جگہ دے گا ان میں سے ایک وہ بھی ہے جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہے (کہ کب نماز کا وقت ہو اور مسجد میں جاؤں) اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مومن کی سب سے بڑی خوبی اسکے قلب کا انتظار و دھیان نماز و مسجد کی طرف ہے، اور مسجد و نماز میں

بھی اگر دل باہر کی چیزوں میں ہوتو وہ بالکل بے سود ہے۔ اور اگر کسی کو دونوں باتیں میسر ہوں کہ قلب وجسم دونوں مسجد میں ہوں تو یہ ظاہر ہے نور علی نور ہے، اسی سلسلہ کی کچھ احادیث سے نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر ذکر اللہ کرنے کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب فضل صلوٰة الفجر والحديث

نماز فجر کی فضیلت کا بیان اور حدیث

۵۴۲: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيىٰ عن اسماعيل قال حدثنا قيس قال قال لي جرير بن عبدالله كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم اذا نظر الى القمر ليلة البدر فقال اما انكم سترون ربكم كما ترون هٰذا لاتضامون اولا تضاهون في رويته فان استطعتم الاتغلبوا علىٰ صلوٰة قبل طلوع الشمس و قبل غروبها فافعلوا ثم قال فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها قال ابوعبدالله زادابن شهاب عن اسماعيل عن قيس عن جرير قال النبي صلى الله عليه وسلم سترون ربكم عياناً

۵۴۳: حدثنا هدبة بن خالد قال حدثنا همام قال حدثني ابوجمرة عن ابي بكر بن ابي موسىٰ عن ابيه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من صلے البردين دخل الجنة و قال ابن رجآء حدثنا همام عن ابي جمرة ان ابابكر بن عبدالله ابن قيس اخبره بهٰذا

۵۴۴: حدثنا اسحٰق قال حدثنا حبان قال ثنا همام قال حدثنا ابوجمرة عن ابي بكر بن عبدالله عن ابيه عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله

ترجمہ ۵۴۲: حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم (ایک مرتبہ) شب بدر میں نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ آپ نے چاند کی طرف نظر فرمائی۔ اور فرمایا، سنو! عنقریب تم لوگ اپنے پروردگار کو بے شک وشبہ اسی طرح دیکھو گے، جس طرح (اس وقت) اس چودھویں رات) چاند کو دیکھ رہے ہو، لہٰذا اگر تم یہ کر سکو کہ طلوع آفتاب سے قبل کی نماز پر (شیطان سے) مغلوب نہ ہو، تو کرو، پھر آپ نے فرمایا فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها، امام بخاری کہتے ہیں، کہ ابن شہاب نے اسمٰعیل سے انہوں نے قیس سے انہوں نے جریر سے اتنے لفظ زیادہ روایت کئے ہیں کہ عنقریب تم اپنے پروردگار کو علانیہ دیکھو گے۔

ترجمہ ۵۴۳: حضرت ابوبکر بن ابی موسی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں پڑھ لے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، اور ابن رجا نے کہا کہ ہم سے ہمام نے بواسطہ ابو جمرہ، اور ابوبکر بن عبداللہ بن قیس نے اس کو بیان کیا۔

ترجمہ ۵۴۴: ہم سے اسحٰق نے بواسطہ حبان، ہمام، ابو جمرہ و ابوبکر، حضرت عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کے مثل روایت کیا۔

تشریح:۔ اوپر ترجمۃ الباب میں ''والحدیث'' کا جو لفظ ہے، وہ صرف روایت ابی ذر میں ہے، حافظ نے لکھا کہ اس لفظ کے لئے یہاں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اور کرمانی نے جو "باب فضل الفجر و باب الحديث الوارد في فضل صلوة الفجر" سے توجیہ کی ہے وہ بعید ہے، کیونکہ یہ زیادتی کسی متخرج میں بھی نہیں ہے اور نہ کسی شارح نے اس طرف توجہ کی تو بظاہر وہ غلط اور وہم ہے، یا باب فضل صلاة الفجر و العصر ہوگا، عصر کی جگہ الحدیث لکھا گیا۔ (فتح ۲ صفحہ ۳۵) علامہ عینی نے لکھا کہ حافظ ابن حجر کا کرمانی کی توجیہ کو رد کرنا اور خود اس زیادتی کو وہم قرار دینا دونوں باتیں نامناسب ہیں، بلکہ وہم و تحریف والی توجیہوں سے کرمانی کی توجیہ بہتر ہے، اور میرے نزدیک یہ توجیہ ہے کہ رات کو سونے کے بعد صبح کو اٹھنا نئی زندگی کا حصول ہے، اسی لئے سو کر اٹھنے کی دعا بھی الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا و اليه

النشور، وارد ہے، لہٰذا اٹھ کر بطور اداء شکر صبح کی نماز پڑھنی ہے، اور چونکہ اس کی ادائیگی کی حدیث میں فضیلت بھی نہایت عظیم ہے اس لئے اس کی طرف ترجمۃ الباب میں اشارہ کیا ہے۔ (عمدہ ۲ صفحہ ۵۸۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ لفظ مذکور کہ زیادتی پر شارحین نے بہت سی توجیہات کی ہیں لیکن کوئی شافی بات نہ ہو سکی، میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت تراجم ابواب کے اندر یہ بھی ہے کہ اگر کسی غیر مقامی حدیث سے بھی کوئی فائدہ لینا چاہتے ہیں تو اس کو ترجمہ کے ضمن میں ذکر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ اس ترجمہ کے مناسب نہ ہو، اور میں اس کا نام ''انجاز'' رکھتا ہوں یہاں بھی میرے نزدیک یہی صورت ہے کہ فضیلت نماز فجر کا ذکر ہے، اور اس کی کوئی مناسبت حدیث بعد العشاء سے نہیں ہے، مگر چونکہ حدیث الباب میں اس کا ذکر ہے کہ حضور علیہ السلام سے صحابہ کرام نے فضیلت نماز فجر کو مسجد نبوی میں چاندنی رات کے اندر حاضر خدمت رہ کر سنا ہے تو اسی فائدہ کے لئے بطور ''انجاز'' امام بخاری نے ''الحدیث'' سے اشارہ حدیث بعد العشاء کی طرف کر دیا، اور بتلایا کہ کسی دینی بات کو بعد عشا بھی کر سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس توجیہ کو اقرب التوجیہات فرمایا، ساتھ ہی کچھ تامل بھی اس لئے کیا کہ کوئی تصریح اس امر کی کتب حدیث میں نہ مل سکی کہ حضور علیہ اسلام کا یہ ارشاد بعد نماز عشاء کے صادر ہوا ہے، اگرچہ احتمال زیادہ اسی کا ہے کیونکہ بدر کی روشنی اسی وقت شدید وقوی ہوتی ہے جو مقام تشبیہ کے لئے زیادہ موزوں ومناسب ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے دو توجیہ منقول ہیں ایک یہ کہ باب کا لفظ مقدر مانیں یعنی باب فضل صلوٰۃ الفجر و باب فضل الحدیث فیہ اور تکرارِ باب اس حدیث کی عظیم منقبت ظاہر کرنے کے لئے ہوا، کیونکہ اس میں رؤیتِ باری تعالیٰ کی بشارت دی گئی ہے، (لیکن تکرار لفظ باب سے تو بہتر یہ ہے کہ والحدیث کو صلوۃ الفجر پر عطف کر دیں، اس سے بھی یہی فائدہ حاصل ہوگا، دوسرے یہ کہ حدیث الباب میں تو فضیلت عصر کی بھی رؤیۃ باری عز اسمہ کے ساتھ ہے، وہاں بھی باب فضل صلوۃ العصر والحدیث لانا تھا، جبکہ وہاں بھی یہی حدیث جریر گذر چکی ہے)

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ''الحدیث کا عطف فضل پر کیا جائے، یعنی وباب الکلام بعد الفجر کہ فجر کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہیں، جیسا کہ آیت **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها** کے یہاں ذکر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت تسبیح کا ہے۔ اور احادیث میں بھی کراہت وارد ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آیت حکم تسبیح قبل طلوع الشمس میں تسبیح کرنے کا حکم ہے، جس کی تعمیل نمازِ فجر کے ذریعہ ہوگئی۔ پھر جس طرح قبل غروب والی نماز عصر کے بعد باتیں کرنے کی کوئی ممانعت آیت سے نہیں نکلتی اسی لئے نمازِ عصر کے بعد باتیں کرنا جائز ہے، یہاں بھی نمازِ فجر کے بعد اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ پھر بعد نماز فجر کے اگرچہ بہتر یہی ہے کہ ذکر واذکار میں مشغول ہو، مگر باتیں کرنے کی ممانعت والی احادیث معلوم نہ ہو سکیں جیسی کہ ممانعت حدیث بعد العشاء کی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب وقت الفجر

نماز فجر کے وقت کا بیان

۵۴۵: حدثنا عمرو بن عاصم قال حدثنا همام عن قتادة عن انس ان زيد بن ثابت حدثه' انهم تسحروا مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم قاموآ الى الصلوٰة قلت كم بينهما قال قدر خمسين او ستين يعني اٰية

۵۴۶: حدثنا الحسن بن الصباح سمع روح بن عبادة قال حدثنا سعيد عن قتادة عن انس بن مالك ان نبي صلى الله عليه وسلم وزيد بن ثابت تسحرا فلما فرغامن سحورهما قام النبي صلى الله عليه وسلم

الی الصلوٰۃ فصلے قلنا لانس کم کان بین فراغھما من سحورھما ودخولھا فی الصلوٰۃ قال قدرما لقرؤ الرجل خمسین اٰیۃ

۵۴۷: حدثنا اسماعیل بن ابی اویس عن اخیہ عن سلیمان عن ابی حازم انہ سمع سھل بن سعد یقول کنت اتسحر فی اھلی ثم تکون سرعۃ بیّ ان ادرک صلوٰۃ الفجر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۵۴۸: حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شھاب قال اخبرنی عروۃ بن الزبیر ان عآئشۃ رضی اللہ عنھا اخبرتہ قالت کن نسآء المومنات یشھدن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الفجر متلفعات بمروطھن ثم ینقلبن الیٰ بیوتھن حین یقضین الصلوٰۃ لایعرفھن احد من الغلس

ترجمہ ۵۴۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ زید بن ثابت نے مجھ سے بیان کیا کہ صحابہ نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سحری کھائی اس کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہو گئے میں نے پوچھا کہ ان دونوں میں کتنا فصل تھا، زید نے کہا، پچاس یا ساٹھ (کی تلاوت) کے اندازے پر۔

ترجمہ ۵۴۶۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ اور زید بن ثابت دونوں نے سحری کھائی جب اپنی سحری سے فارغ ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور اپنی نماز پڑھی، ہم لوگوں نے ان سے پوچھا کہ ان دونوں کے سحری سے فراغت کرنے، اور نماز کے درمیان میں کس قدر فصل تھا، انس نے کہا اس قدر کہ آدمی پچاس آیتیں پڑھ لے۔

ترجمہ ۵۴۷: حضرت ابوحازم سہل بن سعدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے گھر کے لوگوں میں (بیٹھ کر) سحری کھایا کرتا تھا، پھر مجھے اس بات کی جلدی پڑ جاتی تھی کہ کس طرح میں فجر کی نماز رسولِ خدا ﷺ کے ہمراہ پڑھ لوں۔

ترجمہ ۵۴۸: حضرت عروہ بن زبیرؒ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم مسلمان عورتیں رسولِ خدا ﷺ کے ہمراہ فجر کی نماز میں اپنی چادروں میں لپٹ کر حاضر ہوتی تھیں، جب نماز ختم کر چکتیں اور اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاتیں تو کوئی شخص اندھیرے کے سبب سے ان کو پہچان نہ سکتا تھا۔

تشریح: امام بخاری نے اس باب میں چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اور سب سے یہ ثابت کیا ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے جھٹ پٹے وقت میں پڑھنی چاہئے اور یہی مذہب امام مالک، شافعی و احمدؒ کا بھی ہے، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک اسفار میں نماز پڑھنا بہتر ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ شرکت کریں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفی کتاب فقہ مبسوط میں ہے کہ ظہر میں ابراد اور صبح میں اسفار کی فضیلت حنفیہ کے یہاں اس وقت ہے کہ لوگ جمع نہ ہوں، اگر جمع ہوں تو افضل تعجیل ہی ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے عشاء میں بھی تعجیل کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف جواز کا نہیں ہے بلکہ استحباب کا ہے۔ پھر یہ کہ آئمۂ حنفیہ میں سے ہی امام محمد اور امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ غلس (اندھیرے) میں شروع کر کے اسفار (روشنی کے وقت) میں نمازِ صبح ختم کی جائے، اور ختم بھی ایسے وقت میں کر لینی چاہئے کہ اگر نماز لوٹانے کی ضرورت پڑ جائے تو مستحب طریقہ پر پھر سے پڑھی جا سکے، یعنی ۴۰ سے ۶۰ آیات تک دونوں رکعتوں میں پڑھی جا سکیں۔

بحث ونظر: سب سے اول گذارش ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے ابتدائی دور تدریس دارالعلوم دیو بند میں ابوداؤد و مسلم شریف پڑھائی تھیں جبکہ حضرت شیخ الہندؒ ترمذی و بخاری شریف پڑھایا کرتے تھے، اس وقت کے درس کی امالی مولانا محمد صدیق ساکن نجیب آباد ضلع بجنور کی ضبط کردہ "انوار المحمود" کے نام سے طبع شدہ موجود ہے، اور العرف الشذی معارف السنن وفیض الباری (امالی درس ترمذی و بخاری) بھی ہمارے سامنے ہیں، اور حضرتؒ نے "کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ" لامام محمدؒ کے حوالہ سے ایک بات پیش کی ہے، یہ کتاب بھی اب طبع شدہ موجود ہے، لیکن

حضرتؒ کے ارشاد کو پیش کرنے میں کچھ مسامحت ہوگئی ہے،اس کو بھی ہم واضح کردینا ضروری سمجھتے ہیں،امام محمدؒ نے جس مقصد سے یہ کتاب لکھی تھی وہ سب اہل علم پر روشن ہے،امام صاحب نے اپنی کتاب کا آغاز اسی مسئلہ سے کیا ہے اور بتلایا ہے کہ حنفیہ اور امام مالکؒ کے اختلاف کی نوعیت کیا ہے،انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ نے آثار کی روشنی میں اور اس لئے بھی کہ لوگ صبح کو نیند کی گرانی سے اٹھتے ہیں،یہ فیصلہ کیا کہ صبح کی نماز اسفار میں پڑھی جائے تا کہ سونے والے اور دوسرے سب ہی جماعت میں شریک ہو جائیں،دوسرا مسلک امام مالک واہل مدینہ کا ہے کہ اندھیرے میں پڑھی جائے،پھر لکھا کہ دونوں کے لئے آثار واخبار ہیں،مگر ہمارے نزدیک اسفار ہی بہتر ہے۔کیونکہ پہلے لوگ جو اندھیرے میں پڑھتے تھے وہ قراءت طویل کرتے تھے،جس سے سونے والوں اور دوسروں کو جماعت کی نماز مل جاتی تھی،اور ختم وہ بھی اسی وقت کرتے تھے،جس وقت اسفار والے کرتے ہیں۔چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے منقول ہے کہ وہ صبح کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھتے تھے،تو معلوم ہوا کہ وہ اندھیرے سے نماز اسی لئے پڑھتے تھے (کہ کافی وقت لگے گا اور اسفار تک نماز ختم ہوگی۔) لیکن جو لوگ تھوڑی قراءت کریں اور مفصل کی سورتیں یا ان کی برابر کی قراءت قرآن مجید سے کریں ان کو اسفار میں ہی پڑھنی چاہئے۔(کتاب الحجہ مع حواشی محدث علام مولانا مفتی مہدی حسنؒ)

اس سے ثابت ووا ضح ہے کہ امام محمدؒ کا مسلک بھی امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف ہی کی طرح ہے،کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر سورۂ بقرہ جیسی طویل قراءت اب بھی کی جائے گی تو ظاہر ہے کہ اس کو اندھیرے میں شروع کرنا پڑے گا،اور جس طرح کتب فقہ حنفی میں ہے کہ صبح کی نماز میں طوال مفصل پڑھی جائیں،یعنی سورۂ حجرات (پارہ نمبر ۲٦) سے سورۂ بروج (پارہ نمبر ۳۰) تک کی سورتیں۔اور اسی کا ارشاد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو فرمایا تھا،ان سب سورتوں میں ۱۸ سے ٦۰ تک آیات ہیں،سورۂ نجم ورحمٰن میں زیادہ ہیں تو ان کی آیات بہت چھوٹی چھوٹی ہیں،غرض دونوں رکعتوں میں جتنی قراءت نماز صبح میں ہونی چاہئے،اس میں ۸-۱۰ منٹ صرف ہو سکتے ہیں،ظاہر ہے کہ اتنی قراءت کے لئے اندھیرے سے نماز شروع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔اور اسی کی طرف امام محمدؒ رہنمائی فرمارہے ہیں،اور اسی لئے انہوں نے اسفار کو احب الینا فرمایا یعنی امام صاحب وغیرہ اور اپنا مسلک ایک ہی قرار دیا،اور اندھیرے میں شروع کرنے کو ایک مخصوص حالت پر محمول کیا،برخلاف اس کے کہ امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ اندھیرے میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرے۔یہ مسلک بالکل الگ ہے کیونکہ امام مالک شافعی واحمد کے نزدیک نماز صبح اندھیرے میں شروع کرنا اور اندھیرے میں ہی ختم کرنا افضل ہے،ائمہ حنفیہ سب ہی کے نزدیک اسفار میں شروع اور اسی میں ختم ہے،صرف امام طحاوی حنفی کا یہ مسلک سب سے الگ ہے کہ اندھیرے میں شروع کر کے اسفار میں ختم ہو۔امام محمدؒ نے اس صورت کو غیر معمولی طوالتِ قراءت پر محمول کر دیا ہے،اور یہ بھی فرمایا کہ پہلے لوگوں نے اس پر عمل کیا تھا اور ظاہر ہے کہ امام ابو یوسف اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ سے الگ نہیں ہی،لہٰذا تینوں ائمہ حنفیہ کا مسلک واحد ہے اور وہی بات نقل مذہب کی کتابوں میں بھی ملتی ہے،غرض کتاب الحجہ اور دوسری کتب نقول میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور حضرتؒ کی مراد بیان کرنے میں مسامحت ہوئی ہے۔حضرتؒ کا مقصد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف تو اسفار ہی کے بدایۃ ونہایۃ میں قائل ہیں امام طحاوی ہدایت فی التغلیس ونہایت فی الاسفار کے قائل ہیں یعنی قراءت خواہ طویل ہو یا قلیل نماز ایسے وقت ہو کہ غلس میں شروع کر کے اسفار پر ختم کرے،کیونکہ غلس اور اسفار کے بھی مراتب ہیں۔امام محمدؒ نے یہ صراحت کی کہ ہم بدایۃ فی التغلیس ونہایۃ فی الاسفار کو صرف غیر معمولی تطویل قراءت پر محمول کرتے ہیں،اس کے سوا دوسری صورتوں میں بدایۃ ونہایۃ دونوں میں اسفار ہی افضل ہے اور چونکہ امام ابوحنیفہ کا منشاء سب لوگوں کا جماعت پالینا ہے،اس لئے طویل قراءت میں وہ بھی یہی کہیں گے جو امام محمد نے فرمایا ہے اور اگر امام طحاوی کے یہاں بھی اطالت قراءت کی قید بدایۃ فی التغلیس ونہایۃ فی الاسفار کے لئے مان لی جائے تو پھر چاروں ائمہ حنفیہ کا مسلک متحد ہو جاتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

دلائل اسفار و حافظ ابن حجرؒ:

حنفیہ کے حق میں اسفارف کے دلائل اتنے زیادہ اور قوی ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی باوجود متصلب شافعی ہونے کے اس کو اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو، معارف السنن ص۲/۴۲، تاہم فتح الباری وغیرہ میں حافظ نے وہی روش رکھی ہے جو دیگر شافعیہ یا وہ خود اختلافی مسائل میں اختیار کیا کرتے ہیں۔ دلائل اسفار اوجز اور معارف السنن، عمدۃ القاری وغیرہ میں دیکھے جائیں۔ ہمیں یہاں اہم بات ذکر کرنی ہے۔

حدیث ابن مسعودؓ کی بحث

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ دلائل اسفار میں ایک حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی ہے، جس کو امام بخاری نے بھی **باب من اذن و اقام لکل واحدۃ** ص۲۲۷ میں ذکر کیا ہے، اور وہ امام شافعی وغیرہ کے مخالف ہے اس میں ہے کہ "میں نے کبھی بھی حضور علیہ السلام کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو، بجز اس دن کے، یعنی یوم مزدلفہ میں صبح کی نماز اور مغرب کی نماز بھی وقت سے بدل کر مزدلفہ کی شب میں عشاء کے وقت میں پڑھی"۔ کیونکہ ظاہر ہے آپ نے اس دن بھی صبح کی نماز طلوع فجر میں قبل تو پڑھی نہ ہوگی کہ وہ تو کسی طرح بھی اور کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا اول وقت پر پڑھنے کو ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے غیر وقت اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے عام معمول کے خلاف تھی، لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کی عام عادت اسفار میں پڑھنے کی ہی تھی ابتداء وقت کی نہ تھی جو شافعیہ کا مسلک ہے اور صرف حج کے موقع پر دسویں ذی الحجہ کو مزدلفہ میں صبح کی نماز اول وقت ہوتے ہی آپ نے پڑھی ہے۔ نیز آپ کے قولی ارشادات سے بھی اسفار کا ہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے قول و فعل دونوں سے اسفار کا مستحب و افضل ہونا واضح ہو گیا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود سے امام ابوحنیفہؒ جمع بین الصلاتین فی السفر کی ممانعت بھی ثابت کی ہے، مگر یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مزدلفہ کی مدات میں جمع بین الصلاتین کا ذکر کر کے یہ بھی کہا کہ اس کے سوا حضور علیہ السلام نے کبھی دو نمازوں کو جمع نہیں کیا، حالانکہ جمع عرفہ سب کے نزدیک ثابت ہے، اور عبداللہ بن مسعود نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا ان کی حدیث قابل استدلال نہیں رہی۔ حضرتؒ نے علامہ نووی کا یہ اعتراض نقل کر کے فرمایا کہ حافظ نے بھی ان کے اعتراض کو ذکر کیا اور خاموشی سے آگے گذر گئے (جیسے اس کو تسلیم کر لیا ہو) میں کہتا ہوں کہ جمع عرفہ کا ذکر بھی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت نسائی میں موجود ہے، ملاحظہ ہو، کتاب الحج میں باب الجمع بین الظہر والعصر بعرفۃ، نسائی ص۲/۴۴ (واضح ہو کہ بعینہ اسی عنوان سے یہ باب کتاب الصلوۃ میں بھی ص۱/۱۰۰ میں امام نسائی نے قائم کیا ہے مگر وہاں ابن مسعود کی یہ روایت ذکر نہیں فرمائی، اس لئے صرف اس کو دیکھ کر یہ سمجھا جاتا ہے کہ نسائی کا حوالہ غلط ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے علامہ نووی سے یہ روایت نسائی پوشیدہ رہی ہو، مگر حافظ ابن حجرؒ سے تو مخفی نہ ہوگی، اس لئے ان کا سکوت موجب حیرت ہے۔

حضرتؒ کے اس قسم کے محدثانہ نکات نہایت قابل قدر ہیں، احقر کا خیال ہے شاید علامہ سندیؒ محشی نسائی شریف کو بھی علامہ نووی کے اعتراض اور حافظ کے سکوت سے یہی یقین ہو گیا ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ضرور گر جانے کے ہی لائق ہے کہ انہوں نے جمع عرفہ ایسی مشہور و متواترات بات کا بھی انکار کر دیا اور فرما دیا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے دو نمازوں کو جمع کیا ہو، بجز مزدلفہ کے اور اسی کی صبح کو فجر کی نماز بھی وقت سے قبل پڑھی (نسائی شریف ص۱/۱۰۰ باب الجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفہ)

اس پر علامہ سندی نے حاشیہ میں لکھا کہ شاید حضرت ابن مسعودؓ کو جمع عرفہ کی خبر نہ پہنچی ہوگی، اس لئے حصر سے ایسی بات فرمادی۔ حیرت ہے کہ نسائی شریف ص۲/۴۴ کی حضرت ابن مسعودؓ سے مروی حدیث **کان رسول اللہ ﷺ یصلی الصلوات لوقتھا الا بجمع و عرفات**، ان سے بھی مخفی ہوگئی۔ ورنہ وہ حاشیہ میں ایسی بات نہ لکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ ان زید بن ثابت

حضرتؒ نے فرمایا: یہ وہی حضرت زید بن ثابتؓ ہیں جو حضور علیہ السلام کی نمازِ شبانہ میں بھی شریک ہوئے ہیں اور ان کا مذہب نماز وتر کے بارے میں وہی ہے جو حنفیہ کا ہے (تفصیل کشف الستر میں ہے)

قولہ کنت اتسحر فی اہلی

یعنی میں اپنے گھر میں سحری کھا کر جلدی کر کے حضور علیہ السلام کے ساتھ نمازِ صبح میں شرکت کرتا تھا، حضرتؒ نے فرمایا کہ بظاہر یہ تغلیس کی نماز صرف رمضان کے لئے تھی، کیونکہ آخری وقت سحری کھا کر سب کو جمع ہونا زیادہ آسان تھا، اور حنفیہ بھی جمع ہونے کی سہولت کے لئے ہی اسفار کو افضل قرار دیتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے اسفار کے لئے ترغیبی ارشادات کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ رمضان کے اندر ہمارے اکابر کا معمول بھی سحری کے بعد متصلا نمازِ فجر کی جماعت کا رہا ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ نمازِ فجر پڑھ کر سونے کا جو معمول ہو گیا ہے وہ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ حدیث میں ہے **الصبحة تمنع الرزق** (جامع صغیر سیوطی ص ۲/۴۹) یعنی صبح کا سونا رزق کو کم کرتا ہے، اور **نوم الصبحة تمنع الرزق** (کنوز الحقائق مناوی ص ۱۳۱/۲ بر حاشیہ جامع صغیر) اسی لئے حضرت شاہ صاحبؒ اپنے تلامذہ کو بھی صبح کے وقت سونے سے روکا کرتے تھے اور یہی حدیث سنایا کرتے تھے، لہٰذا اگر سونا ہی ہو تو طلوع شمس کے بعد سوئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ لا یعرفہن احد من الغلس

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ اس میں "**من الغلس**" حضرت عائشہؓ کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ دوسرے راوی حدیث کا اپنی طرف سے اضافہ اور قیاسی اظہار خیال ہے، کیونکہ ابن ماجہ ص ۴۹ باب وقت الفجر میں اسی حدیث حضرت عائشہؓ میں اس طرح ہے **فلا یعرفهن احد، تعنی من الغلس**، یعنی نیچے کا راوی بتلانا چاہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عدم معرفت کی بات غلس کی وجہ سے فرمائی ہے، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ خود بخاری میں جو دوسری جگہ حضور علیہ السلام کی طرف نسبت کی گئی ہے کہ آپ **غلس** میں پڑھا کرتے تھے یعنی بطریق عادت کے ایسا کرتے تھے تو "دارمی" میں بعینہ اس متن و سند سے حدیث اس طرح ہے:۔ **کان یغلس او کانوا یغلسون**، یعنی اس میں روایت شک کے ساتھ ہے کہ حضور علیہ السلام غلس میں پڑھتے تھے، یا دوسرے حضرات پڑھتے تھے۔ لہٰذا اس سے بھی استدلال ضعیف ہے شکِ راوی کی وجہ سے۔

معرفت سے کیا مراد ہے؟

علامہ نووی نے فرمایا کہ اتنا زیادہ اندھیرا ہوتا تھا کہ مردوں کو عورتوں سے الگ نہ پہچان سکتے تھے، علامہ عینی نے فرمایا کہ معرفتِ عین مراد ہے کہ مثلاً فاطمہؓ کو عائشہؓ سے ممتاز نہ کر سکتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا میرے نزدیک علامہ نووی کی تاویل بہت مستبعد ہے، اور مراد معرفت شخص ہی ہے کہ ایک کو دوسرے سے متمیز نہ کر سکتے تھے۔ یہ نہیں کہ اندھیرا اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ عورتوں کو مردوں سے بھی متمیز نہ کر سکتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب اور علامہ عینی کی رائے واضح ہو جانے کے بعد بھی فیض الباری ص ۲/۳۲۳ سطر ۵ میں **لا یعرف الرجال من النساء** کا اندراج سبقت قلم ہے۔

فلیتنبه له:۔ نہایت افسوس ہے کہ سابقہ مطبوعہ امالی انور کے بیشتر مقامات میں حضرتؒ کی مراد صحیح طور سے پیش نہیں کی جا سکی ہے۔

باب من ادرک من الفجر رکعة

اس شخص کا بیان جو فجر کی ایک رکعت پائے

۵۴۹: حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالک عن زید بن اسلم عن عطآء بن یسار وعن بسر بن سعید و عن الاعرج یحدثونه' عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص آفتاب کے نکلنے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالے، تو اس نے صبح کی نماز پالی، اور جو کوئی آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے، تو بے شک اس نے عصر کی نماز پالی۔

باب من ادرک من الصلوٰة رکعةً

اس شخص کا بیان جس نے نماز کی ایک رکعت پائی

۵۵۰: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال حدثنا مالک عن ابن شھاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن عن ابی ھریرة ان رسول اللہ علیه وسلم قال من ادرک رکعةً من الصلوٰة فقد ادرک الصلوٰة

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز کی ایک رکعت پالے، تو اس نے (پوری) نماز پالی:

باب الصلوٰة بعد الفجر حتیٰ ترتفع الشمس

فجر کے بعد آفتاب بلند ہونے تک نماز پڑھنے کا بیان

۵۵۱: حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا ھشام عن قتادة عن ابی العالیه عن ابن عباسؓ قال شھد عندی رجال مرضیون وارضاھم عندی عمر ان النبی صلی اللہ علیه وسلم نھیٰ عن الصلوٰة بعد الصبح حتیٰ تشرق الشمس و بعدالعصر حتیٰ تغرب

۵۵۲: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن شعبة عن قتادة سمعت اباالعالیة عن ابن عباسؓ قال حدثنی ناس بھٰذا

۵۵۳: حدثنا مسدد قال حدثنا یحیی بن سعید عن ھشام قال قال اخبرنی ابی قال اخبرنی ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لاتحروا بصلوٰتکم طلوع الشمس ولاغروبھا قال حدثنی ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم اذا طلع حاجب الشمس فاخروالصلوٰة حتیٰ ترتفع واذا غاب حاجب الشمس فاخرواالصلوٰة حتیٰ تغیب تابعه' عبدہ

۵۵۴: حدثنا عبید بن اسمٰعیل عن ابی اسامة عن عبیداللہ عن خبیب ابن عبدالرحمٰن عن حفص بن عاصم عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نھیٰ عن بیعتین و عن لبستین و عن صلوٰتین نھیٰ عن الصلوٰة بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس و بعد العصر حتیٰ تغرب الشمس و عن اشتمال الصمآء وعن الاحتیآء فی ثوب واحد یفضی بفرجة الی السمآء و عن المنابذة والملامسة

ترجمہ ۵۵۱: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں، کہ میرے سامنے چند پسندیدہ لوگوں نے کہ ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ میرے نزدیک عمرؓ تھے، یہ بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے اور عصر کے بعد غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔

ترجمہ ۵۵۲: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے چند آدمیوں نے اس حدیث کو روایت کیا۔

تشریح:۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے پہلے ادراک صلوۃ کی حدیث خاص عصر کے لئے ذکر کی تھی پھر باب سابق میں خاص فجر کے لئے، پھر آپ مطلق ہر نماز کے لئے لائے ہیں۔ ممکن ہے اس سے اشارہ یہ ہو کہ پہلی حدیثیں بھی اس مطلق حدیث کی طرح مسبوق کے لئے ہیں۔ تفصیل پہلے ہو چکی۔

ترجمہ ۵۵۳: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی نمازیں طلوع آفتاب کے وقت نہ پڑھو، اور نہ غروب آفتاب کے وقت، عروہ کہتے ہیں، مجھ سے ابن عمر نے (یہ بھی) کہا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے، کہ جب آفتاب کا کنارہ نکل آئے تو آفتاب بلند ہونے تک نماز موقوف کردو اور جب آفتاب کا کنارہ چھپ جائے تو جب تک پورا نہ چھپ جائے، اس وقت تک نماز موقوف کر دو۔ عبدہ نے اس کے تابع حدیث روایت کی ہے۔

ترجمہ ۵۵۴: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے دو قسم کی بیع، اور دو قسم کے لباس اور دو نمازوں سے منع فرمایا، فجر کے بعد نماز پڑھنے سے، جب تک آفتاب اچھی طرح نہ نکل آئے اور عصر کے بعد (نماز سے) جب تک کہ (اچھی طرح) آفتاب غروب نہ ہو جائے اور ایک کپڑے میں اشتمال صماء اور احتیاء سے، جو کہ پورے طور پر شرم گاہ کے لئے پردہ نہ ہو سکے، اور (بیع) منابذہ اور ملامسہ سے۔

تشریح: نماز فجر کے بعد طلوع شمس تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے اور نماز عصر کے بعد بھی غروب شمس تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے چنانچہ امام بخاری نے یہاں چار احادیث ذکر کیں۔ جن سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے، مگر امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں صرف بعد فجر کا ذکر کیوں کیا؟ اس کی وجہ علامہ عینی اور حافظ ابن حجر دونوں نے یہ لکھی کہ احادیث میں اول ذکر بعد فجر کا ہے یا اس لئے کہ حضور علیہ السلام سے بعد عصر کے تو نماز پڑھنا ثابت بھی ہوا ہے، مگر بعد فجر کے نہیں ہوا۔ (عمدہ ص ۵۸۸/۲ و فتح ص ۳۹/۲)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اکابر امت نے حضور علیہ السلام کی نماز بعد العصر کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے ترجمۃ الباب میں سے اسکی صریح و متواتر ممانعت کو نظر انداز کر دینا موزوں نہ تھا اور اولاً و ثانیاً والی تاویل بھی دل کو نہیں لگتی، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس ترجمۃ الباب کا ذکر ہی چھوڑ دیا۔

علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ نماز بعد صبح و بعد عصر دونوں کی ممانعت متواتر احادیث سے ثابت ہے، علامہ عینی نے فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نماز آپ سے مخصوص تھی اور امت کے لئے ممنوع ہی رہی (خیر جاری در حاشیہ بخاری ص ۸۲)

ایک حدیث ترمذی شریف میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو دو رکعت بعد عصر پڑھی تھیں، وہ بعد ظہر کی دو سنت تھیں کیونکہ حضور علیہ السلام لوگوں کو مال تقسیم کرنے میں مشغول ہو گئے تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا، اس کے بعد فرض عصر کے اور دو رکعت پڑھیں اور اس کے بعد پھر کبھی نہ پڑھیں (فتح الباری ص ۴۳/۲) حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ بعد عصر کے نفل نماز مکروہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ہمارے یہاں پانچ وقت نماز کے لئے مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں، طلوع و غروب و استواء کے اوقات جن میں کوئی نماز فرض و نفل جائز نہیں حتیٰ کہ نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بھی۔ اور بعد نماز فجر طلوع تک اور بعد نماز عصر غروب تک قضا نماز، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ جائز ہیں، باقی سب مکروہ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلے تین اوقات میں نماز کے اندر نقص خود وقت کے نقص و خرابی کے سبب آتا ہے اور آخر کے دو وقتوں میں وقت کی وجہ سے کراہت نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ یہ دونوں وقت فرضوں کے لئے رکھے گئے ہیں۔ لہٰذا

کراہت لاجل الوقت نہیں، بلکہ لحق الفرض ہوئی۔ تا کہ پورا وقت فرض نماز کے لئے مشغول ہو۔ اگر وقت کی وجہ سے ہوتی تو فجر وعصر کی تاخیر طلوع وغروب سے قبل تک جائز نہ ہوتی، حالانکہ تاخیر فرض آخر وقت تک جائز ہے اور ممانعت بھی صرف بعد فرض کے لئے نہ ہوتی بلکہ قبل کے لئے بھی ہوتی، اسی لئے ہر قسم کے فرض و واجب ادا و قضا ان وقتوں میں درست ہوئے اور سجدۂ تلاوت ونماز جنازہ بھی واجب بعینہ ہونے کی وجہ سے درست ہوئے، بخلاف دو رکعت بعد الطواف کے کہ وہ واجب بعینہ نہیں بلکہ واجب لغیرہ ہے۔ اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ بعض[1] شارحین ہدایہ سے یہ وجہ فرق مخفی رہی ہے۔

شیخ ابن ہمام کا اعتراض اور تحقیق انور

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ نے جو پانچوں اوقات میں کراہت صلوٰۃ کا فیصلہ فرق وتخصیص کے ساتھ کیا ہے وہ بلا دلیل نہیں ہے، لیکن شیخ ابن ہمام نے اعتراض قائم کیا کہ ممانعت کا حکم آخری دو وقتوں میں بھی پہلے تین اوقات کی طرح مطلق ہے، اور نص شرعی کی تخصیص ابتداء رائے سے کرنا جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تخصیص بالرائے کا مسئلہ وہی ہے جو شیخ نے بتلایا اگرچہ خود حنفیہ کا عمل بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ اخلاق ومعاملات کی احادیث میں تخصیص بے تکلف کرتے ہیں، تاہم یہ تسلیم ہے کہ وہ احادیث عبادات میں ایسا نہیں کرتے وجہ یہ ہے کہ اول میں وجہ حکم واضح وروشن ہوتی ہے اور عبادات میں خفی ہوتی ہے، اسی لئے علامہ ابن دقیق العیدؒ نے تصریح کی ہے کہ وجہ اگر جلی ہو تو تخصیص بالرائے بلانکیر جائز ہے۔

دوسرے یہ کہ یہاں بھی تخصیص ابتداءً نہیں ہے، کیونکہ وتر کی تخصیص حدیث دار قطنی سے ہو چکی ہے، جس کی تصحیح علامہ عراقی نے شرح ترمذی میں کی ہے (یعنی جس کے وتر فوت ہوئے ہوں وہ صبح کے بعد پڑھ لے) ابوداؤد میں ہے کہ جب یاد آئے پڑھ لے، ترمذی میں ہے کہ صبح کو پڑھ لے، یہ مرسل قوی الاسناد ہے اور اس میں مرفوع حدیث بھی ہے مگر اس میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہے، حاصل یہ کہ نہی وممانعت صلوٰۃ اگرچہ پانچوں اوقات مذکورہ کے لئے وارد ہے، مگر امام صاحب نے ان کے حکم میں فرق شریعت ہی کے منشاء کو سمجھ کر کیا ہے دوسرے ائمہ نے ایسی دقت نظر سے کام نہیں لیا، کیونکہ شریعت نے حکم ممانعت کو ان دو وقتوں میں نماز فجر وعصر کے ساتھ وابستہ کیا ہے، وقت کے ساتھ نہیں جیسا کہ باقی تین کے ساتھ کیا ہے، پھر حضور علیہ السلام کے عمل سے بھی کہ آپ نے بعد عصر دو رکعت پڑھی ہیں۔ یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں وقت میں نماز کے لئے صلاحیت وتوسع ضرور ہے، برخلاف باقی تین اوقات کے۔

مسلک امام مالکؒ وغیرہ

امام مالک نے استواء کو اوقات مکروہہ کی فہرست سے خارج کیا اور باقی چار میں فرائض کی اجازت دی، نوافل کی نہیں، امام شافعیؒ نے حنفیہ کی طرح اوقات مکروہہ تو پانچ ہی رکھے۔ مگر ان میں فرائض وواجبات کے علاوہ نوافل ذوات الاسباب کی بھی اجازت دی، امام مالکؒ کی طرح فرائض ونوافل میں فرق نہیں کیا۔ اور نوافل میں فرق اس لئے کیا کہ جن نوافل کی ترغیب شرع نے دی ہے، مثلاً تحیۃ المسجد وغیرہ تو گویا خود شریعت ہی نے ان کو ممانعت سے نکال دیا۔ لہٰذا وہ اوقات ممنوعہ میں بھی جائز ہونے چاہئیں، البتہ جو نوافل ایسے ہیں جن کی شریعت نے خاص طور سے ترغیب نہیں دی۔ نہ کسی سبب سے ان کو لازم کیا بلکہ بندہ کی مرضی پر رکھا کہ چاہے کرے یا نہ کرے وہ ممانعت کے تحت آسکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب احادیث ممانعت سے ساری نمازیں نکل گئیں، فرائض، واجبات اور نوافل ذوات الاسباب بھی تو اب صرف

---

[1] یہاں بھی صاحب فیض الباری سے مسامحت ہوئی کہ سب شارحین کی طرف غلط نسبت ہوگئی جبکہ صاحب عنایہ نے فرق کیا ہے اور اس جگہ عبارت میں بھی خلل ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۳۷/۲ (مولف)

دوسرے کچھ نوافل باقی رہ گئے۔اوراس طرح احادیث کثیرہ متواترہ کا فائدہ بہت ہی کم رہ گیا ہے۔ان حضرات نے احادیث کثیرہ عامہ اور ضوابط کلیہ ہامہ کو چند جزوی واقعات کے سبب سے مخصوص ومحدود بنادیا برخلاف اس کے حنفیہ نے ان سب احادیث کو اپنے عموم واطلاق پر قائم رکھا اوران ہی کو اسوہ فی الباب بنایا، اور جزوی واقعات کو بطور ''واقعۃ حال لاعموم لہا'' کے خصوصیت پر اتارا۔اصحاب انصاف فیصلہ کریں گے کہ کون سی صورت اعلیٰ وافضل ہے، اکثر نمازوں کو اوقات شیطان میں داخل کر دیتا یا ان کو اس سے بچالیتا؟

بعض سلف کا مسلک

ان حضرات نے بعد فجر وعصر کے ہر نماز کو جائز کہا اور حکم ممانعت کو سدذرائع پر محمول کیا یعنی اس لئے کہ کہیں وہ نماز عین طلوع وغروب کے وقت پر نہ ہو جائے، لہٰذا ان کے نزدیک اوقات مکروہہ صرف تین ہو گئے، لیکن اس مسلک پر بعد فجر وعصر والی احادیث ممانعت کے تحت کوئی فرد ہی باقی نہ رہے گا اور احادیث مذکورہ بلا مصداق رہ جائیں گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا شاید حضرت عمرؓ کا مسلک بھی یہی تھا، کیونکہ علامہ سیوطی نے نقل کیا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ بعد عصر دو رکعت پڑھتے تھے، اور یہ زمانہ حضرت عمرؓ کا تھا۔آپ نے ان کو سختی سے روکا تو انہوں نے کہا میں وہ کام نہیں چھوڑوں گا جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں کیا کرتا تھا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں سدذرائع کے طور پر روکتا ہوں کہ مبادا غروب کے وقت پر بھی کہیں نہ پڑھ لو۔

امام بخاریؒ کا مسلک

آپ نے آگے "باب من لم یکرہ الصلوٰۃ الابعد العصر و الفجر" قائم کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ بھی امام مالک کی طرح استواء کو وقت مکروہ نہیں مانتے، شاید اس کی حدیث ان کی شرط پر نہ ہو، پھر انہوں نے بعد فجر وعصر کے وقت کو طلوع وغروب تک پہنچا کر عین طلوع وغروب کو بھی شامل کرلیا ہے، اس طرح ان کے نزدیک وقت مکروہ دو ہی رہ گئے اور یہی ترجمۃ الباب میں وجہ حصر بھی ہے، ورنہ عین طلوع وغروب کے وقت ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری نے اگرچہ استواء سے صرف نظر کرلی ہے، مگر اس کے بارے میں مسلم وابن ماجہ وغیرہ میں متعدد صحیح احادیث میں موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب لا تتحری الصلوٰۃ قبل غروب الشمس

(غروب آفتاب سے پہلے نماز کا قصد نہ کیا جائے)

۵۵۵: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایتحریٰ احدکم فیصلی عند طلوع الشمس ولاعند غروبھا

۵۵۶: حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح عن ابن شھاب قال حدثنی عطآء بن یزید الجندعی انہ' سمع اباسعید الخدری یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاصلوٰۃ بعد الصبح حتیٰ ترتفع الشمس ولاصلوٰۃ بعد العصر حتیٰ تغیب الشمس.

۵۵۷: حدثنا محمد بن ابان قال حدثنا غندر قال ثنا شعبۃ عن ابی التیاح قال سمعت حمران بن ابان یحدث عن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال انکم تصلون صلوٰۃ لقد صحبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فمارايناه يصليهما ولقد نهىٰ عنهما يعنى الركعتين بعد العصر

۵۵۸: حدثنا محمد بن سلام قال اخبرنا عبدة عن عبيد الله عن خبيب عن حفص بن عاصم عن ابى هريرة قال نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلوتين بعد الفجر حتىٰ تطلع الشمس وبعد العصر حتىٰ تغرب الشمس

ترجمہ۵۵۵: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص طلوع آفتاب کے وقت اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے۔

ترجمہ۵۵۶: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز (جائز) نہیں جب تک کہ آفتاب بلند نہ ہو جائے اور نہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز (جائز) ہے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔

ترجمہ۵۵۷: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (اے لوگو!) تم ایک ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم نے رسول خدا ﷺ کی صحبت اٹھانے کے باوجود آپ کو اسے پڑھتے نہیں دیکھا اور یقیناً آپ نے اس سے ممانعت فرمائی، یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں:۔

ترجمہ۵۵۸: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے دو نمازوں سے ممانعت فرمائی ہے، فجر کے بعد آفتاب کے نکلنے تک اور عصر کے بعد آفتاب کے غروب ہونے تک۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بظاہر امام بخاریؒ تحری اور عدم تحری کے حکم میں فرق نہیں کرتے بلکہ لفظ تحری چونکہ حدیث میں آ گیا تھا، اس لئے اس کو ترجمہ میں لے لیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں جانب میں سے کسی ایک کے لئے فیصلہ کن رائے نہ دینا چاہتے ہوں، تاہم چونکہ حدیث قیس بن فہدان کی شرط پر نہ تھی، اور خود حضور علیہ السلام سے بھی بعد فرض فجر کوئی نماز ماثور نہیں ہے اس لئے اس کے جواز کو مرجوح سمجھتے ہیں، اور عصر کے بعد کی رکعتوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کی شرط پر بھی حدیث رکعتین بعد العصر ثابت ہے اور فیصلہ اس کے لئے بھی اس لئے نہ کر سکے ہوں گے کہ حضرت عمرؓ سے رکعتیں بعد العصر پڑھنے والے کے لئے تعزیر کرنا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا حکم لگانے میں نرمی اختیار کی اور تعارض کی وجہ سے توسع سے کام لیا۔ واللہ اعلم۔

باب من لم يكره الصلوٰة الا بعد العصر والفجر

رواه عمروا بن عمرو ابو سعيد وابوهريره

اس شخص کا بیان، جس نے صرف عصر اور فجر (کے فرض) کے بعد نماز کو مکروہ سمجھا ہے، اس کو عمر اور ابن عمر اور ابوسعید اور ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے

۵۵۹: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا حماد بن زيد عن ايوب عن نافع عن ابن عمر قال اصلى كمارأيت اصحابى يصلون لآانهىٰ احداً يصلى بليل ونهار ماشآء غيران لاتحروا طلوع الشمس ولاغروبها

ترجمہ۵۵۹:۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا، جیسے میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح میں ادا کرتا ہوں میں کسی کو منع نہیں کرتا کہ وہ دن رات میں جس قدر چاہے، نماز پڑھے، البتہ یہ ضرور کہتا ہوں کہ طلوع آفتاب (کے وقت نماز پڑھنے) کا قصد نہ کرو، اور نہ غروب آفتاب کے وقت اس کا قصد کرو۔

تشریح۵۵۹: اس حدیث کی تشریح پہلے گذر گئی۔

باب ما يصلى بعد العصر من الفوآئت و نحوها وقال كريب عن ام سلمة صلى النبى صلى الله عليه وسلم بعد العصر الركعتين وقال شغلنى ناس من عبدالقيس عن الركعتين بعد الظهر

۵۶۰: حدثنا ابو نعيم قال حدثنا عبدالواحد بن ايمن قال حدثنى ابى انه سمع عائشة قالت والذى ذهب به ماتركهما حتىٰ لقى الله و ما لقى الله حتى ثقل عن الصلوٰة وكان يصلى كثيراً من صلوته قاعداً تعنى الركعتين بعد العصر و كان النبى صلى الله عليه وسلم يصليهما فى المسجد مخافة ان يثقل علىٰ امته و كان يحب ما يخفف عنهم

۵۶۱: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيىٰ قال حدثنا هشام قال اخبرنى ابى قال قالت عائشة رضى الله عنها ابن اختى اما ترك النبى صلى الله عليه وسلم السجدتين بعد العصر عندى قط

۵۶۲: حدثنا موسى بن اسماعيل قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا الشيبانى قال ثنا عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابيه عن عآئشة قالت ركعتان لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعهما سراولا علانية ركعتان قبل صلوٰة الصبح وركعتان بعد العصر

۵۶۳: حدثنا محمدبن عرعرة قال حدثنا شعبة عن ابى اسحاق قال رايت الاسود ومسروقاً شهداعلىٰ عآئشة قالت كان النبى صلى الله عليه وسلم لاياتينى فى يوم بعد العصر الاصلىٰ ركعتين

ترجمہ ۵۶۰: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کی قسم جو نبی کریم ﷺ کو دنیا سے لے گیا آپ نے اپنی وفات کے وقت تک عصر کے بعد دو رکعتیں ادا فرمانا کبھی نہیں چھوڑیں، اور جب آپ اللہ سے ملے ہیں، اس وقت بوجہ ضعف عمر کے آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ نماز سے تھک جاتے تھے، اور آپ اپنی بہت سی نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور نبی کریم ﷺ ان دونوں کو یعنی عصر کے بعد دو رکعت (ہمیشہ) پڑھا کرتے تھے، لیکن گھر ہی میں پڑھتے تھے، اس خوف سے کہ آپ کی امت پر گراں نہ گزرے۔ کیونکہ آپ وہی بات پسند فرماتے تھے، جو آپ کی امت پر آسان ہو۔

ترجمہ ۵۶۱: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں میرے ہاں کبھی ترک نہیں فرمائیں۔

ترجمہ ۵۶۲: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ دو رکعتوں کو پوشیدہ و آشکارا کبھی ترک نہ فرماتے تھے، دو رکعتیں، صبح کی نماز سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کی نماز کے بعد:۔

ترجمہ ۵۶۳: حضرت اسود اور مسروقؒ حضرت عائشہؓ کے اس قول کی گواہی دیتے تھے کہ انہوں نے فرمایا، نبی کریم ﷺ عصر کے بعد جب کسی دن میرے پاس آتے تھے، تو دو رکعتیں ضرور ادا فرما لیا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کا رجحان بعد نماز فجر کے طلوع تک لئے تو حنفیہ ہی کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ سنت فجر بھی بعد الطلوع ہی پڑھ سکے گا، لیکن بعد العصر میں شافعیہ کے مسلک کی طرف معلوم ہوتا ہے، اسی لئے یہاں حضرت عائشہؓ کی حدیث لائے ہیں، جس سے حضور علیہ السلام کا بعد العصر دو رکعت پڑھنے کا ثبوت مداومت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے بعد العصر کے لئے متعدد تراجم وعنوانات قائم کئے ہیں۔ گویا امام بخاری نے حدیث حضرت عائشہؓ کو راجح سمجھا ہے اور امام ترمذیؒ نے باوجود شافعی ہونے کے حدیث ابن عباسؓ کو اصح قرار دیا ہے، کہ حضور علیہ السلام نے جو دو رکعت بعد عصر کے پڑھی تھیں وہ ظہر کے بعد کی متروکہ تھیں، ان کو ہی آپ نے بعد عصر پڑھا تھا، پھر کبھی نہیں پڑھیں۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا کہ یہ حدیث حسن ہے، پھر لکھا کہ چند صحابہ سے حضور علیہ السلام کا بعد

عصر دو رکعت پڑھنا بھی مروی ہے، مگر یہ اس کے خلاف ہے حضور علیہ السلام نے نماز بعد العصر کی ممانعت فرمائی اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث زیادہ صحیح ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ کے بعد پھر کبھی دو رکعت عصر کے بعد نہیں پڑھیں۔ اور حضرت زید بن ثابت سے بھی حضرت ابن عباسؓ ہی کی طرح روایت ثابت ہے البتہ حضرت عائشہؓ سے متعدد روایات ایسی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بھی ان کے پاس عصر کے بعد تشریف لاتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔ پھر حضرت عائشہؓ سے ہی روایت حضرت ام سلمہؓ کے واسطہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعد عصر و بعد فجر نماز سے ممانعت فرمائی ہے۔ اور جس بات پر اہل علم کا اجماع ہوا وہ یہی ہے کہ بعد عصر و بعد فجر کے نماز مکروہ ہے، بجز خاص استثناء کے مثلاً مکہ معظمہ میں بعد نماز عصر اور بعد نماز صبح کے طواف کے بعد والی نماز کہ اس میں حضور علیہ السلام سے رخصت مروی ہے اور اہل علم کی ایک جماعت صحابہ اور بعد کے حضرات نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ یہ قول امام شافعی، امام احمد و اسحٰق کا ہے لیکن دوسرے اہل علم صحابہ اور دوسرے حضرات نے مکہ معظمہ میں بھی بعد طواف کے صبح وعصر کے بعد نماز کو مکروہ ہی قرار دیا ہے۔ یہ قول سفیان ثوری، امام مالک اور بعض اہل کوفہ کا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہاں امام شافعیؒ کا مسلک صرف مکہ معظمہ کے بارے میں جواز کا معلوم ہوتا ہے حالانکہ امام شافعی کے نزدیک دو رکعت بعد عصر کا جواز مطلقاً ہے اور اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کی تائید کے لئے زور لگایا ہے دوسرے یہ کہ امام احمدؒ کا مسلک مغنی ابن قدامہ کے ذریعہ مثل مذہب امام ابوحنیفہؒ کے ثابت ہے، اس لئے امام ترمذیؒ سے یہاں دو تسامح ہو گئے، واللہ اعلم۔

اس طرح جمہور ائمہ (امام صاحب، امام مالک و احمدؒ) کا مسلک عدم جواز نماز بعد العصر کا ہوا اور صرف امام شافعی جواز کے قائل ہیں، جمہور کی بڑی دلیل ممانعت کی احادیث کثیرہ متواترہ و مشہورہ ہیں۔ اور مذکورہ حدیث ابن عباس و زید بن ثابت بھی، اور امام شافعی نے حضرت عائشہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، حالانکہ اس میں بہت اضطراب ہے۔ کسی میں ہے کہ آپ نے اس معاملہ کی صحیح تحقیق کے لئے حضرت ام سلمہؓ کا حوالہ دیا۔ گویا وہ خود اس کی پوری ذمہ داری لینا نہیں چاہتی تھیں، اور طحاوی میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا، تو فرمایا کہ میرے یہاں تو حضور علیہ السلام نے عصر کے بعد دو رکعت پڑھی نہیں۔ البتہ حضرت ام سلمہؓ نے مجھے بتلایا کہ ان کے یہاں پڑھی ہے، اور حضرت ام سلمہؓ کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہؓ کو معاف کرے، انہوں نے روایت میں تسامح کیا، میں نے تو یہ کہا تھا کہ حضور علیہ السلام نے بعد ظہر والی دو رکعت ادا کی تھیں، اور حضرت عائشہؓ سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے، مگر دوسروں کو منع فرماتے تھے، اور صوم وصال رکھتے تھے اور دوسروں کو منع فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں باتیں حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے تھیں۔

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصل تحقیقی خبر اس بارے میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس تھی، اسی لئے حضرت عائشہؓ بھی ان پر حوالہ کرتی تھیں، اور حضرت ام سلمہؓ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی ظہر کی سنتیں رہ جائیں تو عصر کے بعد قضا کر لیا کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ روایت طحاوی کی ہے، جس کو نقل کر کے حافظ ابن حجر نے لکھا کہ یہ روایت ضعیف ہے، حجت نہیں بن سکتی (فتح ص ۲/۴۳) یہاں تو امام طحاوی کی روایت بتلا کر اس کو حافظ نے ضعیف بتلا دیا، لیکن اسی حدیث کی روایت تلخیص میں امام احمد سے نقل کر کے سکوت کر گئے۔ اور اس کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، محدث ہیثمی نے ''الزوائد'' ص ۲/۲۲۴ میں لکھا کہ اس حدیث امام احمد کے رجال رجال صحیح ہیں، پھر تعجب ہے کہ فتح الباری میں صرف امام طحاوی کی طرف نسبت کر کے حدیث کو گرا دیا اور اس طرف سے صرف نظر کر لی کہ اسی حدیث کو امام احمد اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے اور چونکہ امام احمد کے رجال حدیث مذکور کو ضعیف نہیں کہہ سکتے تھے، اس لئے سکوت سے کام لیا۔ اس سے ان کا تعصب شدید ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ اس حدیث کے رجال میں یزید بن ہارون بہت بڑے محدث اور ثقہ حنفی ہیں، اور حماد بن سلمہ بھی ثقہ ہیں رجال مسلم میں سے ہیں۔ بلکہ امام بخاریؒ پر یہ اعتراض بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حماد بن سلمہ

سے روایت نہیں لی اوران سے بہت کم درجہ کے لوگوں سے لی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بعض لوگ یزید بن ہارون عن حماد بن سلمہ کوضعیف ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ مسلم شریف میں ان سے بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔اور امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں حدیث مذکور کی تصحیح کی ہے۔اور فرمایا کہ بخاری میں حدیث عن معاویہؓ بھی ہمارے لئے حجت ہے، جس میں انہوں نے کہا کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہو جس کو ہم نے حضور علیہ السلام کو پڑھتے نہیں دیکھا جبکہ ہم بھی حضور کی صحبت میں رہے ہیں۔ بلکہ آپ نے ان سے روکا ہے، یعنی ۲ رکعت بعد عصر سے (بخاری ص ۸۳) پھر فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیحین وغیرہ میں بہت اضطراب ہے اوراسی لئے امام ترمذی نے حضرت ابن عباس کی حدیث کو حضرت عائشہؓ کی حدیث پر راجح قرار دیا ہے۔اور ہماری دلیل مصنف عبدالرزاق کی حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ ہم وہ کریں گے، جس کا حضور علیہ السلام نے حکم فرمایا (کہ ہمیں بعد عصر نماز سے روک دیا) اور حضور نے وہ کیا جس کا حکم ان کو ملا تھا۔ نیز حضرت عمر وابن عباس کا بعد عصر نماز پڑھنے والوں کو تعزیر وسزا دینا بھی ثابت ہے۔

فیض الباری کا تسامح: ص ۱۴۱ سطر ۸ میں **قال الحافظ و فیه جریر عن عطاء** کا تعلق حدیث عائشہؓ سے کر دیا ہے، حالانکہ حافظ کا نقد حدیث ابن عباسؓ سے متعلق ہے، اور سطر ۲۰ میں زید بن ہارون غلط چھپ گیا ہے۔صحیح یزید ہے۔

راوی بخاری کا تسامح

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اصل مضمون حدیث کا اس طرح تھا **ما ترکھما حتی لقی اللہ، تعنی الرکعتین بعد العصر وما لقی اللہ تعالےٰ حتی ثقل عن الصلوۃ و کان یصلی کثیرا من صلاته قاعدا و کان النبی ﷺ** الخ راوی نے قاعدا کے ساتھ تعنی والے جملے کو جوڑ کر ترتیب و معنی کو بگاڑ دیا۔فتنبہ لہ

امام دارمی کا عمل

مسند دارمی میں یہ بھی ہے کہ جب ان سے حضرت عائشہؓ والی حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میرا عمل تو اس پر ہے، جس پر حضرت عمرؓ عمل کرتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ایک عمدہ استدلال حنفیہ و جمہور کے لئے یہ بھی ہے کہ محدث جلیل وفقیہ نبیل حضرت لیث بن سعدؒ نے طبقات میں نقل کیا کہ وہ موسم حج میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے، کسوفِ شمس بعد عصر ہوا تھا، وہاں کسی نے بھی نماز کسوف نہ پڑھی، حالانکہ وہ نماز ذوات الاسباب میں بھی تھی (جس کی نماز شوافع جائز کہتے ہیں) سوال کیا گیا کہ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے ہیں؟ تو لوگوں نے کہ کراہت وقت کی وجہ سے، یہ واقعہ ہزاروں تابعین کے سامنے پیش آیا اور صحابہ کا بھی آخری دور تھا، مگر کسی نے بھی نماز کسوف کے لئے اقدام نہیں کیا۔ اس واقعہ کو علامہ عینی نے نقل کیا ہے اور غالبا ۸۳ھ کا ہے، پھر فرمایا کہ یہ لیث حنفی ہیں (کما صرح بہ ابن خلکان فی کتاب الخراج) امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لیث ہمارے نزدیک امام مالک سے کم نہیں ہیں، لیکن ان کے اصحاب نے ان کو ضائع کر دیا (یعنی ان کے علوم کی خدمت نہیں کی) ان کی روایت حضرت امام ابو یوسفؒ سے مسئلہ قراءۃ خلف الامام میں امام طحاوی نے ذکر کی ہے۔لیکن ان کی تقلید متقدمین کی طرح تھی۔

اصحاب صحاح کا حال

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہاں ضمناً کچھ ذکر اصحاب صحاح کا بھی کیا اور فرمایا کہ امام ابو داؤد تو دل بھر کے امام ابو حنیفہؒ کی تعظیم کرتے تھے۔ امام مسلم کا حال معلوم نہ ہو سکا اور ان کے شافعی ہونے کی بھی نقل موجود نہیں ہے، صرف ان کے ایک رسالہ سے استنباط کیا گیا ہے کہ

شافعی ہیں۔امام ترمذی امام صاحب کی نہ تعظیم کرتے ہیں نہ تحقیر معتدل ہیں۔امام بخاری بہت زیادہ مخالف ہیں،اپنی حدیثیں لاتے ہیں،امام صاحب کی نہیں لاتے۔امام نسائی بھی حنفیہ کے خلاف ہیں۔

باب التكبير بالصلوٰة فی يوم غيم

بادل کے دنوں میں نماز سویرے پڑھنے کا بیان

۵۶۴: حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن يحيیٰ هوا بن ابی كثير عن ابی قلابة ان اباالمليح حدثه' قال كنا مع بريدة فی يوم ذی غيم فقال بكروا ابا الصلوٰة فان النبی صلے الله عليه وسلم قال من ترك صلوٰة العصر حبط عمله

ترجمہ:۔حضرت ابوالملیحؒ روایت کرتے ہیں،کہ ہم ایک دن بریدہ کے ہمراہ تھے،یہ دن ابر کا تھا تو انہوں نے کہا کہ نماز سویرے پڑھ لو،کیونکہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے،جس نے نماز عصر چھوڑ دی،تو سمجھ لو کہ اس کا (نیک) عمل ضائع ہو گیا۔

تشریح: ابر و بارش کے دنوں میں نماز جلد پڑھنے کا حکم اسی لئے کیا گیا کہ کہیں وقت کا اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے نماز قضا نہ ہو جائے،یا وقت مکروہ میں داخل نہ ہو جائے،جو بمنزلہ ترک صلوٰۃ ہے۔(الخیر الجاری)

پھر سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے عنوان تو مطلق نماز کا قائم کیا اور حدیث الباب میں نماز عصر کا ذکر ہے تو مطابقت نہ ہوئی،جواب یہ ہے کہ واقعہ وقت عصر کا ہے،جس میں حضرت بریدہؓ نے نماز عصر سے متعلق حدیث پیش کی،اور قیاس سے ہر نماز کے حکم کی طرف اشارہ کیا۔

حنفیہ کے نزدیک عام طور سے تمام نمازوں میں سواء مغرب کے تاخیر مستحب ہے۔اور عصر و عشاء کی نماز صرف ابر کے دن جلد پڑھنا مستحب ہے،شافعیہ کے یہاں تمام نمازوں میں سواء عشاء کے تعجیل مستحب ہے۔

مشاجرات صحابہؓ: حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرات صحابہ کرام کے تذکرہ میں ضمناً فرمایا کہ بعض لوگ ان کے باہمی جھگڑوں کے واقعات سن کر بے دین ہو جاتے ہیں،اسی لئے علماء نے ان کے مطالعہ کو ممنوع قرار دیا ہے،اسی طرح اگر ایمان کا مدار اقوال بخاری وغیرہ پر ہوتا تو ضرور ہمارا ایمان بھی جاتا رہتا،مگر ایمان کا تعلق خدا اور اس کے رسول سے ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا اشارہ اس طرف تھا کہ امام بخاری وغیرہ نے بھی امام اعظمؒ وغیرہ کے بارے میں انصاف نہیں کیا اور سخت ریمارکس کر گئے ہیں،مگر ان کے کہنے سے کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا۔

یارسول اللہ کے لئے افادۂ انور

حضرتؒ درس بخاری میں جہاں کوئی عبارت پڑھنے والا طالب علم یارسول اللہ کے ساتھ علیہ السلام کہتا،تو فرماتے تھے کہ جس قدر لکھا ہے اسی قدر پڑھو،راویان حدیث نبوی ہم سے زیادہ پابند احکام شرع تھے،اور ان کی عبادات و ریاضات بھی ہم سے زیادہ ہیں۔اور لڑائی بھڑائی بھی ان کے یہاں ہم سے زیادہ ہے،بلکہ وہ غیر مستحق کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہم مستحق کو۔(اشارہ ہے جرح رواۃ و جرح ائمہ کی طرف)اس کے علاوہ وہ ہم سے ہر چیز میں زیادہ اور افضل ہیں۔

ضروری تنبیہ: جیسا کہ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا ہمیں اپنے اسلاف و اکابر امت کی پوری عظمت کرنی چاہئے کہ چند کوتاہیوں کے علاوہ کہ وہ بھی معلوم نہ تھے،وہ ہم سے ہزار جگہ برتر و افضل تھے،اور اسی کے ساتھ ہمیں چاہئے کہ جب ان کا ذکر کریں تو ان کا نام بھی ادب و احترام سے لیں۔عربی زبان میں ناموں کے ساتھ القاب و آداب لکھنے کا دستور نہ تھا۔اس کی وجہ سے ہم بھی ان کے نام ساتھ ادب نہ برتیں تو یہ ہمارے

عرف کے خلاف ہوگا کہ ہمارے یہاں باعظمت لوگوں کے تذکروں میں القاب وآداب کی رعایت نہ کرنا خلاف ادب ہے اور ہمیں اپنی عرف ورسم کے لحاظ سے مثلاً کسی صحابی رسول اکرم علیہ کے نام ساتھ اول میں حضرت اور آخر میں رضی اللہ عنہ نہ لکھنا بڑی بے ادبی وناحق شناسی ہے یہ بھی واضح ہو کہ صحابہ کے لئے اور دیگر اکابر امت کے لئے رحمہ اللہ لکھنا بھی کافی ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے لئے ص یا صلعم والی تخفیف جائز نہیں۔ افسوس ہے کہ آجکل کے علماء بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ اکابر نے اس پر نکیر کی ہے۔

باب الاذان بعدذهاب الوقت

وقت گزر جانے کے بعد نماز کے لئے اذان کہنے کا بیان

۵۶۵: حدثنا عمران بن ميسرة قال حدثنا محمد بن فضيل قال حدثنا حصين عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابيه قال سرنا مع النبی صلی الله عليه وسلم ليلة فقال بعض القوم لوعرست بنا يا رسول الله قال اخاف ان تناموا عن الصلوٰة قال بلال انا اوقظكم فاضطجعوا واسند بلال ظهره الیٰ راحلته فغلبته عيناه فنام فاستيقظ النبی صلی الله عليه وسلم وقد طلع حاجب الشمس فقال يا بلال اين ماقلت قال ما ألقيت علی نومة مثلها قط قال ان الله قبض ارواحكم حين شآء وردها عليكم حين شآء يا بلال قم فاذن بالناس بالصلوٰة فتوضا فلما ارتفعت الشمس وبياضت قام فصلی

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے ایک مرتبہ نبی کریم علیہ کے ہمراہ شب میں سفر کیا، تو بعض لوگوں نے کہا، کہ کاش! آپ اخیر شب میں مع ہم سب لوگوں کے آرام فرماتے (تو کتنا اچھا ہوتا) آپ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم نماز (فجر) سے (غافل ہوکر) سو نہ جاؤ، بلال بولے، کہ میں تم سب کو جگادوں گا، لہٰذا سب لوگ لیٹ رہے اور بلال اپنی پیٹھ اپنے اونٹ سے ٹیک کر بیٹھ گئے، مگر ان پر بھی نیند غالب آگئی، اور وہ بھی سوگئے، (چنانچہ) نبی کریم علیہ ایسے وقت بیدار ہوئے، کہ آفتاب کا کنارہ نکل آیا تھا، آپ نے فرمایا، اے بلال! تمہارا کہنا کہاں گیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) ایسی نیند میرے اوپر کبھی مسلط نہ کی گئی (جیسی کہ آج مجھ پر طاری ہوگئی) آپ نے فرمایا (سچ ہے) اللہ نے تمہاری جانوں کو جس وقت چاہا قبض کرلیا اور جس وقت چاہا واپس کیا، اے بلال اٹھو۔ اور نماز کے لئے اذان دے دو، پھر آپ نے وضو فرمایا اور جب آفتاب بلند اور سفید ہوگیا، آپ کھڑے ہوگئے اور نماز پڑھی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس میں امام بخاری حدیث لیلۃ التعریس لائے ہیں اور ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ جب کئی نمازیں قضا ہو جائیں تو جماعت سے ادا کر سکتے ہیں مگر اذان شروع میں صرف ایک بار ہوگی اور اقامت ہر نماز کے ساتھ ہوگی، لیکن اذان فائتہ نماز کے لئے جب ہوگی کہ گھر میں پڑھے، مسجد میں پڑھے گا تو نہیں۔

پھر فرمایا کہ لیلۃ التعریس کا واقعہ ایک بار پیش آیا ہے، خیبر سے واپسی میں اور جن حضرات نے متعدد بتلائے ان کو تصرفات رواۃ اور تغائر الفاظ کی وجہ سے مغالطہ لگا ہے۔ حتی کہ محقق ابن سید الناسؒ نے بھی دو واقعے سمجھے اور کوئی حدیث بخاری کو وہم راوی کہہ دے گا۔ مگر یہ سب غلط ہے۔

اگر کسی پر یہ بات گراں ہو کہ حضور اکرم علیہ کی شان رفیع سے مستبعد ہے کہ ان کی نماز قضا ہوئی ہو، تو یہ کوئی بات نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو جگانے پر مامور کر دیا تھا اور حضرت بلال نے پوری ذمہ داری لی تھی، اس لئے وہ لیٹے بھی نہ تھے، بلکہ اپنے اونٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے، مگر خدا کی تقدیر میں تو اسی طرح تھا کہ باوجود ان سب انتظامات کے بھی نماز قضا ہو جائے، چنانچہ وہی ہوا، اور حق یہ ہے کہ سونے کی حالت میں اگر مجبوری و بے اختیاری کی وجہ سے نماز میں تقصیر ہو تو وہ شریعت میں معاف بھی ہے، چنانچہ نسائی شریف باب

من نام عن صلوة میں حدیث نبوی ہے کہ کوتاہی پر مواخذہ حالت بیداری کا ہوگا، نوم کی حالت کا نہ ہوگا، دوسری میں ہے کہ ایسے شخص سے مواخذہ ہوگا جو نماز نہ پڑھے اور اسی حالت میں دوسری نماز کا وقت آ جائے تب بیدار ہو۔

شرح قولہ ان اللہ قبض ارواحکم

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ عام طور سے لوگ قبض روح بمعنی موت سمجھتے ہیں، لیکن اصل حقیقت وہ ہے جو علامہ محقق سہیلیؒ نے پیش کی ہے کہ قبض کے معنی دبانا، بھینچنا ہے، جیسے تم روئی وغیرہ کسی چیز کو مٹھی میں بھینچ کر بند کر لو۔ اس سے وہ پھیلی ہوئی چیز ایک جگہ سمٹ جاتی ہے۔ یہ تو قبض کی صورت ہے اور رد اس کا یہ ہے کہ پھر اس کو سابقہ حالت پر لوٹا دیا جائے۔ قبض روح کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ وہ سونے کی حالت میں سمٹ جاتی ہے اور اپنے بعض افعال سے رک جاتی ہے، اسی کو قرآن مجید میں توفی و ارسال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کو حدیث الباب میں قبض و رد فرمایا گیا ہے۔ پھر جب عمر ختم ہو جاتی ہے تو اس وقت کامل قبض توفی کا عمل ہوگا کہ روح کو بدن سے خارج کر لیں گے، نیند کی حالت میں وہ خارج نہیں ہوتی بلکہ وہ جسم کے اندر ہی رہ کر ایک جانب میں سمٹ جاتی جس کی وجہ بعض افعال کے لحاظ سے معطل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ تدبیر بدن کا کام پھر بھی کرتی رہتی ہے۔

رد روح نبوی کا مطلب

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے جو ارشاد فرمایا کہ جو میری قبر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتے ہیں اور میں اس کو سنتا ہوں اور جوابِ سلام دیتا ہوں، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضور علیہ السلام کی روحِ مبارک مشغول بجانب قدس رہتی ہے، اور وقتِ سلام ادھر سے ادھر کو متوجہ ہو کر سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ اس سے مراد احیاء و اماتت نہیں ہے (کہ آپ کی حیات برزخی مثل حیاتِ دنیوی ہے، یہاں بھی حضور علیہ السلام نے حضرت بلالؓ کو سونے کی حالت میں معذور قرار دے کر ارشاد فرمایا ہے کہ تمہاری ارواح تو خدا کے اختیار میں ہیں کہ جب وہ چاہتا ہے ان کو سمیٹ لیتا ہے اور جب چاہے اصل حالت پر لوٹا دیتا ہے، اور حالت نوم میں قبض اور بیداری پر رد برابر ہوتا رہتا ہے۔

روح اور نفس میں فرق

حضرتؒ نے یہاں محقق سہیلیؒ ہی کے حوالہ سے یہ بھی فرمایا کہ نفس و روح دونوں ایک ہیں۔ صفات کے بدلنے سے نام بدلتا ہے، بحالت تجرد اس کو روح کہتے ہیں اور باعتبار تعلق بدن و اکتساب ملکاتِ ردیہ کے نفس کہتے ہیں۔ جیسے پانی کہ جب تک وہ اصل حالت پر رہتا ہے، پانی ہے، اور وہی جب درختوں میں پیوست ہو جائے تو اس کے اوصاف و احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر درخت سے پانی نکال کر اس سے وضو کرنا چاہیں تو وہ بھی صحیح نہ ہوگا۔

قولہ فلما ارتفعت الخ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا حضور علیہ السلام نے سورج کے بلند اور روشن ہونے کا انتظار فرمایا پھر نماز پڑھی، یہ نہیں کہ اٹھنے کے بعد فوراً ہی پڑھ لیتے، جیسا کہ حدیث فلیصلها اذا ذکرها سے بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ یہ آپ کا عمل ہے اور حضور علیہ السلام سے بحدِ تواتر ممانعتِ صلوٰۃ بھی ارتفاعِ شمس سے قبل کی ثابت ہے، گویا قول و فعل دونوں سے حنفیہ کا مسلک واضح و ثابت ہے، اور دار قطنی میں حتی اذا امكننا الصلوة بھی مروی ہے، یعنی جب نماز ادا کرنے کی صورت میسر ہوگئی، معلوم ہوا کہ ارتفاع سے قبل صورتِ جواز ہے ہی نہیں۔ اور یہ تاویل جو کی جاتی ہے کہ وہاں شیطان کا اثر تھا، اس لئے حضور علیہ السلام نے دیر کی اور آگے بڑھ گئے تو اگر ایسا ہوتا تو کسی روایت

میں یہ الفاظ بھی تو ہوتے کہ ہم نے شیطان کی جگہ سے دور ہونے کے لئے نماز کو موخر کیا، اور یہ مسئلہ تو خود ان لوگوں کے یہاں بھی نہیں ہے کہ اگر کسی جگہ سونے میں نماز قضا ہو تو شیطان کا اثر سمجھ کر وہاں سے دور ہو کر نماز پڑھی جائے، لہٰذا یہ تاویل صرف ہمیں جواب پکڑانے کے لئے اختیار کی گئی ہے۔ پھر یہ کہ اگر جگہ میں شیطان کا اثر مان کر دوسری جگہ پڑھنے کی بات مانتے ہیں تو شیطان کے زمانہ عبادت سے بچنے کیلئے کیوں نہیں مانتے جبکہ احادیث میں صراحت بھی آچکی کہ طلوع وغروب واستواء کے وقت نماز اس لئے نہ پڑھو کہ یہ وقت شیطانی اثر وعبادت کے ہیں۔

غرض حضرتِ حق جل ذکرہٗ کی عبادت تو اسی حالت میں اس کی کامل رضا کا موجب ہوگی کہ شیطان کے زمان ومکان دونوں سے ہی اس کو دور رکھا جائے، اگر ان ہی اوقات میں تم اپنی عبادت کرو گے، جن میں شیطان بتوں کی پرستش کراتا ہے تو وہ تو اس کی مرضی کی بات ہوگی نہ کہ خدائے برتر عزاسمہ کی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس کو دشمن ہی سمجھو، یعنی اس کے طور طریقوں سے کامل پرہیز کرو۔

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ تین اوقات کے بارے میں احادیثِ ممانعت مشہور ومتواتر طریقہ سے وارد ہیں اور بعد نمازِ فجر کی ممانعت لیلۃ التعریس والی حدیث الباب سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے ارتفاعِ شمس کا انتظار فرمایا اور نماز کو مؤخر کیا۔ اور بعد عصر بھی آپ نے غزوۂ احزاب میں قبل مغرب وقتِ مکروہ میں نماز نہیں ادا کی، اور بعد غروب کے قضا فرمائی جبکہ حضرت عمرؓ نے اپنی تنہا نمازِ عصر بمشکل وقت کے اندر ادا کی تھی۔ اور حضور علیہ السلام سے ذکر کیا کہ میں نے نمازِ عصر ایسی حالت میں ادا کی کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہی تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب من صلے بالناس جماعةً بعد ذهاب الوقت

اس شخص کا بیان جو وقت گزرنے کے بعد لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھائے

٥٦٦ : حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن يحيىٰ عن ابى سلمة عن جابر بن عبدالله ان عمر بن الخطاب رضى الله عنه جآء يوم الخندق بعد ماغربت الشمس فجعل يسب كفار قريش قال يارسول الله ماكدت اصلى العصر حتىٰ كادت الشمس تغرب قال النبى صلى الله عليه وسلم والله ماصليتها فقمنا الىٰ بطحان فتوضا للصلوٰة وتوضانالها فصلے العصر بعد ما غربت الشمس ثم صلى بعدها المغرب

ترجمہ: **معاذ بن فضالہ**، ہشام، یحییٰ، ابوسلمہ، جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ (غزوہ) خندق میں آفتاب غروب ہونے کے بعد حضرت عمرؓ قریش کو برا بھلا کہتے ہوئے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ میں نے عصر کی نماز ابھی تک) نہیں پڑھی تھی، اور سورج غروب کے قریب ہو گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ واللہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی پھر ہم سب (مقام) بطحان کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے اور ہم سب نے (بھی) نماز کے لئے وضو کیا پھر آپ نے آفتاب غروب ہو جانے کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی اس کی بعد مغرب کی ادا کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کاد کے معنی میں اختلاف ہوا ہے، عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مثبت میں منفی اور منفی میں مثبت کے معنی دیتا ہے اور اسی لئے عربی شاعر کے اس شعر۔

"**اذا غير الهجر المحبين لم يكد. رسيس الهوى من حب مية يبرح.**" پر لوگوں نے اعتراض کیا تو اس نے **لم يكد** کو **لم يجد** سے بدل دیا تھا، مگر میرے نزدیک یہ بھی دوسرے افعال ہی کی طرح ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے ارشاد **ما كدت الخ** کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے بمشکل نمازِ عصر ادا کی تھی جس کو حافظ نے بھی فتح الباری میں ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ باوضو ہوں گے۔ اس لئے عجلت کے ساتھ نماز پڑھ لی ہوگی۔ دوسرے صحابہ اور حضور اکرم ﷺ رہ گئے، وہ نہ

پڑھ سکے۔اور حضرت عمرؓ نے وقتِ مکروہ میں پڑھی، عندالحنفیہ بھی اس دن کی عصر جائز ہے، مگر حکم نہیں دیتے، کیونکہ کراہت کے ساتھ حکم نہیں دیا جاسکتا۔ فقہاءِ حنفیہ صحیح اور جائز کا لفظ لکھ دیتے ہیں جس سے لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے، حالانکہ وہ جواز یا صحت کراہت کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ مغرب کی نماز کو فوائت میں سے شمار کرنا مسامحت ہے، کیونکہ وہ فوت نہ ہوئی تھی۔ بلکہ مغرب سے قبل ہی جنگ ختم ہوگئی تھی۔ اور اتنی قبل کہ حضرت عمرؓ نے غروب سے قبل نماز عصر پڑھ لی تھی۔ لیکن چونکہ ظہر وعصر کی ادائیگی وغیرہ کے باعث مغرب بھی وقتِ معتاد ومستحب سے مؤخر ہوگئی تھی۔ اس لئے اس کو بھی فواءت میں شمار کر دیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب من نسی صلوٰة فلیصل اذا ذکر ولایعیدالاتلک الصلوٰة وقال ابراهیم من ترک صلوٰة واحدةً عشرین سنةً لم یعدالاتلک الصلوٰة الواحدة

(اس شخص کا بیان جو کسی نماز کو بھول جائے، تو جس وقت یاد آئے پڑھ لے اور صرف اسی نماز کا اعادہ کرے، ابراہیم نے کہا ہے کہ جو شخص ایک نماز ترک کردے (اور) بیس برس تک (اس کو ادا نہ کرے، تب بھی) وہ صرف اسی نماز کا اعادہ کرے گا)

۵۶۷: حدثنا ابونعیم و موسیٰ بن اسماعیل قالا حدثنا همام عن قتادة عن انس بن مالک عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من نسی صلوٰة فلیصل اذا ذکر لاکفارة لها الاذٰلک اقم الصلوٰة لذکری قال موسیٰ قال همام سمعته یقول بعد اقم الصلوٰة لذکری وقال حبان ثناهمام ثناقتادة قال حدثنا انس عن النبی صلے الله علیه وسلم نحوه

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو اسے چاہئے کہ جب یاد آئے، تو پڑھ لے، اس کا کفارہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ اور حبان نے کہا، کہ ہم سے ہمام نے ان سے قتادہ۔ نے اور ان سے انسؓ نے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کے مثل روایت کیا۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ اس حدیث میں امام مسلم نے اونام عنہا کی بھی روایت کی ہے، یعنی جو بھول جائے یا سو جائے تو جب بھی یاد کرے یا بیدار ہو تو فوت شدہ نماز ادا کرے۔ بعض نے اس کی دلیلِ خطاب سے یہ ثابت کیا ہے کہ عمداً اگر نماز ترک کردے تو اس کی قضا جائز نہ ہوگی، کیونکہ حدیث میں بھولنے اور سونے کی قید وشرط ہے، لہٰذا عمداً ترک کرنے والے کی قضا صحیح نہ ہوگی، حافظؒ نے اس سے اشارہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے پیش رو اہلِ ظاہر کی طرف کیا ہے اور پھر ان کی دلیل کا رد بھی کیا ہے۔ (فتح ص ۲/۴۸)

انوار المحمود ص ۱/۱۸۷ میں ہے:۔ بعض اہل الظاہر نے جمہور علماءِ امت کے خلاف یہ شاذ رائے قائم کی ہے کہ عمداً تارک صلوٰۃ پر قضا نہیں ہے، اور علامہ نوویؒ نے بھی لکھا کہ بعض اہلِ ظاہر نے شذوذ کیا کہ صلوٰۃ فائتہ بغیر عذر کی قضا درست نہیں ہے۔ لیکن یہ ان کی غلطی اور جہالت ہے، علامہ شوکانی نے نیل میں لکھا کہ داؤد ظاہری اور ابن حزم نے عامد کے لئے قضا کا انکار کیا، اور ابن تیمیہ سے بھی نقل ہوا کہ انہوں نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ پھر دلائل فریقین ذکر کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ انوار الباری قسط نمبر ۱۳ میں ذکر کیا گیا ہے۔ جہاں حافظ ابن تیمیہ کے دوسرے تفردات اور ان کا رد بھی مدلل ومکمل طور سے ہوا ہے۔

ترتیب کا مسئلہ: حضرت شاہ ولی اللہ نے ''تراجم ابواب'' میں لکھا کہ امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے وقتی اور فوت شدہ نمازوں میں عدمِ وجوب ترتیب کو ثابت کرنا اور امام ابوحنیفہ کا رد کرنا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ ارشاد اس لئے صحیح نہیں کہ حنفیہ کے نزدیک ترتیب کا وجوب تین وجہوں سے ساقط ہو جاتا ہے، بھولنے سے، تنگی وقت کی وجہ سے اور پانچ سے زیادہ نمازوں کے قضا ہو جانے سے، جب ایسی بات

ہے تو یہاں امام بخاری نسیان والی صورت ذکر کر کے امام صاحبؒ کا رد کیسے کر سکتے تھے، اگر پھر بھی رد کیا ہے تو ان کو امام اعظمؒ کا مسلک معلوم نہ ہوگا جیسا کہ اور بھی کئی مسائل میں ان سے ایسی غلطی ہوئی ہے اور ہم نے انوار الباری میں اسکی مثالوں کی نشان دہی کی ہے۔ یا پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ سے چوک ہوگئی کہ ان کو حنفی مذہب کا یہ جزئیہ محفوظ نہ رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

البتہ یہاں یہ ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنے استاذِ جلیل امام احمد کا رد کیا ہو، ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک نماز قضا ہوگئی اور ایک سال تک ادا نہ کی تو جب ایک سال کے بعد اس کو ادا کرے گا تو ساتھ ہی ایک سال کی ساری نمازوں کو بھی پھر سے پڑھے گا، کیونکہ ترتیب ان کے یہاں مطلقاً واجب ہے، خواہ کتنی ہی نمازیں پڑھ لے، وہ سب واجب الاعادہ ہیں، حنفیہ کی طرح پانچ سے زیادہ قضا ہونے پر ترتیب ساقط نہیں ہوتی، اور غالباً امام بخاری نے امام احمد ہی کا رد کرنے کے لئے حضرت ابراہیم نخعی کا قول ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے کہ ایک نماز قضا شدہ کو اگر بیس سال تک بھی ادا نہ کرے تو جب بھی ادا کرے گا تو صرف وہی ایک ادا کرنی پڑے گی، بیس سال کی نمازوں کا اعادہ نہ کرنا پڑے گا، جس کا حکم امام احمدؒ کرتے ہیں۔ اس بات کو حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی شرح تراجم ابواب البخاری ص ۲۱۲۵۱ میں لکھا ہے، مگر ایک بات کھٹکتی ہے وہ یہ کہ نسیان کا عذر جس طرح حنفیہ کے یہاں معتبر ہے، امام احمدؒ کے یہاں بھی ہے، لہٰذا اعتراض ورد کی صورت صرف یہ رہے گی کہ قضا شدہ نماز یاد آجانے کے بعد بھی ادا نہ کرے اور اس کے باوجود ایک سال یا زیادہ مدت گزار دے، برخلاف حنفیہ کے کہ ان کے نزدیک اگر وہ قضا شدہ کو یاد بھی کر لے تو پانچ نمازوں سے زیادہ قضا ہو جانے پر نسیان وعمد برابر ہیں اور یاد آنے پر بھی اگر اعادۂ صلوٰۃ فائتہ نہ کرے گا تو صرف پانچ نمازوں کا اعادہ کرنا پڑے گا، امام احمد کی طرح برسوں کی نمازیں لوٹانے کی ضرورت نہ ہوگی، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک ترتیب کا وجوب نسیان کی صورت میں بھی ہے کما فی المغنی، لیکن علامہ عینی نے لکھا کہ ان کا معتمد مذہب سقوطِ ترتیب بالنسیان ہے اور اسی کو ابن العربی نے ''العارضہ'' میں درج کیا اور حافظ نے بھی لکھا کہ اکثر کا مذہب ترتیب مع الذکر کا ہے، نسیان کے ساتھ نہیں۔ (فتح الباری ص ۲۱۴۷)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمۂ ثلاثہ وجوب ترتیب کے قائل ہیں، اور صرف امام شافعی ترتیب کے وجوب سے منکر ہوئے ہیں، ائمۂ ثلاثہ کا استدلال حضور علیہ السلام کے عمل سے ہے کہ آپ نے غزوۂ خندق میں قضا شدہ نمازوں کو ترتیب کے ساتھ ادا کیا اور یہ بھی آپ کا عام ارشاد ہے کہ جس طرح تم مجھے نماز میں ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح ادا کیا کرو۔

مسئلہ وجوب ترتیب اور مولانا عبدالحی رحمہ اللہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ''التعلیق المسجد'' میں مذہب امام شافعیؒ کو ترجیح دی ہے اور شیخ ابن الہمام وابن نجیم کا قول بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ لیکن ان دونوں حضرات کا قول ایسے مسئلہ میں جس میں اکابر حنفیہ متفق الرائے ہیں، شذوذ کے درجہ میں رکھا جائے گا۔ اور معتبر نہ ہوگا۔

علامہ بنوری دامت برکاتہم نے معارف السنن ص ۲۱۱۱۰ میں دلائل کے ساتھ اس مسئلہ کی تفصیل کی ہے، وہاں دیکھ لی جائے اور فیض الباری ص ۲۱۱۵۱ میں بھی اچھی بحث آسکتی ہے۔ اور یہ امر بھی کم اہم نہیں کہ وجوبِ ترتیب کے قائل صرف حنفیہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ امام مالک وامام احمدؒ اور ان تینوں کے متبعین کبار ائمہ ومحدثین ومحققین ہیں، اس لئے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کا فیصلہ مذکورہ گرانقدر ہے۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ کی حنفی مسلک کے لئے خدماتِ جلیلہ اور خود ان کی جلالت قدر کے سامنے ہماری گردنیں جھکی ہوئی ہیں، مگر بقول علامہ کوثریؒ کے متعدد مسائل مہمہ (مسئلہ محاذاۃ وغیرہ) میں ان کا ''استسلام'' بھی دل پر گراں ہے۔ یرحمہ اللہ وایانا بفضلہ وکرمہ۔

قوله ولا یعید الا تلک الصلوٰۃ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری کا اشارہ حدیثِ ابی داؤد کی طرف معلوم ہوتا ہے جس میں ہے کہ فوت شدہ نماز کو یاد آنے پر بھی پڑھے اور اگلے دن جب اس نماز کا وقت آئے، تب بھی اس کو پڑھے، گویا ایک قضا شدہ نماز کو دوبارہ پڑھے، علامہ خطابی نے اس کو استحباب پر محمول کیا ہے، حافظ نے اس کا رد کیا ہے۔ اور حدیثِ مذکور کو ضعیف اور نا قابلِ احتجاج قرار دیا ہے، یہ بھی لکھا کہ استحباب کا قائل سلف میں سے کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ انہوں نے حدیثِ مذکورہ کو راوی کی غلطی کہا ہے، جس کو ترمذی نے بھی امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگلے دن والی اسی جیسی نماز کو اپنے وقت پر پڑھے، حضرتؒ نے فرمایا میرے نزدیک حدیثِ ابی داؤد بھی عمل کے لائق ہے اور جاندار ہے، اس لئے اس کی تضعیف یا انکار کی ضرورت نہیں، اور ادا شدہ نماز کا اعادہ اصل وقت کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے مستحب قرار پائے گا، اور نیت بھی اسی نماز فجر یا ظہر وغیرہ فوت شدہ کی کرے گا، اگر چہ وہ نفل ہوگی کیونکہ فرض کی ادائیگی پہلے کر چکا ہے یاد آنے پر۔ حضرتؒ کے یہاں ایک مد مستحب الخواص کی بھی تھی، ممکن ہے وہی یہاں مراد ہو، جس طرح مس الذکر و مس المرأۃ واکل لحم الابل کی وجہ سے بھی حضرتؒ وضو کو مستحب الخواص فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب قضآء الصلوات الاولیٰ فالاولیٰ

قضا نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھنے کا بیان

۵۶۸: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا ھشام قال حدثنا یحییٰ ھو ابن ابی کثیر عن ابی سلمۃ عن جابر قال جعل عمر رضی اللہ عنہ یوم الخندق لیسب کفارھم و قال یا رسول اللہ ما کدت اصلی العصر حتیٰ غربت الشمس قال فنزلنا بطحان فصلے بعد ما غربت الشمس ثم صلے المغرب

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (غزوہ) خندق کے دن کفار قریش کو برا کہنے لگے اور کہا کہ یا رسول اللہ۔ میں آفتاب غروب ہونے تک (ان کی وجہ سے) عصر کی نماز نہ پڑھ سکا۔ جابر کہتے ہیں، پھر ہم لوگ (مقام) بطحان میں گئے، تب آپ نے آفتاب غروب ہو جانے کے بعد نماز پڑھی، اس کے بعد مغروب کی نماز پڑھی۔

تشریح: اس حدیث سے ترتیبِ صلوات فائتہ و وقتیہ کا ثبوت ہوتا ہے، جس کی تفصیل گذر چکی۔ امام بخاری کا رجحان بھی وجوب ترتیب کی طرف ہے، جیسا کہ ترجمۃ الباب سے واضح ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صحیحین میں تو صرف ایک نماز عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے، لیکن معانی الآثار امام طحاوی میں امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ ظہر، عصر و مغرب تین نمازیں فوت ہوئی تھیں، اور اس کی سند قوی ہے۔

حافظ ابن حجر اور رجال حنفیہ

حضرتؒ نے اس موقع پر ضمناً فرمایا کہ حافظ نے رجالِ حنفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے، حتیٰ کہ امام طحاویؒ کے بھی عیوب جمع کئے ہیں، حالانکہ جب تک امام طحاوی مصر میں رہے، کوئی محدث وہاں نہیں پہنچا جس نے ان سے اجازتِ حدیث نہ لی ہو، اور امام طحاوی مسلّم امامِ حدیث ہیں، لیکن حافظ نے امام طحاوی سے سو واں حصہ رکھنے والوں کی تعریف کی ہے اور امام موصوف پر نکتہ چینی کی۔ پھر فرمایا کہ تعصب کی حد ہے کہ علامہ عینی کے جوتہ میں، شافعیہ نے صحابہ کے نام رکھوا دیئے۔ اور پھر بادشاہِ وقت سے شکایت کی کہ یہ رافضی ہے اور دو سال کے لئے قید کرا دیا، پھر حنفیہ نے موچی سے ہی کہلوا دیا کہ مجھے رشوت دے کر ایسا کرایا گیا تھا، تب علامہ نے جیل سے رہائی پائی۔ حافظ نے عینی سے ایک حدیث مسلم شریف کی

اوردو مسند احمد کی سن کر ان سے اجازتِ حدیث حاصل کی ہے اور وہ عمر میں بھی حافظ سے بڑے تھے اور ان کے بعد تک زندہ رہے ہیں۔

باب مایکرہ من السمر بعد العشآء السامر من السمر والجمیع السمار والسامر ھٰھنا فی موضع الجمیع

(عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے، سامر سمر سے ماخوذ ہے اور جمع سمار ہے اور سامر یہاں جمع کے معنوں میں ہے)

۵۶۹: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا عون قال حدثنا ابو المنهال قال انطلقت مع ابی الیٰ ابی برزۃ الاسلمی فقال له' ابی حدثنا کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی المکتوبة قال کان یصلی الهجیر وھی التی تدعونها الاولیٰ حین تدحض الشمس و یصلی العصر ثم یرجع احدنآ الیٰ اهله فی اقصی المدینة والشمس حیة ونسیت ماقال فی المغرب قال وکان یستحب ان یؤخر العشآء قال وکان یکرہ النوم قبلها والحدیث بعدھا وکان ینفتل من صلوٰۃ الغداۃ حین یعرف احدنا جلیسه' ویقرأ من الستین الی المائة

ترجمہ: ابومنہال روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کے پاس گیا، ان سے میرے والد نے کہا، کہ ہم سے بیان کیجئے، کہ رسول اللہ علیہ فرض نماز کس طرح پڑھتے تھے، وہ بولے، کہ ہجیر جسے تم پہلی نماز کہتے ہو، آفتاب کے ڈھلتے ہی ادا فرمالیا کرتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ (جب) ہم میں سے کوئی شخص (حضور) کے ہمراہ نماز پڑھ کر اقصیٰ مدینہ میں اپنے گھر کو واپس جاتا، تو بھی آفتاب بالکل صاف ہوتا تھا (وابومنہال کہتے ہیں) میں بھول گیا کہ مغرب کے بارے میں انہوں نے کیا کہا) ابو برزہؓ کہتے ہیں کہ آپ عشاء کی نماز دیر میں پڑھنا پسند فرماتے تھے، اور کہا کہ عشاء سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات کرنا مکروہ خیال فرماتے تھے، اور صبح کی نماز سے (فراغت کرکے) آپ ایسے وقت لوٹتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے پاس والے کو پہچان لیتا تھا، اور (اس میں) آپ ساٹھ آیتوں سے سو تک پڑھتے تھے۔

تشریح: حافظ نے لکھا کہ یہ حدیث پہلے باب وقت العصر (ص ۷۸) میں بھی آچکی ہے، یہاں خاص طور سے سمر بعد العشاء کی کراہت بتلانے کے لئے پھر سے لائے ہیں، عشاء سے قبل سونے کی کراہت اس لئے ہے کہ عشاء کی نماز فوت نہ ہو جائے یا وقت مستحب سے نہ نکل جائے اور بعد عشا باتیں کرنے کی ممانعت اس لئے ہوئی کہ صبح کی نماز قضا نہ ہو جائے، حضرت عمر لوگوں کو اس بات پر مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ شروع رات میں قصہ گوئی اور باتوں میں وقت خراب کرو گے اور آخر رات میں سوؤ گے؟: پھر حافظ نے لکھا کہ اس علت کے پیشِ نظر کوئی بڑی اور چھوٹی راتوں میں فرق بھی کرسکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوراندیشی کے تحت یہ ممانعت مطلقاً ہی ہو، کیونکہ شریعت جب کسی چیز پر خرابی کے اندیشہ و گمان سے کوئی حکم لگا دیتی ہے تو پھر وہ سختی ہی قائم رہتی ہے (فتح ص ۲/۴۹) لہٰذا شریعت نے نمازِ عشا کے بعد مباح باتوں سے روک دیا ہے، مباح اس لئے کہ حرام و ممنوع باتیں تو ہر وقت ممنوع ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کی رائے بھی یہ تھی کہ سمر بعد العشا کی کراہت اسی وقت ہے کہ اس کی وجہ سے صبح کی نماز فوت ہو (لامع ص ۱/۲۳۴)۔

باب السمر فی الفقه والخیر بعد العشآء

دین کے مسائل اور نیک باتوں سے متعلق عشاء کے بعد گفتگو کرنے کا بیان

۵۷۰: حدثنا عبداللہ بن الصباح قال حدثنا ابو علی الحنفی قال حدثنا قرۃ بن خالد قال انتظرنا الحسن وراث علینا حتیٰ قربنا من وقت قیامہ فجآء فقال دعانا جیراننا ھٰؤلآء ثم قال قال انس بن مالک نظرنا النبی صلے اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ حتیٰ کان شطر اللیل یبلغہ' فجآء فصلی لنا ثم خطبنا فقال الا ان الناس قد صلوا ثم رقدوا وانکم لم تزالوا فی صلوٰۃ ما انتظر الصلوٰۃ قال الحسن و ان القوم لایزالون فے خیر ما انتظروا الخیر قال قرۃ ھو من حدیث انس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم

۵۷۱: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال حدثنی سالم ابن عبداللہ بن عمرو ابوبکر بن ابی حثمۃ ان عبداللہ بن عمر قال صلے النبی صلے اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ العشآء فی اٰخر حیوتہ فلما سلم قام النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال ارایتکم لیلتکم ھٰذہ فان راس مائۃ سنۃ لایبقیٰ من ھو الیوم علیٰ ظھر الارض احد فوھل الناس فی مقالۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم الیٰ مایتحدثون فی ھٰذہ الاحادیث عن مائۃ سنۃ وانما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایبقےٰ ممن ھو الیوم علےٰ ظھر الارض یرید بذٰلک انھا ینخرم ذٰلک القرن

ترجمہ ۵۷۰:۔ حضرت قرہ بن خالد روایت کرتے ہیں کہ ہم حسن بصری کا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے آنے میں اتنی دیر کی، کہ ان کے (مسجد سے) اٹھ جانے کا وقت قریب آ گیا، تب وہ آئے اور کہنے لگے کہ مجھے میرے پڑوسیوں نے بلا لیا تھا، اس وجہ سے دیر ہوگئی، پھر انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس بن مالکؓ نے (مجھ سے) کہا کہ ہم نے ایک رات نبی کریم ﷺ کا انتظار کیا، یہاں تک کہ نصف شب ہوگئی، تب آپ تشریف لائے اور ہمیں نماز پڑھائی اس کے بعد آپ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دیکھو! لوگ نماز پڑھ چکے اور سو رہے، اور تم برابر نماز میں رہے، جب تک کہ تم نے نماز کا انتظار کیا، اسی حدیث کے پیشِ نظر (خود) حسن بصریؒ کا قول ہے، کہ جب تک لوگ نیکی کرنے کے منتظر رہتے ہیں وہ اس نیکی کے کرنے کا ثواب پاتے رہتے ہیں، قرہ نے کہا، کہ حسن کا یہ قول حضرت انس کی حدیث میں داخل ہے۔

ترجمہ ۵۷۱:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) عشاء کی نماز اپنی اخیر زندگی میں پڑھی، جب سلام پھیرا، تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہوگئے، اور فرمایا کہ تم اپنی اس رات کے حال کے متعلق مجھ سے سنو! سو برس کے بعد جو شخص آج زمین کے اوپر ہے، کوئی باقی نہ رہے گا۔ (ابن عمرؓ کہتے ہیں، کہ) لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے (اس) ارشاد (کے سمجھنے) میں غلطی کی (اور) سو برس کی توضیح کرنے) میں دوسری باتوں کی طرف خیال دوڑانا شروع کر دیا (ان ہی خیالوں کو) وہ (حدیث کی تفسیر میں) بیان کرتے ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا، کہ جو آج زمین کے اوپر ہیں، ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا، مراد آپ کی اس سے یہ تھی کہ سو سال پر یہ قرن گزر جائے گا۔

تشریح: پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت نے کسی چیز کے لئے انتظار کو بھی اسی کے حکم میں رکھا ہے اور حضور علیہ السلام نے یہ ارشاد نمازِ عشا کے بعد فرمایا ہے، لہٰذا بعد عشا کے کسی نیک بات میں کوئی حرج نہ ہوا، دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی سے باب السمر بالعلم (ص ۲۲ کتاب العلم) میں بھی گزر چکی ہے اور حضور علیہ السلام نے یہ ارشادات بھی بعد نمازِ عشا فرمائے ہیں۔ لہٰذا کسی علمی و فقہی بات میں

کوئی مضائقہ نہیں۔ حافظ نے لکھا کہ امام ترمذی نے حضرت عمرؓ سے حدیثِ حسن روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کے معاملات میں بعد عشا کے مشورے کیا کرتے تھے اور میں بھی ان دونوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس حدیث کے تحت حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ بھی چھڑتا ہے اور ہم اس کو پہلے لکھ چکے ہیں، یہاں حافظ نے لکھا کہ علامہ نووی وغیرہ نے کہا:۔ اس حدیث سے امام بخاری اور ان کے ہم خیال حضرات نے حضرت خضر علیہ السلام کی موت ثابت کی ہے، مگر جمہور اکابر امت اس کے خلاف ہیں اور اس کے جوابات دیئے ہیں۔ پھر حافظ نے وہ بھی درج کئے، دیکھ لئے جائیں (فتح ص ۱۵۰\۲)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ باب امام بخاری اس لئے لائے ہیں تاکہ علمی مذاکرات کو بھی عام حکم سمر بعد العشاء کے تحت نہ سمجھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب السمر مع الاهل والضيف

(گھر والوں اور مہمانوں کے ساتھ عشاء کے بعد گفت و گو کرنے کا بیان)

۵۷۲: حدثنا ابوالنعمان قال حدثنا معتمر بن سليمان ثنا ابی قال حدثنا ابوعثمان عن عبدالرحمن بن ابی بكران اصحاب الصفة كانوا اناساً فقرآء وان النبی صلے الله عليه وسلم قال من كان عنده' طعام اثنين فليذهب بثالث وان اربع فخامس اوسادس وان ابابكر جآء بثالث وانطلق النبی صلی الله عليه وسلم بعشرة قال فهوانا و ابی و امی ولا ادری هل قال و امراتی و خادم بين بيتنا وبيت ابی بكرو ان ابابكر تعشى عندالنبی صلے الله عليه وسلم ثم لبث حيث صليت العشآء ثم رجع فلبث حتیٰ تعشى النبی صلے الله عليه وسلم فجآء بعد ما مضیٰ من الليل ماشآء الله قالت له' امراته ما حبسک عن اضيافک او قالت ضيفک قال اوما عشيتهم قالت ابوا حتیٰ تجیّ ء قدعرضوا فابوا قال فذهبت انا فاختبات فقال يا غنثر فجدع و سب وقال كلوالاهنيئا لكم فقال والله لااطعمه' ابداً وايم الله ما كنا ناخذ من لقمة الا ربا من اسفلها اكثر منها قال شبعوا وصارت اكثر مماكانت قبل ذٰلک فنظراليها ابوبكر فاذا هی كما هی اواكثرفقال لامرأته ياخت بنی فراس ماهذا قالت لا وقرة عينی لهی الأن اكثر منها قبل ذٰلک بثلاث مرارفاكل منها ابوبكر وقال انما كان ذٰلک من الشيطان يعنی يمينه' ثم اكل منها لقمةً ثم حملها الی النبی صلے الله عليه وسلم فاصبحت عنده' و كان بيننا و بين قوم عقد فمضى الاجل ففرقنا اثنی عشر رجلاً مع كل رجل منهم اناس والله اعلم كم مع كل رجل فاكلوا منها اجمعون او كماقال

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ روایت کرتے ہیں کہ اصحابِ صفہ غریب لوگ تھے، اور نبی کریم علیہ السلام نے فرمادیا تھا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ تیسرے کو (ان میں سے) لے جائے، اور اگر چار ہوں، تو پانچواں یا چھٹا (ان میں سے لے جائے) حضرت ابوبکر تین آدمی لے آئے، اور نبی کریم علیہ السلام دس لے گئے، عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ ہم تھے، اور ہمارے باپ تھے، اور ہماری ماں تھیں، اور میں نہیں جانتا، کہ آیا انہوں نے یہ بھی کہا (یا نہیں) کہ میری بی بی اور ہمارا خادم بھی تھا، جو ہمارے گھر اور ابوبکرؓ کے گھر میں مشترک تھا (ایک روز) ابوبکرؓ نے حضور اکرم علیہ السلام کے یہاں شام کا کھانا کھایا، اور آکر ہمارے گھر میں رہے اتنی دیر کہ عشا کی نماز بھی ہو چکی، پھر حضور کی خدمت میں گئے اور

اتنے ٹھہرے کہ آں حضرت علیہ نے کھانا بھی تناول فرمالیا، اسکے بعد (اپنے گھر میں) آئے ان سے ان کی بی بی نے کہا کہ تمہیں تمہارے مہمانوں سے کس نے روک لیا، یا یہ کہا کہ تمہارے مہمان سے، وہ بولے، کیا تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا، انہوں نے کہا، آپ کے آنے تک ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا کھانا ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا، مگر انہوں نے نہ مانا، عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میں تو (مارے خوف کے) جا کر چھپ گیا (چنانچہ) ابوبکرؓ (نے غصہ میں) یاغنثر (کہہ کر) پکارا اور بہت کچھ سخت سست مجھے کہہ ڈالا، اور کہا، تمہیں گوارہ نہ ہو کھاؤ۔ اس کے بعد کہا، کہ اللہ کی قسم! میں ہرگز نہ کھاؤں گا، کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! ہم جب کوئی لقمہ لیتے تھے تو اس کے نیچے اس سے زیادہ بڑھ جاتا تھا، عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ مہمان سب آسودہ ہو گئے۔ اور کھانا جس قدر کہ پہلا تھا اس سے زیادہ رہ گیا، تو ابوبکرؓ نے اس کی طرف دیکھا وہ اسی قدر تھا، جیسا کہ پہلے تھا، یا اس سے بھی زیادہ تو اپنی بی بی سے کہا، کہ اے بنی فراس کی بہن! یہ کیا ماجرا ہے (وہ بولیں) کہ اپنی آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم یقیناً یہ اس وقت پہلے سے تگنا ہے، پھر اس میں سے ابوبکرؓ نے کھایا، اور کہا، یہ قسم شیطان ہی کی طرف سے تھی، بالآخر اس میں سے ایک لقمہ انہوں نے کھالیا اس کے بعد اسے نبی کریم علیہ کے پاس اٹھالے گئے، وہ صبح تک آپ کے پاس رہا، اور ہمارے اور ایک قوم کے درمیان میں کچھ عہد تھا۔ اس کی مدت گذر چکی تھی، تو ہم نے بارہ آدمی علیحدہ علیحدہ کر دیئے، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کچھ کچھ آدمی تھے۔ غرض اس کھانے سے سب نے کھالیا (یا عبدالرحمٰن نے جیسا کچھ بیان کیا ہو)

تشریح: یہ حدیث الباب طویل ہے اور اس میں راویوں سے تقدیم و تاخیر بھی ہو گئی ہے۔ مسلم شریف کتاب الاطعمہ ص ۱۸۵/۲ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس کے ساتھ والی دوسری حدیث بھی زیر نظر رکھی جائے، ابوداؤد کتاب الایمان والنذ ور ص ۱۱۵/۲ میں بھی یہ حدیث ہے، علامہ نوویؒ نے لکھا کہ اس حدیث میں اختصار ہے اور حذف نیز تقدیم و تاخیر بھی ہے۔ جس کی وضاحت و صحت اگلی دوسری روایت سے ہوتی ہے، مسلم کی حدیث میں **ثم رجع فلبث** کے بعد **حتی تعشی النبی** علیہ کی جگہ **حتی نعس النبی** علیہ ہے (نبہ علیہ العینی فی العمدہ ص ۶۱۴/۲) اور وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اگرچہ ہم نے ترجمہ روایت بخاری کے مطابق کیا ہے۔ اور ضمیروں کے مراجع ہم نے عمدۃ القاری سے متعین کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

افاداتِ عینیؒ: (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب لوگوں پر رزق کی تنگی ہو گئی ہو تو حاکم وقت ان کی کفالت بقدر وسعت و گنجائش دوسرے لوگوں کے ذمہ کر دے اور حضور علیہ السلام نے کم افراد والے کنبہ اور زیادہ والے کو برابر اس لئے کیا کہ زیادہ افراد والے خود ہی پہلے سے زیر بار ہوتے ہیں اور ان کو اپنے عیال کا خیال بھی زیادہ رکھنا چاہیئے، یہ ہدایت تو دوسروں کے لئے تھی، مگر خود حضور علیہ السلام جن پر دس افراد کا بوجھ پہلے سے ہی تھا، پھر بھی آپ نے ایثار کر کے دوسرے دس آدمیوں کا بوجھ اٹھایا، اور حضرت ابوبکرؓ نے تین کی ذمہ داری لی، جبکہ ہدایتِ نبوی صرف یہ تھی کہ ہر کنبہ والا صرف ایک ایک آدمی کو ساتھ لے جائے اور کھلائے۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے سال ہر گھرانہ پر گھر کے افراد کے برابر لوگوں کی ذمہ داری سونپی تھی، اور فرمایا تھا کہ کوئی قوم آدھی خوراک کھانے کی وجہ سے ہلاک نہیں ہو سکتی۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ بیشتر علماء کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ کے سوا بھی مال میں دوسرے ناداروں کے حقوق وابستہ ہیں۔ (۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رئیس قوم کے ساتھ کھانا بہتر ہے اگرچہ گھر پر مہمان بھی ہوں، جبکہ گھر پر مہمانوں کی خدمت کرنے والا موجود ہو، جس طرح حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے گھر پر موجود تھے اور آپ نے ان کو مہمانوں کی خبر گیری کی تاکید بھی کر دی تھی۔ (۳) گھر کے لوگوں کو خود بھی چاہیے کہ وہ صاحب منزل کی طرح اس کے مہمانوں کا خیال رکھیں۔ (۴) مہمانوں کو چاہیے کہ وہ صاحب منزل کا ادب و لحاظ کریں اور کھانے پر بھی اس کا انتظار کریں، اس کے بغیر کھانے کی حرص نہ کریں، (۵) حضرت ابوبکرؓ کی خاص شان حب نبوی و مصاحبت نبوی کی معلوم ہوئی کہ وہ دن ورات کا اکثر حصہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ گذارتے تھے (۶) کوئی بابرکت چیز گھر میں آئے تو وہ اہل علم و فضل کے پاس بھیجی جائے، جس طرح حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت

والے کھانے کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ (۷) اس حدیث سے حضرت ابوبکرؓ کی کرامت بھی ثابت ہوئی، اور معلوم ہوا کہ اولیا کی کرامات حق ہیں، یہی مذہب اہل سنت کا ہے (۸) کسی تقصیر پر خوف و ڈر کے سبب اپنے والد یا بڑے سے چھپ جانے کا جواز بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بھی چھپ گئے تھے (۹) اولاد کو غصہ کی حالت میں کسی تقصیر پر برا بھلا کہنے کا بھی جواز نکلا (۱۰) قسم بغیر اللہ کا جواز بھی معلوم ہوا۔ (۱۱) اگر قسم کسی ناروایات پر اٹھالی ہو تو اس کو توڑنے کا استحسان بھی معلوم ہوا۔ (۱۲) اگلے دن کے لئے کھانا رکھنے کا جواز بھی معلوم ہوا۔ (۱۳) اگر صاحب منزل نے ہدایت کردی ہو تو مہمانوں کو اس کی غیر موجودگی میں کھانا کھالینا چاہیے، کیونکہ حضرت ابوبکرؓ مہمانوں کے نہ کھانے پر ناخوشی کا اظہار فرمایا۔ (۱۴) اس حدیث سے کسی عذر کے تحت ترک جماعت کا جواز بھی معلوم ہوا کیونکہ **ثم لبث** (ای فی دارہ) **حتی صلیت العشاء ثم رجع الی رسول اللہ** علیہ السلام وارد ہوا (عمدہ ص ۶۱۶/۲) غالباً حضرت ابوبکرؓ کا عذر یہ تھا کہ وہ مہمانوں کی دلداری یا ان سے ضروری باتوں کے لئے گھر پر ٹھیرے رہے تا آنکہ جماعت عشاء ہو چکی، تب حضور علیہ السلام کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے، اور **ثم رجع** کی جگہ صحیح اسماعیلی میں **ثم رکع** ہے، شاید اس سے مراد عشاء کی نماز ہو جو گھر پر پڑھ کر حضرت ابوبکرؓ حضور کی خدمت میں گئے ہوں گے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

افاداتِ انورؒ: (۱) فرمایا:۔ اس حدیث میں حلف بغیر اللہ ہے، حالانکہ دوسری حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے اس کے بارے میں سب سے بہتر تحقیق جواب صرف علامہ چلپیؒ نے مطول کے حاشیہ میں لکھا ہے، مطول کے خطبہ میں ولعمری آ گیا ہے، اس پر اسی اعتراض کے دفعیہ میں لکھا کہ ممنوع وہ ہے جو مشروع طریقہ پر ہو اور اس سے مقصود مقسم بہ کی تعظیم ہو یا عدم حنث کے لئے ہو، اور جو لغوی ہو، محض تقویتِ کلام کے لئے وہ ناجائز و ممنوع نہیں ہے۔ بشرطیکہ سامع کو مغالطہ نہ ہو، کیونکہ جہاں مغالطہ میں پڑنے کا خطرہ ہو تو وہ بھی جائز نہیں ہوگا، جیسے قرآن مجید میں صحابہ کو **راعنا** کہنے سے روک دیا گیا۔ یا جیسے دلائل الخیرات میں ہے **حتی لایبقی من علمک شیء** میرے نزدیک یہ الفاظ درست ہیں۔ مگر ابن سعودؒ نے دلائل کا داخلہ حجاز میں بند کر دیا کہ یہ شرک و کفر ہے، غالباً سلف کے اذہان میں بھی یہ لغوی یمین ہی تھی، جو بمعنی استشہاد تھی، اس لئے اگر نحوی اس کا یہی نام رکھ دیتے تو اچھا تھا تا کہ یمین شرعی و فقہی سے ممتاز ہو جاتی، لہٰذا کوتاہی نام میں ہوئی، حقیقت حلف میں نہیں، مگر کچھ لوگوں سے ذہول و غفلت ہوئی اور انہوں نے یمین لغوی پر بھی یمین شرعی کے احکام جاری کر دیئے۔ حالانکہ خود حضور علیہ السلام سے بھی چار جگہ یہ یمین لغوی یا حلف بغیر اللہ وارد ہے، (۱) قصۂ افک میں (۲) افلح وابیہ ان صدق میں، اور جو تاویلات ورب ابیہ وغیرہ سے کی گئی ہیں وہ غلط ہیں (۳) **لا ازید ولا انقص** والی حدیث میں (۴) اسی حدیث میں شوکانی نے جواب دیا کہ حضور علیہ السلام سے بطور سبقت لسانی کے ایسے کلمات قسم کے نکل گئے ہیں، میں نے کہا کہ ہاں! یہی موقع تھا سہو کا جو شرک و کفر کا مقام ہے۔

(۲) فرمایا:۔ بعض چیزیں فی نفسہ جائز ہوتی ہیں، مگر وہ اس لئے ممنوع ہو جاتی ہیں کہ ان سے دوسری غلط جانب کا ایہام و احتمال ہوتا ہے اس لئے ان کو نہ مطلقاً ممنوع ہی کہہ سکتے ہیں نہ کلیۃً جائز ہے۔ مفتی کا فرض ہے کہ وہ دیکھے، اگر ضرر شرعی پائے تو روک دے اور اگر نہ پائے تو جواز پر باقی رکھے، اس باب کی طرف قرآن مجید میں بھی تعرض کیا گیا ہے، چنانچہ **راعنا** کے فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود یہود کے ایہام کی وجہ سے روک دیا گیا، لہٰذا جب یہ مانع نہ رہے گا تو پھر جواز علی الاطلاق کا حکم لوٹ آئے گا۔ اسی طرح کنز کے باب الحظر والاباحۃ میں ہے۔ حاصل یہ کہ جہاں مغالطہ نہ ہو وہاں جائز ہی ہوگا۔

(۳) فرمایا:۔ میرے نزدیک یا شیخ عبدالقادر جیلانی! **شیئاللہ** کہنا اس کے لئے درست ہے جو شیخ عبدالقادر کو عالم الغیب اور قادر نہ مانتا ہو، **الا ان یشاء اللہ** کہ وہ علم بھی دے سکتا ہے اور امداد بھی کرا سکتا ہے اور یہ جائز ہی ہے، مگر عام طور سے فساد عقیدہ اور مغالطہ پڑنے کی وجہ سے روکا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ کوئی شرعی وظیفہ نہیں ہے کہ اس کی تسبیح پڑھی جائے اگر کوئی ایک ہزار بار بھی اس کا ورد کرے گا تو گھاس کے تنکے کے برابر بھی ثواب نہ ملے گا۔ اگرچہ معصیت بھی نہیں ہے اگر عقیدہ صحیح ہو۔

میں تو کہتا ہوں کہ فتاویٰ خیریہ میں مذکور ہے کہ ذکر اللہ کے سوا کوئی ذکر بھی موجب ثواب نہیں ہے، حتی کہ محمد محمد کے ورد اور تکرار میں بھی ثواب تھا آپ پر درود شریف بھیجنے میں ہے، یا آپ کے ذکر سیرت وغیرہ میں۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اللہ، اللہ کے ذکر منفردا کو بھی بلا اجر قرار دے دیا اور یہ ان کی بڑی غلطی ہے، اس بارے میں انوار الباری کی سابق جلد میں لکھا گیا ہے)

(۴) فرمایا:۔ مورخ ابن خلکان نے محمود غزنوی کو ''امی محض'' لکھا، اور یہ بھی کہ اس کے سامنے قفال شافعی نے حنفیہ کی نماز کا ڈراما کیا۔ حنفی نماز کے لئے نبیذ سے وضو کیا، تعدیل ارکان نہ کی اور بجائے سلام کے عمداً حدث کر کے نماز ختم کر دی اس پر محمود شافعی ہو گیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد ایک حنفی نے شافعی نماز دکھلائی، دو مٹکے پانی میں بہت سی نجاست ڈالی پھر اس سے وضو کیا اور نماز شافعی طریقہ پر پڑھی، تو وہ اس سے متنفر ہو گیا۔ ملا علی قاری وغیرہ نے جوابات لکھے ہیں حنفیہ کی طرف سے میں نے جواب دیا کہ جو باتیں حنفی نماز میں مخالفین نے دکھلائی ہیں اور ان کو نمایاں کیا ہے وہ سب فقہ حنفی میں بھی مکروہ تحریمی ہیں، لیکن فقہائے حنفیہ کی غلطی ہے کہ مکروہ کے لئے بھی جاز اور صح لکھ دیتے ہیں، ان کے ایسے تجوزات نے ہی اس قدر مغالطے ڈال دیئے ہیں، مثلاً ہدایہ میں لکھ دیا کہ جس نے ختم نماز پر حدث عمد کیا تو نماز صحیح ہو گئی، حالانکہ وہ مکروہ تحریمی ہے، اصحاب متون صرف صح وجاز لکھ دیتے ہیں، پھر شروح میں مکروہ تحریمی لکھا ہوا ملتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے سینکڑوں اعتراض کئے ہیں اور باقی تینوں مذاہب والے بھی اعتراض کرتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں فرق کیا ہے الفاظ میں۔ پس اگر فقہاء حنفیہ بھی جواز وصحت کا اطلاق کراہت پر نہ کرتے تو ہم پر بہت سے اعتراضات نہ ہو سکتے۔ ان کی اس تقصیر اور صحیح وجائز کہنے کی وجہ سے ہم پر بہت سی نصوص ممانعت کی مخالفت کا اعتراض بھی ہوا ہے، اگر مکروہ کہہ دیا جاتا تو وہ اعتراض نہ پڑتا۔ کیونکہ ظاہر الفاظ سے کراہت کی بھی نفی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرا جواب میرا یہ ہے کہ طبقات شافعیہ کا درجہ گرا ہوا ہے، کیونکہ اس میں بہت ہی نادر ہے کہ کسی محدث سے کوئی نل ہو اور طبقات حنفیہ لکھنے والا محدث ہے، اس میں ہے کہ محمود غزنوی بڑا فقیہ عالم اور حنفی تھا، اس نے مسائل حنفیہ میں کتاب بھی لکھی ہے، لہٰذا اس کو جاہل وامی لکھنے والے کی غلطی ہے، اور اس کا شافعی ہو جانا بھی غلط ہے، میں نے تینوں مذاہب کے طبقات کا مطالعہ کیا ہے، اور میرے نزدیک طبقات حنفیہ سب میں زیادہ قابل وثوق اور پچی و پکی ہے، دوسری کچی ہیں۔

افادۂ علامہ کوثریؒ: آپ نے اپنی جلیل القدر تالیف تانیب الخطیب ص ۸ لکھا کہ ایک عرصۂ مدید تک مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار رہے، کیونکہ ان سب کے اصول ومبادی کا سرچشمہ واحد اور اتجہاہات میں یکسانیت تھی، سب کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ خلوص وللّٰہیت تھی، اس کے بعد کچھ شر پسندوں نے جن کے پیشوا حشویہ مبتدعہ رواۃ تھے، دراندازی کر کے تعلقات بگاڑے اور فسادات کرائے، عوام کو بھڑکایا اور امام ابوحنیفہ واصحاب کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کیا گیا، (جیسا کہ آج کے غیر مقلدین بھی کرتے ہیں، اس کے بعد علامہ کوثریؒ نے شیخ طریقہ عراقیہ کا ذکر کیا، پھر قفال مروزی کا ذکر کیا اور لکھا کہ اس نے اپنے فتاویٰ میں حنفی نماز کا غلط نقشہ کھینچا تھا، اور صاحب مغیث الخلق نے یہ بھی لکھا کہ اس نے سلطان محمود غزنوی مؤلف ''التفرید فی الفقہ الحنفی'' کے سامنے حنفی نماز بھی پڑھ کر دکھائی تھی، پس اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جائے تو گویا ان دونوں شیوخ نے مذہب حنفی کو بدنام کرنے کے لئے یہ سب نئے ڈھنگ اختیار کئے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ قفال نے صرف اپنے فتاویٰ میں ہی حنفی نماز کی مغالطہ آمیز تصویر دکھائی تھی اور سلطان کے سامنے نماز پڑھ کر نہیں دکھائی تھی، ورنہ اس متدین عالم بادشاہ کی طرف سے اس کو کوڑوں کی سزا ضرور ملتی۔ اور اہل بلاد کے ایک مذہب سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے کے افسانے بھی سراسر غلط ہیں، البتہ بعض اہل علم کی روش سے ضرور حیرت ہے کہ انہوں نے مناقب شافعی میں رحلت مکذوبہ اور دوسری من گھڑت وبے سند باتیں بھی امام اعظم وغیرہ کو مطعون کرنے کے لئے چلتی کر دیں، خاص طور سے ابونعیم اور علامہ محدث بیہقی جیسے حضرات کو بھی ان کے زمرہ

میں دیکھ کر بڑی روحانی کوفت بھی ہوتی ہے، باقی ابن الحوینی شافعی، امام غزالی ورازی وغیرہ جن کونقد روایات میں کوئی درک نہیں ہے، ان کو ایک حد تک معذور سمجھا جاسکتا ہے۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ وہ ابونعیم وبیہقی وغیرہ کی وجہ سے دھوکہ میں پڑے ہوں گے۔ الخ پوری کتاب قابل مطالعہ۔ جزی اللہ المؤلف عنا وعن سائر الامۃ خیر الجزاء

کتاب الاذان

(اذان کا بیان)

باب بدء الاذان وقوله تعالیٰ و اذا ناديتم الى الصلوٰة اتخذوها هزوًا ولعبا ذٰلک بانهم قوم لايعقلون و قوله تعالیٰ اذا نودی للصلوٰة من يوم الجمعة

(اذان کی ابتداء کا بیان' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ اس سے ہنسی مذاق کرتے ہیں یہ اس سبب سے کہ وہ نادان لوگ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول' جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان دی جائے)

۵۷۳: حدثنا عمران بن ميسرة قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا خالد عن ابی قلابة عن انس قال ذكروا النار والناقوس فذكروا اليهود والنصارىٰ فامر بلال ان يشفع الاذان وان يوتر الاقامة

۵۷۴: حدثنا محمود بن غيلان قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا ابن جريج قال اخبرنی نافع ان ابن عمر كان يقول كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلوٰة ليس ينادی لها فتكلموا يوما فی ذٰلک فقال بعضهم اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصارىٰ وقال بعضهم بل بوقاً مثل قرن اليهود فقال عمر اولا تبعثون رجلاً ينادی بالصلوٰة فقال رسول الله صلے الله عليه وسلم يابلال قم فناد بالصلوٰة

ترجمہ ۵۷۳:۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ (نماز کے اعلان کے لئے) لوگوں نے آگ اور ناقوس تجویز کیا، پھر یہود ونصاریٰ کی طرف ذہن منتقل ہوگیا (کہ یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں) تب بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں اور اقامت کے ایک ایک مرتبہ:۔

ترجمہ ۵۷۴:۔ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں، کہ مسلمان جب مدینہ آئے، تو نماز کے لئے، نماز کے وقت کا اندازہ کر کے جمع ہو جاتے تھے، اس وقت تک نماز کے لئے اعلان نہ ہوتا تھا، ایک دن مسلمانوں نے اس بارے میں گفتگو کی (کہ کوئی اعلان ضرور ہونا چاہیئے) بعض نے کہا، کہ نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ناقوس بنالو، اور بعض نے کہا، نہیں، بلکہ یہود کے سنکھ کی طرح ایک سنکھ بنالو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ کیوں نہیں ایک آدمی کو مقرر کر دیتے، کہ وہ الصلوٰۃ (الصلوٰۃ) پکار دیا کرے، پس رسول خدا ﷺ نے فرمایا، کہ اے بلال! اٹھو اور نماز کی اطلاع کر دو۔

تشریح: اذان کے معنی اطلاع اور خبر دینے کے ہیں، معروف اذان بھی چونکہ وقت نماز کی خبر دیتی ہے، اس لئے اس کو اذان کہتے ہیں، نماز اگرچہ مکہ معظمہ میں پانچ وقت کی فرض ہو چکی تھی۔ مگر وہاں اذان وغیرہ کے ذریعہ تشہیر نہ ہوسکتی تھی مدینہ طیبہ پہنچ کر جب مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی سال میں زیادہ ہوگئی تو جماعت کے لئے اجتماع کی صورت کیا ہو، اس کے لئے حضور علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ کیا، اور ابتداء میں حضرت عمرؓ کی رائے سے حضرت بلالؓ کو "الصلوٰۃ جامعۃ" کے ذریعہ لوگوں کو خبر دینے کا حکم نبوی ملا، پھر حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں اذان کی موجودہ صورت اور کلمات بتلائے گئے، دوسرے صحابہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے بھی خواب میں اسی طرح دیکھا مگر حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے سب سے پہلے حضور علیہ السلام کو خبر دی تھی، اور جب حضور علیہ السلام کے حکم سے پہلی اذان دی گئی تو حضرت عمرؓ نے اس کو سن کر بتلایا کہ میں نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا۔ ایک

روایت مراسیل ابی داؤد اور مصنف عبدالرزاق کی یہ بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے وحی الٰہی بھی اسی کے مطابق آچکی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اذان موجودہ کا فیصلہ وحی کے ذریعہ ہوا تھا، اور امام بخاریؒ نے جو ترجمۃ الباب میں پہلے دو آیتوں کو ذکر کیا، اس سے بھی اشارہ تقدم وحی کا مل سکتا ہے، دوسرے حضرات جو حضرت عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کو سب سے مقدم کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس خواب کی تائید وحی کے ذریعہ ہوئی اور امام بخاری نے تقدم کی وجہ سے نہیں بلکہ تبرک کے لئے آیات ذکر کی ہیں، جس طرح ان کی عادت ہے کہ تراجم میں آیات کو استدلال یا استبراک کے لئے بھی ذکر کیا کرتے ہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

حکم اذان اور مسئلہ ترجیع

اذان نماز جماعت کے لئے سنت موکدہ ہے، شیخ ابن ہمام نے جو وجوب کا درجہ سمجھا ہے، وہ صحیح نہیں، دلائل کی تفصیل فقہ کی کتاب بحر الرائق میں موجود ہے۔ اذان کے کلمات حنفیہ کے نزدیک پندرہ ہیں، امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں، امام شافعی و مالکؒ کے یہاں انیس کلمات ہیں، اس طرح کہ وہ ہر کلمہ شہادت کو پہلے دو بار آہستہ آواز سے اور پھر دو بار بلند آواز سے بتلاتے ہیں، اور یہ ترجیع کہلاتی ہیں یعنی لوٹا کر پڑھنا یہ ترجیع فرشتے کی اذان میں نہیں تھی، جس نے خواب میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو اذان کی تلقین کی تھی۔ اور نہ اذان بلال میں تھی جو حضور علیہ السلام کی موجودگی میں دس سال تک بلا ترجیع کے ہوتی رہی۔ البتہ حضرت ابومحذورہؓ کی اذان میں تھی؛ جس کی وجہ خاص تھی، اس لئے اس کو اذان کی صفت نہیں بنا سکتے۔ باقی اگر کوئی کرلے تو گناہ بھی نہیں، مباح ہے، نہ سنت ہے نہ مکروہ (کمافی البحر) حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی فیصلہ کو ترجیح دی ہے، اور صاحب النہر نے ترجیع کو کراہت تنزیہی قرار دیا ہے جس کو مولانا عبدالحی لکھنوی نے اختیار کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ترجیع کا انکار یا تاویل درست نہیں کیونکہ وہ مکہ معظمہ میں رہی ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے زمانہ تک بھی باقی تھی، اسی لئے انہوں نے اس کو اختیار کیا تھا، اور اختلاف صرف افضلیت کا ہے، جواز عدم جواز کا نہیں ہے۔

مسئلہ اقامت: امام اعظمؒ کے نزدیک اقامت بھی اذان کی طرح ہے بجز اضافت قد قامت الصلوۃ کے، باقی تینوں ائمہ بجز قد قامت الصلوۃ کے ایتار (ایک ایک بار) کے قائل اور امام مالکؒ اس کلمہ میں بھی ایتار کہتے ہیں، اس طرح ہمارے یہاں اقامت کے کلمات سترہ، امام احمد و شافعی کے نزدیک گیارہ اور امام مالک کے یہاں دس ہوئے، ہماری دلیل حضرت ابومحذورہؓ کی اقامت ہے کہ وہ ہر کلمہ کو دو دو بار کہتے تھے، اور ابوداؤد میں فرشتے کی اقامت بھی دو دو بار کی ہے اور بعض طرق میں جو ایک بار کا ذکر ہے، وہ بھی معہود دو بار پر محمول ہوگا کیونکہ واقعہ ایک ہی ہے اور امام طحاویؒ نے حضرت بلالؓ سے بھی اقامت دو بار نقل کی ہے۔ جس کو محقق امت شیخ تقی الدین بن دقیق العیدؒ نے بھی قبول کیا ہے کمافی الزیلعی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حضرت بلالؓ سے ایتار اور ثنی دونوں ثابت ہیں، اور شیخ نورالدین طرابلسیؒ نے (جو ابن الہمام سے متاخر ہیں) ایتار کو بیان جواز پر محمول کیا ہے کیونکہ اکثر تو ثنی ہی ہوگا، کبھی کبھی ایتار بھی ہوا ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کے علاوہ حنفیہ میں سے کسی سے میں نے جواز ایتار کی صراحت نہیں دیکھی پھر فرمایا کہ احادیث دونوں قسم کی ثابت ہیں، اس لئے میں مثنویت کو ترجیح نہیں دے سکا اور فرمایا کہ امام بخاریؒ نے حنفیہ کی اذان اور شافعیہ کی اقامت کو اختیار کیا ہے، حنفیہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے اذان بلالؓ کی اور اقامت ابومحذورہؓ کی لی ہے۔ میرے نزدیک یہ ٹھیک نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہر دو چیزیں نازل من السماء فرشتے کی بھی ہیں، امام ترمذیؒ نے مستقل باب الاقامہ ثنی ثنی کا بھی قائم کیا ہے اور حدیث ذکر کی ہے۔ معارف السنن ص ۲/۱۸۸ میں اس پر پوری بحث کی گئی ہے۔

شیخ نورالدین، طرابلسی کا تذکرہ موجودہ کتب طبقات حنفیہ میں نہیں ملا۔ البتہ اس ضمن میں حضرت شاہ صاحبؒ نے علامہ محدث تورپشتی حنفیؒ کا بھی ذکر کیا، ان کا ذکر حدائق حنفیہ میں ہے اور مولانا عبدالحلیم چشتی دام فضلہم نے فوائد جامعہ ص ۲۰۷ میں اچھی تفصیل و تحقیق کی ہے، لیکن

ص ۲۰۹ میں جو عبارت فیض الباری سے نقل کی ہے اور اس کو حضرت علامہ کشمیریؒ کی طرف منسوب کر کے نقد کیا ہے وہاں کی شان تحقیق و وسعت مطالعہ سے بعید ہے کیونکہ "فیض الباری" حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد مرتب ہو کر شائع ہوئی ہے، جس میں بے شمار غلطیاں ہیں، جن کی حضرتؒ کی طرف نسبت صحیح نہیں، اور وہ مؤلف فیض الباری کے عدم تحقیق و تثبت اور امالی درس کے ضبط کی غلطیاں ہیں۔ اسی لئے رفیق محترم علامہ بنوری دامت برکاتہم نے مقدمہ فیض الباری میں ایسی اغلاط و تسامحات کے بارے میں تنبیہ کر دی تھی تا کہ وہ حضرتؒ کی طرف منسوب نہ ہوں، مگر بہت سے حضرات مقدمہ پر نظر نہیں کرتے، یا حضرت شاہ صاحبؒ کی جلالت قدر سے ناواقف حضرات مؤلف پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کر لیتے ہیں۔ چونکہ اس قسم کی غلطی متعدد اہل علم و صاحب تالیف حضرات کر چکے ہیں۔ اس لئے اب مجھے اس صراحت کے لئے مجبور ہونا پڑا، اور پہلی فیض الباری کی اغلاط سے صرف نظر کرتا تھا، اب مجبوری و ضرورت سے اہم مواضع میں نشان دہی کے ساتھ غلطیوں پر تنبیہ بھی کرنے لگا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنی وسعت علم و فضل کے لحاظ سے نمود سلف تھے، اور درس میں نہایت اختصار کے ساتھ بقدر ضرورت اور طلبہ کی محدود استعداد کے مطابق بولتے تھے اور اپنی مکمل و مدلل تحقیقات کے لئے فرمایا کرتے تھے کہ میری یادداشتوں کے تین بکس گھر پر ہیں، یقیناً درس میں جتنا وہ فرماتے تھے، وہ بھی اس دور کے ہر درس حدیث پر فائق تھا، مگر تالیف کا میدان بڑا وسیع ہے، اس کے لئے حضرتؒ کی یادداشتوں کی بھی ضرورت تھی، جو افسوس ہے کہ گھر والوں کی ناقدری کے سبب ضائع ہو گئیں۔ مقدرات میں کسی کا چارہ نہیں۔ ان یادداشتوں میں حضرتؒ کی چالیس سالہ تحقیقات عالیہ نادرہ موجود تھیں، اور اب جو کچھ ہمارے پاس ہیں اس کی حیثیت "جہد المقل دموعہ" سے زیادہ نہیں ہے۔ والی اللہ المشتکی۔

باب الاذان مثنیٰ مثنیٰ

اذان کے الفاظ دو دو بار کہنے کا بیان

۵۷۵: حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید عن سماک ابن عطیة عن ایوب عن ابی قلابة عن انسؓ قال امر بلال ان یشفع الاذان و ان یوتر الاقامة

۵۷۶: حدثنا محمد ھو ابن سلام قال حدثنا عبدالوھاب الثقفی قال حدثنا خالد ن الحذآء عن ابی قلابة عن انس بن مالک قال لما کثر الناس قال ذکروا ان یعلموا وقت الصلوٰة بشی یعرفونہ فذکروا ان یوروا ناراً اویضربوا ناقوساً فامر بلال ان یشفع الاذان و ان یوتر الاقامة

ترجمہ ۵۷۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کو یہ حکم دیا گیا تھا، کی اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت (میں) سوائے قد قامت الصلوۃ کے طاق رکھیں:۔

ترجمہ ۵۷۶: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب لوگ زیادہ (مسلمان) ہوئے، تو انہوں نے تجویز کی کہ نماز کے وقت کی کوئی ایسی علامت مقرر کر دیں، جس سے وہ پہچان لیا کریں (کہ اب نماز تیار ہے) لہٰذا بعض نے کہا، کہ آگ روشن کر دیں، یا ناقوس بجا دیں، تو بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت میں طاق۔

تشریح: اس باب میں امام بخاریؒ نے اذان کے بارے میں حنفیہ کی موافقت کی ہے، جس کی تفصیل ہم پہلے کر چکے ہیں۔

باب الاقامة واحدة الا قوله' قدقامت الصلوٰة

۵۷۷: حدثنا علی بن عبدالله قال حدثنا اسماعیل بن ابراهیم قال حدثنا خالد الحذآء عن ابی قلابة عن انسؓ قال امر بلال ان یشفع الاذان و ان یوتر الاقامة اسمٰعیل فذکرته لایوب فقال الا الاقامة

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت (میں) طاق اسمٰعیل (راوی حدیث) کہتے ہیں میں نے ایوب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا (ہاں) اقامت اکہری ہونی چاہیے، البتہ قد قامت الصلوٰۃ (دو مرتبہ کہا جائے)

تشریح: امام بخاریؒ نے اقامت کے بارے میں شافعیہ کی موافقت کی ہے، اس کی تفصیل اور دلیل بھی پہلے ذکر ہوئی۔

باب فضل التاذین

۵۷۸: حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابی الزنادعن الاعرج عن ابی هریرة ان النبی صلے الله علیه وسلم قال اذانودی للصلوٰة ادبر الشیطان له' ضراط حتیٰ لایسمع التاذین فاذا قضی النداء اقبل حتیٰ اذاثوب بالصلوٰة ادبر حتی اذا قضی التثویب اقبل حتی یخطربین المرء و نفسه یقول اذکر کذااذکر کذالما لم یکن یتکر حتیٰ یظل الرجل لایدریٰ کم صلے

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب نماز کی اذان کہی جاتی ہے، تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے (اور مارے خوف کے) وہ گوز مارتا جاتا ہے، اور اس حد تک بھاگتا چلا جاتا ہے کہ، اذان کی آواز نہ سنے جب اذان ختم ہو جاتی ہے، تو پھر واپس آجاتا ہے، یہاں تک کہ جب نماز کی اقامت کہی جاتی ہے، تو پھر پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے، حتیٰ کہ جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو پھر واپس آجاتا ہے، تاکہ آدمی کے دل میں وسوسے ڈالے، کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر، وہ (تمام) باتیں جو اس کو یاد نہ تھیں (یاد لاتا ہے) یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے، کہ اس نے کس قدر نماز پڑھی:۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بظاہر اذان کی فضیلت نماز سے بھی بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، مگر واقعہ یہ کہ ہر عمل کے خواص الگ ہوتے ہیں، اذان میں چونکہ اعلان ہے شہادتین کا اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ موذن کی شہادت کی گواہی ہر خشک و تر چیز اور جن وانس دیں گے، شیطان کو یہ گوارا نہیں کہ کوئی بھی کسی مومن کے ایمان و شہادت کی گواہی دے، چہ جائیکہ ساری مخلوق موذن کے لئے گواہ بنے گی، اس لئے وہ اذان سن کر بری طرح خائب و خاسر اور ذلیل ورسوا ہوتا ہے، اور اس کو سننے کی تاب نہ لاکر اس سے اتنی دور بھاگتا ہے کہ آواز نہ سن سکے۔ مسلم شریف وغیرہ میں ہے کہ روحا تک چلا جاتا ہے جو مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے۔ لیکن نماز کے اندر اگر چہ وہ افضل عبادات ہے یہ خاصہ نہیں ہے، کیونکہ وہ خدا کی مناجات و سرگوشی ہے، اس میں اعلان کی صورت نہیں، اس لئے شروع ہوتے ہی شیطان لوٹ آتا ہے اور اس میں طرح طرح سے خلل اندازی کرتا ہے، وسوسے ڈالتا ہے، خیالات کو افعال صلوٰۃ سے ہٹا کر ادھر ادھر کرنے کی سعی کرتا ہے، حتیٰ کہ جو بات یاد کرنے سے بھی یاد نہ آتی ہو، نماز میں اس کو بھی یاد دلا دیتا ہے، اور اسی لئے امام اعظمؒ کا واقعہ ہے کہ کوئی شخص گھر کا اپنا دفینہ بھول گیا، کسی طرح یاد نہ آتا تھا کہ کس جگہ دفن کیا ہے۔ امام صاحب سے عرض کیا، آپ نے فرمایا گھر جا کر رات بھر نفلیں پڑھ اور خیال رکھنا کہ بجز نماز کے اور کسی دنیا کی بات کی طرف دھیان ہرگز نہ ہو، اس نے اس طرح کیا تو شیطان نے یہ سوچ کر کہ یہ تو ساری نفلیں اور وہ بھی اس شان سے پڑھ کر جو امام صاحب نے بتلائی ہیں، خدا کا ایک ہی رات میں مقرب ترین بندہ بن جائے گا، اس کو جلد ہی وہ دفینہ کی جگہ یاد دلا دی، اور اس نے نماز ختم

کر کے اس جگہ کو کھودا تو وہ دفینہ نکل آیا۔ امام صاحبؒ کی اس منقبت کے واقعہ کو حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری ص ۲/۵۸ میں قولہ لـمـا لـم یکن یذکر کے تحت ذکر کیا ہے، جس کو نقل کر کے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ کا بھی عجیب حال ہے کہ جب مسائل فقہی کی ابحاث آتی ہیں تو حنفی مسلک کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور رجال حنفیہ کو بھی گرانے کی سعی ہمیشہ کرتے ہیں، اور امام صاحب کی بزرگی و بڑائی ثابت کرنے کے لئے ایسی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو علوم امام اعظم کے مقابلے میں کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتیں۔

باب رفع الصوت بالنداء وقال عمر بن عبدالعزیز اذن اذاناً سمحاً والا فاعتزلنا

(اذان میں آواز بلند کرنے کا بیان' اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے (اپنے موذن سے) کہا تھا' کہ صاف اور سیدھی اذان کہو ورنہ دور ہو جاؤ)

حافظ نے اذان کی فضیلت کے بارے میں ۵۔۶ اقوال ذکر کئے ہیں اور علامہ عینیؒ نے بھی اذان و موذن کی فضیلت میں بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔ (فتح ص ۲/۵۸، عمدہ ص ۲/۶۳)

حافظ نے علامہ ابن الجوزی کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ اذان کے لئے خاص ہیبت و رعب ہوتا ہے جس سے شیطان سخت ہیبت زدہ ہو کر بھاگتا ہے کیونکہ اذان ایسی عبادت ہے جس میں کوئی ریا اور غفلت نہیں ہوتی شیطان کے دور ہونے کی وجہ سے، بخلاف نماز کے کہ اس میں شیطان کی دراندازی کے سبب غفلت، ریا اور انواع واقسام کے وساوس ہجوم کرتے ہیں۔

حافظ عینیؒ نے یہ حدیث بھی نقل کی کہ جب کسی بستی میں اذان دی جاتی ہے تو اس دن میں وہ بستی عذاب الٰہی سے محفوظ رہتی ہے، آخر میں حدیث ارشاد للائمہ ومغفرت للموٴذنین ذکر کر کے لکھا کہ اس کی وجہ سے امام شافعیؒ نے اذان کو امامت سے افضل قرار دیا ہے، مگر ہمارے نزدیک امامت افضل، ہے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کا وظیفہ ہے،

افادات شیخ الحدیث دام ظلہم

آپ نے اوجز ص ۱/۱۸۳ میں لکھا:۔ حدیث نبوی سے بعض سلف نے اذان غیر وقت صلوۃ بھی دفع اثرات شیاطین و جنات کے لئے ثابت کی ہے، مسلم شریف میں سہیل بن ابی صالح کی روایت ہے، جس میں انہوں نے کسی نظر نہ آنے والے کی آواز سننے کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا تو فرمایا کہ جب ایسی کوئی آواز سنو تو اذان کہو۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا کہ زید بن اسلم، معدن بنی سلیم پر عامل بنا کر بھیجے گئے، جہاں لوگوں کو جن ستاتے تھے، جب ان لوگوں نے شکایت کی تو حضرت زیدؓ نے ان کو بلند آواز سے اذان دینے کا مشورہ دیا، انہوں نے ایسا کیا تو پھر ان کو جنوں نے نہیں ستایا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھوت پریت کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بھی اذان کا ہی مشورہ دیا۔

سعایہ میں ہے کہ اذان کی اصل وضع تو نماز ہی کے لئے تھی، پھر وہ دوسرے مواضع میں بھی مستعمل ہوئی، مثلاً ولادت مولود پر دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت مسنون ہوئی، جن، بھوت پریت کا جہاں اثر ہو وہاں بھی اذان دی جاتی ہے، جب سواری کا جانور سرکشی کرے یا کسی بدکردار، بداخلاق آدمی سے واسطہ پڑے تو اس کے کان میں اذان دی جائے، غم زدہ، مرگی کے مریض اور غضبناک آدمی کے لئے بھی اذان اس کے کان میں دینا مفید ہے، لڑائی کے میدان میں جنگ کے وقت، آگ لگ جانے پر اور جنگل میں راستہ گم ہو جانے پر بھی اذان دینی چاہیے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے دس مواقع شمار کئے ہیں۔

۵۷۹: حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن عبدالرحمٰن بن عبدالله بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعة الانصاری ثم المازنی عن ابیه انه' اخبره' ان اباسعید ن الخدری قال له' انی اراک تحب الغنم والبادية فاذا کنت فی غنمک اوبادیتک فاذنت للصلوٰة فارفع صوتک بالندآء فانه' لا یسمع مدٰی صوت المؤذن جن ولاانس ولاشی الاشهد له' یوم القیمٰة قال ابوسعید سمعته' من رسول الله صلے الله علیه وسلم

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ روایت کرتے ہیں کہ ان سے ابوسعید خدریؓ نے کہا، کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل کو پسند کرتے ہو (تو میری ایک نصیحت کو یاد رکھو) جب تم اپنی بکریوں (کے گلہ) میں یا اپنے جنگل میں ہو، اور نماز کے لئے اذان کہو، تو اذان دیتے وقت اپنی آواز بلند کرو، اس لئے کہ مؤذن کی آواز کو جو کوئی جن یا انس یا اور کوئی سنے گا تو وہ اس کے لئے قیامت کے دن گواہی دے گا، ابو سعدی کہتے ہیں کہ میں نے یہ رسول خدا ﷺ سے سنا تھا۔

تشریح: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سادہ اور رواں اذان کی تلقین فرمائی تا کہ اس میں تصنع اور تغنی کی کیفیت پیدا نہ ہو، جس سے خشوع و خضوع جاتا رہتا ہے۔ بلند آواز کرنے سے نہیں روکا کیونکہ وہ تو مطلوب ہے۔ اسلئے رفع صوت کا حکم جنگل کی اذان میں بھی وارد ہوا، جبکہ وہاں انسان نہ ہوں کیونکہ وہاں بھی جہاں تک آواز پہنچتی ہے، اس کو سننے والے قیامت میں گواہی دیں گے۔ اور موطاً امام مالک میں تو یہ حدیث بھی ہے جو شخص جنگل میں نماز پڑھے تو اس کے دائیں بائیں ہو کر فرشتے بھی ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور اگر اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کے برابر کثیر تعداد میں فرشتے جمع ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ (اوجز ص ۱/۱۹۵)

علامہ باجیؒ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا جماعت کبیرہ وصغیرہ کے ثواب میں فرق ہے، اور مالکیہ سے جو نقل ہوا کہ ایک شخص اور جماعت کثیرہ کا ثواب برابر ہے، وہ مرجوح ہے، لہٰذا ائمہ ثلاثہ کا مسلک مذکورہ بالا راجح ہے ('') حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد باب فضل المشی الی الصلوة میں بھی حدیث ہے کہ نماز جماعت کا ثواب پچیس گنا ہے اور اگر جنگل میں رکوع وسجود اچھی طرح کر کے پڑھے تو پچاس گنا ثواب ملے گا۔ لیکن یہ امر اتفاقی صورت کے لئے ہے کہ کسی ضرورت سے جنگل جائے یا سفر میں ہو تو ثواب زیادہ حاصل ہوگا یہ نہیں کہ بے ضرورت آبادی کی مساجد جماعت ترک کر کے زیادہ ثواب کے خیال سے جنگل کا رخ کرے اگر ایسا ہوتا تو سلف سے ضرور منقول ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی یہی تحقیق کی ہے۔

باب ما یحقن بالاذان من الدمآء

(اذان سن کر قتال وخونریزی سے رک جانا)

۵۸۰: حدثنا قتبة قال ثنا اسمٰعیل بن جعفر عن حمید عن انس عن النبی صلے الله علیه وسلم انه' کان اذا غزابنا قوماً لم یکن یغیر بنا حتیٰ یصبح ویتنظر فان سمع اذا ناکف عنهم وان لم یسمع اذانا اغارعلیهم قال فخرجنا الیٰ خیبر فانتهینا الیهم لیلا فلما اصبح ولم یسمع اذانارکب ورکبت خلف ابی طلحة و ان قدمی لتمس قدم النبی صلے الله علیه وسلم قال فخرجوا الینا بمکاتلهم ومساحیهم فلما را واالنبی صلے الله علیه وسلم قالوا محمد والله محمد والخمیس قال فلماراٰهم رسول الله صلے الله علیه وسلم قال الله اکبرالله اکبر خربت خیبر انآ اذا نزلنا بساحة قوم فسآء صباح المنذرین

ترجمہ: حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ہمارے ساتھ کسی قوم سے جہاد کرتے تو ہم سے لوٹ مار نہ کرواتے

تھے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، اور آپ انتظار کرتے۔ اگر اذان سن لیتے، تو ان لوگوں (کے قتل) سے رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کرتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں، ہم خیبر کی طرف (جہاد کو) نکلے تو ہم رات کو ان کے قریب پہنچے، جب صبح ہوگئی، اور آپ نے اذان نہ سنی، تو سوار ہو گئے، اور میں ابوطلحہؓ کے پیچھے سوار ہو گیا میرا پیر نبی کریم ﷺ کے پیر کو چھو رہا تھا، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ خیبر کے لوگ اپنے تھیلے اور پھاوڑے لئے ہوئے ہماری طرف آئے اور جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، تو کہنے لگے کہ "محمد اللہ کی قسم محمد اور اس کا لشکر" (آگئے) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب ان کو رسول خدا ﷺ نے دیکھا تو فرمایا، کہ اللہ اکبر! اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا، بے شک جب ہم کسی قوم کے میدان میں (بقصد جنگ) اترتے ہیں، تو ان ڈرائے ہوؤں کی صبح خراب ہو جاتی ہے:۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ جس طرح اسلام کا اظہار قول اور شہادت توحید ورسالت سے ہوتا ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک عمل سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ کسی کافر اصلی کو اگر اذان پڑھتے سنیں گے خواہ وہ شہادتین ادا نہ کر رہا ہو تب بھی اس کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا، پھر جب تک اس سے کوئی کفر کا عمل نہ دیکھیں گے اس کو مسلمان ہی سمجھیں گے۔ نماز کے بارے میں اختلاف ہے کہ اگر جماعت کے ساتھ پڑھتے دیکھا تو اس کو بھی قتل کرنا جائز نہ ہوگا ورنہ جائز ہوگا۔ وجہ یہ کہ اذان قولی شہادت ہے اور یہ عملی۔ لہٰذا شبہ پڑ گیا جو نماز جماعت کی وجہ سے رفع ہو گیا۔

قوله و ان قدمی لتمس قدم النبی علیه السلام

حضرتؒ نے فرمایا کہ پہلے بخاری ص ۵۳ میں بجائے قدم کے فخذ روایت کیا گیا ہے، اور وہاں بحث ہو چکی ہے، انوار الباری ص ۱۶۵/ ۹ میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

باب ما یقول اذا سمع المنادی

(اذان سنتے وقت کیا کہنا چاہئے)

۵۸۱: حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شهاب عن عطآء بن یزید اللیثی عن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلے الله علیه وسلم قال اذا سمعتم الندآء فقولوا مثل مایقول المؤذن

۵۸۲: حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن یحییٰ عن محمد بن ابراهیم ابن الحارث قال حدثنی عیسیٰ بن طلحة انه' سمع معاویة یوماً فقال بمثله الیٰ قوله و اشهد ان محمداً رسول الله

۵۸۳: حدثنا اسحٰق قال حدثنا و هب بن جریر قال حدثنا هشام عن یحییٰ نحوه' قال یحییٰ و حدثنی بعض اخواتنا انه' قال لما قال حی علی الصلوٰة قال لاحول ولاقوة الا بالله و قال هکذا سمعنا نبیکم صلے الله علیه وسلم یقول

ترجمہ ۵۸۱: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو، جس طرح مؤذن کہہ رہا ہو

ترجمہ ۵۸۲: حضرت عیسی بن طلحہ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے ایک دن حضرت معاویہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اشهد ان محمداً رسول الله تک اسی طرح کہا جس طرح مؤذن نے کہا:۔

ترجمہ ۵۸۳: یحییٰ اسی کی مثل روایت کرتے ہیں اور یحییٰ کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے بعض بھائیوں نے بیان کیا، کہ مؤذن نے جب حی علی الصلوة کہا تو معاویہؓ نے لاحول ولا قوة الا بالله، کہا، اور کہا، کہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ جواب اذان میں تین صورتیں ہیں، بعینہ وہی کلمات ادا کرے جو مؤذن کہتا ہے حی علی الصلوٰۃ پر لاحول پڑھے اور حی علی الفلاح پر بھی۔ باقی کلمات مؤذن کی طرح کہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح پر یہ کلمات بھی کہے اور لاحول بھی پڑھے۔ اس قول کو شیخ ابن ہمام حنفیؒ نے اختیار کیا ہے اور اس کو انہوں نے بعض مشائخ کی طرف بھی منسوب کیا ہے، غالباً مراد حضرت شیخ اکبرؒ ہیں، جن کے وہ معتقدین میں سے ہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے تقریباً پندرہ سال تک اسی پر عمل کیا، پھر مجھے اس امر کے لئے انشراح ہوا کہ شارع کا مقصد تخییر ہے، جمع نہیں، اور یہی دوسرے اذکار میں بھی سنت ہے، کہ اذکار ماثورہ میں سے کبھی کسی کو اختیار کر لے اور کبھی دوسرے کو، لہٰذا جمع کا قول صرف شیخ اکبر کا ہے، جس کو ابن ہمام نے بھی اختیار کیا ہے۔ حافظؒ نے علامہ محدث ابن المنذرؒ سے نقل کیا کہ شاید یہ اختلاف اباحت کا ہو کہ کبھی حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح پر مؤذن کی طرح ان ہی کو دہرادے اور کبھی ان دونوں کو سن کر لاحول پڑھے، (فتح الباری ص۶۱/۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک حدیث[1] میں یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام مؤذن کی شہادت سن کر دانا دانا فرمایا کرتے تھے۔

ان متعدد روایاتِ مختلفہ سے حضرتؒ کا رجحان یہی ہوا کہ شارع کی طرف سے تخییر کا اشارہ ہے، اور مولانا عبدالحیؒ نے السعایہ (حاشیہ شرح وقایہ) میں حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے بھی منہاج السنہ سے اسی کے موافق نقل کی ہے، ان کی تعبیر یہ ہے کہ جہاں احادیث میں مختلف وجوہ ماثور ہیں، وہاں کبھی تو اختلاف تضاد کا ہوتا ہے اور کبھی اختلاف تنوع کا ہوتا ہے، تنوع کی صورت میں تخییر ہوگی کہ ہر روایت پر عمل درست ہوگا، تضاد کی صورت میں ایک پر عمل جائز اور دوسرے پر نادرست۔

اختلاف تنوع میں قراءت کا اختلاف، تشہد کا تنوع، صفات استعاذہ کا تعدد، انواع ادعیہ واذکار، اور نماز نفل میں قیام وتعوذ وغیرہ ذکر کی ہیں۔ البتہ حافظ ابن تیمیہ نے ادعیہ (اذکار ماثورہ متنوعہ میں یہ تفرد کیا ہے کہ جمع بین الاذکار والادعیہ کو وہ خلاف سنت کہتے ہیں، حالانکہ جب وہ سب باوقات مختلفہ حضور اکرم ﷺ سے ماثور ہیں تو ان کو ایک جگہ اور ایک وقت میں جمع کرنا بدعت کیسے ہو جائے گا۔

بدعت وسنت کا فرق

فتح الملہم ص۴۰۶/۳ میں حدیث "کل بدعة ضلالة" کے تحت نہایت مفید بحث درج ہوئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:۔ حضرت ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ یہاں بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے، کیونکہ حدیث "من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها" سے ثابت ہوا کہ نیا طریقہ حسن بھی ہوتا ہے جیسے حضرت ابوبکر وعمرؓ کا جمع قرآن وغیرہ علامہ نوویؒ نے لکھا شرعاً بدعت ہر وہ فعل ہے، جس کی کوئی اصل عہد نبوت میں نہ ملتی ہو، اور کل بدعة ضلالة عام مخصوص ہے اسی لئے شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے آخر کتاب القواعد میں لکھا کہ بعض بدعت واجب ہوتی ہیں جیسے علم ونحو کا سیکھنا فہم کلام اللہ کے لئے، یا علم اصول فقہ، علم کلام، فن جرح وتعدیل کا حاصل کرنا۔ بعض بدعت حرام ہیں، جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ، مجسمہ کے نظریات کہ ان کا رد بھی بدعات واجبہ میں سے ہے کیونکہ حفاظت شریعت فرض کفایہ ہے۔ بعض بدعت مستحب ہیں، جیسے سرحدات دارالاسلام یا مدارس اسلامیہ کا قائم کرنا اور دوسری وہ سب بہتر مفید چیزیں جو صدر اول میں نہ تھیں جیسے نماز تراویح عام جماعت کے ساتھ اور دقائق صوفیہ میں کلام وغیرہ بعض بدعات مکروہ ہیں جیسے مساجد کی تزیین یا مصاحف کی تزویق، عندالشافعیہ، (وہ عندالحنفیہ مباح ہیں) بعض بدعات مباح ہیں، جیسے نماز صبح وعصر کے بعد مصافحہ عندالشافعیہ (عندالحنفیہ مکروہ ہے) یا جیسے طعام ولباس و

---

[1] اس موقع پر فیض الباری ص۱۶۴/۲ میں مسلم ص۱۶۷ کا حوالہ حضرتؒ کی طرف غلط منسوب ہوا ہے، کیونکہ حضرتؒ نے صرف ایک حدیث کا حوالہ بغیر نام کتاب کے دیا تھا، اور وہ حدیث مسلم میں نہیں بلکہ ابوداؤد ص۷۷/۱ میں ہے۔ اگر مؤلف فیض الباری ضبط میں غلطی نہ کرتے یا پھر مراجعت کر کے حوالہ کی تخریج کر لیتے تو یہ غلطی حضرتؒ کی طرف منسوب نہ ہوتی۔ واللہ المستعان (مؤلف)

مساکن کے تکلفات وتوسعات امام شافعیؒ کا ارشاد یہ ہے کہ جونئی چیزیں کتاب، سنت، اثر واجماع کے مخالف ہیں وہ بدعت وگمراہی ہیں۔ اور جو بہتر امور ہیں اور ان کے مخالف بھی نہیں ہیں وہ مذموم نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے قیام رمضان کو ''نعمت البدعۃ ہذہ'' فرمایا تھا، علامہ شاطبی نے شیخ موصوف کی اس تقسیم پر ردوقدح بھی کی۔ جس کی مراجعت علماء کے لئے مفید ہے۔ تاہم علامہ عثمانیؒ نے بطور حاصل بحث کے لکھا کہ اصل الاصول بدعت وسنت کے بارے میں ارشاد نبوی ''من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد'' ہے، اور مراد امر سے دینی ہے، لہٰذا ہر نئی بات رد نہ ہوگی بلکہ صرف وہ امور ہوں گے جو دین میں بطور اضافہ کے ہوں گے، لہٰذا اس سے توسع مطاعم ومراکب وغیرہ امور مباحہ خارج ہوں گے، اور وہ رسول بھی جو علی وجہ التقرب وحصول ثواب نہ ہوں۔ اور ما لیس منه سے ثابت ہوا کہ جن امور کے لئے کتاب، سنتِ نبوی، سنت خلفائے راشدین وتعامل سلف یا اجتہاد معتبر میں کوئی اصل نہ ہو صرف وہ بدعت شریعہ میں داخل ہوں گے الخ آگے ص ۲/۲۱۰ تک مزید تفصیل وتشریح ہے اور سب ہی لائق مطالعہ ہے۔

لہٰذا آج کل جو سلفی حضرات ہر چیز پر بلا وجہ بدعت وشرک کا حکم لگا دیتے ہیں، وہ درست نہیں، جس طرح اہل بدعت بہت سی رسوم مروجہ غیر شرعیہ کو بھی بدعت سے خارج کرتے ہیں، یہ دونوں طریقے افراط وتفریط کے ہیں۔

فرض نمازوں کے بعد دعا کا مسئلہ

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی جلد اول میں دوجگہ اور حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس دعا کو خلاف سنت قرار دیا ہے، فرق یہ ہے کہ علامہ نے امام ومقتدی کے لئے تو دعا بعد الصلوۃ کو خلاف سنت کہا اور کہا کہ اصحاب امام شافعی واحمد نے امام ومقتدی کے لئے بعد نماز کے دعا کو جو لکھا ہے وہ خلاف سنت ہے۔ مگر منفرد کے لئے اس کو خلاف سنت نہیں قرار دیا بلکہ صراحت کردی کہ اگر منفرد نماز کے بعد دعا کرے گا تو یہ خلاف سنت نہ ہوگا۔ (فتاوی ص ۱/۲۰۴)

حافظ ابن قیم نے اگرچہ یہ لکھا ہے کہ جس طرح میرے استاذ ابن تیمیہ نے دعا قبل السلام کو ترجیح دی ہے، میں نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مگر انہوں نے اپنے استاذ کے خلاف دعاء بعد السلام من الصلوة مستقبل القبله کو خواہ وہ منفرد سے ہو یا امام ومقتدی سے، سب ہی کو خلاف سنت کہا ہے، ملاحظہ ہو فتح الملہم ص ۱/۱۷۵، اس فرق کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔

حافظ کا نقد: آپ نے فتح الباری میں لکھا کہ ابن قیم کا مطلقاً نفی دعا بعد السلام کا دعوے مردود ہے، کیونکہ حضرت معاذ ابن جبلؓ کو حضور علیہ السلام نے بعد نماز دعا کی تاکید فرمائی تھی، اور خود حضور علیہ السلام سے بھی دعا بعد الصلوۃ مروی ہے حافظ نے ان احادیث کی تخریج وتصحیح بھی کی ہے، پھر دعا میں ہاتھ اٹھانے کو بھی ثابت کیا ہے، اور دعا کے بعد چہرہ پر ہاتھوں کے پھیرنے کو بھی احادیث سے ثابت کیا ہے اور محدث منذری ونووی کی تحقیق کا بھی حوالہ دیا ہے (فتح الملہم ص ۲/۱۷۵)

واضح ہو ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ غالباً حافظ کو علامہ ابن تیمیہ کے فتاوی نہیں ملے، ورنہ وہ ابن قیم کے ساتھ ان کا بھی رد کرتے، جیسا کہ دوسرے بہت سے عقائد وکلام کے مسائل میں علامہ کا نام لے کر ان کا قوی ومستحکم رد کیا ہے۔ اعلاء السنن ص ۱۹۹/۳ تا ۳/۲۱۷ میں وہ سب احادیث جمع کردی گئی جن سے اجتماعی دعاء بعد الصلوۃ، رفع یدین فی الدعاء، اور مسح الوجہ بعد الدعاء سب امور کا اثبات ہوتا ہے، اور کئی جگہ حافظ ابن قیمؒ کا رد کیا گیا ہے، (ابن تیمیہ کا ذکر ان سے بھی رہ گیا ہے)

افادۂ انور: حضرتؒ نے فرمایا:۔ ترمذی شریف میں نمازوں کے بعد تسبیح واذکار کا باب باندھا گیا ہے، اور علامہ جزری نے حصن حصین میں، علامہ نووی نے الاذکار میں اور محدث ابن السنی نے بھی عمل الیوم و اللیله میں بعد نماز کے اذکار جمع کئے ہیں، اور جامع صغیر میں حدیث

ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، لیکن حدیث میں ادبار الصلوۃ ہے، جس کو علامہ ابن تیمیہؒ نے بعد التشہد وقبل السلام پر محمول کیا ہے اوران کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے اندر دعا ہو، بعد نماز کی دعا کے وہ منکر ومخالف ہیں حالانکہ احادیث تسبیح ادبار صلوۃ میں نماز کے بعد ہی کی تسبیحات مراد ہیں کہ **فاذا صلیتم فقولوا سبحان الله** الخ وارد ہے۔اور بخاری کی کتاب الدعوات میں بھی دبر کل صلوۃ اور کتاب الصلوۃ میں خلف کل صلوۃ اورحدیث ابی ذر میں اثر کل صلوۃ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب نماز کے بعد کے لئے ہے، نماز کے اندر سے متعلق نہیں ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد اگر چہ بہ ہیئت اجتماعیہ، ہاتھ اٹھا کر دعا ماثور نہیں ہے، لیکن حضور علیہ السلام سے نافلہ کے بعد تو ثابت ہے، جیسے نماز استسقاء کے بعد اور بیت ام سلیم کی نماز کے بعد۔دوسرے یہ کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کے لئے قولی ترغیبات بھی حضور علیہ السلام سے ثابت ہیں، لہٰذا اس جیسے معاملہ میں بدعت کا حکم لگا دینا صحیح نہ ہوگا۔یعنی ہماری موجودہ ہیئت کذائی والی دعا بعد الصلوٰۃ کو اگر سنت بایں معنی نہ بھی کہیں کہ بعینہ اس کا ثبوت حضور علیہ السلام سے نہیں ہوا تب بھی اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی اصل دین میں موجود ہے اور بدعت وہ ہے جس کی اصل دین میں موجود نہ ہو۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اذان دینا بھی خود حضور علیہ السلام کے فعل سے ثابت نہیں ہے، البتہ اس کے لئے فضیلت وغیرہ کے ارشادات ثابت ہیں، اس لئے اس کو بھی بدعت یا خلاف سنت نہیں کہہ سکتے اور اسی طرح چاشت کی نماز کہ اس کی فضیلت بھی بکثرت احادیث سے ثابت ہے اگر چہ خود حضور علیہ السلام کے فعل سے اس کا ثبوت کم ہے اسی لئے اس کو بھی بعض لوگوں نے بدعت کہہ دیا ہے۔

لہٰذا اگر فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کا التزام بھی کیا جائے تو وہ حضور علیہ السلام کی قولی ترغیبات کے تحت آتا ہے اگر چہ خود اس کو حضور نے کثرت سے نہیں کیا ہے اس کو خوب سمجھ لو۔

ترمذی باب **ما یقول اذا سلم** کے تحت حضرتؒ نے فرمایا کہ شیخ ابن الہمامؒ نے فرض کے بعد متصلا سنن کی ادائیگی کو ترجیح دی ہے اور اذکار کو بعد الرواتب رکھا ہے، اور اذکار ماثورہ کے بارے میں یہ بھی لکھا کہ حضور علیہ السلام سے اذکار بعد الصلوٰۃ بہ کثرت ثابت ہیں۔اس لئے بظاہر وہ کبھی کوئی ذکر اختیار فرماتے تھے، کبھی دوسرا، اور ایک وقت میں سب کو جمع نہ فرماتے ہوں گے۔

علامہ بنوری دام فضلہم نے لکھا کہ شیخ ابن ہمامؒ کی تحقیق نقل کرنے کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی ان ہی کی تحقیق زیادہ پسند تھی، اور فرض ورواتب کے درمیان فصل اذکار کو مرجوح سمجھتے تھے، بخلاف اس کے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ میں اذکار کثیرہ ذکر کر کے ان کو قبل رواتب کے اولیٰ قرار دیا ہے، ان کی تحقیق دل کو نہیں لگتی۔(معارف ص ۱۱۸/۳)

علامہ موصوف نے بھی دعا بعد الصلوٰۃ کے لئے تنبیہ والفاظ کا عنوان دے کر ۱۲۱/۳ تا ص ۱۲۵/۳ عمدہ دلائل ذکر کئے ہیں۔اور یہ بھی لکھا کہ روایت کے بعد دعاء ثانی کا جو رواج بعض علاقوں میں ہوگیا ہے وہ ضرور بدعت ہے۔اس سلسلہ میں اعلاء السنن ص ۱۹۹/۳ و ۲۱۶/۳ بھی مستحق مراجعت ہے۔

اکابر امت حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر میں

اوپر کی بحث میں شیخ ابن ہمامؒ کا ذکر ہوا کہ وہ شیخ اکبر محی الدین بن عربیؒ کے معتقدین میں سے تھے، اس سلسلہ میں حضرتؒ نے فرمایا:۔

حافظ ابن حجرؒ شیخ اکبر سے خوش نہیں ہیں اور علامہ ابن تیمیہ تو ان کے شدید مخالف ہیں بلکہ ان پر زندقہ کا حکم لگاتے ہیں لیکن میرے نزدیک شیخ اکبر اکابر امت میں سے ہیں اور علم حقائق میں تو ساق غایات ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ بھی علوم کے بحر مواج ہیں، مگر انہوں نے بہت سے مسائل اصول وفروع میں جمہور امت سے تفرد وشذوذ کیا ہے یعنی ان سب سے الگ مسلک اختیار کیا ہے، حالانکہ حق جمہور ہی کے ساتھ ہے، نیز ان کے مزاج میں حدت وشدت ہے اور اپنی تحقیق کو وحی الٰہی کے برابر سمجھتے ہیں اگر چہ وہ خلاف واقع ہوتی ہے، پھر اپنے کسی بھی مخالف کی پرواہ

نہیں کرتے اگر چہ وہ حق پر ہو۔ یہ لوگوں کے طبقات و مدارج ہیں، کسی میں اعتدال وانصاف کی شان نمایاں ہوتی ہے جیسے شیخ تقی الدین بن دقیق العید، علامہ ابن عبدالبر اور زیلعی حنفی وغیرہ بعض میں انتہائی تیقظ اور بیدار مغزی ہوتی ہے مگر ساتھ ہی شدت تعصب بھی جیسے حافظ ابن حجرؒ اور ان کی فتح الباری میں حوالے بھی غلط ہوتے ہیں۔ تاہم وہ بڑے محدث اور محقق ہیں، بلکہ حافظ الدنیا کہلانے کے بجا مستحق۔

علامہ سیوطی و ذہبی کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں محدث تھے مگر معقول سے عاری تھے۔ حالانکہ فلسفہ کا علم بھی ضروری ہے اور پہلے صوفیاء سب حاذق تھے فلسفہ کے۔ امام غزالی عارف محقق ہیں مگر حدیث میں کمی ہے اور فلسفی بھی کامل نہیں ہیں۔

علامہ سبکی علم عقائد و اصول میں بڑا پایہ رکھتے ہیں اور ان کی کتاب شرح عقائد ماتریدیہ مل جائے تو بہت ہی اچھی کتاب ہے، اس میں انہوں نے ماتریدیہ و اشاعرہ کے اختلاف کو کم کیا ہے اور بعض اختلافات کو نزاع لفظی کی طرف راجع کیا ہے۔ وہ علامہ ابن تیمیہ سے ہر علم میں آگے تھے۔ (انہوں نے ابن تیمیہ کا رد بھی کیا ہے)۔

علامہ سبکی م ۷۵۶ھ مصر میں علماء کے مرکز تھے، علامہ صفدی نے کہا کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ امام غزالی کے بعد سبکی جیسا عالم پیدا نہیں ہوا، میرے نزدیک یہ کہہ کر لوگ سبکی پر ظلم کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں سفیان ثوری کے درجہ میں تھے، علامہ چاروں فقہی مسالک سے یکساں باخبر تھے، آپ نے مسئلہ زیارۃ نبویہ پر علامہ ابن تیمیہ کے رد میں ''شفاء السقام'' اور نونیہ ابن قیم کے رد میں ''السیف الصیقل'' لکھ کر علم وتحقیق کی شان دوبالا کی ہے، اور بہت سے اصول وعقائد پر لاثانی کلام کیا ہے۔

فرمایا کہ ابن حزم اور شوکانی جیسے لوگوں نے امت کو بہت ضرر پہنچایا ہے، کیونکہ ان سے اغلاط فاحشہ ہوئی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان علامہ ابن قیم م ۷۵۱ھ گذرے ہیں، جنھوں نے بہت اہم مفید علمی کتابیں لکھیں، لیکن خاص طور سے ایک کتاب فقہ میں اعلام الموقعین لکھی، جس میں ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظمؒ اور ان کی فقہ کے خلاف نہایت مضر اور زہریلا مواد فراہم کیا، جس سے دور حاضر کے غیر مقلدین نے تفریق کلمہ مسلمین کا کام لیا، حالانکہ علامہ ابن قیم نے وہی اعتراضات نئے سرے سے اٹھائے ہیں جو محدث ابن ابی شیبہؒ نے سینکڑوں سال قبل اپنی مصنف میں ذکر کئے تھے اور ان کے محدثانہ ومحققانہ جوابات بار بار دیئے جا چکے تھے، بلکہ بقول علامہ کوثریؒ کے ان اعتراضات کو جو محدث موصوف نے بڑی متانت اور ادب وتہذیب کے ساتھ پیش کئے تھے، علامہ ابن قیم نے ان کو نہایت ہولناک بلکہ رعد وبرق بنا کر انتہائی غیر مہذب لب ولہجہ میں ذکر کیا ہے، یہ درحقیقت خود ان کا اپنا خالص جذباتی اور متعصبانہ رویہ تھا یا دوسرے کے کاندھے پر بندوق رکھ کر نشانہ بازی کی مشق تھی جس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ خصوصاً جبکہ ان میں اکثر اعتراضات ایسے تھے کہ علم حدیث کا ایک اچھا طالب علم بھی ان کا دفعیہ آسانی سے کر سکتا ہے اور صرف ان کا عشر عشیر ہی ایسا تھا کہ بڑے محدثین ان کا جواب دے سکتے تھے، اور وہ جوابات بھی اکابر محدثین دے چکے تھے، پھر علامہ کوثری نے ان جوابی تالیفات کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے (ص ۱۵۸ حاشیہ ذیل تذکرۃ الحفاظ) راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ افسوس ہے یہ کتاب بغیر کسی جوابی تالیف کو حاشیہ بنانے کے شائع کی گئی اور پھر اس کا اردو ترجمہ بھی عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ہندوستان میں شائع کیا گیا، جس کو مولانا آزاد کی تائید حاصل تھی، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایسی کوئی بھی علمی خدمت مفید ہو سکتی ہے بلکہ ہمارے نزدیک ایسی چیزوں سے بجائے جمع کلمہ کے تفریق بین المسلمین کی راہیں کھلتی ہیں۔ جن کا سد باب ضروری ہے۔ واللہ الموفق۔

احقر نے پہلے کسی جگہ دو بڑوں کے فرق کے عنوان سے لکھا تھا کہ علامہ ابن تیمیہ فقہ حنفی کے لئے کم سے کم متعصب ہیں جبکہ ان کے تلمیذ خصوصی ابن قیم فقہ حنفی کے حق میں غالی متعصب اور تقلید ائمہ مجتہدین کے حد سے زیادہ مخالف ہیں۔ پھر یہ کہ انہوں نے اپنے قصیدہ نونیہ میں جمہور سلف کے عقائد سے بھی انحراف کیا ہے۔ فلیتنبہ لہ۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہمارے اکابر دیوبند میں نہایت عظیم وجلیل شخصیت تھے، اور علوم وحقائق کے بحر ناپیدا کنار، ہمارے

حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان کی علمی تحقیقات بڑی عظمت واہتمام کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے، مگر بعض چیزوں پر نقد فرماتے تھے، مثلاً فرمایا کہ حضرت مولانا قدس سرہٗ نے بالذات و بالعرض کو ہر کتاب میں چھیڑا ہے اور بالعرض کے علاوہ مجاز اور واسطہ فی العروض کا لفظ بھی اطلاق کیا ہے، چنانچہ صلوٰۃ مقتدین کو مجازاً اور صلوٰۃ امام کو بالذات کہا، نیز حضور علیہ السلام کی نبوت کو بالذات کہا اور بقیہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو بالعرض کہا ہے، اس پر کسی عالم نے اعتراض بھی کیا کہ پھر تو اور انبیاء کی نبوت ہی نہ رہی، مجھ سے حضرت الاستاذ مولانا محمود حسن صاحبؒ نے بیان کیا تو میں نے یہی کہا کہ اعتراض تو قوی ہے باقی ختم نبوت کا انکار مولاناؒ کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا کیونکہ مولانا نے خود لکھدیا کہ ختم زمانی کا انکار مجمع علیہ ہونیکی وجہ سے کفر ہے۔ اس پر مولانا خاموش ہو گئے، غرض میری رائے ہے کہ بالذات و بالعرض کے الفاظ خواہ منطقی اصطلاح سے یا اور وجہ سے، مناسب نہیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سب مستقل ہیں اور ایک نوع ہے خدا کے یہاں اصطفاء کی، اور سب انبیاء اس کے افراد ہیں، باقی فرق مراتب اور فضیلت جزئی کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس عنوان کی دوسری اقساط آئندہ کسی موقع پر پیش ہوں گی۔ ان شاءاللہ

نماز چاشت: اشراق کے بعد صلوٰۃ الضحیٰ کے ثبوت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر علامہ ابن تیمیہ نے اس کی احادیث میں صبح کی سنت وفرض مراد لی ہیں، جو محدثین کے خلاف ہے، کیونکہ ابوداؤد، ترمذی، دارمی وغیرہ نے تو باب بھی ضحیٰ کے نام سے باندھا ہے، اور یہ وقت لغۃً وعرفاً و شرعاً خوب دن چڑھنے کا ہوتا ہے، اس کو صبح کی نماز پر محمول کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ بخاری، مسلم، مسند احمد، حاکم، ترمذی، ابن ابی شیبہ وغیرہ کی احادیث خود علامہ ابن قیم نے بھی زاد المعاد میں ذکر کی ہیں، جن میں صلوٰۃ الضحیٰ کی فضیلت بیان ہوئی ہے، پھر بھی وہ اپنی اور اپنے استاذ ابن تیمیہ کی ضعیف ترین رائے کو اونچا دکھانے کی سعی ناکام کرتے ہیں۔

پوری بحث معارف السنن ص ۲۶۶/۴ سے دیکھی جائے۔ صلوٰۃ الضحیٰ کے لئے فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۸۵/۱ طبع مصر بھی دیکھا جائے، جس میں انہوں نے صلوٰۃ الضحیٰ کے غیر مسنون ہونے کو اختیار کیا ہے، اور اس کو صرف جائز نفل کے درجہ میں کر دیا ہے۔

جبکہ جمہور حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ مندوب و مستحب کے درجہ میں اور اکثر شافعیہ کے نزدیک سنت کے درجہ میں ہے۔ (معارف ص ۲۶۷/۴)

ابن جریر طبریؒ نے لکھا کہ اس کی احادیث حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور ابن العربی نے فرمایا کہ یہ نماز (چاشت والی) حضور علیہ السلام سے قبل انبیاء علیہم السلام پڑھتے تھے، صحیح ابن خزیمہ میں بھی اس کی فضیلت ہے۔ وہی ابن خزیمہ جن کی اتباع علامہ ابن تیمیہ نے بہت سے عقائد میں کی ہے، جبکہ وہ ایک بڑے محدث ضرور تھے۔ مگر علم عقائد واصول میں درک نہ رکھتے تھے اور اسی لئے غلطیاں کی ہیں۔ اور علامہ ابن تیمیہ نے ان پر اصول وعقائد کے بارے میں اعتماد کرنے کی وجہ سے بھی زیادہ غلطیاں کی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مندوب ومسنون کا فرق

یہاں سے یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ مندوب بھی مسنون کا ہی کم درجہ ہے، یعنی مندوب فقہاء اس کو کہتے ہیں جو حضور علیہ السلام کی ترغیب یا احیاناً فعل سے ثابت ہو، اور جو حضور علیہ السلام کے اکثری فعل یا تاکد سے ثابت ہو وہ مسنون ہے، لہٰذا محدثین وائمہ کے نزدیک جو فعل بدرجہ ندب قرار پائی اس کو صرف تطوع جائز ومباح کے درجہ میں کر دینا یہ علامہ ابن تیمیہ وابن قیم کی خصوصی رائے ہے۔ نیز انہوں نے جس طرح بدعت وسنت کا فیصلہ بہت سے مواضع میں کیا ہے، وہ جمہور سلف وخلف کے مخالف ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق مزید

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ دعاء بعد الصلوات المکتوبہ میں جو حضور علیہ السلام سے اجتماعی اور رفع یدین کے ساتھ ثبوت نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے تمامی اوقات ذکر واوراد میں مشغول تھے، اور آپ کی دعائیں آپ کے اذکار واوراد سے الگ نہ تھیں، اسی لئے آپ نے جب کسی مقصد کے لئے ہی دعا کا ارادہ فرمایا تو اس وقت آپ نے اجتماعی طور سے بھی دعا کی اور ہاتھ اٹھا کر بھی کی ہے۔ جیسے

استسقاء کی نماز کے بعد یا بیت ام سلیم میں نفل نماز جماعت کے بعد فرمائی ہے اور چونکہ آپ نے بعد نماز کے دعا کی ترغیب قولاً بھی دی ہے اور رفع یدین و مسح وجہ کی بھی ترغیب دی ہے، اس لئے اس کی اصل ثابت ہوگئی، لہٰذا پھر بھی اس کو فرض نمازوں کے بعد خلاف سنت یا بدعۃ قرار دینا صحیح نہ ہوگا، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیت ام سلیم کی نماز کا ذکر تو بخاری، مسلم وغیرہ سب میں ہے، مگر سب نے اس حدیث کو مختصرا روایت کیا جس میں دعا کا ذکر نہیں ہے، البتہ صرف مسلم میں دعا کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے، یہ حضرتؒ کی خاص عادت تھی کہ سارے طرق وروایات پر نظر کر کے فیصلہ فرمایا کرتے تھے، اور آج کل کے حضرات خصوصاً سلفی اس کی رعایت نہیں کرتے، بلکہ ان کے اکابر نے بھی اپنی الگ رائے اسی طرح قائم کی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ امام بخاری نے پانچ جگہ ام سلیم والی حدیث ذکر کی، اور ابوداؤد، نسائی، ترمذی نے بھی مختصراً ذکر کیا جس میں دعا بعد الصلوٰۃ کا ذکر نہیں ہے۔ تو انہوں نے مسلم والی مفصل روایت کو نظر انداز کر دیا۔

حضرتؒ نے توجہ دلائی کہ ان حضرات نے اسی حدیث کو مختصراً لیا ہے جس کو مسلم نے تفصیل سے روایت کیا ہے، علامہ ابن تیمیہ نے بھی بہت سے مسائل میں اپنی دلیل میں کہدیا ہے کہ یہ حدیث صحیح (یعنی بخاری) میں نہیں ہے، اور اس طرح وہ دوسری مرویات سے قطع نظر کر لیتے ہیں، یا ان کو مرجوح کر دیتے ہیں جس طرح اقوال ائمہ میں سے کسی ضعیف و مرجوح قول کو لے کر اس کو اپنی الگ رائے کے لئے موید بنا لیتے ہیں۔ تنبیہ اگر حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق مذکور سے مدد نہ لیں تو فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا برفع الیدین کا طریقہ خلاف سنت یا بدعت قرار پائے گا، اور علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم اور آج کل کے سلفی حضرات کے طریقہ کو مطابق سنت ماننا پڑے گا البتہ دعاء ثانیہ کا معمول خلاف سنت ہوگا کہ اس کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ راقم الحروف کی رائے یہ بھی ہے کہ دعاء بعد الفریضہ کے معمول کو بھی احیانا ترک کر دینا چاہیے تاکہ اس کو عوام سنن مؤکدہ اور واجب کی طرح قابل التزام نہ خیال کریں۔ اور مندوب و مسنون و واجب کے درجات اپنی اپنی جگہ محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے فقہی نظریات و آراء کو بھی ہمارے حضرات پیش نظر رکھیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان کی رعایت فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ یو فقنا لما یحب و یرضیٰ۔

باب الدعآء عند النداء

(اذان کے وقت دعا کرنے کا بیان)

۵۸۴: حدثنا علیٰ بن عباسؒ قال حدثنا شعیب بن ابی حمزة عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یسمع النداء اللھم رب ھٰذہ الدعوة التامة والصلوٰة القائمة اٰت محمد ن الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاماً محمود ن الذی وعدته' حلت له' شفاعتی یوم القیٰمة

ترجمہ ۵۸۴: حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سنتے وقت یہ دعا پڑھے۔ **اللھم رب ھٰذہ الدعوة التامة و الصلوٰة القائمة اٰت محمد نِ الوسیلة و الفضیلة و ابعثة مقاما محمود نِ الذی وعدته،** تو اس کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں ہم بھی یہی کہیں گے کہ اذان کے بعد والی دعا میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں کیونکہ ایسا حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہوا، اور دوسری عام احادیث سے جن میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی ترغیب وارد ہے، یہاں کی دعا پر استدلال موزوں نہ ہوگا۔ اور اس کا قیاس نماز پر درست نہ ہوگا، کیونکہ وہاں تو ہم بتلا چکے ہیں کہ کئی بار حضور علیہ السلام سے مطلق نماز جماعت کے بعد اجتماعی دعا اور ہاتھ اٹھا کر بھی ثابت ہو چکی ہے اگرچہ وہ نمازیں فرض نہ تھیں جبکہ اذان کے بارے میں اس درجہ کا بھی کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے راقم عرض کرتا

ہے کہ یہ اصول بہت ہی کارآمد ہے مثلا دعا، عند القبور کے لئے بھی ہاتھ نہ اٹھائیں گے، وغیرہ۔ دعا عند القبور کے جواز پر۔۔۔ پر ہم گیارہویں جلد میں مفصل بحث کر چکے ہیں، علامہ عینیؒ نے لکھا کہ حدیث میں ہے دو وقت دعا قبول ہوتی ہے ایک اذان کے وقت دوسرے جب جہاد کے لئے صفیں آراستہ ہوں۔

باب الستهام في الاذان ويذكر ان قوماً اختلفوا في الاذان فاقرع بينهم سعد

(اذان دینے کے لئے قرعہ ڈالنے کا بیان' اور بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اذان (دینے) میں جھگڑا کیا' تو اس کو ختم کرنے کے لئے سعد نے قرعہ ڈالا)

۵۸۵: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن سمي مولىٰ ابي بكر عن ابي صالح عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لويعلم الناس ما في النداء والصف الاول ثم لايجدون الا ان يستهموا عليه لاستهموا ولو يعلمون ما في التهجير لاستبقوا اليه ولو يعلمون ما في العتمة والصبح لاتوهما ولو حبواً

ترجمہ ۵۸۵: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اخدا ﷺ نے فرمایا:۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اذان اور صف اول (میں شامل) ہونے کا کتنا ثواب ہے، پھر قرعہ ڈالنے کے بغیر یہ حاصل نہ ہوں، تو ضرور قرعہ ڈالیں۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے، کہ اول وقت نماز پڑھنے میں کیا (ثواب) ہے، تو بڑی کوشش سے آئیں، اور اگر جان لیں، کہ عشاء اور صبح کی نماز (باجماعت ادا کرنے) میں کیا (ثواب) ہے، تو ضرور ان دونوں (کی جماعت) میں آئیں، خواہ گھٹنوں کے بل چل کر ہی آنا پڑے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ قرعہ اگرچہ حجت شرعیہ نہیں ہے، تاہم وہ قطع نزاع اور تطییب خاطر کے لئے ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے۔

بحث ونظر: قرعہ کے مسئلہ میں امام مالک، شافعی واحمد تینوں ایک طرف ہیں کہ وہ شرعی حجت ہے اور امام اعظم آپ کے اصحاب اور بہت سے دوسرے فقہاءِ کوفہ کہتے ہیں کہ قرعہ بطور حکم شرعی منسوخ ہو گیا تھا۔ اور اب صرف حلِ مشکلات، دفعِ نزاع، اور تطییبِ خاطر و دفعِ ظنون کے لئے باقی ہے جبکہ فیصلہ کرانے والے سب برابر حقوق والے ہوں یا مشترکہ چیز کے حصے برابر کردیئے گئے ہوں، اور حضور اکرم ﷺ جو سفر کے وقت ازواجِ مطہرات کے لئے قرعہ ڈالا کرتے تھے، وہ بھی حکم شرعی نہ تھا، بلکہ تطییبِ خاطر و دفعِ ظنون ہی کے لئے تھا، کیونکہ سفر کے وقت ساتھ لے جانے میں متفقہ طور سے سب کے ہی نزدیک شرعاً آزادی ہے، کسی بیوی کو ساتھ لے سکتے ہیں یا کسی کو بھی نہ لیں۔ اور امام بخاری کا مسلک بھی حنفی مسلک سے موافق معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ نے بخاری میں جتنی جگہ قرعہ کا ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی جگہ بھی بطور حکم شرعی نہیں ہے، بلکہ صرف تطییبِ قلب یا حلِ مشکلات کے لئے ہے۔ (کذا فی لامع الدراری ص ۱\۲۳۹)

محدث ابن ابی شیبہ کا نقد: آپ نے اپنے مصنف میں امامِ اعظمؒ کے خلاف جو ایرادات کئے ہیں، ان میں ایک قرعہ کا مسئلہ بھی ہے جس کے جواب میں علامہ کوثریؒ نے لکھا کہ امام طحاویؒ نے معانی الاثار ص ۴۲۱ ج ۲ میں اور مشکل الآثار ص ۱\۳۱۸ میں قرعہ بطور حکم کی منسوخی کے دلائل ذکر کردیئے ہیں اور اپنی مستدل احادیث کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور لکھا کہ بڑی دلیل قمار ومخاطرہ کی حرمتِ صریحہ ہے، کہ قرعہ کو حجتِ شرعیہ باقی رکھنے سے قمار کی طرح اتلافِ حقوق، اور احقاقِ حق بغیر استحقاق کی صورت بن سکتی ہے، اور حضرت علیؓ کا اثر بھی ہے کہ آپ نے حضور علیہ السلام کے بعد قرعہ کو حجتِ شرعیہ نہیں بنایا۔ وغیرہ

تشغیبِ ابن القیمؒ: علامہ کوثریؒ نے آخر بحث میں یہ بھی لکھا کہ ابن القیم نے ''اعلام الموقعین'' میں حسبِ عادت اس مسئلہ میں بھی حنفیہ کے

خلاف بڑے زور شور سے اخذِ قیاس باطل اور عراض عن السنہ کا اتہام لگایا ہے، حالانکہ ہمارا مسلک حدیثی نقطۂ نظر سے ظاہر وقوی ہے (ص ۱۳ النکت الطریفہ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبۃ علی ابی حنیفہ۔

جولوگ علامہ ابن القیم کی اعلام سے متاثر ہوں، ان کو''النکت'' کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے، جونہایت محققانہ ومحدثانہ کتاب ہے، وہ نہ صرف محدث ابن ابی شیبہ کا جواب ہے بلکہ علامہ موصوف کی تشغیبات کا رد بھی ہے، اور زمانۂ حاضر کے سلفیوں کے زہریلے پروپگینڈے کا تریاق بھی نیز ملاحظہ ہو العرف الشذی ص ۴۵۶ اور انوار المحمود ص ۲\۴۳۷۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ بھی قرعہ کے مسئلہ میں علامہ کی درازلسانی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ ابن القیم نے قرعہ پر بڑی بحث کی ہے، مگر میں ان کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا، بحث تو حکم کی ہے اور وہ دیانت پیش کررہے ہیں، ہمارے نزدیک بھی قرعہ تطییب خاطر کے لئے ہے، اس سے حکم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر فرمایا کہ عمل میں ہم ہیٹے ہیں لیکن صحیح فہم کے لحاظ سے زیادہ ہی ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرتؒ ابن القیم وغیرہ سے قطعاً مرعوب نہ تھے۔

یہاں سے حضرت شیخ الہندؒ کی یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ امام اعظم کی تفقہ واجتہاد کی شانِ رفیع اس وقت اور بھی زیادہ نمایاں ہوتی ہے جب تینوں ائمۂ مجتہدین ایک جانب ہوں اور امام صاحب دوسری جانب جس طرح یہاں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

قوله الا ان يستهموا عليه

علیہ کی ضمیر مفرد کا مرجع کیا ہے؟ جبکہ ضمیر تثنیہ کی ضرورت تھی، جواب یہ ہے کہ بتاویل ''مذکور'' دونوں مراد ہو سکتے ہیں، حافظ نے لکھا کہ محدث عبدالرزاق نے ضمیر تثنیہ ہی ذکر کی ہے، لہٰذا علامہ ابن عبدالبرؒ کی رائے درست نہیں کہ ضمیر مفرد صف اول کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ قریب بھی ہے، علامہ قرطبی نے بھی ان پر اعتراض کیا کہ اس طرح تو اذان کا ذکر بے فائدہ رہے گا (فتح الباری ص ۲\۲۵) حیرت ہے کہ علامہ ابن عبدالبر ایسے یگانہ روزگار محدث سے یہاں چوک ہوگئی۔

باب الكلام فى الاذان و تكلم سليمان بن صرد فى اذانه وقال الحسن لاباس ان يضحک وهو يؤذن او يقيم

(اذان میں کلام کرنے کا بیان' سلیمان بن صرد نے اپنی اذان میں کلام کیا' حسن (بصری) نے کہا' کہ اذان یا اقامت کہتے وقت ہنس دینے سے ان میں خلل نہیں آتا)

۵۸۶ : حدثنا مسدد قال حدثنا حماد عن ايوب و عبدالحميد صاحب الزيدى و عاصم الاحول عن عبدالله بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فى يوم رزغ فلما بلغ المؤذن حى على الصلوٰة فامره ان ينادى الصلوٰة فى الرحال فنظر القوم بعضهم الى بعض فقال فعل هٰذا من هو خيرمنه وانها عزمة

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جاڑوں میں ابر کے دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہمارے سامنے خطبہ پڑھا (کہ اتنے میں اذان ہونے لگی) جب موذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو انہوں نے اسے حکم دیا کہ پکار دے، لوگ اپنی اپنی فرودگاہ میں نماز پڑھ لیں (جماعت کے لئے نہ آئیں، یہ سن کر) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، حضرت ابن عباس نے کہا کہ یہ اس شخص نے کیا ہے، جو ہم سے بہتر تھا، یعنی نبی علیہ السلام نے اور یہی افضل ہے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ اذان میں بات کرنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے (یعنی خلافِ اولیٰ ہی کما ذکرہ فی الفتح ص ۲\۱۶۶) اور اتنا توسع سمجھنا کہ اس میں بات کرنا اور ہنسنا وغیرہ سب درست بلا کراہت ہو، صحیح نہیں ہوتا۔ رزغ کے معنی گارا پھر فرمایا کہ بظاہر حضرت ابن عباس کی حدیث الباب سے یہ معلوم ہوا کہ حی علی الصلوۃ پر پہنچ کر مؤذن الصلوۃ فی الرحال کہہ دے، مگر حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے پوری اذان سے فارغ ہونے کے بعد یہ کہنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا میرے نزدیک اسی پر عمل ہونا چاہئے، کیونکہ حضرت ابن عمرؓ بہ نسبت حضرت ابن عباسؓ کے اثرِ نبوی کا اتباع زیادہ اور اجتہاد کم کرتے تھے، حدیث الباب کے دوسرے طرق میں یوم جمعہ کی تصریح بھی ہے اور فقہِ حنفی میں بھی بارش گارے کو اعذارِ جمعہ میں گنایا گیا ہے۔ فیض الباری ص ۲\۱۶۹ میں امام محمدؒ کی کتاب الحجۃ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مگر راقم کو وہ حوالہ مطبوعہ کتاب الحجۃ چار جلدوں میں نہیں ملا۔ البتہ معارف السنن ص ۴\۳۶ میں امام محمد اور اصحابِ لغت سے نعل بمعنی سخت زمین ذکر ہوا ہے۔ وہاں امامؒ کی کسی کتاب کا نام نہیں ہے۔

درمختار میں بیس عذر ترکِ جماعت کے ذکر ہوئے ہیں، جن میں بارش کیچڑ، سخت سردی، بوڑھاپا، قصدِ سفر، خوف، بھوک کی حالت میں کھانے کی موجودگی وغیرہ ہیں۔

قولہ وانہا عزمۃ: حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز دوسری نمازوں سے ممتاز ہے، کہ اس کی خاص اور زیادہ عظمت واہمیت ہے، اسی لئے وہ گھروں میں دانہ ہوگی، اور بجائے اس کے مجبوری میں ظہر پڑھیں گے، اور حضور علیہ السلام نے اشارہ دیا کہ لوگ باوجود بارش و کیچڑ کے بھی مسجد میں آنا چاہیں گے، لہٰذا اعلان کرادیا کہ وہ ایسی حالت میں عندالشرع معذور ہیں، گھروں میں نمازیں پڑھیں، اور آپ نے تھوڑے لوگوں کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرنا گوارا فرمایا۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ امام محمدؒ نے اپنی کتابوں میں بہ کثرت مشکل الفاظِ حدیث کی تفسیر فرمادی ہے۔ جس سے محدث ابوعبید نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں استفادہ کیا ہے اور دوسرے کبار محدثین اس کتاب سے استفادہ کرتے ہیں (مگر تعصب کا برا ہو کہ امام محمد کو بہت سے متعصب اصحابِ حدیث کی صف میں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے، امام شافعیؒ نے برسوں ان کی خدمت میں رہ کر حدیث وفقہ حاصل کی، اور تاریخ کے اس اہم ترین واقعہ کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا مگر علامہ ابن تیمیہؒ ایسے محقق نے ان کے تلمذ سے صاف انکار کردیا، فیاللعجب!)۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ کسی نے دارالعجائب کہا کسی نے دارالاضداد، کسی نے دارالافتراق والاجتماع بتلایا مگر میں اس کو بیت الحمیر کہتا ہوں، کیونکہ گدھے اپنے طویلہ میں کھڑے ہوئے ایک دوسرے پر دولتی چلاتے رہتے ہیں، یہاں جس کو دیکھو ایک دوسرے کو ذلت و تکلیف پہنچانے کے درپے ہے، اسی لئے حضرتؒ کی نظر میں کسی آدمی کی بڑی تعریف و خوبی یہ تھی کہ وہ بے ضرر ہو، کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص صاف سینہ ہوگا، وہ جنت میں جائے گا۔ یعنی جس کے دل میں کسی دوسرے کے لئے کینہ کپٹ عداوت وحسد وغیرہ نہ ہو۔

باب اذان الاعمیٰ اذا کان لہ من یخبرہ

جب کہ نابینا کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جو اسے وقت بتلائے تو اس کا اذان دینا درست ہے

۵۸۷: حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ عن مالک عن ابن شھاب عن سالم ابن عبداللہ عن ابیہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ان بلالاً یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتیٰ ینادی ابن ام مکتوم قال و کان رجل اعمیٰ لاینادی حتیٰ یقال لہ اصبحت اصبحت

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں، پس تم لوگ کھاؤ، اور پیو، یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھے، وہ اس وقت تک اذان نہ دیتے، جب تک لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ صبح ہوگئی، صبح ہوگئی۔

باب الاذان بعد الفجر

(فجر کے (طلوع ہونے کے بعد) اذان کہنے کا بیان)

۵۸۸: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن عبداللہ ابن عمر قال اخبرتنی حفصۃ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا اعتلف المؤذن للصبح و بدا الصبح صلے رکعتین خفیفتین قبل ان تقام الصلوٰۃ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں، کہ مجھ سے حضرت حفصہؓ نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ کی عادت تھی کہ جب موذن صبح کی اذان کہنے کھڑا ہو جاتا، اور صبح کی اذان ہو جاتی، تو دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔

تشریح: حضرتؒ نے محیط (فقہ حنفی کی کتاب) کے حوالہ سے نابینا کی اذان کو مکروہ بتلایا اور فرمایا کہ اس کو اگر صحیح وقت بتلانے والا ہو تو کراہت بھی نہیں۔ حافظ نے لکھا کہ علامہ نووی نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ ان کے نزدیک نابینا کی اذان صحیح نہیں، حالانکہ یہ نسبت غلط ہے اور سروجی حنفی نے بھی نووی پر اعتراض کر کے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ البتہ محیط میں کراہت مذکور ہے (فتح الباری ص ۲/۶۷)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے جو علی الاطلاق غیر مکروہ لکھا، وہ بھی مرجوح ہے، کیونکہ علامہ عینی نے بھی بحوالۂ محیط کراہت کا قول ذکر کیا ہے۔ باقی اس کو بھی سب نے مانا ہے کہ کراہت کا سبب عدم مشاہدہ ہے، لہٰذا کوئی مشاہد اگر نابینا کو صحیح وقت کی خبر دے تو کراہت رفع ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۸۹: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شیبان عن یحییٰ عن ابی سلمۃ عن عآئشۃ رضی اللہ عنھا کان النبی صلے اللہ علیہ یصلی رکعتین خفیفتین بین الندآء و لاقامۃ من صلوٰۃ الصبح

۵۹۰: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن عبداللہ ابن دینار عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان بلالا ینادی بلیل فکلوا و اشربوا حتیٰ ینادی ابن ام مکتوم .

ترجمہ ۵۸۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز صبح کے وقت اذان و اقامت کے درمیان میں دو رکعتیں ہلکی سی پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۵۹۰: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں، تم لوگ کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دیں۔

تشریح: امام بخاری نے اذان بعد الفجر کا عنوان مقدم کیا حالانکہ قبل الفجر کا اول ہونا تھا، اور علامہ ابن بطال نے تو اس عنوان کے ذکر پر بھی اعتراض کر دیا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اذان نماز کے لئے ہوتی ہے اور وہ ہر نماز کا وقت ہو جانے پر ہی دی جاتی ہے۔ لہٰذا طلوع فجر کے بعد اذان دینے کا عنوان ہی لا حاصل ہے، پھر اس بارے میں کوئی اختلاف بھی کسی کا نہیں ہے، مگر جواب یہ ہے کہ اس میں تو اختلاف ہے کہ اگر صبح کی اذان قبل طلوع الفجر دے دی گئی ہو تو پھر اس کا اعادہ بعد طلوع فجر ہونا چاہئے یا نہیں؟ ائمۂ ثلاثہ (امام مالک، شافعی و احمد) جو قبل الوقت اذان

فجر کو جائز و مشروع بتلاتے ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وقت ہو جانے پر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ برخلاف اس کے امام ابوحنیفہ وامام محمد، امام زفر و ثوریؒ فرماتے ہیں کہ بقیہ اوقات کی طرح فجر کی اذان بھی قبل الوقت مشروع و جائز نہیں اور اگر کہی گئی تو وقت پر اعادہ کرنا ہوگا۔ عمدہ، فتح اور شرح المہذب میں اسی طرح ہے۔ (معارف ص۲۱۳\۲)

معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری بھی اعادہ کے قائل اور حنفیہ کے ساتھ ہیں، اسی لئے اذان بعد الفجر کا باب باندھا اور اس کو مقدم بھی کیا کہ اس کی ضرورت واہمیت واضح ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے الفاظ حدیث کان اذا اعتکف المؤذن سے بھی غالباً یہی سمجھا ہے کہ مؤذن طلوع صبح کے انتظار میں رہتا تھا کہ جب اچھی طرح صبح کا وقت ظاہر و واضح ہو جائے تو اذان دے اس کے بعد امام بخاری اذان قبل الفجر کو لائے ہیں کیونکہ فی الجملہ ثبوت سے تو اس کے بھی انکار نہیں ہوسکتا، اگرچہ وہ نماز کے لئے نہ تھا، بلکہ نماز کے لئے اٹھنا، ضروریات سے فارغ ہونا، نماز کے لئے تیاری کرنا اور تہجد و سحری کے آخری وقت پر متنبہ کرنا وغیرہ اس کے مقاصد تھے، تاہم وہ اذان قبل الفجر صرف حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رہی، اور خلفائے راشدین کے دور میں اس پر عمل نہ رہا تھا، اور اس سے اس کی عدم سنیت معلوم ہوتی ہے۔ کما حققہ مولانا الکنگوہیؒ (لامع ص۲۴۱\۱)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان اوّل (قبل الفجر) پر اکتفاء کرنا جو شافعیہ وغیرہم کا مسلک ہے وہ صحیح نہیں، جس طرح بعض حنفیہ کا اذانِ اول کو فوائد سے خالی سمجھنا بھی درست نہیں، تاہم اصل اذان بعد الفجر والی ہی ہے اور وہی پھر جاری و ساری بھی رہی جبکہ اذانِ اول دورِ خلافت راشدہ میں باقی نہ رہی، اس سے حنفیہ ہی کا مسلک قوی تر بن جاتا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کا تعامل اور ان کے آثار بھی قابلِ اقتدا ہیں حتیٰ کہ ان کی وجہ سے دورِ نبوی کے ایک معمول کو بھی ترک کیا جا سکتا ہے، اور امام بخاری اگرچہ اقوال و آثارِ صحابہ کو حجت نہیں مانتے (اور ان کا اتباع سلفی حضرات بھی کرتے ہیں) مگر یہاں امام بخاری نے بھی آثارِ صحابہ ہی کو تو حجت سمجھا ہوگا۔ ورنہ اذان بعد الفجر کو اتنی اہمیت نہ دیتے چنانچہ دوسرے ائمۂ ثلاثہ نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اذانِ اول کی مشروعیت و سنیت کے بھی قائل رہے اور اذان بعد الفجر کی ضرورت بھی نہیں مانتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الاذان قبل الفجر

(فجر کی) اذان صبح ہنے سے پہلے کہنے کا بیان

۵۹۱: حدثنا احمد بن یونس قال حدثنا زهیر قال حدثنا سلیمان التیمی عن ابی عثمان النهدی عن عبدالله بن مسعود عن النبی صلے الله علیه وسلم قال لایمنعن احدکم او احداً منکم اذان بلال من سحوره فانه یؤذن اوینادی بلیل لیرجع قآئمکم ولینبه نآئمکم ولیس ان یقول الفجر اوالصبح وقال باصابعه و رفعها الیٰ فوق وطاطآ الیٰ اسفل حتیٰ یقول هٰکذا وقال زهیر بسبابتیه احدٰهما فوق الاخریٰ ثم مدهما عن یمینه وشماله

۵۹۲: حدثنی اسحاق قال اخبرنا ابواسامة قال عبیدالله حدثنا عن القاسم بن محمد عن عائشة و عن نافع عن ابن عمران رسول الله صلی الله علیه وسلم قال وحدثنی یوسف بن عیسیٰ قال حدثنا الفضل قال حدثنا عبیدالله بن عمر عن القاسم بن محمد عن عآئشة عن النبی صلے الله علیه وسلم انه قال ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتیٰ یؤذن ابن ام مکتوم

ترجمہ ۵۹۱: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص بلال کی اذان سن کر سحری کھانا نہ چھوڑے، اس لئے کہ وہ رات کو اذان کہہ دیتے ہیں، تا کہ تم میں سے تہجد پڑھنے والا فراغت کرلے، اور تا کہ تم میں سے سونے والے کو بیدار کردیں، اور یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص سمجھے کہ صبح (ہوگئی) اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اور ان کو اوپر کی طرف اٹھایا، اور پھر نیچے کی طرف جھکا دیا، کہ اس طرح (یعنی سفیدی پھیل جائے) اور حضرت زبیرؓ نے اپنی دونوں شہادت کی انگلیاں ایک دوسرے کے اوپر رکھیں، پھر دونوں کو اپنے داہنے اور بائیں جانب پھیلا دیا (یعنی اس طرح ہر طرف سفیدی پھیل جائے) تب سمجھو کہ صبح ہوگئی:۔

ترجمہ ۵۹۲: حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا، بلالؓ رات میں اذان کہدیتے ہیں، للہذا تم ابن ام مکتومؓ کے اذان دینے تک کھایا پیا کرو:۔

تشریح: اس باب کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اذان فجر کے طلوع ہونے سے قبل دینا جائز ہے، حالانکہ حدیث الباب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اذان فجر کی نماز کے لئے ہوتی تھی' بلکہ حدیث صاف طور پر بتلارہی ہے کہ یہ اذان سحری اور تہجد کے لئے دی جاتی تھی' اور فجر کی اذان ابن ام مکتومؓ دیا کرتے تھے، جو فجر کے وقت میں ہوتی تھی، چنانچہ سابقہ احادیث میں اس کی تصریح گذر چکی ہے، مناسب یہ تھا کہ اس باب کا عنوان اس طرح مقرر کیا جاتا (فجر سے قبل سحری و تہجد کی بیداری کے لئے اذان دینا، تا کہ اس کا بھی جواز معلوم ہو جاتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ یہ ضروری نہیں کہ صبح کی دونوں اذانوں کے کلمات متمائز ہوں تا کہ سننے والوں کو اشتباہ نہ ہو کیونکہ امتیاز دو موذنوں کی آوازوں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے، اور اگر دونوں کے کلمات مختلف ہوتے اور کسی کو اشتباہ بھی نہ ہوتا تو حضور اکرم ﷺ کا ارشاد "لا یغرنکم اذان بلال" کیوں ہوتا؟!

امام محمدؒ، طحاویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ

حضرت شاہ صاحبؒ نے احادیث اذان قبل الفجر کے بارے میں نہایت عمدہ محدثانہ تحقیق ارشاد فرمائی جو فیض الباری میں بھی ص ۱۷۰/۲ تا ص ۱۷۸/۲ درج ہوئی ہے، اور احقر کی یادداشت میں بھی اسی طرح ہے، اس میں حضرتؒ نے امام طحاوی کی تحقیق کو بہت پسند کیا ہے، للہذا وہ لائق مطالعہ ہے، ہم یہاں بوجہ طوالت درج کرنے سے قاصر ہیں۔ حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ امام طحاوی کی قدر وہ کر سکتا ہے جس کو معلوم ہو کہ پہلے کیا کچھ اعتراضات وغیرہ ہو چکے ہیں۔ پھر فرمایا کہ حنفیہ کے مذہب پر جس قدر احسانات امام طحاوی کے ہیں اور کسی کے نہیں، میں نے اکثر دیکھا کہ امام طحاوی کی تحقیق کی بنیاد امام محمدؒ کے کلام پر ہوتی ہے، اور بعض اوقات ان کے صرف ایک لفظ ہی پر بنیاد رکھ کر امام طحاوی اس کو پھیلا کر پوری تحقیق قائم کردیتے ہیں اور اعلیٰ تحقیقات کی نشان دہی جتنی امام طحاوی نے کی ہے اور کسی نے نہیں کی، اور ان کی تقریرات و تائیدات جس قدر میں نے جمع کی ہیں اور کسی نے نہیں کیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام محمدؒ سلف اور امام اعظمؒ کے علوم و کمالات کے جامع تھے، امت محمدیہ کے جلیل القدر محقق و مدقق تھے، آپ کے علوم کی تشریحات امام طحاویؒ نے کیں، اور امام شافعیؒ کی وساطت سے وہ علوم دوسرے ائمہ مجتہدین و محدثین کو بھی حاصل ہوئے، پھر ایک مدت مدید کے بعد ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے جن کا سلسلۂ نسب بھی امام اعظمؒ کے خاندان سے ملتا ہے، ان علوم و تحقیقاتِ عالیہ محمدیہ و طحاویہ کو سامنے رکھ کر تیس چالیس برس تک ان کے لئے تائیدی دلائل و براہین جمع کئے، اور ان کی شانِ علم و فضل و جامعیت بھی بقول حضرت تھانویؒ ایسی تھی کہ ان کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ مدون ہوسکتا تھا اور بقول حضرت علامہ عثمانیؒ آپ کی گرانقدر علمی تالیفات کی قدر بھی صرف وہی کرسکتا تھا، جس کے سامنے سابقہ اعتراضات و ابحاث ہوں، چنانچہ خود ہی حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالہ "کشف الستر" کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس رسالہ کا مطالعہ سترہ بار کرنے کے بعد میں سمجھ سکا ہوں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کن کن مشکلات و اشکالات علمیہ کا حل فرمادیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام محمد، امام طحاویؒ، اور حضرت شاہ صاحبؒ تینوں کی محدثانہ شانِ تحقیق و تدقیق علماء امت میں سے ایک نرالی

شان کی تھی، رسالۂ مذکورہ اور نیل الفرقدین، بسط الیدین و مرقاۃ الطارم کے لئے حضرتؒ نے اپنی یادداشتیں راقم الحروف ہی کو سپرد کی تھیں اور ان کو مرتب شکل میں نقل کر کے، کتابت کرا کر احقر ہی نے مجلسِ علمی ڈابھیل سے شائع کرایا تھا اور اس طرح کی یادداشتوں کے تین صندوق حضرتؒ کے گھر پر تھے جن سے سینکڑوں مسائل میں مدلل سکتی تھی، اور آج وہ سب موجود ہوتیں تو صحاح ستہ و معانی الآثار وغیرہ کی بے نظیر شروح تالیف کی جاسکتی تھیں مگر صد افسوس کہ حضرتؒ کی وفات کے بعد وہ سارا ذخیرہ گھر والوں کی ناقدری سے ضائع ہو گیا، اور حضرتؒ کی کتابیں بھی جن پر حضرتؒ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے قیمتی حواشی بھی تھے، فروخت کر دیئے گئے، لہٰذا حضرتؒ کے تلامذہ مجبور ہو گئے کہ صرف املائی افادات کو بنیاد بنا کر کچھ لکھ پڑھ سکیں، میرے ساتھ ہی دو سال تک مولانا بدر عالم صاحب بھی درسِ بخاری شریف میں شرکت کرتے اور حضرتؒ کے امالی ضبط کرتے تھے، اور مجھے اس کا خیال و وہم بھی نہ تھا کہ کسی وقت میں اپنے امالی سے کچھ کام لے سکوں گا۔

احقر نے ہی حضرتؒ کے بعد مولانا موصوف سے "فیض الباری" مرتب کرائی تھی، مگر جب وہ سامنے آئی تو خلافِ توقع ثابت ہوئی، اسی لئے انوار الباری میں حوالوں کی مراجعت اور اپنے امالی کے ذریعہ تصحیح مضامین کی سعی حسبِ مقدور کرتا ہوں، دوسرا کام ترمذی شریف پر مجلس علمی ڈابھیل سے ہی حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری دام فضلہم و عم فیوضہم سے شروع کرایا گیا تھا اور خدا کا شکر ہے وہ جتنا ہوا ہے۔ اس سے حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی و تحقیقی شان بڑی حد تک نمایاں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی صحت و عافیت قرار رکھ کر اس عظیم خدمت کو پورا کرائے۔ آمین وما ذٰلک علی اللہ بعزیز

باب کم بین الاذان والاقامة

(اذان و اقامت کے درمیان میں کتنا فصل ہونا چاہیے)

۵۹۳: حدثنا اسحاق الواسطی قال حدثنا خالد عن الجریری عن ابن بریدہ عن عبداللہ بن مغفل المزنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بین کل اذانین صلوٰۃ ثلاثا لمن شآء

۵۹۴: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر قال حدثنا شعبة قال سمعت عمرو بن عامر ن الانصاری عن انس بن مالک قال کان المؤذن اذا اذن قام ناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبتدرون السواری حتیٰ یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ھم کذٰلک یصلون رکعتین قبل المغرب ولم یکن بین الاذان والاقامة شیء وقال عثمان بن جبلة وابو داؤد عن شعبة لم یکن بینھما الا قلیل

ترجمہ ۵۹۳: حضرت عبداللہ بن مغفل مزنیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی پڑھنا چاہے تو دو اذانوں کے درمیان میں ایک نماز کے برابر فصل ہونا چاہئے۔

ترجمہ ۵۹۴: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب مؤذن اذان کہتا تھا، تو کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ستونوں کے پاس چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ تشریف لاتے اور وہ اسی طرح مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے ہوتے تھے، اور اذان اور اقامت کے درمیان میں کچھ فصل نہ ہوتا تھا، اور عثمان بن جبلہ اور ابوداؤد شعبہ سے ناقل ہیں کہ ان دونوں کے درمیان بہت ہی تھوڑا فصل ہوتا تھا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: حنفیہ کے نزدیک اذان و اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ ایک شخص اپنی ضرورت بول و براز کی پوری کر کے نمازِ جماعت میں شریک ہو سکے، اور ترمذی شریف میں حدیث بھی ہے اگرچہ وہ ضعیف ہے کہ اذان و اقامت میں اتنا فصل ہونا چاہئے کہ کھانے والا کھانے سے اور پینے والے اس سے اور بول و براز والا اپنی حاجت سے فارغ ہو سکے۔ البتہ مغرب کی نماز میں

عجلت بہتر ہے، اسی لئے بعض صحابہ سے جو منقول ہے کہ وہ فرضِ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھتے تھے، اس کو عام کتب حنفیہ میں مکروہ کہا گیا ہے، لیکن شیخ ابن ہمام نے ان کو مباح قرار دیا ہے اور یہی بہتر و معتمد قول ہے، امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ مختصر ہلکی دو رکعت پڑھ لے، امام احمد نے ثبوت کی رعایت سے صرف ایک بار پڑھی ہیں، کمافی العمدہ، اس میں حافظ کو غلط فہمی ہوگئی کہ امام احمد نے ایک بار پڑھی تھی پھر جب حدیث پہنچی تو مستقل طور سے پڑھنے لگے۔

روایت المعنی: حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حدیثِ مرفوع تو عام ہی ہے کہ ہر اذان و اقامت کے درمیان نماز کا وقت ہے، پھر دوسری روایات میں مغرب کا استثناء بھی آیا ہے، مگر راوی نے مغرب کو بھی حدیثِ عام کے تحت سمجھا اور حدیث کو روایت المعنی کے طور پر نقل کر دیا۔ جس میں مفہوم و معنی حدیث کو راوی بیان کرتا ہے دوسری صورت روایت بالمعنی کی ہوتی ہے کہ اس میں راوی الفاظِ حدیث کو بھی ذہن میں رکھتا ہے، اور ان کی رعایت کر کے روایت بالمعنی کرتا ہے، لہٰذا روایت المعنی اور روایت بالمعنی کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

حضرتؒ نے فرمایا: مذہب منصور، مذہب جمہور ہی ہے، جس کو امام نووی نے بھی مان لیا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ علامہ نووی نے اس امر کو تسلیم کر کے بھی کہ خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ کا عمل ترک رکعتین قبل المغرب کا تھا، امام ابوحنیفہ پر رد کیا ہے، عدل و انصاف کا طریقہ یہ نہ تھا۔

بعض حضرات نے اس کو منسوخ کہا ہے، مگر میرے نزدیک اس کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ ایک زمانہ میں صحابہ نے دو رکعت مغرب سے قبل پڑھی ہیں، لیکن پھر یہ عمل چھوٹ گیا اور ترک ہی پر تعامل ہوگیا۔ نسخ کی صورت میں اس کی مشروعیت ختم ماننی پڑتی ہے۔ عمل نہ رہا، تو یہ نسخ و عدم مشروعیت کو مستلزم نہ ہوگا۔

ہمارے حضرتؒ کی رائے "نسخ" کے لئے کم سے کم تھی، اور وہ اسی طرح بہت سے مسائل میں ...... رائے رکھتے تھے یعنی مشروعیت فی نفسہا باقی رکھ کر ترکِ عمل کا فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حاشیۂ لامع الدراری ص ۱۱۲۴۲ میں ہے کہ حافظ نے فرمایا کہ امام بخاری نے اسنادِ حدیثِ ترمذی کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس پر شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک اوجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے تقویۂ معنی حدیث الترمذی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

باب من انتظر الاقامة

(اس شخص کا بیان جو اقامت کا انتظار کرے)

۵۹۵: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی عروة بن الزبیر ان عآئشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله صلے الله علیه وسلم اذا سکت المؤذن بالاولیٰ من صلوٰة الفجر قام و رکع رکعتین خفیفتین قبل صلوٰة الفجر بعد ان یستبین الفجر ثم اضطجع علیٰ شقه الایمن حتیٰ یاتیه المؤذن للاقامة

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ (کی یہ عادت تھی کہ) جب مؤذن فجر کی اذان کہہ کر چپ ہو جاتا، تو آپ فجر کے فرض سے پہلے بعد صبح ہو جانے کے دو رکعتیں ہلکی سی پڑھ لیتے تھے، پھر اپنے بائیں پہلو پر آرام فرماتے تا آنکہ مؤذن اقامت کے لئے آپ کے پاس آتا (پھر آپ اٹھ جاتے)۔

تشریح: یعنی اگر کوئی شخص گھر میں بیٹھ کر اقامت کا انتظار کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ حافظ نے بھی لکھا کہ امام بخاری نے یہ بتلایا کہ اقامت کا انتظار امام ہی کے لئے خاص نہیں، کیونکہ مقتدی کو بھی صف اول کا ثواب حاصل کرنا ہے لہٰذا وہ بھی اگر گھر قریب ہو تو اقامت سن کر مسجد میں جا سکتا ہے۔

باب بين كل اذانين صلوٰة لمن شآء

(اگر کوئی چاہے تو ہر اذان و اقامت کے درمیان نماز پڑھ سکتا ہے)

۵۹۶: حدثنا عبدالله بن يزيد قال حدثنا كهمس بن الحسن عن عبدالله بن بريدة عن عبدالله بن مغفل قال قال النبي صلى الله عليه وسلم بين كل اذانين صلوٰة بين كل اذانين صلوٰة قال في الثالثتر لمن شآء

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ دو اذانوں (یعنی اذان و اقامت) کے درمیان ایک نماز ہے (دو مرتبہ یہی فرمایا) تیسری مرتبہ فرمایا اگر کوئی پڑھنا چاہے۔

تشریح: علامہ عینی نے لکھا کہ اس میں تکرار نہیں ہے، کیونکہ پہلے اجمالی بیان مضمون حدیث الباب کا ہوا تھا، یہاں حدیث کا مکمل مضمون درج ہوا ہے۔ شیخ الحدیث نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ بتلایا کہ روایت کے بارے میں قولی و فعلی روایات سے وجوب نہ سمجھا جائے، کیونکہ لمن شاء وارد ہے۔

باب من قال ليؤذن في السفر مؤذن واحد

کیا سفر میں ایک ہی موذن کو اذان دینی چاہئے (یعنی جس طرح حضر میں دو موذنوں کا اذان دینا درست ہے، کیا یہ بات سفر میں بھی درست ہوگی؟)

۵۹۷: حدثنا معلى بن اسد قال حدثنا وهيب عن ابي ايوب عن ابي قلابة عن مالك بن الحويرث قال اتيت النبي صلى الله عليه وسلم في نفر من قومي فاقمنا عنده' عشرين ليلة وكان رحيماً رفيقاً فلما راى شوقنا الىٰ اهلينا قال ارجعوا فكونوا فيهم وعلموهم وصلوا فاذا حضرت الصلوٰة فليؤذن لكم احدكم وليؤمكم اكبركم

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیس یوم تک مقیم رہا، ہم نے آپ کو نہایت رحم دل اور مہربانی کرنے والا پایا (چنانچہ اتنا عرصہ مقیم رہنے کے بعد) جب آپ نے ہمارا) اشتیاق اپنے گھر والوں کی طرف محسوس کیا تو ارشاد فرمایا کہ تم لوٹ جاؤ، اور اپنے گھر والوں میں رہو، اور انہیں (دین کی) تعلیم دو۔ اور نماز پڑھا کرو جب نماز کا وقت آ جایا کرے، تو تم میں سے کوئی شخص اذان دے دیا کرے اور تم سب میں بزرگ آدمی تمہارا امام ہوگا۔

تشریح: آپ کے رحم دل ہونے کی یہ دلیل ہے کہ جب آپ کو یہ محسوس ہوا کہ ہم اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں تو فوراً ہماری خواہش ظاہر کئے بغیر از خود اجازت دے دی۔

اس میں جہاں ترجمۃ الباب کا مضمون ثابت ہوا یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرام ﷺ کتنے بڑے رحم دل تھے، جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ وہ لوگ اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں تو فوراً ہی ان کی خواہش وطلب کے بغیر خود ہی اجازت دے دی۔

باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعة و الاقامة و کذٰلک بعرفة وجمع وقول المؤذن الصلوٰة فی الرجال فی لیلة الباردة او المطیرة

(مسافر کے لئے اگر جماعت ہو تو اذان و اقامت کہنے کا بیان اور اسی طرح مقام عرفات اور مزدلفہ میں بھی اور سردی والی رات یا پانی برسنے کی رات میں مؤذن کا یہ کہنا کہ الصلوٰة فی الرحال (نماز اپنی قیام گاہوں میں پڑھ لو)

۵۹۸: حدثنا مسلم بن ابراهیم قال حدثنا شعبة عن المهاجر ابی الحسن عن زید بن وهب عن ابی ذر قال کنا مع النبی صلے الله علیه وسلم فی سفر فاراد المؤذن ان یؤذن فقال له ابرد ثم اراد ان یوذن فقال له ابرد ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد حتیٰ ساوی الظل التلول فقال النبی صلے الله علیه وسلم ان شدة الحر من فیح جهنم

ترجمہ ۵۹۸: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ ہم کسی سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے مؤذن نے (ظہر کی) اذان دینی چاہی آپ نے اس سے فرمایا کہ (ابھی ذرا) ٹھنڈ ہو جانے دو، پھر اس نے چاہا کہ اذان دے آپ نے پھر اس سے فرمایا، کہ (ابھی ذرا اور) ٹھنڈ ہو جانے دو، یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ سے ہوتی ہے۔

تشریح: حدیث نمبر ۵۹۸ مذہب حنفی کی قوی مؤید ہے کہ موسم گرما میں ٹھنڈے وقت نماز پڑھنا مستحب ہے، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن احادیث میں آفتاب ڈھل جانے کے فوراً بعد حضور ﷺ کا ظہر کی نماز ادا فرمانے کا ذکر آیا ہے، اور یہ بھی ذکر آیا ہے کہ بعض صحابہ گرمی کی شدت کی بنا پر اپنے کپڑے کو بچھا کر سجدہ کرتے تھے، وہ احادیث ابتداءِ حالات کی ہیں، کیونکہ حدیث ہذا میں مؤذن کا اذان دینے کا ارادہ کرنا، اور حضور ﷺ کا روکنا، پھر اور پھر یہ بتا رہا ہے کہ مؤذن نے مدینہ کے سابقہ عمل کے پیشِ نظر یہاں بھی عمل کرنا چاہا، اسی وجہ سے حضور انور نے منع فرمایا اور بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد سے حضور کا عمل یہی ہو گیا ہو، کہ موسم سرما میں اول وقت میں ادا فرماتے ہوں اور گرمی کی شدت کے زمانہ میں ٹھنڈے وقت میں، یہ کہہ دینا کہ یہ واقعہ سفر کا ہے، اس لئے سفر کے موقعہ پر اجازت نکلتی ہے، جس طرح بعض دیگر امور سفر کے ساتھ مخصوص ہیں، یہ بھی ایک خصوصیت ہے درست نہیں، اس لئے کہ ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھنے کی علت سفر و حضر دونوں میں یکساں ہے، اور وہ گرمی کی شدت ہے، گرمی کی شدت جس طرح سفر میں اذیت کا باعث ہے۔ اسی طرح حضر میں بھی ہے۔

۵۹۹: حدثنا محمد بن یوسف قال حدثنا سفیٰن عن خالد ن الحذآء عن ابی قلابة عن مالک بن الحویرث قال اتیٰ رجلان النبی صلی الله علیه وسلم یریدان السفر فقال النبی صلے الله علیه وسلم اذاانتما خرجتما فاذناثم اقیما ثم لیؤمکما اکبر کما

ترجمہ ۵۹۹: حضرت مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ دو شخص نبی کریم ﷺ کے پاس سفر کے ارادے سے آئے تو ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نکلو (اور نماز کا وقت آ جائے) تو تم اذان دو، پھر اقامت کہو، اس کے بعد تم میں جو بزرگ ہو، وہ امام بنے۔

۶۰۰: حدثنا محمد بن المثنیٰ قال اخبرنا عبدالوهاب قال اخبرنا ایوب عن ابی قلابة قال حدثنا مالک

قال اتینا النبی صلے اللہ علیہ وسلم و نحن شببة متقاربون فاقمنا عندہ' عشرین یوماً ولیلةً و کان رسول اللہ علیہ وسلم رحیماً رفیقاً فلماظن انا قد اشتھینا اھلنا اوقداشتقنا سألنا عمن ترکنا بعدنا فاخبرناہ فقال ارجعوآ الیٓ اھلیکم فاقیموا فیھم وعلموھم ومروھم وذکر اشیآء احفظھا اولآ احفظھا وصلوا کمارایتمونی اصلی فاذاحضرت الصلوٰة فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم

ترجمہ۶۰۰: حضرت مالک (ابن حویرث) کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، اور ہم چند (تقریباً) برابر کی عمر کے جوان تھے بیش شب وروز ہم آپ کی خدمت میں رہے، اور رسول اللہ ﷺ نرم دل مہربان تھے، جب آپ نے خیال کیا کہ ہم کو اپنے گھر والوں کے پاس (پہنچنے کا) اشتیاق ستا رہا ہے، تو ہم سے ان کا حال پوچھا، جن کو ہم اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے ہم نے آپ کو سب کچھ بتایا۔ پس آپ نے فرمایا کہ واپس لوٹ جاؤ اور ان ہی لوگوں میں رہو اور ان کو تعلیم دو، اور (اچھی باتوں کا) حکم دو۔ اور چند باتیں آپ نے بیان فرمائیں (جن کی نسبت مالکؓ نے کہا) مجھے یاد ہیں یا یہ کہا کہ یاد نہیں رہیں اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھا کرو، اور جب نماز کا وقت آجائے، تو تم میں سے کوئی شخص اذان دے دے، اور تم میں سے بڑا تمہارا امام بنے۔

۶۰۱: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن عبیداللہ بن عمر قال حدثنی نافع قال اذن ابن عمر فی لیلة باردة بضجنان ثم قال صلوافی رحالکم واخبرنا ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یامرمؤذناً یؤذن ثم یقول علیٰ اثرہٖ الاصلوافی الرحال فی اللیلة الباردة اوالمطیرة فی السفر

ترجمہ۶۰۱: حضرت نافعؒ روایت کرتے ہیں، کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک سردی کی رات کو ضجنان (نامی پہاڑی) پر (چڑھ کر) اذان دی اذان دینے کے بعد یہ کہہ دیا کہ **صلوا فی رحالکم** اور ہم سے بیان کیا، کہ رسول خدا ﷺ سردی بارش کی شب کو بحالتِ سفر موذن کو حکم دے دیتے تھے کہ اذان کے بعد وہ یہ کہہ دے کہ **الا صلوا فی الرجال** (اپنی فرودگاہوں میں نماز پڑھ لو)۔

۶۰۲: حدثنا اسحٰق قال اخبرنا جعفر بن عون قال حدثنا ابو العمیس عن عون بن ابی جحیفة عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالابطح فجآءہ' بلال فاٰذنہ' بالصلوٰة خرج بلال بالعنزة حتیٰ رکزھا بین یدی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باالابطح واقام الصلوٰة

ترجمہ۶۰۲: حضرت ابوجحیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ کو (وادی ابطح میں دیکھا کہ آپ کے پاس بلال نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی، پھر نیزہ لے کر چلے اور اس کو رسولِ خدا ﷺ کے آگے (وادی) ابطح میں گاڑ دیا، اور آپ نے نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ مسافر اذان واقامت دونوں کہے، اور اگر اقامت پر اکتفا کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر دونوں کو ترک کرے گا تو مکروہ ہے گناہ گار ہوگا، اور جماعت کی قید سے منفرد کے لئے توسع ثابت ہوا۔

باب هل يتتبع المؤذن فاه، هٰهنا و هٰهنا وهل يلتفت فی الاذان يذكر عن بلالؓ انه، جعل اصبعيه فی اذنيه وكان ابن عمر لايجعل اصبعيه فی اذنيه وقال ابراهيم لاباس ان يؤذن علٰى غير وضوء وقال عطاء الوضوء حق و سنة و قالت عائشة كان النبی صلے الله عليه وسلم يذكر الله علٰى كل احيانه

(کیامؤذن اپنا منہ ادھر ادھر پھیرے، اور کیا وہ اذان میں ادھر اُدھر دیکھ سکتا ہے، بلالؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈالیں، اور ابن عمرؓ اپنے کانوں میں انگلیاں نہیں دیتے تھے، ابراہیم کہتے ہیں کہ بغیر وضو کے اذان دینے میں کچھ مضائقہ نہیں عطاء کا قول ہے کہ (اذان کے لئے) وضو ثابت ہے اور مسنون ہے، اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے)

۶۰۳: حدثنا محمد بن يوسف قال حدثنا سفيٰن عن عون بن ابی جحيفة عن ابيه انه، راىٰ بلالا يؤذن فجعلت اتتبع فاه هٰهنا و هٰهنا بالاذان.

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہؓ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے بلالؓ کو اذان دینے میں ان کو اپنا منہ اذان دیتے وقت ادھر ادھر کرتے پایا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ اذان کے وقت انگلیاں کان میں ڈالنے اور کان کے سوراخ بند کرنے کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ سانس بند ہو کر آواز میں قوت آ جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کانوں پر یوں ہی اوپر سے ہاتھ رکھ لینا کافی نہیں اور نہ اس سے سنت ادا ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کو حدیث نہ پہنچی ہوگی، یا ضروری نہ سمجھ کر اس کو ترک کیا ہوگا۔

اذان میں قبلہ کے رخ سے سینہ پھرانا نہ چاہئے، حی علی الصلوة اور حی علی الفلاح کے وقت صرف منہ کو داہنے بائیں کیا جائیگا۔

امام بخاریؒ نے ابراہیم سے نقل کیا کہ بغیر وضوء کے اذان میں کوئی حرج نہیں، ہمارے حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک مطلقاً کراہت کا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہی قول میرا مختار ہے، کیونکہ حدیث کے موافق ہے اگر چہ اس کی سند ضعیف ہے۔ دوسرا قول صرف اقامت کی کراہت کا ہے، امام بخاری چونکہ مسِ مصحف اور دخولِ مسجد وغیرہ میں بھی توسع کرتے ہیں، اس لئے یہاں بھی ان کے نزدیک توسع ہوگا۔

باب قول الرجل فاتتنا الصلوٰة وكره ابن سيرين ان يقول فاتتنا الصلوٰة وليقل لم ندرك وقول النبی صلے الله عليه وسلم اصح

(آدمی کا یہ کہنا کہ ہماری نماز جاتی رہی، مکروہ سمجھا ہے، اس طرح کہنا چاہئے کہ ہم نے نماز نہیں پائی، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بہت درست ہے)

۶۰۴: حدثنا ابو نعيم قال حدثنا شيبان عن يحيىٰ عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابيه قال بينما نحن نصلی مع النبی صلے الله عليه وسلم اذسمع جلبة رجال فلما صلےٰ قال ماشانكم قالوا استعجلنا الى الصلوٰة قال فلا تفعلوا اذآ اتيتم الصلوٰة فعليكم السكينة فماادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے کچھ لوگوں کی آواز سنی، جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا، کہ تمہارا کیا حال ہے (یعنی یہ شور کیوں ہوا) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے نماز کے لئے عجلت کی، آپ نے فرمایا۔ اب ایسا نہ کرنا، جب تم نماز کے لئے آؤ، تو نہایت اطمینان سے آؤ، پھر جس قدر نماز پاؤ اس قدر پڑھو اور جس قدر تم سے جاتی رہے اس کو پورا کرلو۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ ابن سیرین کی ناپسندیدگی کا تعلق تہذیب الفاظ سے ہے، جس طرح شریعت نے عتمہ کا اطلاق عشا پر اور یثرب کا اطلاق مدینہ طیبہ پر ناپسند کیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نظرِ شریعت میں جماعت کا فوت ہو جانا نماز کے فوت ہو جانے کے برابر ہے۔

باب مآادر کتم فصلوا و ما فاتکم فاتموا قاله' ابو قتاده عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(اس امر کا بیان) کہ جس قدر نماز تم کو مل جائے پڑھ لو اور جس قدر تم سے چھوٹ جائے اس کو پورا کرلو۔ اس کو ابو قتادہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے

۶۰۵: حدثنا ادم قال حدثنا ابن ابی ذئب قال حدثنا الزهری عن سعید ابن المسیب عن ابی هریرة عن النبی صلے الله علیه وسلم و عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هریرة عن النبی صلے الله علیه وسلم قال اذا سمعتم الاقامة فامشوآ الی الصلوٰة و علیکم السکینة و الوقار ولا تسرعوا فما ادر کتم فصلوا و ما فاتکم فاتموا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے وقار اور اطمینان کو اختیار کئے ہوئے چلو، اور دوڑو نہیں، پھر جس قدر نماز تمہیں مل جائے پڑھ لو، اور جس قدر چھوٹ جائے، اس کو بعد میں پورا کرلو۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب کے تحت ترتیب صلوٰۃ مسبوق کی بحث آ جاتی ہے، حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ امام کے ساتھ وہ جتنی نماز پڑھتا ہے، وہ اس کے لئے بھی آخری حصہ ہے، اور امام کے بعد وہ اپنی پہلی رہی ہوئی نماز ادا کرے گا، گویا مسبوق اپنی پہلی باقی ماندہ نماز میں منفرد جیسا ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں لفظِ فوات وارد ہے اور دوسری احادیث میں **و ما فاتکم فاقضوا** بھی آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلا حصہ فوت ہو چکا ہے، اور اس کو امام کے بعد قضا کرے گا۔ شیخ اکبرؒ نے بھی فرمایا کہ مسبوق باقی نماز کو قضا کرتا ہے۔ شافعیہؒ کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ جتنی نماز ملی، وہ مسبوق کے لئے پہلا حصہ ہے، اور امام کے بعد وہ اپنی باقی کو پورا کرے گا۔ کیونکہ حدیث میں اتمام ہے، اور اتمام آخری حصہ کو ادا کرنے کا نام ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ تاویل دونوں کے لئے ممکن ہے، اور ہمارے لئے اس بارے میں دو حدیث اور بھی ہیں جن کو "فصل الخطاب" میں ذکر کیا ہے۔

باب متیٰ یقوم الناس اذا راو االامام عندالاقامة

(تکبیر کے وقت جب امام کو دیکھ لیں، تو کس وقت کھڑے ہوں)

۶۰۶: حدثنا مسلم بن ابراهیم قال حدثنا هشام قال کتب الی یحییٰ عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابیه قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم اذا اقیمت الصلوٰة فلاتقوموا حتی ترونی.

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز کی اقامت کے وقت جب تک مجھے نہ دیکھ لو، اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ بعض احادیث سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ نمازِ جماعت کی اقامت پوری ہونے کے بعد کھڑے ہوتے تھے، اور بعض سے یہ کہ اقامت کے دوران کھڑے ہوتے تھے اور ہماری کتب فقہ حنفی میں بھی دونوں طرح ہے، درمختار کا حاشیہ طحطاوی دیکھا جائے، تنقیح مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو اس کے مسجد میں داخل ہونے پر صفیں درست کرنے کے لئے کھڑے ہوں، اگر وہ مسجد کے اندر ہی ہے تو جب وہ اپنی جگہ سے امامت کے لئے اٹھے، اس وقت کھڑے ہوں، پھر یہ مسئلہ نفسِ صلوٰۃ سے متعلق نہیں ہے بلکہ

آدابِ صلوٰۃ کا ہے، اس لئے اگر کوئی پہلے سے کھڑا ہو جائے تب بھی گناہ گار نہ ہوگا۔ یہ بھی علماء سے مروی ہے کہ حضرت بلالؓ منتظر رہتے تھے حضور علیہ السلام کے گھر سے نکلنے پر اقامت کہتے تھے، اور دوسرے صحابۂ کرام آپ کو صف میں آجانے پر دیکھتے تھے، تو اس وقت کھڑے ہو جاتے تھے، اس طرح جب حضور علیہ السلام مصلے پر پہنچتے تھے تو اقامت پوری ہونے تک صفیں درست ہو چکی ہوتی تھیں۔ باقی آپ کو دیکھنے سے قبل کوئی کھڑا نہ ہوتا تھا کہ یہ عبث بھی تھا۔

باب لایقوم الی الصلوٰۃ مستعجلاً ولیقم الیھا بالسکینۃ والوقار

(نماز کے لئے جلدی سے نہ اُٹھے، بلکہ اطمینان اور وقار کے ساتھ اٹھے)

۶۰۷: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شیبان عن یحییٰ عن عبداللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی و علیکم السکینۃ تابعہ علی بن المبارک

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب نماز کی اقامت کہی جائے، تو تم اس وقت تک نہ کھڑے ہو، جب تک کہ مجھے نہ دیکھ لو، وار اپنے اوپر اطمینان کو لازم سمجھو (علی بن مبارک نے اس کی متابعت کی ہے)۔

تشریح: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا:۔ شارحین نے غرضِ ترجمۃ الباب نہیں لکھی، میرے نزدیک اشارہ ہے قولِ باری تعالیٰ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الایۃ کی طرف کہ بظاہر آیتِ مذکورہ سے حدیث الباب متعارض معلوم ہوتی ہے، حافظؒ نے لکھا کہ سعی سے مراد آیت میں اس کام کے لئے آگے بڑھنا ہے اور حدیث میں دوڑنا ہے نماز کی طرف دوڑ کر جانا وقار وسکینت اور آدابِ صلوٰۃ کے خلاف ہے۔ (الابواب ص ۲\۲۵۹)

باب ھل یخرج من المسجد لعلۃ

(کیا مسجد سے کسی عذر کی بنا پر نکل سکتا ہے؟)

۶۰۸: حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح ابن کیسان عن ابن شھاب عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج وقد اقیمت الصلوٰۃ وعدلت الصفوف حتیٰ اذاقام فی مصلاہ انتظرنا ان یکبرا نصرف قال علیٰ مکانتکم فمکثنا علیٰ ھیئتنا حتیٰ خرج الینا ینطف راسہ مآء و قداغتسل

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ (ایک مرتبہ مسجد سے) باہر چلے گئے حالانکہ نماز کی اقامت ہو چکی تھی، اور صفیں بھی برابر کر لی گئی تھیں، جب آپ (واپس آکر) اپنے مصلے میں کھڑے ہو گئے، ہم منتظر رہے، کہ اب آپ تکبیر کہیں گے (لیکن) آپ پھر گئے (اور ہم سے) فرمایا، کہ اپنی جگہ پر رہو، ہم بحال خود کھڑے رہے (تھوڑے عرصہ میں) آپ ہمارے پاس تشریف لائے، اور آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ نے غسل کیا تھا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک شخص کو دیکھا مسجد سے بعد اذان کے نکل کر جا رہا ہے آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے حضور اکرم ﷺ کی نافرمانی کی۔ اس لئے امام بخاریؒ نے حدیث الباب سے ثابت کیا کہ کسی ضرورت کے تحت نکلنے کی اجازت بھی ہے۔ فقہ حنفی کی کتاب بحر میں بھی ہے کہ جو شخص لوٹنے کے ارادہ سے نکلے یا اس کو کسی دوسری جگہ امامت ہی کرانی ہو تو اس کو اجازت ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام حکم شرعی کو رائے سے خاص بھی کر سکتے ہیں اگرچہ ابتداءً ہی ہو، بشرطیکہ حکمِ شرعی کی وجہ جلی وواضح

ہو۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو "من قال لا اله الا الله دخل الجنة" کے اعلان سے روک دیا تھا، اور پھر حضور علیہ السلام نے بھی اس پر رضامندی عطا فرمادی تھی، ایسا ہی فقہاءِ مجتہدین سے بھی ثابت ہے اس لئے اس کو عمل بالرائے سے مطعون نہیں کر سکتے۔

باب اذا قال الامام مکانکم حتیٰ یرجع انتظروہ

اگر امام کہے کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو، جب تک کہ میں لوٹ کر نہ آؤں، تو مقتدی اس کا انتظار کریں

۶۰۹: حدثنا اسحٰق قال اخبرنا محمد بن یوسف قال حدثنا الاوزاعی عن الزهری عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن عن ابی هریرة قال اقیمت الصلوٰة فسوی الناس صفوفهم فخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم فتقدم وهو جلب ثم قال علیٰ مکانکم فرجع فاغتسل ثم خرج وراسه' یقطر مآء فصلے بهم

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نماز کی اقامت ہوگئی، اور لوگوں نے اپنی صفیں برابر کرلیں، اتنے میں رسولِ خدا علیہ السلام باہر نکلے اور آگے بڑھ گئے، حالانکہ آپ جب تھے (یاد آنے پر) فرمایا کہ تم لوگ اپنی جگہ پر کھڑے رہو، چنانچہ آپ لوٹ گئے، اور آپ نے غسل فرمایا، پھر باہر تشریف لائے، تو آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، اب آپ نے نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جب کوئی امام کسی ضرورت سے درمیان نماز کے چلا جائے اور کسی قرینہ سے معلوم ہو کہ لوٹ کر آئے گا تو اس کا انتظار کرنا چاہئے، ورنہ دوسرا امام آگے بڑھ کر نماز پوری کرادے گا۔ (لامع الدراری)

باب قول الرجل ما صلینا

۶۱۰: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شیبان عن یحیٰ قال سمعت اباسلمة یقول انا جابر عن عبدالله ان النبی صلے الله علیه وسلم جآءہ عمر بن الخطاب یوم الخندق فقال یا رسول الله والله ما کدت ان اصلی حتیٰ کادت الشمس تغرب وذٰلک بعد ما افطر الصآئم فقال النبی صلے الله علیه وسلم والله ما صلیتها فنزل النبی صلے الله علیه وسلم الیٰ بطحان وانا معه' فتوضأ ثم صلے العصر بعدما غربت الشمس ثم صلے بعدها المغرب

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ خندق کے دن حضرت عمر بن الخطابؓ نبی کریم علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! واللہ میں نے اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی، اور آفتاب غروب ہوگیا ہے (حضرت عمرؓ کا) یہ کہنا ایسے وقت تھا، کہ روزہ دار کے افطار کا وقت ہو جاتا ہے، نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ واللہ! میں نے بھی عصر کی نماز نہیں پڑھی، پس نبی کریم علیہ السلام بطحان میں اترے اور میں آپ کے ہمراہ تھا، آپ نے وضو فرمایا اور آفتاب غروب ہو جانے کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ "امام بخاری اس سے تہذیب الفاظ کا سبق دینا چاہتے ہیں، لیکن استدلال اگر خود حضور علیہ السلام کے قول والله ما صلیتها سے ہوتا تو زیادہ مناسب تھا"۔ (الابواب والتراجم)

باب الامام تعرض له' الحاجة بعدالآقامة

۶۱۱ : حدثنا ابو معمر عبدالله بن عمرو قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا عبدالعزيز هو ابن صهيب عن انس قال اقيمت الصلوٰة والنبی صلے الله عليه وسلم يناجی رجلاً فی جانب المسجد فما قام الی الصلوٰة حتیٰ نام القوم

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز کی اقامت ہوگئی اور نبی کریم ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں کسی شخص سے آہستہ باتیں کررہے تھے، پس آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ بعض لوگ اونگنے لگے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ درمختار وغیرہ کتب حنفیہ میں ہے کہ امام اگر کسی مصروفیت یا ضرورت کی وجہ سے اقامت کے بعد دیر تک نماز شروع نہ کرے تو اقامت کا اعادہ ہونا چاہئے، ورنہ نہیں، فاصلہ یا تاخیر کتنی ہو اس کا تعین دشوار ہے۔

باب الكلام اذااقيمت الصلوٰة

(اقامت ہوجانے کے بعد کلام کرنے کا بیان)

۶۱۲ : حدثنا عياش بن الوليد قال حدثنا عبدالاعلیٰ ثنا حميد قال سالت ثابت البنانی عن الرجل يتكلم بعد ماتقام الصلوٰة فحدثنی عن انس بن مالک قال اقيمت الصلوٰة فعرض للنبی صلے الله عليه وسلم رجل فحبسه' بعد مآ اقيمت الصلوٰة

ترجمہ: حمید روایت کرتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی سے اس شخص کی بابت پوچھا جو نماز کی اقامت ہوجانے کے بعد کلام کرے، انہوں نے مجھ سے حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث بیان کی، کہ انہوں نے کہا (ایک مرتبہ) نماز کی اقامت ہوچکی تھی، اتنے میں نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آ گیا، اس نے آپ کو اقامت ہوجانے کے بعد روک لیا (اور باتیں کرتا رہا)

تشریح: حافظؒ نے فرمایا کہ غرضِ بخاری مطلقاً کراہتِ کلام کا رد ہے، علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ حدیث سے جوازِ کلام بعدالاقامۃ ثابت ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بھی اقامت وتکبیر تحریمہ کے درمیان بات کرنے کی کراہت جب ہے کہ بلاضرورت ایسا کیا جائے، یعنی کسی امر شرعی ودینی کے لئے کلام ہو تو پھر کراہت نہ ہوگی۔

باب وجوب صلوٰة الجماعة وقال الحسن ان منعته امه' عن العشآء فی الجماعة شفقة لم يطعها

(نماز باجماعت کے واجب ہونے کا بیان' حسن (بصری) نے کہا ہے' کہ اگر کسی شخص کی ماں ازراہِ محبت عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے سے منع کرے' تو وہ اس کا کہنا نہ مانے)

۶۱۳ : حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال والذی نفسی بيده لقد هممت ان اٰمر بحطب ليحطب ثم اٰمر بالصلوٰة فيؤذن لها ثم امر رجلاً فيوم الناس ثم اخالف، الیٰ رجال فاحرق عليهم بيوتهم والذی نفسی بيده لويعلم احدهم انه' يجدعرقاً سميناً اومرماتين حسنتين لشهدالعشآء

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا، کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میرا یہ ارادہ ہوا ہے کہ (اولا) لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں (اس کے بعد) حکم دوں، کہ عشائے کی نماز کوئی دوسرا شخص پڑھائے، اور میں (خود) کچھ (لوگوں کو ہمراہ لے کر) لوگوں کے گھروں تک پہنچوں، (جو عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھتے) اور ان کے گھروں کو آگ لگادوں، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کہ اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فربہ ہڈی، یا دو عمدہ گوشت والی ہڈیاں پائے گا، تو یقیناً عشاء کی نماز میں آئے گا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے جماعت کے وجوب کا قول اختیار کیا ہے، حنفیہ کے دو قول ہیں ایک وجوب کا دوسرا سنت موکدہ کا۔ صاحب بحر نے فیصلہ کر دیا کہ ادنی وجوب اور اعلیٰ سنت موکدہ کا درجہ ایک ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ سنن موکدہ میں سے اعلیٰ درجہ کی سنت ہے، شافعیہ کے یہاں بھی دو قول ہیں، ایک فرض کفایہ کا دوسرا سنت موکدہ کا، امام احمد کا ایک قول فرض عین و شرط صحت صلوٰۃ کا ہے، دوسرا یہ کہ فرض تو ہے مگر شرط صحت صلوۃ نہیں۔ یہ اختلاف نظر معنوی پر مبنی ہے، ترک جماعت پر وعید کی احادیث پر نظر کی جائے تو فرض وواجب جیسا درجہ سمجھ میں آتا ہے اور اگر ان احادیث پر نظر کی جائے جن میں بظاہر معمولی اعذار کے سبب بھی ترک جماعت کی گنجائش نکلتی ہے تو اس کا درجہ سنت کا ہی ماننا پڑتا ہے۔ مثلاً آتا ہے کہ کھانے کی وجہ سے اور بارش، ظلمت، سخت گرمی، سخت سردی وغیرہ کے سبب ترک جائز ہے۔ کتب فقہ حنفی میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص فتاوی اور علمی تحقیقات کے لئے مراجعت و مطالعہ کتب میں زیادہ مشغول ہو تو اس کے لئے بھی ترک جماعت عذر ہے اور جائز ہے (اس سے معلوم ہوا کہ مفتی و مصنف و مدرس کے لئے مطالعہ کتب و مراجعت ضروری ہے، اور آج کل جو سطحیت و عدم اشتغال کی صورت ہوگئی ہے، اس سے علمی و تحقیقی شان زوال پذیر ہے)

لہٰذا اس کے بارے میں خلاف اتنا زیادہ نہیں، جتنا عام طور سے سمجھ لیا گیا ہے۔ مذاہب و اعذار کی تفصیل اوجز میں دیکھی جائے، حنفیہ میں سے امام طحاوی و کرخی وغیرہ کا مختار یہ ہے کہ جماعت کی نماز فرض کفایہ ہے یعنی اگر کسی وقت نماز پر مسجد معطل ہو کہ کوئی بھی جماعت سے نہ پڑھے تو سب گناہ گار ہوں گے، اور اگر جماعت ہوتی رہے اور کوئی شخص کسی عذر سے شرکت نہ کرے اور تنہا پڑھ لے تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (لامع ص ۲۴۴)

باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ و کان الاسود اذا فاتتہ الجماعۃ ذھب الیٰ مسجد اٰخر و جآء انس بن مالک الی مسجد قد صلے فیہ فاذن و اقام و صلے جماعۃ

۶۱۴: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن عبداللہ ابن عمر ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع و عشرین درجۃ

۶۱۵: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال حدثنی اللیث قال حدثنی یزید بن الھاد عن عبداللہ بن خبابؓ عن ابی سعید انہ سمع النبی صلے اللہ علیہ وسلم یقول صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بخمس و عشرین درجۃً

۶۱۶: حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا الاعمش قال سمعت اباصالح یقول سمعت اباھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف علیٰ صلوٰتہ فی بیتہ و فی سوقہ خمسۃً و عشرین ضعفاً و ذٰلک انہ اذا توضأ فاحسن الوضوٓء ثم خرج الی المسجد لا یخرجہ الا الصلوٰۃ لم یخط خطوۃً الا رفعت بھا درجۃً و حط عنہ بھا خطیئۃ فاذا صلے لم تنزل الملٰئکۃ تصلی علیہ مادام فی مصلاہ اللھم صل علیہ اللھم ارحمہ و لا یزال احدکم فی صلوٰۃ ما انتظر الصلوٰۃ

ترجمہ ۶۱۴: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پر ستائیس درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے۔

ترجمہ ۶۱۵: حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز اکیلے شخص کی نماز سے پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے:۔

ترجمہ ۶۱۶: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدمی کا جماعت سے نماز پڑھنا، اسکے اپنے گھر میں، اور اپنے بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے کہ جب عمدہ طور پر وضو کر کے مسجد کی طرف چلے، اور محض نماز ہی کے لئے چلے تو جو قدم رکھے گا، اسکے عوض میں اس کا ایک درجہ بلند ہوگا، اور ایک گناہ اس کا معاف ہوگا، پھر جب وہ نماز پڑھ لے گا تو برابر فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے مصلی میں رہے گا، کہ یا اللہ اس پر رحمت نازل فرما، یا اللہ اس پر مہربانی فرما، اور تم میں سے ہر شخص جب تک کہ نماز کا انتظار کرتا ہے نماز میں متصور ہوتا ہے:۔

تشریح: حضرت ابوہریرہؓ پچیس درجے زیادہ ثواب روایت کرتے ہیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ستائیس درجے اور یہی روایت زیادہ قوی ہے۔

حافظ نے لکھا کہ علامہ ابن المنیرؒ نے امام بخاریؒ کے اس ترجمہ پر اعتراض کیا ہے کیونکہ اس سے پہلے باب میں وہ جماعت کا وجوب بتلا چکے ہیں تو اس کے بعد صرف فضیلت کا اثبات اس کے منافی یا بے فائدہ ہے (کیونکہ کسی امر کا حد وجوب یا فرض میں داخل ہو جانا ہی اس کے لئے ہزار فضیلتوں کا ضامن ہو جاتا ہے) پھر حافظ نے لکھا کہ علامہ نے اس کے لئے جواب دہی بھی طویل کی ہے، مگر اتنا ہی جواب کافی ہے کہ کسی شئی کا وجوب اس کے ذی فضیلت ہونے کے منافی نہیں ہے یا مقصود اظہار فضیلت بہ لحاظ منفرد کے ہے۔ اس کے بعد حافظ نے لکھا کہ امام بخاری کے اثر اسود وانس ذکر کرنے سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ احادیث الباب میں جو فضیلت وارد ہے وہ صرف جماعت مسجد کے لئے ہے گھر وغیرہ کی جماعت کے لئے نہیں ہے، ورنہ حضرت اسودؓ دوسری مسجد میں نہ جاتے، اور حضرت انسؓ جماعت ثانیہ مسجد میں نہ کرتے۔ (فتح ص ۲/۸۹)

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جس مسجد میں حضرت انسؓ نے دوسری جماعت اذان و اقامت کے ساتھ کی تھی، وہ راستہ کی مسجد تھی، لہٰذا اس سے جماعت ثانیہ کا جواز نہیں نکلے گا، علامہ عینی نے لکھا کہ کسی مسجد میں جماعت ہو چکنے کے بعد مکرر جماعت کرنے میں اختلاف ہوا ہے، حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت علقمہ واسود کے ساتھ جماعت ثانیہ کی ہے اور یہی قول حضرت عطاء کا ہے امام احمد و اسحٰق وغیرہ نے یہی مسلک اختیار کیا (وہ ہر مسجد میں بے تکلف کئی کئی جماعت کو جائز بلا کراہت کہتے ہیں)

حضرت سالم وغیرہ اس کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی مسلک جمہور (امام ابوحنیفہ، امام مالک، ثوری، اوزاعی وغیرہ) کا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ مسجد اگر راستہ پر ہو، جس کا کوئی امام مقرر نہ ہو تو اس میں کئی جماعت درست ہیں ورنہ تنہا پڑھنی چاہیئے۔ درمختار وغیرہ کتب حنفیہ میں ہے کہ اذان و اقامت کے ساتھ مسجد محلّہ میں تکرار جماعت مکروہ ہے، اور مسجد طریق میں مکروہ نہیں اور اسی طرح جس میں کوئی امام و مؤذن مقرر نہ ہو،

افادۂ انور: حضرتؒ نے فرمایا:۔ حضرت انسؓ نے جماعت ثانیہ مسجد محلّہ میں نہیں کی تھی بلکہ مسجد بنی زریق میں کی تھی، اور کراہت کا مسئلہ مسجد محلّہ سے متعلق ہے۔ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جماعت ثانیہ پہلے امام کی جگہ چھوڑ کر بلا اذان و اقامت کے درست بلا کراہت ہے، اور شاید ترک اذان و اقامت بھی پہلی حالت بدلنے کے لئے، اور ان کے نزدیک بھی عدم کراہت اس وقت ہے کہ اتفاقی طور سے جماعت اولی رہ گئی ہو، نہ اس وقت کہ دوسری جماعت جان بوجھ کر کرے یا اس کا عادی ہو جائے، اور حضرت انسؓ سے بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ تفصیل ہے کہ انہوں نے دوسری جماعت اس طرح کی کہ خود امام ہو کر درمیان صف میں کھڑے ہوئے، جماعت اول کی طرح آگے کھڑے ہو کر امامت نہیں فرمائی، اس سے بھی پہلی حالت و ہیئت بدلنے کا اشارہ ملتا ہے، جو امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے فرق یہ ہوا کہ حضرت انسؓ نے اذان و اقامت مکرر کر کے اپنی جگہ بدل دی اور ابو یوسف بغیر اذان و اقامت کے امام کی جگہ بدلنے کے قائل ہیں۔ پھر یہ کہ

تکرار اذان واقامت کا قول کسی نے بھی اختیار نہیں کیا ہے۔اس لئے وہ کسی کا بھی مستدل نہیں ہے۔

تیسری حدیث الباب ص ۶۱۶ میں **قولہ صلوٰۃ الجماعۃ تضعف علی صلاتہ فی بیتہ** پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں مقابلہ نماز جماعت اور نماز منفرد کا ہے، جماعت مسجد اور جماعت بیت کا نہیں ہے، کیونکہ نظر شارع میں مساجد کی جماعت ہے گھروں کی نہیں، لہٰذا گھر کی یا بازار کی نماز کا ذکر جہاں بھی حدیث میں آیا ہے وہ اسی عام نظر شارع کے تحت ہوا ہے۔ کیونکہ زمانہ سلف میں بازاروں میں بھی مساجد نہ تھیں۔اس طرح گویا جماعت بیت کا مسئلہ بیان نہیں ہوا ہے، پھر یہ کہ جس کی نماز جماعت مسجد کی فوت ہوجائے تو وہ گھر میں جماعت کرے یہ مسئلہ کتب فقہ میں ہے، آگے یہ مسئلہ رہتا ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت مسجد کا اہتمام ہی نہ کرے اور گھر میں جماعت کرے تو وہ تارک جماعت کہلائے گا یا نہیں، اس مسئلہ کو منیہ اور اس کی شرح حلبی کبیر میں ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں ہم اس کا مضمون نقل کرتے ہیں:۔ اگر کوئی شخص تراویح کی نماز گھر کے اندر جماعت کے ساتھ ادا کرے تو جماعت کی فضیلت حاصل کرے گا۔ اگرچہ جماعت مسجد کے برابر نہ ہوگا، کیونکہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہے اور یہی بات فرائض میں بھی ہے کہ وہ بھی اگر گھر میں مسجد کی طرح جماعت کے ساتھ ادا کئے جائیں تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی ۲۷ گنا والی، مگر مسجد کے برابر نہیں کیونکہ اس میں شرف مکان، اظہار شعائر، تکثیر سوادِ مسلمین اور ائتلافِ قلوب کی نوعیت بڑھی ہوئی ہے، لیکن اس میں قید یہ ہے کہ دونوں جگہ کی نماز جماعت بہ لحاظ استکمال سنن وآداب برابر ہو، اگر گھر کی نماز زیادہ کامل و اکمل ہو اور امام مسجد مثلاً سنن وآداب کی رعایت نہ کرتا ہو تو گھر کی جماعت زیادہ افضل ہوگی، اور اگر امام مسجد واجبات کی رعایت بھی نہ کرسکتا ہو جیسا کہ اس زمانہ کے بہت سے امام ایسے ہی ہوتے ہیں۔اور گھر کا امام اعلم و افضل ہو اور واجبات وسنن کی رعایت بھی زیادہ کرے تو وہ جماعت بدرجہ اولیٰ مسجد سے افضل ہوگی۔(حلبی کبیر ص ۴۰۲)

امام بخاریؒ نے مستقل باب باندھا ہے اہل علم وفضل کے احق بالامامۃ ہونے کا، اور حنفیہ نے اعلم بالمسائل کو اقرأ پر ترجیح دی ہے۔مگر اس زمانہ میں جہلاء عوام قاری کو عالم پر ترجیح دیتے ہیں۔واللہ المستعان۔

مراقی الفلاح میں ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا مردوں کے لئے سنت موکدہ ہے اور جماعت کا ثواب ایک مقتدی کے ساتھ بھی حاصل ہوجائے گا، خواہ وہ صبی ہو یا عورت ہو، اگرچہ گھر میں ہی ادا کرے۔علامہ طحطاویؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں اپنی بیوی یا باندی کے ساتھ جماعت کرے تو اس کو بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی اگرچہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہوگی۔

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔ جماعت مسجد کو جماعت بیت پر کیفاً فضیلت ہوگی اگرچہ کماً دونوں برابر ہوں گی، اور دونوں کا ثواب ۲۵ یا ۲۷ گنا ہوگا، خواہ مسجد میں جماعت سے پڑھے یا گھر میں یا بازار میں۔ (لامع ص ۱/۱۸۷)

باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ

(فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی فضیلت کا بیان)

۶۱۷: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی سعید ابن المسیب و ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن ان اباھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول تفضل صلوٰۃ الجمیع صلوٰۃ احدکم وحدہٗ بخمسۃ و عشرین جزءً و تجتمع ملائکۃ اللیل وملٰئکۃ النھار فی صلوٰۃ الفجر ثم یقول ابوھریرۃ واقرء وا ان شئتم ان قراٰن الفجر کان مشھوداً قال شعیب و حدثنی نافع عن عبداللہ بن عمر قال تفضلھا بسبع و عشرین درجۃً

۶۱۸ : حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا ابی قال حدثنا الاعمش قال سمعت ام الدرداء تقول دخل علی ابوالدرداء و هو مغضب فقلت ماأغضبک قال والله ماأعرف من امر محمد صلے الله علیه وسلم شیئاً الا انهم یصلون جمیعاً.

۶۱۹ : حدثنا محمد بن العلاء قال حدثنا ابواسامة عن برید بن عبدالله عن ابی بردة عن ابی موسیٰ قال قال النبی صلے الله علیه وسلم اعظم الناس اجراً فی الصلوٰة ابعدهم فابعدهم ممشی والذی ینتظر الصلوٰة حتیٰ یصلیها مع الامام اعظم اجراً من الذی یصلی ثم ینام

ترجمہ ۶۱۷: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ تم میں سے ہر شخص کی جماعت کی نماز سے تنہا نماز پچیس درجے (ثواب میں) زیادہ ہے، اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ اگر چاہو تو (اس کی دلیل میں) ان قرآن الفجر کان مشهودا پڑھ لو، شعیب کہتے ہیں، مجھ سے نافع نے عبداللہ بن عمر سے نقل کیا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس درجے (ثواب میں) زیادہ ہے:۔

ترجمہ ۶۱۸: حضرت سالم روایت کرتے ہیں کہ میں نے ام درداء کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہتی تھیں کہ (ایک دن) ابو درداء میرے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے، میں نے کہا کہ آپ کو کیوں اتنا غصہ آ گیا؟ بولے کہ اللہ کی قسم! محمد ﷺ کے دین کی کوئی بات (اب) میں نہیں دیکھتا، صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں (سو اب اس میں بھی کوتاہی ہونے لگی ہے)۔

ترجمہ ۶۱۹: حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ سب لوگوں سے زیادہ ثواب ان لوگوں کو ملتا ہے جن کی مسافت (مسجد سے) دور ہے پھر جن کی ان سے دور ہے، اور وہ شخص جو جماعت کا منتظر رہے، تاکہ اس کو امام کے ساتھ پڑھے، باعتبار ثواب کے اس سے زیادہ ہے (جو جلدی سے) نماز پڑھ کے سو جاتا ہے۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ یہ باب پہلے باب سے اخص ہے، اور اس میں چونکہ دن و رات کے فرشتوں کے جمع ہونے کی وجہ سے فضیلت بھی زیادہ ہے، اس لئے اس کے لئے مستقل باب لائے ہیں۔ (فتح ص ۲/۹۴)

ترجمۃ الباب سے احادیث کی غیر مطابقت

یہاں امام بخاریؒ نے باب کے تحت جو دوسری حدیث ص ۶۱۸ پیش کی ہے، اس میں جماعت نماز فجر کا کوئی ذکر نہیں ہے، صرف مطلق جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ لہٰذا ترجمۃ الباب سے مطابقت نہیں ہے۔

محقق عینیؒ نے لکھا کہ جزوی طور سے تو مطابقت ہو ہی گئی اور امام بخاری کی اس کتاب میں اس قسم کے تجوزات بکثرت ہیں۔ (عمدہ ص ۲/۶۹۳) حافظ نے ابن المنیر کا جواب بھی یہی نقل کیا کہ یصلون جمیعا میں نماز فجر بھی آ گئی، حافظ نے یہ بھی لکھا کہ ان کے علاوہ کسی شارح نے مناسبت ترجمہ نہیں بتلائی (فتح ص ۲/۹۵)

باب کی تیسری حدیث ص ۶۱۹ میں بھی جماعت نماز فجر کا کوئی ذکر نہیں ہے، علامہ عینی نے لمبی تاویل کر کے جواب دیا ہے، حافظ نے ابن المنیر کا جواب لکھا کہ زیادہ اجر کا سبب نماز کے لئے جانے میں مشقت ہوتا ہے اور یہ جماعت فجر میں زیادہ ہے، کیونکہ سو کر اٹھنے میں کسل زیادہ اور مشقت کا احساس نمایاں ہوتا ہے، اور اس میں نیند جیسی محبوب چیز چھوڑنی پڑتی ہے، عشا میں یہ بات نہیں، اگرچہ رات کی ظلمت میں چل کر جانا وہاں بھی وجہ فضیلت ضرور ہے۔ (فتح ص ۲/۹۵)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شرح تراجم ابواب البخاری میں یہ تاویل کی کہ "یہ باب سابق باب کا تحتی و ذیلی باب ہے، لہٰذا آخر کی دونوں احادیث کا تعلق باب سابق سے ہے۔" سچ ہے تاویل کا باب بہت واسع ہے۔

باب فضل التهجر الى الظهر

ظہر کی نماز اول وقت پڑھنے کی فضیلت کا بیان

۶۲۰: حدثنی قتيبة عن مالک عن سمی مولیٰ ابی بکر بن عبدالرحمٰن عن ابی صالح السمان عن ابی هريرة ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوک علی الطريق فاخره فشكر الله له فغفرله ثم قال الشهدآء خمسة المطعون والمبطون والغريق وصاحب الهدم والشهيد فی سبيل الله وقال لو يعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لم يجدوا الا ان يستهموا عليه لاستهموا عليه ولو يعلمون ما فی التهجير لا استبقوا اليه ولو يعلمون ما فی العتمة والصبح لاتوهما ولو حبواً

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کسی راستہ میں چلا جارہا تھا کہ اس نے راستے میں کانٹوں کی ایک شاخ (پڑی ہوئی) دیکھی تو اس کو ہٹادیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کا ثواب اسے یہ دیا، کہ اس کو بخش دیا، پھر آپ نے فرمایا کہ شہید پانچ لوگ ہیں، جو طاعون میں مرے، اور جو پیٹ کے مرض میں مرے، اور جو ڈوب کر مرے، اور جو دب کر مرے، اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو، اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے، کہ اذان دینے میں اور پہلی صف میں (شامل ہونے میں) کیا (ثواب ہے؟ اور پھر یہ نیک کام قرعہ ڈالے بغیر نصیب نہ ہو، تو یقیناً وہ اس پر قرعہ ڈالیں، اور اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ سویرے نماز پڑھنے میں کیا فضیلت ہے؟ تو بیشک اس کی طرف سبقت کریں، اور اگر ان کو معلوم ہوجائے کہ عشاء اور صبح کی نماز (جماعت سے پڑھنے) میں کس قدر (ثواب) ہے تو یقیناً ان میں آکر شریک ہوں، اگرچہ گھٹنوں کے بل (چلنا پڑے)۔

تشریح: یہاں امام بخاریؒ بجائے مطلق صلوٰۃ کے ظہر کا لفظ ترجمہ میں لائے ہیں، جبکہ حدیث الباب میں بھی ظہر کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ بخاری کے دوسرے نسخہ میں صلوٰۃ ہی ہے، علامہ عینی نے لکھا کہ اگر یہاں حدیث میں ظہر کی نماز مراد ہو تب بھی یہ ابراد ظہر والی حدیث کے منافی نہیں ہے، کیونکہ وہ شدت حر کے لئے ہیں، اور اصل و عزیمت وقت نماز میں تہجیر اور مبادرت ہی اول وقت کے لئے ہے، اور شدت حر کے وقت ظہر کی تاخیر بطور رخصت ہے۔ (عمدہ ص ۲/۶۹۷)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں حدیث الباب میں شہداء کی تعداد پانچ بتلائی ہے، لیکن اور احادیث میں زیادہ تعداد بھی وارد ہے اور حدیث کی اصطلاح فقہ سے زیادہ عام ہے، علامہ سیوطیؒ نے شہداء پر مستقل رسالہ لکھا ہے اور علامہ اجھوری مالکیؒ نے شہداء کی تعداد ساٹھ تک گنائی ہے۔ اس لئے میں نے احادیث سے استنباط کر کے ایک ضابطہ بنایا کہ جو بھی کسی المناک متمادی بیماری میں مرے، جیسے ہیضہ دستوں وغیرہ کی بیماری میں وہ شہید ہے، یا مہلک و خطرناک بیماری، طاعون جیسی میں مرے وہ بھی شہید ہے اور کسی اچانک بلا میں مرجائے، جیسے ڈوب کر، یا کسی دوسرے فوری حادثہ سے تو وہ بھی شہید ہے، حدیثی نقطہ نظر سے یہی تین قسم کے شہید ملیں گے۔ واللہ اعلم

باب احتساب الأثار

(نیک کام میں ہر قدم پر ثواب ملنے کا دھیان)

۶۲۱: حدثنا محمد بن عبدالله بن حوشب قال حدثنا عبدالوهاب قال حدثنی حمید عن انس بن مالک قال قال النبی صلے الله علیه وسلم یابنی سلمه الاتحتسبون اثارکم وزادابن ابی مریم قال اخبرنی یحیی بن ایوب قال حدثنی حمید قال حدثنی انس ان بنی سلمة ارادوآ ان یتحولوا عن منازلهم فینزلوا قریباً من النبی صلے الله علیه وسلم قال فکره النبی صلے الله علیه وسلم ان یعروا المدینة فقال الا محتسبون اثارکم قال مجاهد خطاهم اثار المشی فی الارض بارجلهم

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے بنی سلمہ، کیا تم اپنے قدموں (سے چل کر مسجد آنے) میں ثواب نہیں سمجھتے؟ اور ابن ابی مریم نے بواسطہ یحیی کے حضرت انسؓ سے اتنی روایت اور زیادہ کی ہے کہ بنی سلمہ نے چاہا کہ اپنے مکانوں سے اٹھ کی نبی کریم ﷺ کے قریب کہیں قیام کریں تو نبی کریم ﷺ نے اس بات کو برا سمجھا کہ مدینہ کو ویران کر دیں، پس آپ نے فرمایا کہ کیا تم اپنے قدموں (سے چل کر آنے) میں ثواب نہیں سمجھتے، اور مجاہد نے کہا ہے کہ خطاہم کے معنی زمین میں اپنے پیروں سے چلنے کے نشانات ہیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احتساب کا مرتبہ ''علم العلم'' کا ہے یعنی ذہول وغفلت کے مواقع میں حصول ثواب کی نیت وارادہ کیا جائے، چونکہ مسجد میں جانے کے وقت یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس راہ میں چلنے اور قدم اٹھانے پر بھی اجر وثواب ہے، اور عام طور سے آدمی اس کو طاعت وباعث اجر بھی سمجھتا، اس لئے شارع نے تنبیہ کی کہ ایسے امور ثواب میں، ثواب کا استحضار ضرور کیا کرو کہ اس سے اس کی دشواری بھی رفع ہو جاتی ہے اور نیت ثواب سے اجر بھی ڈبل ہو جاتا ہے، ایک ثواب عمل کا دوسرا نیت خیر کا۔ واللہ تعالے اعلم۔

۶۲۲: حدثنا عمر بن حفص قال حدثنآ ابی قال حدثنا الاعمش قال حدثنی ابو صالح عن ابی هریرة قال قال النبی صلے الله علیه وسلم لیس صلوٰة اثقل علی المنافقین من الفجر والعشآء وبویعلمون مافیهما لاتوهما ولوحبواً لقد هممت ان اٰمر المؤذن فیقیم ثم اٰمر رجلاً یؤم الناس ثم اٰخذ شعلاً من نار فاحرق علیٰ من لا یخرج الی الصلوٰة بعد

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ گراں منافقوں پر کوئی نماز نہیں، لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں (کے وقت پر نماز پڑھنے) میں کیا (ثواب ہے تو ضرور ان میں آئیں، اگرچہ انھیں گھٹنوں کے بل (چلنا پڑے) میں نے یہ (پختہ) ارادہ کر لیا تھا، کہ مؤذن کو اذان دینے کا حکم دوں، پھر کسی سے کہوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے، اور میں آگ کے شعلے لے لوں، اور جو لوگ اب تک گھر سے نماز کے لئے نہ نکلے ہوں، ان کے گھروں کو (ان کے سمیت) جلا دوں (لیکن ان کے اہل وعیال کا خیال آنے سے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

تشریح: پوری حدیث کے مضمون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے مکان جلانے کا حضور پر نور ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا، منافق نہ تھے بلکہ مخلص تھے، صرف ان کی سستی کی بناء پر ان کو متنبہ کیا گیا، اور اس عمل کو منافق کا عمل قرار دے کر خوف دلا دیا گیا ہے۔ یہاں امام بخاریؒ نے ترجمہ میں صرف نماز عشا کا ذکر کیا جبکہ حدیث الباب میں نماز فجر وعشا دونوں کی فضیلت نکلتی ہے۔ لہٰذا عشا کی فضیلت بھی فی الجملہ تو ثابت ہو ہی گئی، اور بقول علامہ عینیؒ کے اس قسم کے تسامحات وتجوزات امام بخاریؒ کی کتاب میں بہ کثرت ہیں۔ فلیتنبہ له

باب اثنان ومافوقهما جماعة

(دو یا دو سے زیادہ آدمی جماعت کے حکم میں داخل ہیں)

۶۲۳: حدثنا مسدد قال حدثنا زید بن زریع قال حدثنا خالد عن ابی قلابة عن مالک بن الحویرث عن النبی صلے اللہ علیه وسلم قال اذاحضرت الصلوٰۃ فاذنا واقیما ثم لیؤمکما اکبر کما

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرثؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ دو شخص آپ سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت آجائے تو اذان دینا اور تم دونوں میں جو بڑا ہو وہ تمہارا امام بن جائے۔

تشریح: ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ حدیث ابن ماجہ کو لائے ہیں۔ چونکہ اس کی سند ضعیف ہے اسی لئے اس کے ارشاد نبوی ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

باب من جلس فے المسجد ینتظر الصلوٰۃ وفضل المساجد

(مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے اور مسجدوں کی فضیلت کا بیان)

۶۲۴: حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة ان رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم قال الملٰئکة تصلی علےٰ احدکم مادام فی مصلاہ مالم یحدث اللهم اغفرله اللهم ارحمه الایزال احدکم فی صلوٰۃ ماکانت الصلوٰۃ تحبسه ان ینقلب الیٰ اهلهٖ الا الصلوٰۃ

۶۲۵: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا یحییٰ عن عبیداللہ قال حدثنی خبیب بن عبدالرحمٰن عن حفص بن عاصم عن ابی هریرة عن النبیؐ صلے اللہ علیه وسلم قال سبعة یظلهم اللہ فی ظله یوم لاظل الا ظله الامام العادل وشآب نشأ فی عبادة ربه و رجل قلبه معلق فی المساجد ورجلان تحآبا فی اللہ اجتمعا علیه و تفرقا علیه ورجل طلبته ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق اخفآء حتی لاتعلم شماله ما تنفق یمینه و رجل ذکر اللہ خالیاً ففاضت عیناہ

۶۲۶: حدثنا قتیبة حدثنآ اسمٰعیل بن جعفر عن حمید قال سئل انس هل اتخذرسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم خاتماً فقال نعم اخر لیلة صلوٰۃ العشآء الی شطر اللیل ثم اقبل علینا بوجهه بعد ما صلے فقال صلے الناس و رقدوا ولم تزالوا فی صلوٰۃ منذانتظر تموها قال فکانی انظر الیٰ و بیص خاتمه

ترجمہ ۶۲۴: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص باوضو اپنے مصلے پر (نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے، تو فرشتے استغفار کرتے ہیں (وہ کہتے ہیں) کہ اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ، اس پر رحم کر! اور (سنو) تم میں سے ہر ایک شخص گویا نماز میں ہے، جب تک کہ واپس گھر جانے تک نماز کے علاوہ کوئی دوسرے چیز مسجد میں بیٹھنے کا سبب نہ ہو (یعنی صرف نماز ہی کے لئے بیٹھا رہا ہو)

ترجمہ ۶۲۵: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، سات آدمیوں کو اللہ اپنے سائے میں رکھے گا، جس دن کہ سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا، حاکم عادل، اور وہ نوجوان جو اپنے پروردگار کی عبادت میں (بچپن سے) بڑا ہوا ہو، اور وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا ہو، اور وہ دو شخص جو باہم صرف خدا کے لئے دوستی کریں جب جمع ہوں تو اسی کے لئے، اور جب جدا ہوں تو اسی کے لئے، اور وہ شخص جس کو کوئی منصب اور جمال والی عورت (زنا کے لئے) بلائے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں

(اس لئے نہیں آسکتا) اور وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے، یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا، اور وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں (آنسوؤں سے) تر ہو جائیں۔

ترجمہ ۶۲۶: حضرت انسؓ سے پوچھا گیا، کیا رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی بنائی تھی (یا نہیں؟) انھوں نے کہا کہ ایک رات آپ نے عشاء کی نماز میں نصف شب تک دیر کر دی پھر نماز پڑھنے کے بعد آپ نے اپنا منہ ہماری طرف کیا، اور فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ کر سو رہے (لیکن) تم جب تک انتظار میں رہو گے، گویا نماز ہی میں رہو گے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں، گویا میں (اب بھی) آپ کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احادیث میں انتظار صلوٰۃ دونوں طرح کا ذکر ہوا ہے نماز سے قبل کا بھی اور بعد کا بھی، لیکن دوسرے کا تعامل سلف سے زیادہ ثابت نہیں ہے، **قوله سبعة يظلهم الله** پر فرمایا کہ بعض روایات میں چھ کا ذکر ہے، اس کے لئے مشہور قاعدہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مفہوم عدد معتبر نہیں ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف وحی آئی ہیں اور حضور علیہ السلام نے ان کو اسی طرح بیان فرما دیا۔

قوله و رجلان تحابا في الله پر فرمایا کہ اس کی ایک شرح یہ بھی ہے کہ وہ دونوں ملنے کے وقت پر بھی اور جدا ہونے کے وقت بھی ذکر اللہ کریں۔ اس کی تائید روایت سے بھی ہوتی ہے، لہٰذا باہمی تعلق و محبت تو بطور تمہید ہوئی اور اجتماع و افتراق کے وقت ذکر اللہ مقصود و مطلوب ٹھیرے گا۔ اور اس سے عام طور سے ملنے اور جدا ہونے کے وقت بھی ذکر اللہ کی فضیلت نکلتی ہے۔

باب فضل من خرج الى المسجد و من راح

اس شخص کی فضیلت کا بیان جو صبح و شام کے وقت مسجد جائے

۶۲۷: حدثنا علی بن عبدالله قال حدثنا یزید بن هارون قال اخبرنا محمد بن مطرف عن زید بن اسلم عن عطآء بن یسار عن ابی هریرة عن النبی صلے الله علیه وسلم قال من غدآ الی المسجد اوراح اعدالله له نزله من الجنة کلما غدا اوراح

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جو شخص صبح و شام (دونوں وقت) مسجد جائے، اللہ تعالے اس کے لئے جنت سے اس کی (اسی قدر) مہمانی مہیا کرے گا، جس قدر وہ گیا ہو گا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں متن بخاری میں **من خرج** ہے اور حاشیہ میں دوسرا نسخہ ہے "**من غدا**" اور وہی اولی ہے۔ حاصل حدیث کا یہ ہے کہ مساجد خدا کے گھر ہیں، لہٰذا جو بھی اور جتنی بار بھی ان گھروں کی حاضری دے گا، اللہ تعالیٰ بحیثیت میزبان کے اس کے لئے اتنی ہی مہمانی و ضیافت جنت سے مہیا کرے گا، اور جس طرح ہر شخص اپنے مہمان کے لئے ضیافت کا اہتمام کیا کرتا ہے۔ صبح و شام اور ہر نماز و حاضری کے وقت حق تعالیٰ بھی اس کا اہتمام فرماتے ہیں۔۔۔۔ **سبحانه ما اعظم شانه و فضله**

باب اذا اقیمت الصلوٰۃ الاالمکتوبة

جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو سوائے فرض نماز کے اور کوئی نماز نہیں

۶۲۸: حدثنا عبدالعزیز بن عبدالله قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابیه عن حفص بن عاصم عن عبدالله بن مالک بن بحینة قال مرالنبی صلے الله علیه وسلم برجدح قال وحدثنی عبدالرحمٰن قال حدثنا بهزبن اسد قال حدثنا شعبة قال اخبرنی سعد بن ابراھیم قال سمعت حفص بن عاصم قال سمعت رجلاً من الازدیقال له' مالک بن بحینة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رای رجلاً وقد اقیمت الصلوٰۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول الله صلی الله علیه وسلم لاث به الناس فقال له' رسول الله صلے الله علیه وسلم الصبح اربعا الصبح اربعاً تابعه' غندرومعاذ عن شعبة فی مالک وقال ابن اسحاق عن سعد عن عبدالله بن بحینة وقال حماد اخبرنا سعد عن حفص عن مالک

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ایک شخص کو دو رکعت نماز پڑھتے دیکھا حالانکہ نماز کی اقامت ہو چکی تھی، تو رسول خدا ﷺ نے اس سے فرمایا کہ صبح کی چار رکعتیں ہیں؟ کیا صبح کی چار رکعتیں ہیں؟

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ایک گروہ اہل ظاہر کا حدیث الباب کے ظاہر پر ہی عمل کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر جماعت شروع ہوگئی تو جو شخص اس وقت کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو وہ باطل ہوگئی، حالانکہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے، اور وہ سب یہی کہتے ہیں کہ نماز پوری کرلے اور قطع نہ کرے۔ پھر امام شافعی کا قول جدید یہ ہوا کہ جب صبح کی نماز جماعت شروع ہو جائے تو کوئی نماز نہ پڑھی جائے نہ صبح کی سنتیں نہ کوئی اور نہ مسجد کے اندر نہ باہر۔قدیم قول ان کا بھی حنفیہ کی طرح تھا۔اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔بجز اس کے کہ وہ داخل مسجد و خارج کا فرق کرتے ہیں۔یعنی اگر دونوں رکعت فرض جماعت سے مل جانے کی امید ہوتو مسجد سے باہر پڑھ لے، ورنہ نہیں۔ابن العربی نے ''الاقتراب'' میں کہا کہ قعدہ اخیرہ ملنے کی توقع ہو تب بھی پڑھ لے، لیکن یہ قول ان کی عام کتب کے خلاف ہے۔امام ابوحنیفہ کا مذہب میرے نزدیک جامع صغیر اور بدائع سے یہ محقق ہوا کہ مسجد سے باہر پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ ایک رکعت جماعت فرض کی پا سکے۔صاحب ہدایہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور دوسرے علماء شافعیہ میں سے قسطلانی نے اور ابن رشد و باجی نے مالکیہ میں سے اسی کو اختیار کیا ہے۔داخل مسجد کے جواز میں ان سے کوئی روایت نہیں ہے۔ پھر امام محمد نے آکر اس میں توسع کیا کہ ادراک قعدہ تک بھی سنتوں کی اجازت دی، اور ہمارے مشائخ حنفیہ نے مزید توسع کیا کہ مسجد میں بھی اجازت دے دی، اور غالبا سب سے پہلے امام طحاوی نے ایسا کیا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں اجازت دی۔ان دونوں کے فصل کی صورت میں۔اس طرح گویا صاحب مذہب (امام اعظمؒ) کی ایک شرط کو تو امام محمدؒ نے ختم کیا اور دوسری امام طحاوی وغیرہ کی توسیع سے ختم ہوگئی۔لیکن میں تو امام اعظمؒ ہی کے مذہب پر عمل کرتا ہوں، اور اسی پر علما فتوے بھی دیتے رہے ہیں تاہم میں مسجد کے اندر پڑھنے والے سے بھی نزاع نہیں کرتا اور سوچ لیتا ہوں شاید کہ اس نے امام محمد و طحاوی کے قول پر عمل کیا ہو۔

بحث ونظر: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کا استدلال حدیث ترجمۃ الباب کے عموم سے ہے کہ اس میں اقامت کے بعد دوسری نماز سے مطلقا روک دیا گیا ہے، خواہ وہ مسجد میں ہو یا باہر، لہٰذا صبح کی دو رکعات سنت کا جواز باقی نہیں رہا، امام طحاویؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ترجمہ والی حدیث موقوف ہے، مرفوع نہیں ہے، جیسا کہ خود امام بخاریؒ کے طریقہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ترجمۃ الباب میں باب قول

النبی ﷺ اذا اقیمت الصلوۃ الخ نہیں لکھا، ورنہ وہ حسب عادت اسی طرح تعبیر کرتے۔ اگرچہ انھوں نے اپنے رسالہ قراءت[1] خلف الامام ص۵ (مطبع علیمی دہلی) میں اس کو مرفوعاً ہی ذکر کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ خارج میں ان کے طریق استدلال میں توسع ہوتا ہے جبکہ صحیح بخاری کے اندر وہ مضبوط و مستحکم رویہ اختیار کرتے ہیں۔

امام بخاری کے بدیہی البطلان دعاوی:

امام بخاری صحیح کے علاوہ دوسرے تالیفات میں تو بعض اوقات ایسی بات بھی لکھ دیتے ہیں جو بدیہی البطلان ہوتی ہے۔ مثلاً رسالہ رفع الیدین ص۱۷ (مطبع محمدی لاہور) میں دعویٰ کیا کہ کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا، اسی طرح رسالہ قراءت ص۱۷ میں یہ دعویٰ کیا کہ صحابہ قائلین قراءۃ خلف الامام کا مسلک یہ تھا کہ رکوع پالینے سے رکعت نہیں ملتی۔ حالانکہ یہ دعاوی نا قابل قبول ہیں، جیسا کہ میں نے ان کو اپنے رسائل نیل الفرقدین اور فصل الخطاب میں مفصل لکھ دیا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام بخاری نے اول تو ادراک رکعۃ بادراک الرکوع کے مسئلہ کو قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے ساتھ بے جوڑ لگا دیا ہے، پھر خود ہی غیر قائلین صحابہ کے نام زیادہ گنائے ہیں، اور قائلین میں صرف حضرت ابو ہریرہؓ کا ذکر کیا ہے اور ذہن کو مسئلہ قراءت کی طرف گھمانے کے لئے ان کا ارشاد "اقرأ بہا فی نفسک" لائے ہیں، جبکہ ساتھ ہی ان کا ارشاد **حتی تدرک الامام قائما** بھی ذکر کیا، جس سے صاف واضح ہے کہ ان کا مسلک دوسرے صحابہ سے الگ صرف ادراک الامام قائماً کے لئے تھا، یعنی **انحناء الامام للرکوع** سے ایک سیکنڈ قبل بھی اگر مقتدی نے امام کے ساتھ شرکت کر لی تو رکعت پالی، اس میں یہ کہاں ہے کہ قبل الانحناء فاتحہ بھی پڑھ لے تب مدرک رکعت ہوگا؟

علامہ نوویؒ نے المجموع ص۲۱۵/۴ میں لکھا کہ مسئلہ ادراک رکعت بادراک الرکوع ہی صحیح و صواب ہے، جس کی تصریح امام شافعیؒ نے بھی کی ہے اور جماہیر اصحاب و جماہیر علماء امت اسی کے قائل ہیں اور احادیث نبویہ سے بھی یہی ثابت ہے بلکہ سب ہی لوگوں کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے، صرف صبغی (تلمیذ ابن خزیمہ) نے ان کی مخالفت کی ہے اور تقی الدین سبکی نے اس کی تائید کی ہے۔ الخ علامہ شوکانی بھی اس کے قائل ہوئے ہیں مگر پھر انھوں نے اپنے فتاویٰ میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔ (معارف السنن ص۲/۳۴۶)

حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد معارف السنن ص۲۸۰/۳ میں اور العرف الشذی ص۱۵۳ میں ہے کہ امام بخاریؒ نے جو عدم ادراک رکعۃ بادراک الرکوع کا مسئلہ اختیار کیا ہے اور اس بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی اپنے موافق دکھلایا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ موطأ امام مالک میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کے خلاف موجود ہے، جس میں ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس کو رکعت مل گئی اس کو سجدہ بھی مل گیا، اور قراءت فاتحہ فوت ہو جانے کی وجہ سے وہ خیر کثیر سے محروم ہوا، اور دوسرے آثار سے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کا مسلک یہی ثابت ہوا کہ وہ امام کی انحنا للرکوع سے قبل نماز میں مل جانے کو ادراک رکعت مانتے تھے، اور فاتحہ پانے کو واجب نہ قرار دیتے تھے، لہٰذا امام بخاری کا مسلک مذکورہ رسالہ قراءۃ خلف الامام نہ سلف کے موافق ہے نہ علماء مذاہب اربعہ سے مطابق ہے۔ اور صحابہ و تابعین و من بعد ہم سب کے خلاف ہے، اور امام بخاری کے بعد اس کو صرف ابوبکر صبغی وغیرہ ایک دو نے اختیار کیا ہے۔ اوجز المسالک ص۱۹/۱ میں بھی ایسی ہی تحقیق درج ہے دیکھ لی جائے۔

بخاری کی حدیث الباب میں دو غلطیاں

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا:۔ امام بخاری اپنی صحیح میں تو کف لسان کرتے ہیں، لیکن باہر خوب تیز لسانی کرتے

---

[1] فیض الباری ص۱۹۸/۲ میں بھی حضرتؒ کے یہی ارشادات درج ہیں البتہ رسالہ قراءت خلف الامام کی جگہ ضبط کی غلطی اور سبقت قلم سے جزء رفع الیدین لکھ دیا ہے۔ صاحب فیض اگر مراجعت کتب کا التزام کرتے تو ایسی اغلاط حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب نہ ہوتیں (مؤلف)

ہیں یہ کیا چیز ہے؟ دیکھوان کی تالیف جزء القراءۃ اور جزء رفع الیدین، پھر فرمایا کہ امام بخاری نے حدیث الباب کی روایت مالک بن بحینہ سے کی ہے حالانکہ وہ تو مسلمان بھی نہ ہوا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ روایت ان کے صاحبزادے عبداللہ نے کی ہے، جو صحابی تھے، دوسری غلطی یہ ہے کہ بحینہ کو مالک کی ماں ذکر کیا گیا، جبکہ وہ مالک کی بیوی اور عبداللہ کی ماں ہے۔

تحقیق مزید: حضرتؒ نے فرمایا:۔ میری تحقیق یہ ہے کہ بعض احادیث بطور اصول مسلمہ شائع ہوگئی تھیں۔ اور اسی لئے ان کی سندیں نہیں ملتی تھیں، حدیث الباب "اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ" بھی غالباً اسی قبیل سے ہوگی، اور من کان لہ امام بھی اسی طرح کی ہوگی، نیز نہی عن البتیراء بھی جو حنفیہ پیش کرتے ہیں، پھر فرمایا ممکن ہے میرا یہ اصول بعض جگہ حنفیہ کو مضر بھی ہوگا۔

عزم ہجرت اور قیام دیوبند: حضرتؒ نے ضمناً فرمایا کہ میں بارادہ ہجرت وطن (کشمیر) چھوڑ کر آیا تھا، دیوبند ۱۸ سال رہا چھ سال تک مدرسہ سے کوئی وظیفہ یا تنخواہ نہیں لی، پھر نکاح ہوا تو ضرورتیں بڑھیں اور تنخواہ لی۔ شروع میں علم دین کی تحصیل کا جذبہ صرف اپنے بزرگوں کا اتباع تھا، نہ دنیا پیش نظر تھی، نہ دین کی خدمت کا ہی خالص جذبہ تھا۔

شان فنافی العلم: ہم نے علامہ کوثری اور حضرت شاہ صاحبؒ دو عالم ایسے دیکھے جن کی شان صحیح معنی میں فنافی العلم کی تھی، اور خدا نے ان دونوں کو فہم صحیح، وقت نظر اور حافظہ بھی بے نظیر عطا فرمایا تھا ہزار ہا مسائل مشکلہ کی تحقیق اس طرح کی کہ باید وشاید۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کی اشاعت اتنی بھی نہ ہوسکی جتنی علامہ کوثری کی ہوئی۔ اور یہ بہت بڑی کوتاہی ارباب اہتمام دارالعلوم دیوبند کی تھی کہ حضرتؒ سے تحقیقی وتالیفی کام نہ لئے گئے، اور صرف درس پر اکتفا کی گئی، یہ بھی ضروری تھا کہ حضرتؒ کو مصر، شام اور ترکی کے اسفار کرائے جاتے اور حضرتؒ وہاں طویل طویل قیام کر کے افادہ واستفادہ فرماتے۔ حضرتؒ کے رشتہ زواج کے لئے بھی کسی علمی گھرانہ کا انتخاب کیا جاتا کہ اس خاندان کے لوگ آپ کے علم وفضل کے صحیح قدر دان ہوتے اور آپ کے علمی افادات اور قلمی دستاویزات کی حفاظت کرتے، جس سے رہتی دنیا تک ان سے استفادہ ممکن ہوتا۔

اس کے برعکس یہ ہوا کہ پہلے حضرتؒ کی ذاتی کتابوں کو وفات کے بعد ہی فروخت کر دیا گیا جن پر حضرتؒ کے قلم سے نہایت گرانقدر حواشی تھے، پھر قلمی یادداشتوں کا بے بہا ذخیرہ، جو بقول حضرتؒ ہی تین بکسوں میں محفوظ تھا، اس سے غفلت برتی گئی جس سے وہ سب دیمک کی نظر ہو گیا۔ جبکہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ ایسے جامع معقول ومنقول کا فیصلہ یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک جملہ سے ایک ایک رسالہ تالیف ہوسکتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے استاذ حدیث اور شیخ الاساتذہ دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہندؒ حضرت شاہ صاحب کے علوم وکمالات ووسعت مطالعہ کے نہ صرف معترف تھے بلکہ بیسیوں مسائل مشکلہ حدیث وتفسیر وفقہ وغیرہ میں آپ سے رجوع واستفادہ کرتے تھے۔ یہ بھی حضرت تھانویؒ کا ارشاد تھا کہ حقانیت اسلام کی ایک دلیل حضرت شاہ صاحبؒ کا وجود بھی ہے، اگر اس میں کچھ بھی کجی ہوتی تو حضرتؒ اس کی نشان دہی ضرور فرماتے۔ غالباً یہ ریمارک حضرت تھانویؒ نے شاہ صاحبؒ کے حالات دور اختلاف کے پیش نظر کیا ہوگا۔ کہ علیحدگی کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی شان گرانے کے لئے جن بے حقیقت الزامات واتہامات سے نوازا گیا، اور حضرتؒ نے ان کے مقابلہ میں کوہ استقامت ہونے کا ثبوت دیا، وہ یقیناً ایک نہایت ہی سلیم الفطرت اور فرشتہ صفت انسان ہی سے ممکن تھا، اور اگر حضرتؒ کے اندر ادنی کجی بھی ہوتی، تو سلامت روی وخلق نبوی کا ایسا اعلی کردار آپ سے ظاہر نہ ہوتا۔ واضح ہو کہ زمانہ اختلاف میں حضرت تھانویؒ حزب اہتمام کے ساتھ رہے ہیں، پھر آپ نے سرپرستی دارالعلوم سے استعفیٰ دے دیا تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کے پہلے سے بھی زیادہ مداحین اولین میں شامل ہو گئے تھے،

امام بخاری اور رفع یدین پر دعوائے اتفاق صحابہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے نیل الفرقدین ص ۸۷ میں لکھا:۔ امام بخاری کے دعوے مذکور کے خلاف خود ان کے تلمیذ و خلیفہ امام ترمذیؒ نے فیصلہ دیا ہے، انھوں نے لکھا کہ ترک رفع کے قائل بہت سے صحابہ و تابعین تھے، اور ہمارے نزدیک ترک رفع حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود، ابو ہریرہ ابن عمر، براء بن عازب اور کعب ابن عجرہ سے ثابت ہے اور تابعین میں سے اصحاب علی وابن مسعودؓ، جماہیر اہل کوفہ، بہت سے اہل مدینہ اور دوسرے اہل بلاد سے بھی ثابت ہے۔ پھر حضرتؒ نے ابن حزم اور ابن قیم کی غلطیوں کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ حضرتؒ کے دونوں رسالوں فصل الخطاب اور نیل الفرقدین مع حاشیہ کا مطالعہ ہر عالم مشتغل بالحدیث کو ضرور کرنا چاہئے۔

تحقیق مزید: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حدیث نبوی "**اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ**" کا منشاو مقصد اقامت صلوٰۃ کے بعد دوسرے کسی نماز کی ممانعت مسجد کے اندر ہے، اسی لئے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب جواز فی الخارج کا ہے، کہ نظر شارع میں داخل مسجد و خارج کے احکام الگ الگ ہیں۔ (دیکھو فیض الباری ص ۲/۲۰۲)

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اقامت کے بعد کوئی دوسری نماز نہ مسجد کے اندر پڑھ سکتا ہے نہ باہر۔ حالانکہ راوی حدیث حضرت ابن عمرؓ کا فتویٰ موطأ امام مالک میں ہے اور دوسرے راوی حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ معانی الآثار طحاوی میں ہے کہ صبح کی دو رکعت خارج مسجد پڑھی جائیں اگر چہ امام نے نماز فرض شروع کر دی ہو۔ پھر یہاں ایک حدیث صحیح ابن خزیمہ کی بھی ہے جو عمدۃ القاری ص ۲/۱۱۷ میں نقل ہوئی کہ حضور علیہ السلام اقامت نماز کے وقت نکلے تو لوگوں کو دیکھا کہ جلدی جلدی دو رکعت پڑھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کیا دو نمازیں ایک ساتھ؟ پھر آپ نے ممانعت فرمائی کہ اقامت ہو جائے تو مسجد میں دوسری نماز نہ پڑھی جائے۔

اگر اس حدیث کی نقل صحیح ہے تو اس سے واضح فیصلہ مل جاتا ہے کہ ممانعت صرف مسجد کے اندر کی ہے اور یہ چونکہ خاص طور سے صبح کی سنتوں کا واقعہ ہے تو اس بات کا بھی جواب ہو جائے گا کہ کچھ حدیثوں میں عام نمازوں کے وقت کی ممانعت آئی ہے بلکہ کسی میں فجر کو بھی ممانعت کے تحت داخل کیا گیا ہے۔ لیکن وہ احادیث ضعیف ہیں۔

لہٰذا صحیح ابن خزیمہ کی حدیث صحیح کو ترجیح ہوگی۔ مگر مجھے تردد ہے کہ کہیں حافظ عینیؒ نے یہ حوالہ سبقت قلم سے نہ دے دیا ہو، کیونکہ بہت ہی زود قلم تھے۔ ساری قدوری کو ایک دن میں نقل کر لیا تھا، لوگوں کو ان کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی، اور بعض مرتبہ خود بھی اپنی تحریر وقت سے پڑھتے تھے، دوسرے اس سے شبہ ہوا کہ حافظ نے یہاں[1] ابن خزیمہ کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ تاریخ بخاری و مسند بزار وغیرہ کا دیا ہے۔ جس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے۔ (فتح ص ۲/۱۰۲)

حضرتؒ نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ "عینی کے حوالہ مذکورہ کی تصحیح و تحقیق بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ صحیح ابن خزیمہ کا قلمی نسخہ بھی دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے، البتہ سنا ہے کہ جرمن کے کتب خانہ میں ایک تہائی حصہ ہے، اس پر حافظ کے دستخط ہیں اور حافظ کے ہاتھ میں بھی اس سے زیادہ نہیں تھی۔

صحیح ابن خزیمہ شائع ہوگئی

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ حضرتؒ کے کلمات مذکورہ درس بخاری شریف مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۳۲ء کے ہیں، میری درسی بیاض ص ۹۵۷ میں

---

[1] عجیب بات ہے کہ حافظ نے فتح الباری میں تاریخ بخاری و مسند بزار کے حوالہ سے محمد بن عمار اور ابن ابی نمر ہی کی روایت کا ذکر کیا ہے، اور ممکن ہے وغیرہما میں صحیح ابن خزیمہ بھی مضمر ہو، اور ان کے پاس وہ موجود بھی تھی، اور عمدۃ القاری میں بھی اس کا حوالہ دیکھا ہوگا، پھر بھی اس کے حوالہ کی صراحت نہیں کی، کہیں ایسا تو نہیں کہ فی المسجد کی قید سامنے سے ہٹائی تھی، تاکہ شافعیہ کے مقابلہ میں حنفیہ کو فائدہ نہ پہنچ جائے، کیونکہ ایسا تو وہ فتح الباری میں کیا ہی کرتے ہیں کہ حنفیہ کے فائدہ کی حدیث مقام بحث سے ہٹا کر دوسرے مقام میں ذکر کر دیتے ہیں۔ کما اشار الیہ العلامۃ الکشمیریؒ. واللہ تعالی اعلم۔

درج اوراس طرح یاد بھی جیسے اب سن رہا ہوں، خدا کی شان کریمی ورحیمی کے قربان جایئے کہ جن کتابوں کے لئے ہمارے اکابر زیارت کو ترستے تھے، وہ آج ہمارے سامنے طبع ہو کر آ گئی ہیں، اگر چہ اس امر کا انتہائی رنج وملال بھی ہے کہ اب ان کتابوں کی قدر کرنے والے تو کیا مطالعہ کرنے والے بھی نہیں ہیں، صحیح بخاری شریف کے درس اور ختم بڑے اہتمام وشان سے بہ کثرت مدارس میں ہونے لگے مگر اس کے درس کا حق ادا کرنے والا ہزار میں ایک بھی مشکل سے ہوگا، فن رجال کا علم تو جیسے بالکل ہی ختم ہو گیا جو حدیث کا نصف علم ہے۔ ہمارے دور کے علماء میں سے بہت سے علماء کی حدیثی تالیفات سامنے ہیں، بجز علامہ کوثری اور علامہ کشمیریؒ کے کس کی تالیفات میں رجالی ابحاث کا حق ادا کیا گیا ہے؟ فیاللعجب ویاللا سف!!

ہمارے ایک متشدد بزرگ مولانا عبداللہ خاں صاحب کرتپوری (تلمیذ رشید علامہ کشمیریؒ) کی رائے تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ مدارس عربیہ کے شیوخ حدیث فن رجال حدیث سے بے بہرہ اور تحقیق ووسعت مطالعہ سے محروم ہیں تو ان کے درس بخاری سے بجائے فروغ حنفیت کے سلفیت وغیر مقلدیت ہی کو عروج وترقی ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بات شاید دور جارہی ہے مگر خیال تو فرمایئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر درس بخاری شریف میں تحقیق کا دریا بہاتے بہاتے کہاں تک جاتی تھی، صحیح ابن خزیمہ ہی ہمیشہ نوادر عالم میں سے رہی، تحقیق کا ستارا کس قدر دور دراز آسمان سے توڑ کر لانے کی سعی کی جارہی ہے، تا کہ حضور علیہ السلام کی ایک صحیح وقوی تر سنت کی نشان دہی کر دینے میں کوئی بھی کور کیر اپنی طرف سے اٹھا کر نہ رکھ دی جائے، خوب ہی فرمایا تھا شیخ السنہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کہ "یہ کیا بار بار کہا کرتے ہو کہ ابوحنیفہ نے یہ رائے دی، وہ رائے دی' ہر گز نہیں، وہ ان کی رائے نہیں ہے بلکہ وہ جتنے فیصلے دے چکے ہیں وہ سب بالکل معنی الکلمہ معانی حدیث نبوی ہیں" پہلے بھی کہیں لکھا تھا اور اب پھر یاد دلا دوں کہ یہ شیخ السنہ وہ بلند ترین اور مایہ ناز ہستی تھے، جن کو امام بخاریؒ نے اعلمِ اہل زمانہ کا لقب دیا تھا، اگر چہ امام موصوف ہی نے نہ معلوم کس حال سے مغلوب ہو کر یہ بھی کہہ دیا تھا کہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مبارک ایسے اعلم اہلِ زمانہ کو چھوڑ کر جاہلوں کی تقلید کر لی، یہ اشارہ جس ذاتِ اقدس کی طرف گیا، پہلے بتلا چکا ہوں، اس وقت دہرا کر اپنی اور دوسروں کی اذیتِ قلب کا باعث بننا نہیں چاہتا۔

مرادردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد　　دگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوزد

اب تصحیح حوالہ کی بات بھی سن لیجئے! مطبوعہ صحیح ابن خزیمہ کے ص ۱۷۰/۲ میں حدیث نمبر ۱۱۲۶ بروایت محمد بن عمار انصاری عن شریک بن عبد اللّٰہ۔ وھو ابن ابی نمر. عن انسؓ قال خرج النبی ﷺ حین اقیمت الصلوۃ، فرأی ناساً یصلون رکعتین بالعجلۃ، فقال:. "اصلاتان معاً؟ فنھی ان یصلی فی المسجد اذا اقیمت الصلاۃ.

اس کے حاشیہ میں لکھا گیا کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ اور دوسرے محشی ناصر الدین البانی نے لکھا کہ ابن ابی ضر رجالِ شیخین میں سے ہیں، لیکن حافظ نے کہا:۔ صدوق یخطی (سچے ہیں، کبھی خطا بھی کرتے ہیں)۔

اس سے قبل حدیث نمبر ۱۱۲۴ میں سنتِ فجر بعد اقامت کی ہے، اس کے بارے میں ناصر صاحب نے حاشیہ دیا کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، صالح بن رستم ابو عامر خزاز کثیر الخطاء ہے (یعنی بہ کثرت خطا کرتا ہے، دوسرے یہ کہ حدیث نمبر ۱۱۲۴ و نمبر ۱۱۲۵ میں مسجد کے اندر کا واقعہ ہے، جو بحث سے خارج ہے۔ لہٰذا خارج کا جواز فی المسجد کی قید سے بخوبی ثابت ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی احادیث مذکورہ پر باب کا عنوان اس طرح ہے:۔ "باب النھی عن ان یصلی رکعتی الفجر بعد الاقامۃ، ضد قول من زعم انھما تصلیان والامام یصلی الفریضۃ" خیال کیا جائے کہ حدیث نمبر ۱۱۲۶ میں فی المسجد کی قید امام شافعیؒ کے قول کی ضد ہے، یا امام ابوحنیفہؒ کی۔ پھر خود ممانعت کے راوی حضرت ابن عمرؓ نے بھی تو ممانعت کو مسجد ہی کے ساتھ مخصوص سمجھا تھا، اسی لئے وہ مسجد میں تو دوسروں کو روکتے تھے مگر خود عمل یہ تھا کہ جب کبھی اقامت سن لیتے تھے تو صبح کی سنتیں اپنی بہن

حضرت حفصہ کے گھر پڑھ کر مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے، (فتح الباری ص ۲\۱۲۶) ایسا ہی علامہ بھکلی نے شرح نسائی میں لکھا ہے، اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت بھی نقل کی ہے کہ "**لا صلوٰۃ فی المسجد اذا اقیمت الصلوٰۃ**" حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شرح نسائی کا نسخہ راندیر میں موجود ہے، اور غالباً کہیں اور موجود نہیں ہے۔ نیز فرمایا میرا گمان ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ مزید تفصیل معارف السنن ص ۷۱\۸۸ جلد رابع میں دیکھی جائے۔

صحیح ابن خزیمہ کا مرتبہ

فاضلِ محترم دکتور محمد مصطفےٰ الاعظمی عم فیضہم دنیائے اسلام کے عموماً اور اہلِ علم کے خصوصاً عظیم شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ترکی کا سفر کر کے استنبول (مکتبہ احمد الثالث) سے مخطوطہ صحیح ابن خزیمہ کا فوٹو حاصل کیا۔ اس مخطوطہ کے ۳۰۱ ورق ہیں اور ایک صفحہ کی ۲۵ سے ۳۱ تک سطریں ہیں۔ اعظمی صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ مطبوعہ دو جلدوں میں مخطوطہ کا کتنا مواد آ گیا ہے اور باقی حصہ مزید کتنی جلدوں میں آ سکے گا۔ آپ نے لکھا کہ اس مخطوطہ کے علاوہ اب تک کسی دوسرے نسخہ کا علم نہیں ہو سکا ہے اور شاید یورپ میں بھی اس کا وجود کہیں نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ مخطوطہ کے پہلے ورق پر اس کا نام "صحیح ابن خزیمہ" لکھا ہوا ہے، لیکن کتاب کے شروع میں نام "**مختصر المختصر من المسند الصحیح**" درج ہے۔ اور یہ بات شبہ میں ڈالتی ہے۔ الخ مقدمہ ص ۲۵

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس مخطوطہ کے نام تو دونوں ہی ہوں گے، اور اسی لئے ہمیشہ لوگوں کو اشتباہ بھی رہا ہوگا، اور شاید یورپ (جرمن وغیرہ) کے نسخوں پر بھی نام کے اشتباہ کی وجہ سے یقین نہ ہوا ہوگا، جس طرح استنبول کا نسخہ بھی لوگوں کی نظر سے اوجھل رہا ہے، اور بقول ڈاکٹر صاحب کے صرف ان کو دریافت ہوا۔

محترم اعظمی صاحب نے اپنے مقدمہ میں محقق نصب الرایہ کا شکوہ کیا ہے کہ انہوں نے صحیح ابن خزیمہ کو بخاری، مسلم، ابوداؤد و نسائی سے کم مرتبہ بتلایا ہے، اور فتح المغیث کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ کتاب ابن خزیمہ میں ایسی بھی احادیث ہیں، جن کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا حالانکہ ان کا درجہ حسن سے زیادہ نہیں ہے۔ اعظمی صاحب نے لکھا کہ اس قول کی تقیید کی ضرورت نہیں، کیونکہ خود کتاب ہی اس کی تردید کے لئے کافی ہے۔ (ص ۲۱) لیکن ص ۲۲ میں عماد بن کثیر کا ریمارک خود بھی نقل کیا اور فتح المغیث کا نقد مذکور بھی احمد شاکر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، پھر لکھا۔ "میں کہتا ہوں کہ صحیح ابن خزیمہ، صحیحین (بخاری و مسلم) جیسی نہیں ہے کہ یہ کہہ دینا ممکن ہو کہ جو احادیث اس میں ہیں وہ سب صحیح ہیں، بلکہ اس میں وہ بھی ہیں جو درجۂ صحیح سے کم درجہ کی اور صحیح ابن خزیمہ صرف صحیح و حسن احادیث پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں اگرچہ وہ بہت کم ہیں بہ نسبت صحیح و حسن کے۔ اور واہی یا شدید ضعف والی احادیث تو ملیں گی ہی نہیں الا نادراً، جیسا کہ تعلیقات سے واضح ہو جائے گا، ہم نہیں سمجھ سکے کہ محققِ نصب الرایہ کی بات اتنی بری کیوں لگی تھی کہ اس کو خاص طور سے ہدفِ ملامت بنایا گیا، جبکہ اس نے ضعیف، واہی اور شدید الضعف احادیث کا وجود تو نادراً بھی نہیں بتلایا تھا۔

کتاب التوحید لابن خزیمہ کا ذکر

صحیح مذکور سے قبل محدث ابن خزیمہ کی کتاب التوحید شائع ہو چکی ہے، جس پر پہلے امام رازی وغیرہ نے نقدِ شدید کیا تھا۔ اور اب اشاعت کے بعد علامہ کوثری وغیرہ نے تفصیلی نقد کیا ہے، ملاحظہ ہو مقالاتِ کوثری وغیرہ۔

تکملہ: صحیح ابن خزیمہ سے متعلق جبکہ وہ اب شائع ہو گئی ہے، اتنی بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ وہ تصحیحِ حدیث کے بارے میں متساہل ہیں، اور انہوں نے اپنی صحیح میں زیادہ تر وہی احادیث و آثار جمع کئے ہیں، جو ان کی فقہی رائے کے مطابق تھے، مثلاً ص ۲\۱۹۲ میں کئی سطر کا

عنوان قائم کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی کہ فرضِ صبح کی ایک رکعت اگر طلوعِ شمس سے قبل پڑھ لی جائے اور دوسری طلوع کی حالت میں تو نماز صحیح ادا ہوگئی۔ اور اس کے خلاف رائے والوں کو جاہل قرار دیا، پھر اسی کے لئے ایک حدیث پیش کر دی، دوسرے حضرات کا متدل ذکر نہیں کیا۔ ہم اس کی پوری بحث پہلے لکھ چکے ہیں۔ یا ص ۱\۲۹۴ میں رفعِ یدین للرکوع وبعد الرکوع کا باب قائم کیا اور دو حدیث ذکر کیں۔ پھر دوسرا باب امرِ نبوی للرفع عند الرکوع وبعدہ قائم کیا اور اس کو بھی حضور علیہ السلام کے ایک مجمل و عام حکم سے ثابت کیا، دوسری طرف کے دلائل کے لئے دوسرے محدثین کی طرح نہ باب قائم کیا نہ ان کی احادیث پیش کیں۔ برخلاف اس کے مصنف ابن ابی شیبہ کو دیکھئے کہ ص ۱\۲۳۴ میں ایک باب رفعِ یدین کے لئے قائم کیا اور احادیث و آثار دونوں ذکر کئے، پھر ص ۱\۲۳۶ میں باب **رفع الیدین فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود** کا قائم کر کے اس کے لئے بھی احادیث نبوی و آثارِ صحابہ کا ڈھیر لگا دیا۔ اسی لئے اس مسئلہ کو محدث ابن ابی شیبہ نے ان مسائل میں بھی داخل نہیں کیا، جن میں حنفیہ کو مخالفتِ حدیث کا الزام دیا ہے اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کو غلط فہمی ہوئی اور بیشتر مسائل میں انہوں نے حنفیہ کا مسلک ہی غلط سمجھا اور بہت سے مسائل کے دلائل بھی ان کے سامنے نہ آسکے تھے، وغیرہ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور علامہ کوثری کا رد بھی اس بارے میں قولِ فیصل کا درجہ رکھتا ہے، تاہم یہ بھی ضرورت ذہن میں رکھا جائے کہ انہوں نے تیز لسانی یا سخت الفاظ کا استعمال نہیں کیا ہے، جبکہ بقول علامہ کوثری کے ان ہی کے مسائل کو بنیاد بنا کر اور ابن حزم کی محلی وغیرہ کو سامنے رکھ کر علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں حنفیہ کے خلاف پروپیگنڈے کا طویل و عریض سلسلہ قائم کیا، اور حنفیہ وغیر مقلدینِ زمانہ کو باہم لڑانے کا نہایت خطرناک مواد چھوڑ گئے، جبکہ ان کے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ نے فقہِ حنفی کی تائید و تعظیم میں بہت زیادہ لکھا تھا اور اسی کو میں نے ''دو بڑوں کا فرق'' عنوان دے کر پہلے کچھ لکھا تھا۔

کتاب التوحید لابن خزیمہ سے متعلق بھی اتنی بات اور لکھنی ہے کہ حدیث وضع السموات علی اصبع میں قولِ یہود پر جو حضور علیہ السلام کے ضحک کو بعض حضرات نے تائید و تقریر پر محمول کیا ہے، اس کا حافظ ابن حجرؒ نے بھی شرح بخاری میں رد کیا ہے، اور وہاں ابن خزیمہ کی بھی غلطی بتلائی ہے، اور اس کتاب کو محققین نے بابِ عقائد میں نا قابلِ اعتماد کتب میں سے شمار کیا ہے، امام رازی نے بھی آیت **لیس کمثلہ شیء** کے تحت اس کا رد وافر کیا ہے۔ (السیف الصقیل ص ۵۱)

السیف ص ۱۰۸ میں یہ بھی ہے کہ محدث ابن خزیمہ باوجود وسعتِ علم فقہ و حدیث کے علم اصول الدین (عقائد) سے ناواقف تھے، اور اس امر کا اعتراف خود بھی انہوں نے کیا ہے (کما فی الاسماء والصفات بیہقی ص ۲۰۰) اور امام رازی نے تو ان کی کتاب التوحید کو کتاب الشرک تک کہہ دیا ہے، پھر ص ۱۰۹ میں لکھا کہ وہ اگر کسی امر میں صواب اختیار کرتے ہیں تو معتقدات میں کتنی ہی بار غلطی بھی کرتے ہیں اسی لئے ان کی کتاب التوحید کا رد لکھنے کی ضرورت ہے۔ اور جن ابن خزیمہ سے امام طحاوی نے روایت کی ہے وہ صاحبِ کتاب التوحید نہیں بلکہ دوسرے ہیں۔ علامہ ابن الجوزی حنبلیؒ نے دفعِ شبہۃ التشبیہ ص ۱۱ میں لکھا کہ قاضی ابو یعلی حنبلی نے عین کو حق تعالیٰ کی صفتِ زائد علی الذات قرار دیا ہے اور ان سے قبل ابن خزیمہ نے بھی کہا تھا (**لربنا عینان ینظر بھما**) ہمارے رب کی دو آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے اور ابن حامد نے بھی کہا کہ اس کا ایمان رکھنا واجب ہے کہ خدا کی دو آنکھیں ہیں، لیکن یہ سب ابتداع ہے، جس پر کوئی دلیل شرعی ان سب کے پاس نہیں ہے۔ اور حدیث لیس باعور سے بطور دلیلِ خطاب استدلال کرنا ہی غلط ہے، نیز محدث ابن خزیمہ نے قولِ باری تعالیٰ **الھم ارجل یمشون بھا** (نمبر ۱۹۵ اعراف) سے خدا کے لئے پاؤں بھی ثابت کئے ہیں۔

محترم دکتور اعظمی صاحب عم فیضہم نے مقدمۂ صحیح ابن خزیمہ ص ۱۰ میں محدث ابن خزیمہ کی منقبت میں طبقات الشافعیہ اور سیر اعلام النبلاء کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا کہ وہ وزن کے طریقہ سے واقف نہ تھے اور نہ دس اور بیس میں فرق کر سکتے تھے ان کے پوتے نے بیان کی کہ بسا اوقات ہم ان سے دس لے لیتے تھے اور وہ ان کو پانچ ہی سمجھتے تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو خود ان کا اقرار و اعتراف اصول و عقائد کے دقیق

مسائل نہ سمجھ سکنے کا بھی درست ہی سمجھنا چاہئے، اور یہ ضروری ہے بھی نہیں کہ ایک شخص اگر محدث ہو مثلاً تو وہ ضرور فقیہ بھی ہو یا متکلم و اصولی بھی ہو، یہ اس لئے بھی لکھنا پڑا کہ اس دور کے ہمارے سلفی بھائی محدث ابن خزیمہ کی کتاب التوحید پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ **والحق احق ان یقال،** علم عقائد و اصول میں محدثِ علام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات بڑے پایہ کی گراں قدر و معتمد تالیف ہے، جو ہندوستان میں بھی عرصہ ہوا شائع ہوئی تھی اور اب علامہ کوثری کے نہایت محققانہ محدثانہ حواشی کے ساتھ **دار احیاء التراث العربی، بیروت. لبنان** سے شائع ہوگئی ہے، اس کا مطالعہ ہر عالم و محقق کو کرنا چاہئے۔ علامہ نے عقائد و رجالِ حدیث پر بے نظیر کلام کیا ہے، راقم الحروف کے پاس یہاں کا مطبوعہ نسخہ بھی تھا اور اب بیروت والا بھی آ گیا ہے۔ فالحمدللہ اولاً و آخراً

بیروت سے حال ہی میں ذریعہ ہوائی پارسل ملنے والی کتابوں میں ایک اہم ترین کتاب "**المعجم المفهرس لالفاظ الحديث النبوی**" بھی ہے۔ جس کی پہلی جلد ضخیم طلائی سنہری ۱۹۳۶ء میں لیدن (ہالینڈ) سے شائع ہوئی تھی۔ اور ساتویں آخری جلد ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی یہ علمِ حدیث کے درس و تصنیف کا مشغلہ رکھنے والوں کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے، کیونکہ یورپ کے مستشرقین غیر مسلم علماء کی برسہا برس کی کاوش و محنت اور صرف زرِ کثیر کے بعد طبع ہو کر شائع ہوئی، اس کو حروف تہجی کے ذریعہ مرتب کیا گیا ہے کہ صحاح ستہ وغیرہ نو کتبِ حدیث میں جس لفظ کو بھی تلاش کرنا ہو ذرا سی دیر میں اس کے حوالہ سے اس لفظ اور حدیث کو حاصل کر لیں گے۔ کتنی کارآمد قیمتی چیز ہے، مگر اب اس سے فائدہ اٹھانے والے ہمارے کتنے مؤلفین و اساتذۂ حدیث ہیں؟ اکبر الٰہ آبادی نے صحیح کہا تھا۔

نئ میں اور پرانی روشنی میں فرق اتنا ہے ۔۔۔ اُنھیں ساحل نہیں ملتا، انہیں کشتی نہیں ملتی

مگر اب تو ہمیں کشتی بھی مل رہی ہے، ہم اس میں سوار ہی نہ ہوں تو قصور کس کا؟

باب حدالمريض ان يشهد الجماعة

۶۲۹ : حدثنا عمر بن حفص بن غياث قال حدثني ابی قال ثنا الاعمش عن ابراهيم قال الاسود كنا عند عائشة فذكرنا المواظبة على الصلوٰة والتعظيم لها قالت لما مرض النبی صلے الله عليه وسلم مرضه الذی مات فيه فحضرت الصلوٰة فاذن فقال مروا ابابكر فليصل بالناس فقيل له ان ابا بكر رجل اسيف اذا اقام مقامک لم يستطع ان يصلی بالناس واعادفاعادوا له فاعادالثالثه فقال انكن صواحب يوسف مروا ابابكر فليصل بالناس فخرج ابوبكر يصلی فوجدالنبی صلے الله عليه وسلم من نفسه خفة فخرج يهادیٰ بين رجلين كانی انظر الیٰ رجليه تخطان الارض من الوجع فارادابوبكر ان يتاخر فاوما اليه النبی صلے الله عليه وسلم ان مكانک ثم اتی به حتیٰ جلس الیٰ جنبه فقيل للاعمش فكان النبی صلے الله عليه وسلم يصلی و ابوبكر يصلی بصلوته والناس يصلون بصلوٰة ابی بكر فقال براسه نعم رواه ابوداؤد عن شعبة عن الاعمش بعضه وزادابومعاويه جلس عن يسار ابی بكر فكان ابوبكر يصلی قائماً

ترجمہ: حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (بیٹھے ہوئے) نماز کی پابندی اور اس کی بزرگی کا بیان کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے اس مرض میں جس میں آپ نے وفات پائی، مبتلا ہوئے، اور نماز کا وقت آیا۔ اور اذان ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو، کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، آپ سے عرض کیا گیا کہ ابوبکرؓ نرم دل آدمی ہیں۔ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو شدتِ غم سے) وہ نماز نہ پڑھا سکیں گے، دوبارہ پھر آپ نے فرمایا، پھر لوگوں نے وہی عرض کیا، سہ بارہ آپ نے حکم فرمایا، اور فرمایا، کہ تم یوسف کے گھیرے میں لینے والی عورتوں کی طرح معلوم ہوتی) ہو، ابوبکرؓ سے کہو، کہ وہ لوگوں کو نماز

پڑھاویں، چنانچہ (کہہ دیا گیا) ابوبکرؓ نماز پڑھانے چلے، اتنے میں نبی علیہ السلام نے اپنے آپ میں کچھ خفت (مرض کی) پائی، تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارا لے کر نکلے، گویا میں (اب بھی) آپ کے دونوں پیروں کی طرف دیکھ رہی ہوں، کہ بہ سبب (ضعف) مرض کے زمین پر گھسٹتے ہوئے جاتے تھے، پس ابوبکرؓ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، نبی کریم علیہ السلام نے انہیں اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ پر رہو، پھر آپ لائے گئے، یہاں تک کہ ابوبکرؓ کے پہلو میں آپ بیٹھ گئے، اعمش سے پوچھا گیا، کہ کیا نبی کریم علیہ السلام نماز پڑھتے تھے، اور ابوبکر آپ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے، تو اعمش نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں! اور ابومعاویہ نے اتنے لفظ زیادہ روایت کئے کہ آپ ابوبکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے، اور ابوبکرؓ کھڑے ہوئے نماز پڑھتے تھے۔

۶۳۰: حدثنا ابراهیم بن موسیٰ قال اخبرنا هشام بن یوسف عن معمر عن الزهری قال اخبرنی عبیدالله بن عبدالله قال قالت عائشة لما ثقل النبی صلے الله علیه وسلم واشتدوجعه' استاذن ازواجه' ان یمرض فی بیتی فاذن له' فخرج بین رجلین تخط رجلاه الارض و کان بین العباس و بین رجل اٰخر قال عبیدالله فذکرت ذٰلک لا بن عباس ماقالت عآئشة فقال لی وهل تدری من الرجل الذی لم تسلم عآئشة قلت لاقال هو علی بن ابی طالبؓ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب نبی کریم علیہ السلام بیمار ہوئے اور مرض آپ کا بڑھ گیا، تو آپ نے اپنی بیبیوں سے اجازت مانگی کہ میرے گھر میں آپ کی تیمارداری کی جائے سب نے اجازت دے دی، پس آپ دو آدمیوں کے درمیان میں (سہارا لے کر نماز کو) نکلے، آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے، اور آپ عباسؓ کے اور ایک اور شخص کے درمیان میں (سہارا) لگائے ہوئے تھے، عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے جو کچھ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا تھا، اس کا ذکر ابن عباسؓ سے کیا، انہوں نے کہا، تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون تھا، جس کا نام حضرت عائشہؓ نے نہیں لیا، میں نے کہا، نہیں انہوں نے کہا، وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ جب تک اتنی بھی طاقت باقی ہو کہ کسی آدمی کے سہارے مسجد میں جا سکے، اس وقت تک اس کو جماعت نہ چھوڑنی چاہئے۔ تاہم حالاتِ مرض و مریض مختلف ہوتے ہیں کوئی قاعدہ اس سلسلہ میں بنانا مشکل ہے، حضور علیہ السلام ایسی حالت میں بھی دو کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، مگر اس کو واجب نہیں قرار دے سکتے، اور خود حضور علیہ السلام بھی کئی روز تک علیل رہے اور بہت سی نمازوں میں شرکت نہیں فرمائی، اگر وجوب ہوتا تو آپ ہر نماز میں شرکت فرماتے۔

علامہ بیہقی نے لکھا کہ آپ سترہ نمازوں میں شریک نہ ہو سکے، پانچ روز علالت کا سلسلہ رہا جیسا کہ حدیثِ مسلم سے معلوم ہوتا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان دنوں میں چار نمازوں کی شرکت ثابت ہے۔ جن میں سے ایک پہلے دن جمعرات کی عشاء اور دوسری فجر دوشنبہ کی ہے۔

''اسیف'' کا ترجمہ حضرتؒ نے فرمایا نرم دل جو مغموم رہتا ہو۔ صواحب یوسف نے فرمایا کہ حضرت عائشہ ظاہر میں تو حضرت ابوبکرؓ کے اسیف ہونے کا عذر کر رہی تھیں اور دل میں یہ کھٹکا تھا کہ کہیں لوگ ان کی امامت سے بدفالی نہ لیں (کہ یہ اچھے امام ہوئے تھے کہ حضور علیہ السلام اچھے نہ ہوئے اور وفات ہوگئی۔ وجہ تشبیہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام والی عورتیں بھی دل میں کچھ بات رکھتی تھیں اور ظاہر دوسری بات کرتی تھیں۔ وکذا فی فتح الباری ص ۲/۱۰۵

باب الرخصة فی المطر والعلة ان یصلی فی رحله

بارش اور عذر کی بنا پر گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت کا بیان

۶۳۱: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع ان ابن عمر اذن بالصلوٰة لیلة ذات بردوریح ثم قال الاصلوا فی الرحال ثم قال ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یامر المؤذن اذاکانت لیلة ذات بردومطریقول الاصلوا فی الرحال

۶۳۲: حدثنا اسمٰعیل قال حدثنی مالک عن ابن شہاب عن محمود بن الربیع الانصاری ان عتبان ابن مالک کان یؤم قومه' و هو اعمیٰ و انه' قال لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ انها تکون الظلمة والسیل وانارجل ضریرالبصر فصل یا رسول اللہ فی بیتی مکانا اتخذه مصلی فجآء ہ' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال این تحب ان اصلی فاشار الیٰ مکان البیت فصلی فیه رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ترجمہ۶۳۱: حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک سرد اور ہوادار شب میں نماز کی اذان دی، جس میں یہ بھی کہہ دیا، کہ لوگو! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو، اس کے بعد کہا کہ رسولِ خداعلیہ السلام موذن کو حکم دیتے تھے، جب رات سرد اور بارش کی ہو، تو کہہ دے **الا صلوا فی الرحال**:۔

ترجمہ۶۳۲: حضرت محمود بن ربیع انصاری روایت کرتے ہیں، کہ عتبانؓ اپنی قوم کی امامت کیا کرتے تھے (چونکہ) وہ نابینا تھے انہوں نے رسول خداعلیہ السلام سے عرض کیا، کہ یارسول اللہ (کبھی) اندھیرا ہوتا ہے، اور پانی (بہتا) ہوتا ہے، اور میں اندھا آدمی ہوں، (اس وقت نہیں آسکتا) تو یارسول اللہ آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھا دیجئے، تاکہ میں اس کو مصلے بنالوں، پس رسولِ خداعلیہ السلام (ان کے ہاں) تشریف لائے اور فرمایا، جہاں تم کہو، نماز پڑھ دوں، انہوں نے گھر کے ایک مقام کی طرف اشارہ کردیا۔ وہاں رسول خداعلیہ السلام نے نماز پڑھی۔

تشریح: معلوم ہوا کہ بارش میں جب راستہ خراب ہوجائے تو جماعت کا ترک کردینا جائز ہے، لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بارش زیادہ ہو تو وہ حنفیہ کے یہاں نمازِ جمعہ کے لئے بھی عذر بن سکتی ہے، اور اس کا فیصلہ اپنے دل سے کرنا چاہئے کہ وہ اس وقت عذر بننے کے لائق ہے یا نہیں، کیونکہ انسان کا ضمیر اپنا حال زیادہ صحیح جاننے کی وجہ سے درست ہی فیصلے کرتا ہے، اگرچہ ظاہر میں وہ کیسے ہی حیلے حوالے کرے۔

قولہ **الا صلوا فی الرحال** پر فرمایا کہ غالباً یہ اعلان اذان پوری کرنے کے بعد ہی ہوگا، پھر یہ کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عتبان نابینا کو ترکِ جماعت کی اجازت دی اور حضرت ابن ام مکتومؓ کو نہیں دی، اس کی ایک وجہ تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ حضور نے ایک کے لئے رخصت پر عمل کو پسند فرمایا اور دوسرے کے لئے عزیمت کو، میرے نزدیک یہ فرق ہے کہ ایک اذان کو سن سکتے ہوں گے، دوسرے نہیں، جس کا ذکر حدیث میں بھی ہے، پھر یہ کہ اعذار کے بھی مراتب ہوتے ہیں، شاید حضرت ابن ام مکتومؓ کا عذر حضرت عتبانؓ کے عذر سے کم درجہ کا ہو۔ اس لئے ایک کو رخصت دی اور دوسرے کو نہ دی ہو، اگلے باب کی ایک حدیثِ بخاری سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے اپنے زیادہ بھاری جسم والے ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام سے عذر کیا کہ میں آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا، تو آپ نے اس کے گھر پر نماز پڑھی، صاحبِ فیض الباری نے اس روایت کو بھی یہاں تائیداً پیش کیا ہے، مگر وہ محلِ نظر ہے، کیونکہ اس رجل سے حضرت عتبان کو مراد لینا احتمالِ بعید ہے، چنانچہ محقق عینیؒ نے بھی حافظ کے اس احتمال پر نقد کیا ہے۔ اور صاحبِ فیض کی عبارت ''فی ہذا الباب'' اور قال

الحافظ وہو عتبان' ان کی حسبِ عادت مسامحت ہے۔ کیونکہ حدیث مذکور اگلے باب میں ہے اور حافظ نے خود جزم نہیں کیا، بلکہ قیل سے کسی دوسرے کا قول نقل کیا ہے، اور نام بھی ظاہر نہیں، جس سے اس قول کا وزن معلوم ہو سکتا۔ حافظ عینیؒ نے حدیثِ مذکور کے تحت فائدہ نمبر ۶ میں زیادہ موٹے ہونے کو بھی اعذارِ ترکِ جماعت میں شامل کیا ہے اور صاحبِ صحیح ابن حبان سے دس اعذار ثابتہ من الحدیث نقل کئے، (۱) مرض مانع ہو (۲) حضورِ طعام بوقتِ مغرب (۳) بھول بعض احوال میں (۴) زیادہ مٹاپا (۵) شدید ضرورت مانع ہو (۶) مسجد کے راستہ میں خوفِ ضیاع جان و مال ہو (۷) شدید سردی (۸) زیادہ بارش (۹) زیادہ تاریکی جس میں چلنا دشوار (۱۰) لہسن پیاز وغیرہ بدبودار چیز کھائی ہو۔ (عمدہ نمبر ۳۵/۲/۷)

باب هل يصلى الامام بمن حضر وهل يخطب يوم الجمعة فى المطر

(جس قدر لوگ موجود ہیں' ان ہی کے ساتھ نماز پڑھ لے اور کیا جمعہ کے دن بارش میں بھی خطبہ پڑھے)

۶۳۳: حدثنا عبدالله بن عبدالوهاب قال حدثنا حماد بن زيد قال حدثنا عبدالحميد صاحب الزيادى قال سمعت عبدالله بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فى يوم ذى ردغ فامر المؤذن لما بلغ حى على الصلوٰة قال قل الصلوٰة فى الرحال فنظر بعضهم الىٰ بعض كانهم انكروا فقال كانكم انكرتم هٰذا ان هٰذا فعله' من هو خير منى يعنى النبى صلے الله عليه وسلم انها عزمة وانى كرهت ان اخرجكم وعن حماد عن عاصم عن عبدالله بن الحارث عن ابن عباس نحوه' غير انه' قال كرهت ان اؤ ثمكم فتجيئون تدوسون الطين الىٰ ركبكم

۶۳۴: حدثنا مسلم قال حدثنا هشام عن يحيىٰ عن ابى سلمة قال سالت اباسعيد الخدرى فقال جآءت سحابة فمطرت حتىٰ سال السقف و كان من جريد النخل فاقيمت الصلوٰة فرايت رسول الله صلے الله عليه وسلم يسجد فى المآء والطين حتى رايت اثر الطين فے جبهته

۶۳۵: حدثنا اٰدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا انس بن سيرين قال سمعت انسايقول قال رجل من الانصار انى لآ استطيع الصلوٰة معك و كان رجلاً ضخماً فصنع النبى صلے الله عليه وسلم طعاماً فدعاه' الىٰ منزله فبسطله حصيراً ونضح طرف الحصير فصلىٰ عليه ركعتين فقال رجل من اٰل الجارود لانسؓ اكان النبى صلے الله عليه وسلم لصلى الضحىٰ قال مارايته' صلاها الايومئذ

ترجمہ ۶۳۳: حضرت عبداللہ بن حارثؒ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے) کیچڑ ہو گئی تھی، حضرت ابن عباسؓ نے اس دن خطبہ فرمایا، اور موذن سے کہہ دیا تھا کہ جب حى على الصلوٰة پر پہنچے تو یہ کہہ دے کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو (یہ سن کر) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، گویا کہ انہوں نے (اس کو) برا سمجھا، تو ابن عباسؓ نے کہا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس کو برا سمجھا، بے شک اس کو اس نے کیا ہے، جو مجھ سے بہتر تھے، یعنی نبی کریم ﷺ نے، یہ یقینی امر ہے، کہ اذان (سے مسجد میں آنا) واجب ہو جاتا ہے اور میں نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ تمہیں تکلیف میں ڈالوں حضرت عاصم نے بھی حضرت ابنِ عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے، صرف اتنا فرق ہے، کہ انہوں نے کہا کہ مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ تمہیں گنہگار کروں، یا تم مٹی کو گھٹنوں تک روندتے آؤ۔

ترجمہ ۶۳۴: حضرت ابوسلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدریؓ سے پوچھا، تو انہوں نے کہا، کہ ایک (مرتبہ) ابر آیا، اور وہ برسنے لگا، یہاں تک کہ چھت ٹپکنے لگی، اور چھت (اس وقت تک) کھجور کی شاخوں سے (پٹی ہوئی) تھی، پھر نماز کی اقامت ہوئی، تو میں نے رسولِ

خداﷺ کو دیکھا کہ پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے تھے، یہاں تک کہ مٹی کا اثر میں نے آپ کی پیشانی میں دیکھا۔

ترجمہ ۶۳۵: حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے (نبی کریم ﷺ سے) عرض کیا کہ میں (معذور ہوں) آپ کے ہمراہ نماز نہیں پڑھ سکتا، اور وہ فربہ آدمی تھا (اس کے بعد، اس نے نبی ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا، اور آپ کو اپنے مکان میں بلایا، اور آپ کے لئے چٹائی بچھادی، اور چٹائی کے ایک کنارے کو دھودیا، اس پر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، اتنے میں آل جارود میں سے ایک شخص نے انسؓ سے پوچھا، کہ کیا نبی کریم ﷺ نماز چاشت پڑھا کرتے تھے، انسؓ نے کہا کہ میں نے سوائے اس دن کے کبھی آپ کو پڑھتے نہیں دیکھا۔

تشریح: مقصد ترجمہ واحادیث مذکورہ واضح ہے کہ عذر کی حالت میں اگر رخصت سمجھ کر کچھ لوگ مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھیں بلکہ گھروں میں پڑھ لیں اور دوسرے لوگ عزیمت پر عمل کر کے مسجد میں آجائیں تو جو لوگ آجائیں، ان ہی کے ساتھ امام جماعت کرادے گا۔

باب اذاحضر الطعام واقیمت الصلوٰۃ وکان ابن عمر یبدأ بالعشآء وقال ابو الدردآء من فقه المرء اقباله علیٰ حاجته حتیٰ یقبل علیٰ صلوته و قلبه فارغ

۶۳۶: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن هشام قال حدثنی ابی سمعت عآئشة عن النبی صلے الله علیه وسلم انه قال اذا وضع العشآء واقیمت الصلوٰۃ فابدء وا بالعشآء

۶۳۷: حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل بن شهاب عن انس ابن مالک ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذ قدم العشاء فابدء وابه قبل ان تصلوا صلوٰۃ المغرب ولاتعجلوا عن عشآئکم

۶۳۸: حدثنا عبید بن اسمٰعیل عن ابی اسامة عن عبیدالله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم اذا وضع عشآء احدکم و اقیمت الصلوٰۃ فابدء وابالعشآء ولایعجل حتیٰ یفرغ منه و کان ابن عمر یوضع له الطعام و تقام الصلوٰۃ فلایاتیها حتیٰ یفرغ و انه لیسمع قرآءۃ الامام وقال زهیر و وهب ابن عثمان عن موسی بن عقبة عن نافع عن ابن عمر قال قال النبی صلی الله علیه وسلم اذا کان احدکم علی الطعام فلایعجل حتیٰ یقضی حاجته منه و ان اقیمت الصلوٰۃ قال ابوعبدالله وحدثنی ابراهیم بن المنذر عن وهب بن عثمان و وهب مدنی

ترجمہ ۶۳۶: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کھانا (سامنے) رکھ دیا جائے، اور نماز کی اقامت ہو، تو پہلے کھانا کھالو۔

ترجمہ ۶۳۷: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے، تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھانا کھالو، اور اپنے کھانے میں عجلت نہ کرو۔

ترجمہ ۶۳۸: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا، کہ جب تم میں سے کسی کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت بھی ہو جائے تو پہلے کھانا کھالے اور جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ اس سے فارغ نہ ہو جائے حضرت ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب ان کے سامنے کھانا رکھ دیا جاتا اور جماعت بھی کھڑی ہو جاتی، تو جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے، نماز میں نہ آتے، حالانکہ وہ یقیناً امام کی قراءت سنتے ہوتے تھے، اور زہیر اور وہب بن عثمان نے یہ سند موسی بن عقبہ، نافع ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانے پر (بیٹھ گیا) ہو، تو جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ اپنی اشتہا اس سے پوری کرلے، اگرچہ جماعت کھڑی ہوگئی ہو، امام بخاری نے کہا، کہ مجھ سے ابراہیم بن منذر نے وہب بن عثمان سے روایت کیا، اور وہب مدینہ کے رہنے والے تھے۔

تشریح: حضرت گنگوہی قدس سرہ، نے فرمایا کہ ترجمۃ الباب میں حضرت ابوالدرداءؓ کا قول امام بخاریؒ نے اس لئے نقل کیا تا کہ مختلف روایات میں جمع کی صورت نکل آئے، کیونکہ بعض میں کھانا مقدم رکھنے کا حکم ہے جو یہاں درج ہیں اور بعض میں یہ ہے کہ نماز کو کھانے وغیرہ کی وجہ سے موخر نہ کیا جائے (کمافی ابی داؤد وغراہ صاحب المشکوٰۃ الی شرح السنۃ) پھر حاشیہ لامع میں یہ تفصیل بھی ہے کہ علامہ شوکانی نے کہا:۔ ظاہر احادیث تقدیم کی وجہ سے کھانے کو ہی ہمیشہ مقدم کیا جائے خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، اور خواہ وہ کھانا کم ہو یا زیادہ، اور کھانے کے خراب ہونے کا خطرہ ہو یا نہ ہو۔ ابن حزم اور ظاہریہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، امام ترمذی نے بھی بعض صحابہ وتابعین سے تقدیم طعام ہی کو نقل کیا ہے، امام غزالیؒ نے قید لگائی کہ کھانے کے فاسد یا بے مزہ ہونے کا ڈر ہو تو نماز کو مؤخر کرے ورنہ نہیں، شافعیہ نے احتیاج کی قید رکھی، امام مالک نے فرمایا کہ کھانا ہلکا ہو یعنی کم مقدار میں تو نماز کو مؤخر کر کے کھالے ورنہ نہیں:۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وقت میں گنجائش ہو تو پہلے کھانا کھالے اور دل کو فارغ کر کے نماز اطمینان سے ادا کرے اور اسی لئے امام اعظم نے فرمایا کہ نماز کو کھانا بنادوں کہ اس میں دل پڑا رہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ کھانے کو نماز بنادوں کہ کھاتے ہوئے بھی نماز کا ذکر ودھیان رہے، لیکن اگر نماز کے وقت نکلنے کا ڈر ہو تو پہلے نماز ہی پڑھے، اور اس وقت نماز کی تاخیر کھانے وغیرہ کی وجہ سے جائز نہیں اور یہی حدیث ابی داؤد مذکورہ بالا کا منشاء ہے۔

لہٰذا ابن حزم اور بعض شافعیہ کا یہ مسلک صحیح نہیں کہ کھانے کو ہی مقدم کیا جائے خواہ نماز کا وقت بھی نکل جائے اور شوکانی نے جو امام احمدؒ کی طرف یہ قول منسوب کیا کہ وہ کھانے پر نماز کو مقدم کرنے سے نماز کو فاسد بتلاتے ہیں یہ انتساب بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ موفق نے کھانا مقدم کرنے کو صرف مستحب لکھا ہے، واجب وفرض نہیں لکھا۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ کھانے کی موجودگی میں اگر نماز کامل طریقہ پر پڑھ لی جائے تو وہ درست ہو جائے گی۔

امام طحاویؒ نے مشکل الآثار (ص۴۰۲/۲) میں تقدیم طعام کی روایات کو روزہ دار کے لئے خاص کیا ہے اور نماز سے نماز مغرب کو متعین کیا ہے۔ گویا دوسری نمازوں کے اوقات کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ (لامع الدراری ص۲۵۳/۱)

حافظؒ نے علامہ محقق ابن دقیق العید سے نقل کیا کہ احادیث میں سب نمازیں مراد نہیں بلکہ مناسب ہے کہ ان کو صرف مغرب کی نماز پر محمول کیا جائے، لقولہ علیہ السلام فابدؤا بالعشاء اور دوسری روایت **فابدؤا به قبل ان تصلوا المغرب** سے بھی یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے، اور ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب کھانا سامنے آجائے اور کوئی تم میں سے روزہ دار ہو تو کھانے کو مقدم کرو۔

علامہ فاکہانیؒ نے کہا کہ "حدیث کو عموم پر رکھنا چاہیے کیونکہ علت عام ہے یعنی تشویش قلب کہ بھوک میں خشوع صلوٰۃ حاصل نہ ہوگا اور نماز مغرب کا ذکر حصر کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ بعض مرتبہ غیر روزہ دار کھانے کا روزہ دار سے بھی زیادہ خواہش مند ہوتا ہے"۔ پھر حافظ نے خود بھی لکھا کہ عموم پر محمول کرنا معنی ومقصد کے لحاظ سے بھی مناسب ہے کیونکہ بھوکا روزہ دار کی طرح ہے' اور شام کا وقت صبح کی طرح ہے' لہٰذا حدیث کے لفظ ماثور پر انحصار ضروری نہیں معلوم ہوتا' علامہ عینی اور حافظؒ نے اور بھی تفصیل کی ہے۔ مطالعہ کر لی جائے۔ ہم نے خلاصہ دے دیا ہے۔ (فتح الباری ص۱۰۹/۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہی بات تو وہی ہے، جو سب کہتے ہیں، مگر میرے نزدیک اس قسم کے مسائل میں زیادہ توسع کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ انسان کو اپنے دین کی اصلاح وترقی کی فکر زیادہ چاہیئے، بہ نسبت دنیوی امور کھانے، پینے، راحت وآسائش وغیرہ کے لئے تاکہ اعمال خیر کل کے لئے ذخیرہ ہوں، اور کوتاہیوں وغفلت میں قیمتی وقت ضائع نہ ہو جائے **لقولہ تعالی ولتنظر نفس ما قدمت لغد** ط (ہر شخص کو سوچنا چاہیئے کہ اس نے کل کے لئے کیا ذخیرہ کیا ہے)

کل سے مراد آخرت ہے۔ یعنی آج کی دنیوی محدود زندگی کی راحت وعیش میں پڑ کر کل کی آخرت والی ابدی زندگی سے غفلت نہ برتنی چاہئے اور وہاں کی زندگی سنوارنے کی واحد صورت نیک اعمال کا ذخیرہ ہے۔

باب اذادعی الامام الصلوٰۃ وبیدہ مایاکل

(جب نماز کے لئے امام کو بلایا جائے' اور اس کے ہاتھ میں وہ چیز ہو' جو کھا رہا ہو)

۶۳۹: حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح عن ابن شھاب قال اخبرنی جعفر بن عمرو بن امیة ان اباہ قال رایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یاکل ذراعاً یحتزمنھا فدعی الی الصلوٰۃ فقام فطرح السکین فصلی ولم یتوضأ

ترجمہ: حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ، عمرو بن امیہؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو ایک شانہ کھاتے ہوئے دیکھا، آپ اس میں سے گوشت کاٹ لیتے تھے، اتنے میں آپ کو نماز کے لئے بلایا گیا، تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چھری آپ نے نیچے رکھ دی۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا (یعنی گوشت کھانے کے بعد)

تشریح: حسب تحقیق حافظؒ اس باب میں یہ بتلایا کہ پہلے باب میں حکم تقدیم طعام کا کا بطور استحباب تھا، وجوب کے لئے نہ تھا' اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی کہ اقامت صلوٰۃ قبل کھانا شروع کرنے کے ہو یا بعد کو ان دونوں کا حکم الگ الگ ہے' یا امام بخاری نے امام اور غیر امام کا مسئلہ جدا جدا سمجھا ہو' علامہ ابن المنیر نے کہا شاید حضور علیہ السلام نے خاص اپنے لئے عزیمت کو اختیار کیا ہو' اس لئے نماز کو کھانے پر مقدم کیا اور دوسروں کو رخصت پر عمل کرنے کا موقع دیا' کیونکہ آپ خواہش طعام پر قابو رکھنے کی دوسروں سے زیادہ قوت رکھتے تھے' اور آپ کی برابر کون اپنی خواہشات پر کنٹرول کرسکتا تھا؟ لیکن اس استدلال پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے حضور علیہ السلام جتنا کچھ کھانا چاہتے تھے وہ کھا چکے ہوں اور اس لئے باقی کو چھوڑ کر جماعت کے لئے تشریف لے گئے ہوں واللہ اعلم (فتح الباری ص ۱۱۱ ج ۲)

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے ایک توجیہ پر پیش کی کہ کھانا چونکہ خراب یا بے مزہ ہوجانے والا نہیں تھا' ممکن ہے حضور علیہ السلام نے اسی لئے اس کو درمیان میں چھوڑ کر جماعت میں شرکت کی ترجیح دی ہو۔

باب من کان فی حاجة اھلہ فاقیمت الصلوٰۃ فخرج

(جو شخص گھر کے کام کاج میں ہو' اور نماز کی تکبیر کہی جائے' تو نماز کے لئے کھڑا ہوجائے)

۶۴۰: حدثنا اٰدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا الحکم عن ابراھیم عن الاسود قال سالت عائشة ماکان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یصنع فی بیتہ قالت کان یکون فی مھنة اھلہ تعنی خدمة اھلہ فاذا حضرت الصلوٰۃ خرج الی الصلوٰۃ

ترجمہ: حضرت اسودؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کیا کرتے تھے! وہ بولیں کہ اپنے گھر والوں کی مہنت یعنی خدمت میں (مصروف) رہتے تھے' جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ نماز کے لئے چلے جاتے۔

تشریح: علامہ عینی اور حافظ نے فرمایا کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب سے یہ اشارہ کیا کہ کھانے کی طرح دوسرے امور نہیں ہیں کہ ان میں بھی جٹے رہو اور جماعت کی پرواہ نہ کرو' اسی لئے حضور علیہ السلام کا تعامل ذکر کیا گیا کہ آپ فارغ اوقات میں گھر کے اندر گھر والوں کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے' مگر جماعت کے وقت اس کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ (عمدہ ص ۲۸۷ ج ۲ و فتح ص ۱۱۱ ج ۲)

علامہ عینی نے یہ بھی لکھا کہ خود حضور علیہ السلام کے اپنے ذاتی کام اور معمولات بھی اس میں داخل ہیں، کیونکہ شمائل ترمذی میں ہے کہ آپ اپنے کپڑوں کی صفائی بھی کر لیتے تھے، اپنی بکری کا دودھ بھی دوہ لیتے تھے وغیرہ، امام احمد و ابن حبان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اپنا کپڑا سی لیتے تھے، ڈول درست کر لیتے تھے، حاکم نے اکلیل میں یہ بھی اضافہ کیا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی عورت یا خادم کو نہیں مارا (عمدہ ص۲۹۷ ج۱)

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: حضرت زرارۃ بن ابی اوفی ایک تابعی تھے لوہار، ان کا حال بھی یہ تھا کہ ہتھوڑا اٹھاتے ہوئے بھی اگر اذان کی آواز سن لی تو اسی طرح ہتھوڑے کو رکھ کر نماز کے لئے چل دیتے تھے۔

پھر فرمایا کہ حدیث الباب کی سند میں حضرت اسود بھی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اخص تلامذہ میں سے تھے، حضرت عائشہؓ سے اہم مسائل میں رجوع کرتے اور ان کی خدمت میں ہدایا بھی پیش کرتے تھے، رواۃ کوفہ میں سے ہیں، اور ان کا مسلک بھی ترک رفع یدین تھا، اس سے خیال کرو کہ کیسے جلیل القدر عالم تھے اور ان کے اساتذہ کتنے بڑے مرتبہ کے تھے اور اسی سے ان کے اختیار کردہ مسائل ترک رفع وغیرہ کی شان بھی سمجھو۔

باب من صلی بالناس و هو لایرید الآن یعلمهم صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سنتہ

(اس شخص کا بیان جو لوگوں کو صرف اس لئے نماز پڑھائے کہ انہیں رسول اللہ کی نماز اور ان کی سنت سکھائے)

۶۴۱: حدثنا موسی بن اسمٰعیل قال حدثنا وھیب قال حدثنا ایوب عن ابی قلابۃ قال جآء نامالک بن الحویرث فی مسجد ناھٰذا قال انی لاصلی بکم وما اریدالصلوٰۃ اصلی کیف رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فقلت لابی قلابہ کیف کان یصلی قال مثل شیخنا ھٰذا و کان الشیخ یجلس اذارفع راسہ من السجود قبل ان ینھض فی الرکعۃ الاولیٰ

ترجمہ: حضرت ابوقلابہؒ روایت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مالک بن حویرثؓ ہماری اسی مسجد میں آئے، اور انہوں نے کہا کہ میں تمہارے سامنے نماز پڑھتا ہوں، میرا مقصود نماز پڑھنا نہیں ہے، بلکہ جس طرح میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح (تمہارے دکھانے کو) پڑھتا ہوں، ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابوقلابہ سے کہا کہ وہ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ وہ بولے کہ ہمارے اس شیخ کی مثل اور شیخ (کی عادت تھی کہ) پہلی رکعت میں جس سجدہ سے اپنا سر اُٹھاتے تھے، تو کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ جاتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحب: نے فرمایا کہ اس باب سے یہ بتلانا ہے کہ نماز پڑھ کر اگر دوسروں کو عملی طور پر تعلیم دی جائے تو وہ نماز بھی خدا کیلئے ہی ہے اور درست ہے، وہ لغیر اللہ نہیں ہوگی، جس طرح تحیۃ المسجد کہ وہ نام سے بھی مسجد کیلئے معلوم ہوتی ہے اور تحیۃ مسجد کہلاتی ہے مگر وہ بھی خدا کیلئے ہے۔

قولہ وکان الشیخ یجلس

اس پر فرمایا کہ اس سے جلسہ استراحت مراد ہے، یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے سجدہ سے اٹھ کر کھڑے ہونے سے قبل بیٹھنا جو امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے، مگر امام ابوحنیفہ، امام مالک و امام احمدؒ وغیرہم اس کے قائل نہیں، اور منتقی الاخبار[۱] (للشیخ مجد الدین ابی البرکات ابن تیمیہ جد ابن تیمیہ

۱ے علامہ عینی نے بھی امام احمد کا یہ قول ذکر کیا ہے، اور نعمان بن ابی عیاش سے یہ بھی نقل کیا کہ میں نے بہت سے اصحاب رسول اللہ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ نہیں بیٹھتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا کہ اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔ ابوالزناد نے کہا کہ یہی سنت ہے اور ان حضرات نے حدیث مالک ابن الحویرث بخاری کا یہ جواب دیا کہ حضور علیہ السلام سے جلوس بوجہ ضعف کے ہوا ہے۔ اور ابوعبدالملک نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ میں دس سال نمازیں پڑھیں اور پھر حضرت ابوبکرؓ، عمر، عثمان، اور دوسرے صحابہ و تابعین نے بھی، اگر وہ جلسہ استراحت کرتے تو کیا وہ اہل مدینہ سے پوشیدہ رہ سکتا تھا؟ الخ (عمدہ ص۳۰۷/۲)

المعروف) میں ہے امام احمد سے کہ اکثر احادیث سے ترک جلسہ استراحت ثابت، اور بخاری ص ۱۱۳ میں "باب المکث بین السجدتین" میں ان ہی مالک بن الحویرث کے تیسری رکعت کے بعد بیٹھنے پر ایوب کا یہ ریمارک بھی نقل ہوا ہے کہ وہ ایسا فعل کرتے تھے، جو ہم نے دوسروں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تقلیل کے لئے یہ کیا کم ہے کہ ایک صحابی کہہ رہا ہے کہ عمر بن سلمہ کے سوا کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ یہ جلسہ استراحت بھی ضرور ہے، مگر پھر ترک وخمول میں آ گیا ہوگا، اسی لئے ایوب وغیرہ نے انکار کیا ہے، جس طرح فرض مغرب سے قبل دو رکعات بھی ثابت ہوئیں مگر پھر محمول میں آ گئیں اسی لئے حضرت ابن عمرؓ نے ان پر نکیر کی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ پھر بھی میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف صرف افضلیت کا ہے، جیسا کہ علامہ حلوانیؒ کی رائے ہے میرا طریقہ ہے کہ اختلاف کو جتنا بھی ہو سکے کم کرتا ہوں، اور کبیری میں جو جلسہ استراحت کی وجہ سے سجدہ سہو واجب کہا ہے وہ میرے نزدیک اس حالت میں ہے کہ وہ مقدار سنت سے زیادہ ہو جائے نہ جب کہ مقدار سنت ہو، اس وقت سجدہ سہو نہیں ہے، دیوبند میں مجھ سے پوچھا تو میں نے یہی بتلایا اور اگر معارض بھی ہوتا تو شارح منیہ کو حلوانی سے نسبت ہی کیا ہے؟ پھر فرمایا کہ میرے نزدیک امام طحاوی کا یہ جواب کہ وہ عذر کی وجہ سے تھا، قوی نہیں ہے۔

باب اهل العلم و الفضل احق بالامامة

(علم و فضل والا امامت کا زیادہ مستحق ہے)

۶۴۲: حدثنا اسحٰق بن نصر قال ثنا حسين عن زآئدة عن عبدالملک بن عمير قال حدثنى ابوبردة عن ابى موسىٰ قال مرض النبى صلے الله عليه وسلم فاشتدمرضه' فقال مروآ ابابكر فليصل بالناس قالت عائشة انه' رجل رقيق اذا قام مقامک لم يستطع ان يصلى بالناس قال مرىٓ ابابكر فليصل بالناس فعادت فقال مرىٓ ابابكر فليصل بالناس فانكن صواحب يوسف فاتاه الرسول فصلى بالناس فى حيوٰة النبى صلے الله عليه وسلم

۶۴۳: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن هشام بن عروة عن ابيه عن عآئشة ام المؤمنين انها قالت ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال فى مرضه مروآابابكر يصلى بالناس قالت عآئشة قلت ان ابابكر اذاقام فى مقامک لم يسمع الناس من البكآء فمرعمر فليصل بالناس من البكآء فمر عمر فليصل للناس ففعلت حفصة فقال رسول الله صلے الله عليه وسلم ......انكم لانتن صواحب يوسف مروآ ابا بكر فليصل للناس فقالت حفة لعآئشة ما كنت لا صيب منک خيراً

۶۴۴: حدثنا ابو اليمان قال اخبرنا شعيب عن الزهرى قال اخبرنى انس ابن مالک ن الانصارى و كان تبع النبى صلے الله عليه وسلم وخدمه' و صحبه' ان ابابكر كان يصلى لهم فى وجع النبى صلے الله عليه وسلم الذى توفى فيه حتىٰ اذاكان يوم الاثنين وهم صفوف فى الصلوٰة فكشف النبى صلے الله عليه وسلم ستر الحجرة ينظر الينا وهوقآئم .كان وجهه' ورقة مصحف ثم تبسم يضحک فهممنا ان تفتتن من الفرح برؤية النبى صلے الله عليه وسلم فنكص ابوبكر علىٰ عقبيه ليصل الصف وظن ان النبى صلے الله عليه وسلم خارج الى الصلوٰة فاشار الينا النبى صلے الله عليه وسلم اتموا صلوٰتكم و

ارخی الستر فتوفی من یومہ صلے اللہ علیہ وسلم

۶۴۵: حدثنا ابومعمر قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا عبدالعزیز عن انس قال لم یخرج النبی صلے اللہ علیہ وسلم ثلثا فاقیمت الصلوٰۃ فذھب ابوبکر یتقدم فقال نبی اللہ علیہ وسلم بالحجاب فرفعہ' فلما وضح وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما نظرنا منظراً کان اعجب الینا من وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین وضح لنا فاوماالنبی صلے اللہ علیہ وسلم بیدہ الیٰ ابی بکرؓ ان یتقدم و ارخی النبی صلے اللہ علیہ وسلم الحجاب فلم یقدرعلیہ حتیٰ مات

۶۴۶: حدثنا یحیی بن سلیمان قال حدثنی ابن وھب قال حدثنی یونس عن ابن شھاب عن حمزۃ بن عبداللہ انہ' اخبرہ عن ابیہ قال لما اشتدبرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وجعہ' قل لہ' فی الصلوٰۃ فقال مروآ ابابکر فلیصل بالناس قالت عآئشۃ ان ابابکر رجل رقیق اذاقرأ غلبہ البکآء قال مروہ فلیصل فعاودتہ فقال مروہ فلیصل انکن صواحب یوسف تابعہ الزبیدی وابن اخی الزھری واسحٰق بن یحییٰ الکلبی عن الزھری وقال عقیل و معمر عن الزھری عن حمزۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم.

ترجمہ۶۴۲: حضرت ابوموسیٰؓ روایت کرتے ہیں، کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے، اور آپ کا مرض بڑھ گیا، تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، حضرت عائشہؓ نے کہا، کہ (حضرت) وہ نرم دل آدمی ہیں۔ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ حضور نے فرمایا، نہیں، تم ابوبکر سے ہی کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں لیکن حضرت عائشہؓ پھر لوٹ کر آ گئیں تو حضور نے فرمایا کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھادیں اور تم تو وہ عورتیں (معلوم ہوتی ہو) جنھوں نے یوسف کو (گھیر رکھا تھا) پس ابوبکرؓ کے پاس حضور کا قاصد (یہ حکم لے کر) آیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں لوگوں کو نماز پڑھائی:۔

ترجمہ۶۴۳: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی بیماری میں فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے حفصہؓ سے کہا کہ تم حضور سے عرض کرو کہ ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے، تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو (اپنی قراءت) نہ سنا سکیں گے۔ لہٰذا آپ عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، پس حفصہؓ نے عرض کردیا تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہٹو! تم تو وہ عورتیں ہو جو یوسف کو گھیرے ہوئے تھیں۔ ابوبکرؓ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں، تو حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا، کہ تم سے مجھے کوئی بھلائی ملنے کی امید نہیں۔

ترجمہ۶۴۴: حضرت انس بن مالکؓ جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے، آپ کے خادم اور صحابی تھے، روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے مرض وفات میں حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، یہاں تک کہ جب دوشنبہ کا دن ہوا اور لوگ نماز میں صف بستہ تھے تو نبی کریم ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ہم لوگوں کی طرف کھڑے ہو کر دیکھنے لگے، اس وقت آپ کا چہرہ مبارک گویا مصحف کا صفحہ تھا، پھر آپ بشاشت سے مسکرائے۔ ہم لوگوں نے خوشی کی وجہ سے چاہا کہ نبی ﷺ کے دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور ابوبکرؓ اپنے پچھلے پیروں پیچھے ہٹ آئے تا کہ صف میں مل جائیں وہ سمجھے کہ نبی کریم ﷺ نماز کے لئے آنے والے ہیں، لیکن آپ نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کرلو، اور آپ نے پردہ ڈال دیا، اسی دن آپ نے وفات پائی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ۶۴۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ (مرض وفات میں) نبی کریم ﷺ تین دن باہر نہیں نکلے، ایک دن نماز کی اقامت ہوئی اور ابوبکرؓ آگے بڑھنے لگے، اتنے میں نبی کریم ﷺ نے پردہ کو اٹھا دیا، پس نبی ﷺ کا چہرہ نظر آتے ہی ہمارے سامنے ایسا خوش کن منظر آگیا کہ اس سے زیادہ کبھی میسر نہ آیا تھا، پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ابوبکر کو اشارہ کیا، کہ آگے بڑھ جائیں اور نبی کریم ﷺ نے پردہ گرا دیا، پھر اس پر آپ کو قدرت نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

ترجمہ ۶۴۶: حضرت حمزہ بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب رسول خدا ﷺ کا مرض بڑھ گیا، تو آپ سے نماز کی (امامت کے) بارے میں عرض کیا گیا، آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو، کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، حضرت عائشہؓ بولیں، کہ ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں۔ جب (نماز میں قرآن مجید) پڑھیں گے، تو ان پر رونا غالب آجائے گا، آپ نے فرمایا، ان ہی سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، پھر دوبارہ حضرت عائشہؓ نے وہی کہا، پھر آپ نے فرمایا کہ ان ہی سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، تم تو یوسف کے زمانے کی عورتوں کی طرح (معلوم ہوتی ہو) زبیدی اور زہری کے بھتیجے نے اس کے متابع حدیث روایت کی ہے اور عقیل اور معمر نے یہ سند زہری وحمزہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔

تشریح اور بحث ونظر: قولہ فانکن صواحب یوسف: یعنی جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے مصر کی عورتیں ان کے خلاف مرضی گفتگو کرتی تھیں یا یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کسی اور خیال میں تھے اور عورتیں کسی دوسرے خیال میں، یا یہ کہ تم عورتیں تو اپنی ہی بات چلایا کرتی ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں حنفیہ کا مسلک اختیار کیا ہے کہ اعلم کو اقرأ پر مقدم کیا ہے۔ اور ایک روایت امام شافعیؒ سے بھی اس کے موافق ہے، لیکن مشہور قول ان کا اقرأ کی تقدیم ہے اعلم پر اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف سے بھی یہ منقول ہے۔ امام بخاری نے اپنے مسلک پر امامت سیدنا ابوبکرؓ سے استدلال کیا ہے، کیونکہ وہ اعلم تھے، یعنی اگر اقرأ کی تقدیم ہوتی تو حضرت ابی بن کعبؓ امامت کے مستحق زیادہ ہوتے کہ وہ بنص حدیث اقرأ تھے۔ امام بخاری نے حدیث مسلم کی روایت بھی اپنی صحیح میں نہیں لی ہے، جس سے تقدیم اقرأ نکلتی ہے، اور جو شافعیہ کا متدل ہے، اس کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ حدیث مسلم اس زمانہ کے رواج وعرف پر وارد ہوئی تھی، نہ بعد کے عرف پر، اس دور میں سب سے بڑا قاری وہ تھا جس کو قرآن مجید زیادہ یاد تھا، کیونکہ وہ سب اہل زبان تھے، ان کو تصحیح حروف ومخارج کی ضرورت ہی نہ تھی، جتنا یاد کرتے تھے، اس کو صحیح ادا کرتے تھے اور سمجھ کر پڑھتے تھے، اس لئے اس کے عالم بھی ہوتے تھے، پھر جب اسلام اطراف کی طرف پھیلا اور عجم نے بھی قرآن مجید کو پڑھا تو وہ تصحیح حروف کے محتاج ہوئے لہٰذا حدیث مسلم ہمارے محل نزاع سے خارج ہے، اس میں جس اقرأ کی تقدیم ہے وہ اعلم بھی ہوتا تھا، البتہ بعد کو اصطلاح وعرف بدل گئی اور فقہاء کے تجوید سے پڑھنے والے کو قاری کہا، تو اختلاف کھلا، اور امام شافعی نے قاری کو عالم پر ترجیح دی، امام صاحب وامام بخاری وغیرہ نے عالم کو ترجیح دی، یعنی جو بقدر ضرورت صلوٰۃ صحیح حروف ادا کرسکتا ہے اور مسائل نماز سے بھی واقف ہے وہ اس سے زیادہ امامت کا مستحق واہل ہے جو صرف مجود قاری تو ہے مگر مسائل سے واقف نہیں ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ نے صحیح دعویٰ کیا کہ پہلے اقرأ اعلم بھی ہوتا تھا، کیونکہ صحابہ صحیح بھی پڑھتے تھے اور قرآن مجید کے سارے معانی ومبانی سے واقف بھی ہوتے تھے، پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں باہم علم میں فضیلت نہ تھی، وہ بھی ضرور تھی، مثلاً حضرت ابن عباسؓ کی شان علم تفسیر قرآن میں سب سے بڑھی ہوئی تھی، اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حدیث مسلم میں اگرچہ ظاہر الفاظ سے اقرأ کو مقدم کیا گیا ہے، مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وجہ ترجیح علم ہی ہے کیونکہ دوسرا جملہ حدیث مسلم کا یہ ہے کہ اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو وہ مقدم ہوگا جو اعلم بالسنہ ہوگا۔ یعنی پہلے تو جس کو قرآن مجید زیادہ یاد ہوگا اور ساتھ ہی معانی جاننے کی وجہ سے اعلم بالقرآن بھی ہوگا (کیونکہ اس وقت سب ہی ایسے تھے کہ جتنا یاد ہوتا سب کو سمجھتے تھے) وہ سب سے زیادہ امامت کا مستحق ہوگا، اس کے بعد وہ ہوگا جو علم قرآن و مسائل میں بڑھا ہوا ہو خواہ اس کو قرآن مجید دوسرے سے کم یاد ہو۔ اس سے صاف واضح ہوا کہ اصل ترجیح زیادتی حفظ قرآن کے لئے نہیں بلکہ

زیادتی علم کے لئے ہے۔ پھر یہ بات الگ ہے کہ حفظ وعلم کے لئے بھی لانہایت مراتب ہیں، غرض ہمارے فقہاء نے الفاظِ حدیث سے زیادہ معانی ومقاصدِ حدیث کی رعایت کی اوران کو سمجھا ہے۔ وہ سمجھے کہ حدیث میں اقرا ٔ کی تقدیم اس لئے کی گئی کہ اس زمانہ میں اقرا ٔاعلم بھی ضرور ہوتا تھا یہ بات نہ تھی کہ اسے قرآن مجید تو زیادہ یاد ہوتا تھا، مگر وہ اس کے معانی ومقاصد کو نہ سمجھتا تھا، اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیثِ نبوی میں سنت سے مراد وہ مسائل ہیں جو حضور علیہ السلام کے طریقِ نماز اوراس کے بارے میں ہدایات کے علم ومشاہدہ سے حاصل ہوئے تھے۔ اوراعلم بالسنہ سے یہ مراد ہے کہ وہ بقدرِ ضرورتِ صلوٰۃ قرآن مجید صحیح طور سے پڑھنے کے ساتھ مسائل متعلقہ نماز کا علم بہ نسبت دوسروں کے زیادہ رکھتا ہو، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صحابۂ کرام میں سے سب سے زیادہ علم، فہم، تقویٰ، تعلق مع اللہ، خوف وخشیت والے تھے، وقال تعالیٰ **انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء وقال علیہ السلام انا اتقاکم للّٰہ واخشاکم** (میں تم سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ کا خوف وخشیت رکھتا ہوں) ظاہر ہے تقوی وخشیت خداوندی کا تعلق علم سے ہے، تجوید وقراءت سے نہیں، لہٰذا جن اوصافِ فاضلہ میں حضور علیہ السلام اورسب سے بڑھے ہوئے تھے، اسی طرح حضرتِ ابوبکرؓ بھی ان اوصافِ نبویہ میں اورسب صحابہ پر ممتاز تھے، اور اسی لئے وہ امت میں سے امامت کے مستحق بھی پہلے درجہ پر قرار پائے، اگر وجہ ترجیح بجائے علم کے حفظ کے لئے ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ کی جگہ امامت کے مستحق حضرات ابی بن کعبؓ ہوتے جن کو حضور علیہ السلام نے امت کا اقرأ وا حفظ فرمایا تھا۔

حضرتؒ نے مزید ارشاد فرمایا کہ علم کے مقابلہ میں حفظ کی شان تو حدیث میں بھی کم ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ میں سے سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے، مگر علم وفہم حدیث کے لحاظ سے یہاں بھی حضرت ابوبکرؓ ہی کا درجہ سب سے اوپر ہے حدیث نمبر ۶۴۴ میں ان نفتتین کا ترجمہ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہم نے خیال کیا کہ فرطِ خوشی سے ہم میں کھلبلی پڑ جائے گی۔

افادۂ انور: مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک رکعت ابوبکر کے پیچھے مسبوقانہ پڑھی ہے اور میرا گمان ہے کہ جہاں سے پردہ اٹھایا تھا وہیں سے بیٹھ کر اقتداء کی ہوگی۔ پھر انتقالات ہوتے رہے، حضور علیہ السلام نے ظہر۔ مغرب۔ عشاء اور فجر کی نمازیں حالتِ مرض میں پڑھی ہے، عصر کا ذکر نہیں ہے (راجع المغازی الخ) حضور علیہ السلام عشا کے وقت بھی نکلے ہیں اور خطبہ پڑھا ہے۔ اس طرح چار وقت نکلے ہیں اور بخاری کے الفاظ سے بھی ۵۔۶ جگہ سے یہ نکلتا ہے۔ مگر حافظ نے کہیں بول کر نہیں دیا اورصرف ایک ظہر کو مانتے ہیں، باقی کا انکار کرتے ہیں نیز فرمایا کہ جس وقت حضور علیہ السلام کے اوپر مشکیں ڈالی گئی ہیں وہ عشا کا ہی وقت تھا اور مغرب کے وقت بھی نکلے ہیں اور صبح کے وقت بھی ایک رکعت میں مسبوق ہوکر شرکت کی ہے (کما فی البخاری) پس چار اوقات میں شرکت ثابت ہے۔

باب من قام الی جنب الامام لعلة

کسی عذر کی بناپر مقتدی کا امام کے پہلوں میں کھڑے ہونے کا بیان

۶۴۷: حدثنا زکریا بن یحیٰ حدثنا ابن نمیر قال اخبرنا ھشام ابن عروۃ عن ابیہ عن عآئشۃ قالت امر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابابکر ان یصلی بالناس فی مرضہ فکان یصلی بھم قال عروۃ فوجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من نفسہ خفۃ فخرج فاذا ابوبکر یؤم الناس فلمآ راٰہ ابوبکر استاخر فاشار الیہ اٰن کماانت فجلس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حذآء ای بکر الیٰ جنبہ فکان ابوبکر یصلی بصلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والناس یصلون بصلوٰۃ ابی بکر

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا علیہ نے اپنی بیماری میں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ وہ لوگوں کو نماز پڑھانے

لگے، عروہ (راوی حدیث) کہتے ہیں، کہ رسولِ خدا علیہ نے اپنے جسم میں (مرض کی) کچھ خفت دیکھی تو باہر تشریف لائے، اس وقت ابوبکرؓ لوگوں کے امام تھے، لیکن جب ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھا، تو پیچھے ہٹنا چاہا، آپ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ تم اسی طرح رہو، پھر رسولِ خدا علیہ ابوبکرؓ کے برابر ان کے پہلو میں کھڑے ہو گئے، پس ابوبکرؓ رسولِ خدا علیہ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے، اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ امام محمدؒ کے نزدیک امام کے ساتھ اگر صرف ایک مقتدی ہو تو وہ امام کی برابری سے کچھ پیچھے کو ہٹ کر داہنی طرف کھڑا ہوگا، تاکہ امام سے آگے ہونے کا احتمال نہ رہے کہ اس سے نماز باطل ہو جائے گی، اور اگر دو مقتدی ہوں تو ان کی جگہ امام کے پیچھے ہے، لیکن اگر ایک مقتدی داہنی طرف اور دوسرا امام کے بائیں کھڑا ہو کر اقتدا کرے تو وہ بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، ہم مکروہ کہتے ہیں، مگر جگہ تنگ ہو کہ پیچھے کھڑے نہ ہو سکیں تو ہمارے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے۔

قولہ لعلّہ: پر فرمایا کہ علت کے معنی اصل لغتِ عرب میں عرف مرض کے ہیں، اگر چہ پھر اس کا استعمال وجہ و سبب کے لئے بھی ہونے لگا ہے۔ صاحبِ قاموس کی بھی یہی تحقیق ہے۔

باب من دخل ليؤم الناس فجآء الامام الاول فتاخر الاول اولم يتاخر جازت صلوٰة فيه عآئشة عن النبى صلے الله عليه وسلم

(اگر کوئی آدمی لوگوں کی امامت کے لئے جائے، پھر امام اول آ جاوے، تو پہلا شخص پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے، اس کی نماز ہو جائے گی، اس مضمون میں حضرت عائشہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت نقل کی ہے)

۶۴۸: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابى حازم بن دينار عن سهل بن سعدالساعد ان رسول الله صلے الله عليه وسلم ذهب الىٰ بنى عمرو بن عوف ليُصلح بينهم فحانت الصلوٰة فجآء المؤذن الىٰ ابى بكر فقال اتصلى بالناس فاقيم قال نعم فصلى ابوبكر فجاء رسول الله صلے الله عليه وسلم والناس فى الصلوٰة فتخلص حتىٰ وقف فى الصف فصفق الناس و كان ابوبكر لايلتفت فى صلوته فلما اكثر الناس التصفيق التفت فراٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاشار اليه رسول الله صلے الله عليه وسلم ان امكث مكانك فرفع ابوبكر يديه فحمد الله علىٰ مآامره رسول الله صلے الله عليه وسلم من ذٰلك ثم استاخر ابوبكر حتىٰ استوىٰ فى الصف وتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فلما انصرف قال يآابابكر مامنعك ان تثبت اذا مرتك فقال ابوبكر ما كان لابن ابى قحافة ان يصلى بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلے الله عليه وسلم مالى رايتكم اكثرتم التصفيق من نابه' شئ فى صلوته فليسبح فانه' اذاسبح التفت اليه وانما التصفيق للنساء

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسولِ خدا علیہ بنی عمرو بن عوف میں باہم صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا تو موذن ابوبکرؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر تم لوگوں کو نماز پڑھا دو تو میں اقامت کہوں، انہوں نے کہا اچھا، پس ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے، اتنے میں رسولِ خدا علیہ آ گئے اور لوگ نماز میں تھے، پس آپ (صفوں میں) داخل ہوئے، یہاں تک کہ (پہلی) صف میں جا کر ٹھہر گئے، لوگ تالی بجانے لگے، چونکہ ابوبکرؓ نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھتے تھے، لیکن جب لوگوں نے زیادہ تالیاں بجائیں، تو انہوں نے دزدیدہ نظر سے دیکھا تو رسولِ خدا علیہ نے انہیں اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ پر کھڑے رہو تو ابوبکر نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کے

حضور انور علیہ السلام کے اس ارشاد کا شکر یہ ادا کیا، پھر پیچھے ہٹ گئے، یہاں تک کہ صف میں آ گئے، اور رسولِ خدا علیہ السلام آگے بڑھ گئے، آپ نے نماز پڑھائی، پھر جب آپ فارغ ہوئے، تو فرمایا کہ اے ابوبکرؓ جب میں نے تم کو حکم دیا تھا، تو تم کیوں نہ کھڑے رہے؟! ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ ابو قحافہؓ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں ہے، کہ رسولِ خدا علیہ السلام کے آگے نماز پڑھائے، پھر رسولِ خدا علیہ السلام نے (لوگوں سے) فرمایا کہ کیا سبب ہے کہ میں نے تم کو دیکھا تم نے تالیاں بکثرت بجائیں (دیکھو) جب کسی کو نماز میں کوئی بات پیش آئے تو اسے چاہئے، کہ سبحان اللہ کہہ دے، کیونکہ جب وہ سبحان اللہ کہہ دے گا، تو اس کی طرف التفات کیا جائے گا اور ہاتھ پر ہاتھ مارنے کا اشارہ صرف عورتوں کے لئے رکھا گیا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے قولہ فصلے ابو بکر پر فرمایا:۔ مجھے مصنف عبد الرزاق میں روایت ملی ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ واقعہ تیسرے سال ہجری کا ہے، اور روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بہت پرانا ہے، کیونکہ اس میں تصفیف کا بھی ذکر ہے، جو پہلے دنوں میں تھی، اس کے بعد تسبیح کے حکم سے وہ منسوخ ہو گئی، لہٰذا بخاری کی اس حدیث الباب سے مسائل اخذ کرنا درست نہ ہوگا۔ مثلاً صفِ اول تک پہنچنا بغیر اس کے کہ وہاں جگہ خالی رہ گئی ہو، تب تو دوسری صفوں کو چھوڑ کر آگے جانا درست ہے، یا نماز کے اندر ہاتھ اٹھانا، یا حمد کرنا، کہ یہ سب امور خصوصیت پر محمول ہوں گے اور ان پر اب عمل درست نہ ہوگا، علامہ ابن الجوزیؒ نے بھی کہا کہ ایسی باتوں پر فقیہ کو عمل نہیں کرنا چاہئے نہ ان کو سنت سمجھنا چاہئے جن پر عمل کا توارث ثابت نہ ہو، لہٰذا شافعیہ کا اس واقعہ کو متاخر قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

قولہ فرفع ابو بکر یدیہ: پر فرمایا:۔ نماز کے درمیان میں ہاتھ اٹھانا فعلِ مستحسن ہے یا نہیں؟ اس جیسے فعل کے لئے ضابطہ و قاعدہ کلیہ یاد رکھو، جو بہت سے مواضع میں کام آئے گا، کبھی تو حضور اکرم علیہ السلام کی جانب سے بھی تصویب و تقریر کسی فعل کی ہوتی ہے اور کبھی کسی کی اچھی نیت کی۔ ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ خاص طور سے وہ تصویب و تقریر اس فعل کی ہی ہے، تب تک اس کو سنت قرار نہیں دے سکتے کیونکہ بعض اوقات وہ فعل خود پسندیدہ نہیں ہوتا بلکہ جس نیت صالحہ سے وہ کیا گیا ہے صرف وہ نیت قابلِ تحسین و تصویب ہوتی ہے۔ البتہ اگر کسی فعل پر تعاملِ سلف منقول ہو تو وہ بھی اس فعل کی تقریر و تصویب کی دلیل بن سکتا ہے، مثلاً مروی ہے کہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ نماز میں ہمیشہ سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے، کسی صحابی نے اس بارے میں حضورِ اکرم علیہ السلام سے استفسار کیا کہ ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور حضور علیہ السلام کے سوال پر حضرت کلثوم نے جواب دیا کہ حضور! مجھے اس سورت سے محبت ہے کیونکہ اس میں صفت رحمان ہے، اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تجھے جنت کا مستحق بنا دیا۔ تو باوجود حضور علیہ السلام کی اتنی مدح و تصویب کے بھی سورۂ اخلاص کے ہر نماز میں تکرار کے فعل کو مستحسن یا مسنون و مستحب قرار نہیں دیا جا سکتا کہ آپ نے تو صرف اس کی نیت کی تعریف کی ہے۔ یہی بات حضرات صحابہؓ نے سمجھی ہے، جو سارے امتِ محمدیہ میں سے سب سے زیادہ ذکی و دانشمند تھے، ان میں سے کسی نے بھی تکرارِ سورت پر عمل نہیں کیا، اور اس کو صرف ایک شخص کے لئے بشارت خیال کیا، ورنہ اس پر تعامل و توارث ہو جاتا، اور خود حضور علیہ السلام کا سوال کرنا ہی اس فعل کے ناپسندیدہ ہونے کے لئے کافی ہے (فرمایا کہ غیر مقلد یہ سمجھے کہ قل ھو اللہ ہی پڑھنی چاہئے، چنانچہ صبح کی نماز میں بھی پڑھتے ہیں) اسی طرح بہت سے امور میں جہاں حضور علیہ السلام نے سوال فرما دیا ہے وہاں یہی صورت پیدا ہو گی، ایک صحابی نے نماز میں چھینک آنے پر دعا پڑھی حضور علیہ السلام نے فرمایا من المتکلم فی الصلوٰۃ؟ اور پھر تصویبِ نیت بھی کی۔ ایک صحابی نے نماز میں اللہ اکبر کبیرا کہا تو آپ نے فرمایا کہ اس کلمہ کو بارہ فرشتے اچک کر لے گئے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے بعینہ اعمال کو اٹھا کر لے جاتے ہیں) پھر بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے سوال کے بعد، فاعل کا پیچھا نہیں کیا، اور اس کے فعل سے صرفِ نظر فرمالی، جیسے پہلے گزرا کہ صبح کی نماز کے وقت یا اقامت کے بعد آپ نے سنتیں پڑھنے والے کو ٹوکا کیا صبح کی چار رکعت پڑھو گے؟! مگر پھر اس کے فعل پر تعقب یا نکیر بھی نہیں کی، فقط سوال یا ٹوکنے سے ہی اس فعل کا بے محل ہونا ظاہر ہو گیا۔

بعض اقسام رفع یدین بھی حضور علیہ السلام کے سوال اور ٹوک کی زد میں آ چکے ہیں، اس لئے ہر رفع یدین کو بھی مرضیات شارع علیہ

السلام میں داخل کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کا فعل بے محل تھا، اور حضور علیہ السلام نے تقریر صحت نیت کی کی ہے نہ کہ یہ تصویب فعل ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ قراءتِ فاتحہ خلف الامام وغیرہ بھی اسی زمرہ میں آجائیں گے، کیونکہ وہاں بھی سوالِ نبوی ہوا ہے۔ تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

قولہ ما کان لابن ابی قحافۃ ان یصلے بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: فرمایا: امت کے کسی فرد کے لائق نہیں کہ وہ نبی ورسول کا امام بن سکے، اسی لئے حضرت مہدی بھی صرف ایک نماز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امام بنیں گے، وہ بھی اس لئے کہ اقامت ان کے لئے ہو چکے گی اور اقامت کے بعد حضرتِ مسیح علیہ السلام اتریں گے اور مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ نبی کی وفات سے قبل اس کے کسی امتی نے اس کی امامت کی ہے، اور حضورِ اکرم ﷺ نے بھی کئی مواقع میں اپنے کسی امتی کی اقتدا کی ہے، مثلاً غزوۂ (۱) تبوک سے واپسی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے امامت کی اور آپ نے اقتدا فرمائی (ابوداؤد ص۲۰ ومسلم ص۱۳۴ باب المسح علی الخفین) (۲) دو جماعتوں میں صلح کرانے کے لئے قبا تشریف لے گئے، تو اس وقت بھی ایسا پیش آیا۔ (۳) مرضِ وفات میں حضرت ابوبکرؓ کی اقامت تو بہت ہی مشہور ہے، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات بھی سمجھی کہ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد امامت کے لئے بطور لزوم نہ تھا، اور نماز پڑھاتے رہنے کا حکم بھی بابِ اکرام وقدر افزائی سے تھا اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے بھی بطریقِ ادب وتواضع پیچھے ہٹ آنا ہی مناسب خیال کیا، برخلاف اس کے جو مرضِ وفات نبوی میں پیش آیا کہ وہاں حضرت ابوبکرؓ پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ نماز پوری پڑھائی، اور حضور علیہ السلام نے دوسری رکعت نمازِ صبح میں آپ کی اقتدا فرمائی، جیسا کہ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے، گویا نماز کا بڑا حصہ ہو جانے پر حضرت ابوبکرؓ نے نماز میں استمرار ومشغولیت کو ترجیح دی اور جب تھوڑی پڑھانے پر ہی حضور علیہ السلام تشریف لے آئے تو آگے نماز پڑھانا آپ کی موجودگی میں مناسب نہ سمجھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بھی اسی طرح عمل کیا تھا جبکہ صبح کی ایک رکعت پڑھانے کے بعد حضور علیہ السلام نے ان کے پیچھے اقتدا کی تھی، یہی فرق اور تفصیل حافظ نے بھی ذکر کی ہے۔ دیکھئے فتح الباری ص۲\۱۱۴

تفرد الحافظ والامام البخاری: حافظؒ نے حدیث الباب کے تحت کچھ فوائد ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام سے قبل مقتدی کا احرامِ صلوٰۃ جائز ہے، اور جو شخص اکیلے نماز شروع کرے، پھر اقامت ہو جائے تو وہ شخص نمازِ جماعت میں اسی طرح داخل ہو جائے گا، نماز توڑ کر پھر سے امام کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر شرکتِ جماعت کی ضرورت نہیں ہے، جو جمہور کا مذہب ہے۔ حافظ نے کہا کہ حدیث الباب کے قصہ سے یہی مسئلہ طبری نے بھی استنباط کیا ہے۔ (فتح ص۲\۱۱۵)

حافظ عینیؒ نے حافظ کا یہ مسئلہ نقل کر کے اس کا رد کیا ہے، اور فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث نبوی میں **اذا کبر الامام فکبروا** وارد ہے، یعنی امام تکبیر کہے تب تم بھی تکبیر کہو۔ اس سے ترتیب وبعدیت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا امام سے قبل تکبیر کیسے جائز ہوگی، علامہ ابن بطالؒ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے بھی ایسی بات کہی ہو کہ امام سے پہلے تکبیر کہے تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی، البتہ امام شافعیؒ کے مذہب پر یہ بات اس لئے درست ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ مرتبط نہیں ہے، باقی دوسرے سب ہی فقہاء اس کو جائز قرار نہیں دیتے۔ پھر علامہ عینیؒ نے طبری کے استدلال کو بھی رد کیا اور فرمایا کہ حدیث الباب سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس نماز میں شرکت فرمائی جس کا کچھ حصہ حضرت ابوبکرؓ پڑھ چکے تھے اور ان کی اقتداء صحابہ کرام کر چکے تھے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے درمیانِ صلوٰۃ میں اپنی نماز شروع کی ہے اور قوم نے دونوں کے پیچھے اپنی نماز پوری کی ہے۔ اس سے مقتدیوں کی تحریمہ امام سے قبل کیونکر ہوئی جبکہ پہلے سے امام حضرت ابوبکرؓ تھے، اور ان ہی کی تحریمہ سے شروع کی ہوئی نماز کو حضور علیہ السلام کے ساتھ پورا کیا ہے۔ (عمدہ ص۲\۷۰۴)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے ابتداء کتاب الصلوٰۃ میں بوقت درس بخاری شریف فرمایا تھا کہ ہمارے حنفیہ کے نزدیک تو اتحادِ

صلاتین شرائطِ اقتداء میں سے ہے، امام شافعیؒ کے یہاں اختلافِ صلاتین فرضاً ونفلاً ووقتاً کی صورت میں بھی اقتدا درست ہے، لیکن امام بخاریؒ نے شافعیہ سے بھی زیادہ توسع کیا ہے، چنانچہ انہوں نے تقدیم تحریمۂ مقتدی کو بھی جائز قرار دے دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیم مذکور کا جواز شافعیہ کا مسلک نہیں ہے۔ اور ادھر حافظ نے امام بخاریؒ ہی کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

راقم الحروف نے اپنی کسی یادداشت میں امام بخاریؒ کے تفردات کو یکجا کیا ہے، کسی موقع پر ان سب کو پیش کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

باب اذااستووافی القرآءة فلیؤمهم اکبرهم

(اگر کچھ لوگ قرأت میں مساوی ہوں تو جوان میں زیادہ عمر والا ہو وہ امامت کرے)

۶۴۹ : حدثنا سلیمان بن حرب قال اخبرنا حماد بن زید عن ایوب عن ابی قلابة عن مالک بن الحویرث قال قدمنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و نحن شبیة فلبثنا عنده نحوامن عشرین لیلة وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رحیماً فقال لورجعتم الیٰ بلادکم فعلمتموهم مروهم فلیصلوا صلوٰة کذافی حین کذاوصلوٰة کذافی حین کذافاذاحضرت الصلوٰة فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم.

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ہم چند جوان تھے، ہم لوگ تقریباً بیس یوم تک مقیم رہے۔ نبی کریم ﷺ بڑے رحم دل تھے (لہٰذا آپ نے (ہمارا گھر بار سے جدا رہنا پسند نہ کیا اور) ہم سے فرمایا کہ اگر تم اپنے وطن کو لوٹ کر جاؤ، تو انہیں دین کی تعلیم کرنا، ان سے کہنا، کہ وہ اسی طریقے سے اس وقت میں، اور اس طریقے سے اس وقت میں نماز پڑھیں، اور جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے۔ اور جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔ ف:۔ یہ حدیث پہلے دو یا تین مقام پر گزر چکی ہے۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔ ترجمۃ الباب میں اس طرف اشارہ ہے کہ حدیث الباب میں جو بڑی عمر والے کو امامت کے لئے آگے بڑھانے کی بات ہے وہ اس وقت ہے کہ وہ سب قراءت میں مساوی ہوں، ورنہ بڑی عمر والے کی تقدیم نہ ہوگی، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ گویا ترجمۃ الباب سے حدیث کی شرح کی گئی ہے، اور جمہور کے نزدیک جن میں ائمۂ ثلاثہ اور امام محمدؒ بھی ہیں مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ علم والے کو زیادہ قراءت والے پر ترجیح ہے، امام احمد وابو یوسف کہتے ہیں کہ زیادہ قراءت والے کو مقدم کرو۔ (الابواب ص ۲۶۷\۲)

باب اذازارالامام قوماً فامهم

(اگر امام کچھ لوگوں سے ملنے جائے، تو ان کا امام ہو سکتا ہے)

۶۵۰ : حدثنا معاذ بن اسد قال اخبرنا عبداللہ قال اخبرنا معمر عن الزهری قال اخبرنی محمود بن الربیع قال سمعت عتبان بن مالک الانصاری قال استاذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذنت له فقال این تحب ان اصلی من بیتک فاشرت له الی المکان الذی احب فقام وصففنا خلفه ثم سلم و سلمنا

ترجمہ: حضرت محمود بن ربیع، عتبان بن مالک انصاریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (میرے گھر میں آنے کی) اجازت طلب فرمائی، تو میں نے آپ کو اجازت دی، پھر آپ نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس مقام پر نماز پڑھوانا چاہتے ہو، جس مقام کو میں چاہتا تھا، اس مقام کی طرف میں نے اشارہ کر دیا۔ پس آپ کھڑے ہو گئے۔ اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھ لی (اس کے بعد آپ نے اور ہم نے نماز پڑھ کر) سلام پھیرا۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ حدیث میں جو ممانعت آئی ہے کہ کسی کے گھر پر دوسرا جائے تو امامت نہ کرے، وہ گھر والے کی عدم اجازت کے ساتھ مقید ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنی تراجم الابواب میں اسی کو اختیار کیا ہے، دوسری

رائے حافظ ابن حجرؒ کی ہے کہ امام اعظم (خلیفہ وقت وغیرہ) اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کو اجازت کی ضرورت نہیں، تیسری رائے محقق عینیؒ کی ہے کہ امام اعظم کو بھی حدیث نبوی کی وجہ سے اجازت کی ضرورت ہے الخ (الابواب ص ۳/۳۲۷)

راقم الحروف کے نزدیک واضح صورتیں دو ہی بنتی ہیں، تیسری سمجھ میں نہیں آئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب انما جعل الامام لیؤتم به وصلی النبی صلی الله علیه وسلم فی مرضه الذی توفی فیه بالناس وهو جالس وقال ابن مسعود اذارفع قبل الامام یعود فیمکث بقدرما رفع ثم یتبع الامام وقال الحسن فیمن یرکع مع الامام رکعتین ولایقدرعلی السجود یسجدللرکعة الاٰخرة سجدتین ثم یقضی الرکعة الاولیٰ بسجودها و فیمن نسی سجدةً حتیٰ قام یسجد (امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہوئے تھے، اور حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ اگر کوئی مقتدی امام سے پہلے سر اٹھائے تو اسے چاہیے کہ پھر لوٹ جائے اور بقدر اس مدت کے جس میں وہ سر اٹھائے رہا وہاں توقف کرے اس کے بعد امام کا اتباع کرے اور حسن بصری نے اس شخص کے بارے میں جو امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے، اور (لوگوں کی کثرت کے سبب سے) سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، یہ کہا ہے، کہ اخیر رکعت میں دو سجدے کر لے، بعد اس کے پہلی رکعت مع اس کے سجدوں کے ادا کرے، اور جو شخص کوئی سجدہ بھول کر کھڑا ہو جائے، اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ سجدہ کر لے)

۶۵۱: حدثنا احمد بن یونس قال اخبرنا زآئدة عن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبیدالله بن عبدالله بن عتبة قال دخلت علیٰ عآئشة فقلت الاتحدثینی عن مرض رسول الله صلی الله علیه وسلم قالت بلیٰ ثقل النبی صلی الله علیه وسلم فقال اصلی الناس قلنا لاوهم ینتظرونک یا رسول الله قال ضعوالی مآءً فی المخضب قالت ففعلنا فاغتسل فذهب لینوٓء فاغمی علیه ثم افاق فقال اصلی الناس قلنالاهم ینتظرونک یا رسول الله قال ضعوالی ماءً فی المخضب فقعد فاغتسل ثم ذهب لینوٓء فاغمی علیه ثم افاق فقال اصلی الناس قلنالاهم ینتظرونک یارسول الله والناس عکوف فی المسجد ینتظرون النبی صلی الله علیه وسلم لصلوٰة العشآء الاٰخرة فارسل النبی صلی الله علیه وسلم انی ابی بکربان یصلی بالناس فاتاه الرسول فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم یامرک ان تصلی بالناس فقال ابوبکر وکان رجلاً رقیقاً یاعمر صل بالناس فقال له' عمرانت احق بذٰلک فصلی ابوبکر تلک الایام ثم ان النبی صلی الله علیه وسلم وجدمن نفسه خفةً فخرج بین رجلین احدهما العباس لصلوٰة اظهروابوبکر یصلی بالناس فلمارا۵ ابوبکر ذهب لیتأخر فاومیٰ الیه النبی صلی الله علیه وسلم بان لایتأخر فقال اجلسانی الیٰ جنبه فاجلساه الیٰ جنب ابی بکر قال فجعل ابوبکر یصلی وهو یاتم بصلوٰة النبی صلی الله علیه وسلم والناس بصلوٰة ابی بکروالنبی صلی الله علیه وسلم قاعد قال عبیدالله فدخلت علیٰ عبدالله بن عباس فقلت له' الاعرض علیک ماحدثتنی عآئشة عن مرض النبی صلی الله علیه وسلم قال هات فعرضت علیه حدیثها فماانکرمنه شیئاً غیرانه' قال اسمت لک الرجل الذی کان مع

العباس قلت لاقال هو علیٰ

۶۵۲ : حدثنا عبد اللّٰہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عآئشۃ ام المؤمنین انھا قالت صلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتہ و ھوشاک فصلی جالساً وصلے ورآء ہ' قوم قیاماً فاشار الیھم ان اجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذارکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذاقال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد واذا صلے جالساً فصلوا جلوساً اجمعون

۶۵۳ : حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شھاب عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رکب فرساً فصرع عنہ فجحش شقہ' الایمن فصلی صلوۃ من الصلوات وھو قاعد فصلیناورآء ہ' قعوداً فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذاصلے قآئماً فصلوا قیاماً واذا رکع فارکعوا واذارفع فارفعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنالک الحمد واذاصلے جالساً فصلوا جلوساً اجمعون قال ابوعبداللہ قال الحمیدی قولہ' واذاصلے جالساً فصلوا جلوساً ھو فی مرضہ القدیم ثم صلے بعد ذٰلک النبی صلے اللہ علیہ وسلم جالساً والناس خلفہ' قیام لم یامرھم بالقعود وانما یؤخذبالاٰخر فالاٰخرمن فعل النبی صلے اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ۶۵۱: حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا، اور میں نے کہا کہ آپ مجھ سے رسول خدا ﷺ کی (اخیر) مرض کی کیفیت کیوں نہ بیان کریں، انھوں نے کہا، اچھا (سنو) میں بیان کرتی ہوں، رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے، پھر آپ نے پوچھا، کیا لوگ نماز پڑھ چکے، ہم لوگوں نے عرض کیا، کہ نہیں یارسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھ دو (میں نہاؤں گا) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا، آپ نے غسل فرمایا پھر کھڑا ہونا چاہا، مگر آپ بے ہوش ہو گئے، اس کے بعد ہوش آیا، تو آپ نے پھر فرمایا، کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھ دو، چنانچہ رکھ دیا گیا پس آپ نے غسل فرمایا پھر کھڑا ہونا چاہا مگر بے ہوش ہو گئے، پھر فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ لوگوں نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں، اور لوگ مسجد میں نبی کریم ﷺ کا عشاء کی نماز میں انتظار کر رہے تھے (مجبوراً نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس (کہلا) بھیجا تاکہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ قاصد ان کے پاس پہنچا، اور اس نے کہا کہ رسول خدا ﷺ آپ حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت ابوبکرؓ بولے (اور وہ نرم دل آدمی تھے) کہ اے عمر، تم لوگوں کو نماز پڑھا دو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ تم اس کے زیادہ حق دار ہو، تب حضرت ابوبکرؓ نے ان دنوں میں نماز پڑھائی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ میں (مرض کی) کچھ خفت پائی، تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارا لے کر نماز ظہر کے لئے نکلے، ان میں سے ایک عباس تھے، اس وقت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، جب آپ کو ابوبکر نے دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں، پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کے پہلو میں بٹھا دو، چنانچہ ان دونوں آدمیوں نے آپ کو ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دیا۔

عبیداللہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت، ابوبکرؓ اس طرح نماز پڑھنے لگے، کہ وہ تو نبی کریم ﷺ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ ابوبکر کی نماز کی اقتدا کرتے تھے نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے (نماز پڑھ رہے) تھے، عبیداللہ کہتے ہیں، پھر میں عبداللہ بن عباس کے پاس گیا اور ان سے یہ کہا میں تمہارے سامنے وہ حدیث پیش نہ کروں جو مجھ سے حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ کے مرض کے متعلق بیان کی ہے، انھوں نے کہا لاؤ (سناؤ) میں نے ان کے سامنے حضرت عائشہؓ کی حدیث پیش کی، حضرت ابن عباسؓ نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا۔ صرف

اتنا کہا کہ حضرت عائشہؓ نے تمہیں اس شخص کا نام بھی بتایا جو حضرت عباسؓ کے ہمراہ تھا، میں نے کہا نہیں، ابن عباس نے کہا، وہ علیؓ تھے۔

ترجمہ ۶۵۲: حضرت ہشام بن عروہ، اپنے والد عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بحالت مرض اپنے گھر ہی میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔ اور لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو آپ نے (یہ دیکھ کر) ان سے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، پھر جب آپ (نماز سے) فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہٰذا جب وہ رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے، تو تم **ربنا لک الحمد** کہو، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو۔

ترجمہ ۶۵۳: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) گھوڑے پر سوار ہوئے، اور اس سے گر گئے، تو آپ کے جسم مبارک کا داہنا پہلو اس سے کچھ زخمی ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ نے نمازوں میں سے ایک نماز بیٹھ کر پڑھی، پھر جب آپ فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے، کہ اس کی اقتدا کی جائے، پس اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو، اور جب رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سر) اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بیٹھ کر پڑھو، امام بخاری کہتے ہیں، حمیدی نے کہا ہے کہ یہ قول آں حضرت ﷺ کا کہ "جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو" آپ کی پہلی بیماری میں تھا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے امرض وفات کے موقع پر۔ بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، آپ نے انہیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا، اور یہ طے شدہ امر ہے، کہ نبی کریم ﷺ کے آخری سے آخری فعل پر عمل کیا جاتا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ حدیث الباب ص ۱۵۱ میں حضور علیہ السلام کا مرض وفات میں ٹب میں بیٹھ کر غسل کرنے کا ذکر ہے اور نماز عشاء مسجد نبوی میں پڑھنے کی بھی صراحت ہے، اور بخاری کے الفاظ سے بھی ۵-۶[1] جگہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضور علیہ السلام عشا کے وقت حجرہ شریفہ سے مسجد کی طرف نکلے ہیں اور خطبہ پڑھا ہے مگر حافظ نے کہیں بول کر نہیں دیا، اور وہ صرف ایک ظہر کے لئے نکلنے کو مانتے ہیں باقی کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرض وفات میں چار پانچ دن کے اندر چار بار مسجد نبوی کی نماز میں شرکت فرمائی ہے اور تین نمازوں کی شرکت کو تو امام ترمذی نے بھی مانا ہے، میں چار مانتا ہوں، جبکہ امام شافعی اور حافظ صرف ایک نماز کی شرکت مانتے ہیں، پھر ان دونوں میں بھی اختلاف ہے کہ امام شافعی صبح کی نماز میں کہتے ہیں اور حافظ ظہر میں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری کی حدیث ص ۳۲ کے تحت بھی ضروری تفصیل انوار الباری ص ۱۷۴/۵ میں آچکی ہے، وہ بھی اس کے ساتھ دیکھ لی جائے۔

اب حضرتؒ نے سابق باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ کی حدیث انسؓ میں **قولہ فنکص ابو بکر الخ** پر یہ بھی فرمایا کہ اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام اس نماز میں داخل نہیں ہوئے، کہ ایسا ہوتا تو راوی اس کو ضرور ذکر کرتا، تاہم امام بیہقی نے شرکت پر اصرار کیا ہے اور دو روایتوں سے استدلال کیا ہے، میرے پاس بھی دس وجوہ یا زیادہ ایسی ہیں جو شرکت نماز فجر (یوم الاثنین یوم وفات نبوی) پر دلالت کرتی ہیں، اور میرا خیال ہے کہ آپ نے اقتدا حجرہ شریفہ سے کی ہے۔ مسجد میں تشریف نہیں لے جا سکے، جس طرح عورتیں جمعہ کے دن حجروں سے اقتدا کرتی تھیں (کما فی المدونہ لیکن میرے پاس اس کی نقل نہیں ہے) اور نسائی سے معلوم ہوتا ہے کہ صف تک پہنچ گئے تھے۔

امام شافعیؒ بھی نماز صبح کی شرکت کے قائل ہیں اور غالباً وہ پیر کے دن کی ہی ہے۔ حافظ نے صبح کی نماز کی شرکت سے انکار کیا ہے اور

---

[1] مثلاً ص ۳۲ باب الغسل والوضوء فی المخضب، اور ص ۹۹ میں باب الرجل یأتم (یہی زیر بحث باب) اور ص ۵۱۲ میں نماز و خطبہ کا ذکر اور ص ۶۳۹ باب المغازی اور ص ۸۵۱ میں ثم خرج الی الناس، نماز خطبہ کا ذکر اور حافظ کا انکار۔ "مؤلف"

شرکت صرف ظہر میں مانی ہے۔ پہلے یہ بات بھی آ چکی ہے کہ ایک نماز ظہر کی شرکت کو سب ہی مانتے ہیں، علاوہ امام شافعی کے خواہ وہ سنیچر کی ہو یا اتوار کی، جمعہ کی تو ہو نہیں سکتی، جمعرات کی شام سے علالت شروع ہوئی تھی، جمعہ، سنیچر، اتوار تین روز پورے علالت میں گذرے، پیر کے دن ظہر کے قبل وفات ہوئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اہم بحث: حافظ نے نماز عشاء کی شرکت سے بھی انکار کیا ہے جبکہ ابھی بخاری کی ۵۔۶ روایات سے بھی حضور علیہ السلام کے حجرہ شریفہ سے نکلنے اور نماز کے علاوہ خطبہ تک کا بھی ثبوت موجود ہے، مگر بڑا مغالطہ حدیث احمد بن یونس ص ۶۵۱ سے ہی لگا ہے جو اس وقت سامنے ہے کیونکہ اس کے بھی شروع میں نماز عشاء کا ذکر صراحۃً موجود ہے لیکن آگے اسی حدیث میں راوی نے نماز ظہر کا بھی ذکر کر دیا ہے، اس سے حافظ نے عشا کی شرکت ہٹا کر ظہر کی ثابت کر دی ہے۔ اور علامہ عینی بھی یہاں چوک گئے کہ انھوں نے بھی غسل کے اس واقعہ میں ظہر کی نماز تسلیم کر لی، حالانکہ اس واقعہ کا کوئی تعلق نماز ظہر سے نہیں ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ ہمارے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم وغیرہ کسی نے بھی اس اشکال کی طرف توجہ نہیں کی، جبکہ فیض الباری میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق بھی حضرت شیخ الحدیث کے سامنے تو آ ہی چکی تھی، کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق کا ذکر ضرور اہم مباحث میں کیا کرتے ہیں۔ پھر زیادہ تعجب اس پر ہے کہ صاحب فیض الباری نے ص ۲/۲۱۰ پر حاشیہ بھی لکھ دیا اور حدیث مسلم کا حوالہ دے کر حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق انیق کو بالکل ہی بے وزن کر دیا، پھر اتنی اہم بات کا حضرت شاہ صاحبؒ سے استفسار بھی نہ کرنا، جبکہ ان کا کمرہ جامعہ ڈابھیل میں حضرت کے کمرہ سے بالکل متصل تھا اور ہر وقت رجوع واستفادہ کے مواقع میسر تھے، اور حدیث مسلم پر حوالہ کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی کہ خود یہاں بخاری میں بھی بعینہ وہی حدیث احمد بن یونس والی موجود ہے۔

آخر یہ سوچنا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ ایسی اہم تحقیق پیش کر رہے ہیں، جس طرح بڑوں کی توجہ بھی نہ ہو سکی تھی، مثلاً علامہ عینی وغیرہ کی، اور بات اتنی واضح تھی کہ اس کا انکار ہو بھی نہیں سکتا، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ خود ہی فرماتے ہیں کہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ کے الفاظ **ثم خرج الی الناس** سے بہت ہی واضح اور کھلی حقیقت ثابت ہو رہی ہے کہ غسل کے بعد آپ کا نکلنا نماز عشاء ہی کے لئے تھا، جس کا ذکر اسی حدیث میں پہلے موجود بھی ہے کہ وہ وقت عشا کا تھا، اور یہ مرض کا پہلا دن تھا (یعنی شب جمعہ کی عشاء کا وقت) تو اس خروج کو سنیچر یا اتوار کی ظہر کے لئے خروج کس طرح کہا جا سکتا ہے اور خود بخاری ص ۵۱۲ میں باب **قولہ تعالیٰ کما یعرفون ابناء ھم** سے کچھ قبل حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ مرض وفات میں ہماری طرف نکلے، چادر لپیٹے ہوئے اور سر کو کالی پٹی باندھے ہوئے، حتیٰ کہ آپ منبر پر بیٹھے اور حمد وثنا کی پھر **اما بعد** الخ خطبہ دیا اور یہ آپ کی منبر پر آخری مجلس تھی۔

پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بخاری ص ۳۲ میں بعد غسل معہود کے صرف لوگوں کی طرف نکلنے کا ذکر ہے کسی نماز یا خطبہ کا ذکر نہیں، ص ۵۱۲ میں غسل کے بعد نماز وخطبہ دونوں کا ذکر ہے مگر ظہر کا تذکرہ نہیں، ص ۶۳۹ میں بھی غسل کے بعد نماز وخطبہ کا ذکر ہے، ظہر کی صراحت نہیں ص ۸۵۱ میں بھی غسل کے بعد نماز وخطبہ کا تذکرہ تو ہے مگر ظہر کا ذکر نہیں، صرف ایک روایت ص ۹۵ میں راوی نے پہلے نماز عشاء کا ذکر کیا اور پھر نماز ظہر کو بھی اس کے ساتھ جوڑ دیا، حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صورت واقعہ وہ نہیں تھی جو حافظ نے سمجھی ہے، بلکہ یہ تھی کہ راوی نے پہلے تو حضور علیہ السلام کے حکم سے حضرت ابو بکرؓ کی ایام علالت کی امامت کا ذکر کیا جس کے ضمن میں یہ بات آ گئی کہ حضور نمازوں میں شریک نہیں ہو سکے اس لئے راوی کا ذہن اس طرف بھی منتقل ہو گیا کہ ان ایام میں جو نمازیں آپ نے جماعت کے ساتھ ادا کیں ان کو بھی بتلا دے، اور اس سلسلہ میں اس نماز کا بھی ذکر آ گیا جو غسل کے بعد آپ نے پڑھی ہے اور خطبہ بھی دیا ہے یعنی نماز عشاء اور ساتھ ہی ظہر کی نماز بھی ذکر میں آ گئی، اور چونکہ وہی سب سے زیادہ مشہور تھی، اور اکثر کو معلوم، اس لئے اس کو اہتمام سے بیان کر گئے۔ یہ غرض نہ تھی کہ غسل کے بعد

آپ نے ظہر کی نماز پڑھی ہے، یا یہ کہ عشاء کی پڑھی ہی نہیں، جو حافظ وغیرہ نے سمجھ لیا، رواۃ حدیث کو ایسے تجوزات اور بیانی تسامحات پیش آتے رہتے ہیں، اور اسی بیانی تسامح راوی سے حافظ وغیرہ مغالطہ میں پڑ گئے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر ایسے مواقع پر بہت گہری تھی اور آپ سارے طرق ومتون حدیث کو جمع کر کے پھر کوئی فیصلہ کیا کرتے تھے، اسی لئے یہاں آپ نے خدا کے فضل وتوفیق سے وہ بات پیدا کی جس تک دوسرے اکابر نہ پہنچ سکے چنانچہ بقول حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری کی باقی ۵۔۶ جگہ کی روایات میں غسل کے بعد ہی کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے، جو عشاء کی تھی، اور پہلے ہی دن آپ نے شدید بخار اور غفلت و بے ہوشی کے بعد غسل خاص کے ذریعے طبیعت ہلکی ہونے پر پڑھی تھی، اس کے بعد تو آپ کے مرض میں اور بھی زیادہ شدت بڑھتی گئی، اور کئی روز تک شدید علالت کا سلسلہ قائم رہا، حتی کہ آخری نماز پیر کی صبح کو جو آپ نے پڑھی ہے، وہ حسب تحقیق اکابر آپ نے حجرہ شریفہ سے اقتداء کر کے حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں ادا فرمائی ہے، یعنی آپ اس وقت شدید علالت وضعف کے باعث مسجد نبوی تک بھی تشریف نہ لا سکے تھے۔ واللہ تعالے اعلم

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی بھی اہم مسئلہ کی تحقیق وتنقیح نہایت دشوار ہے۔ اور کسی ایسے مسئلہ کو سلجھانا حضرت شاہ صاحبؒ ایسے محقق ومبصر ہی کا حصہ تھا، خیال کیجئے جہاں امام ترمذی ایسا محدث اعظم تین نمازوں کی شرکت حدیث نقطہ نظر سے تسلیم کر چکا ہے، وہاں امام شافعی نے صرف فجر کی اور حافظ الدنیا نے صرف ظہر کی تسلیم کی ہو، ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بطور احتمال چوتھی نماز مغرب کا اضافہ فرمایا، اور اس کے لئے بخاری ومسلم کی حدیث ام الفضلؓ پیش کر دی کہ میں نے رسول اکرم علیہ نے مغرب کی نماز میں سورۂ مرسلات سنی اور آپ نے اس کے بعد وفات تک ہمیں اور کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ (الخ انوار الباری ص ۱۷۵/۵)

یہ معمولی تحقیق نہیں ہے شارح مسلم علامہ عثمانیؒ بھی اس حدیث احمد بن یونس پر خاموشی سے گذر گئے اور عینی بھی خاموش رہے غسل کے بعد صلوٰۃ ظہر کے ذکر کی کوئی توجیہ کسی سے بھی میری نظر میں نہیں گذری ہے۔ حضرتؒ نے اس کو حل فرمایا تو صاحب فیض فرماتے ہیں و فی النفس منه قلق الخ فیاللعجب! حضرتؒ کے علوم سے اتنی دوری اور وہ بھی اس قدر قرب جسمانی اور مدتوں درس بخاری دینے کے بعد،

حضرت شاہ صاحب کے علوم کس طرح ضائع ہوئے؟

افسوس صد افسوس کہ باوجود حضرتؒ کے بے نظیر علم وفضل وتبحر کے اور آپ کی عالمی شخصیت ہونے کے ارباب دارالعلوم دیوبند نے ان سے کما حقہ استفادہ نہ کیا، بلکہ معمولی اختلاف پر تو ایسی بے قدری وناحق شناسی کا برتاؤ کیا، جس کی مثال نہیں مل سکتی، پھر جتنا عظیم ذخیرہ ۳۰۔۴۰ سال کی محنت شاقہ سے حضرتؒ نے تین بکس یادداشتوں کی صورت میں چھوڑا تھا، وہ گھر والوں کی غفلت سے ضائع ہو گیا، آخر میں ایک شکل آپ کے تلامذہ کے ذریعہ آپ کی گرانقدر علمی تحقیقات کی اشاعت کی ہو سکتی تھی تو اس کا اندازہ بھی العرف الشذی وفیض الباری کے ذریعہ ہو سکتا ہے، کچھ بہتر کام مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی مرحوم نے انوار المحمود کی شکل میں انجام دیا تھا۔ اور سب سے بہتر رفیق محترم مولانا سید محمد یوسف بنوری دام فیضہم نے معارف السنن کی صورت میں کیا ہے، خدا اس کو پورا کرا دے، اس کام کی ابتداء احقر ہی نے مجلس علمی ڈابھیل کے زمانہ میں موصوف سے کرائی تھی، اس وقت فیض الباری کے بارے میں بہت خوش گمانی تھی، ورنہ اب افسوس ہوتا ہے کہ مولانا سے امالی بخاری شریف ہی کا کام کیوں نہ کرایا گیا۔ باقی راقم الحروف جو کچھ کام کر رہا ہے اس کی حیثیت ظاہر ہے کہ طفل تسلی سے زیادہ نہیں ہے۔ من آنم کہ من دانم۔ البتہ اس پر عمل ہوگا۔

اندریں رہ مے تراش و مے خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

کچھ مخلص احباب اور بزرگوں کی نیک دعاؤں کی وجہ سے بھی گاڑی یہاں تک کھنچ گئی اور خاص طور سے محترم مولانا اسماعیل یوسف گارڈی افریقی (تلمیذ حضرت شاہ صاحبؒ) اور محترم الحاج ایم ایس ڈکرات والحاج موسیٰ بوڈھانیہ وغیرہ احباب افریقہ کے اصرار وحوصلہ افزائی

کے باعث بھی اس کام میں لگا ہوا ہوں، اللہ تعالیٰ آسان فرمائے کہ تکمیل کرسکوں۔ آمین

احقر مجلس علمی کے سلسلہ میں دو سال حضرتؒ کی خدمت میں رہا، امالی درس بخاری شریف کے علاوہ حضرتؒ کے ملفوظات گرامی اور مواعظ بھی لکھ لیا کرتا تھا۔ یہ سب کام ضمنی تھا، بڑا کام حضرتؒ کی یادداشتوں کی نقل وترتیب وتخریج حوالات وغیرہ تھی۔ حق تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی، ورنہ زیادہ کام ہوسکتا تھا، اور حضرتؒ خود بھی فرماتے تھے کہ یہ صاحب اگر ہمیں پہلے سے مل جاتے تو بڑا کام ہوجاتا، وہی کچھ حضرتؒ کی نظر کرم وشفقت تھی جس کے طفیل میں اب بھی اس کام میں دل پھنسا ہوا ہے۔ **واللہ ذوالفضل العظیم۔**

اب آپ کے سامنے بخاری کے ترجمہ وحدیث الباب ص ۶۵۱ کے متعدد اہم جملوں کی انوری تشریح بھی مزید فائدہ کے لئے پیش ہے۔ فیض الباری ص ۲/۲۱۰ میں قولہ فوجد رسول اللہ ﷺ کا موقع بھی بجائے ص ۲۱۴ کے ترتیباً غلط ہوگیا ہے، ہم سب جملوں کو صحیح ترتیب سے لکھیں گے۔ **واللہ المعین:۔**

(۱) قولہ وقال ابن مسعود الخ: حضرتؒ نے فرمایا کہ جو جواب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سائل کو دیا ہے (اور امام بخاری کا بھی یہی مختار ہوگا کہ اس کو ذکر کیا ہے) یہی مسلک حنفیہ کا ہے۔

(۲) قولہ وقال الحسن الخ: یہ بھی حنفیہ کا مسلک ومختار ہے، اور ان مسائل کو ''مسائل السجدات'' کہا جاتا ہے شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں ان کو مستقل فصل میں ذکر کیا ہے، اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے بھی مالا بدمنہ میں لکھا ہے۔

(۳) قولہ فارسل النبی ﷺ الخ:۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حافظ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے غسل کے بعد عشاء کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لانے کا ارادہ فرمایا تھا، مگر قدرت نہ ہوئی، تب حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے حکم فرمایا۔ لیکن یہ بات متعدد روایات کے خلاف ہے جس کی تفصیل اوپر گذری ہے، اور ص ۹۹ بخاری میں تو اس امر کی بھی صراحت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کراچکے تھے، پھر حضور علیہ السلام نے مرض میں خفت محسوس کی اور مسجد کی طرف نکلے ہیں، اور نماز پڑھائی اور خطبہ بھی دیا۔

(۴) فجعل ابو بکر یصلی وھو قائم بصلوٰۃ النبی علیہ السلام: راوی کا مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام امام ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ بطور مبلغ کے تکبیر کہتے تھے، حضرتؒ نے فرمایا کہ علامہ عینی نے بخاری کی طرف تسلسل قدوہ کا مسلک منسوب کیا ہے، جو سلف میں سے شعبی اور ابن جریر کا بھی مختار ہے، کہ پہلی صف والے امام کے مقتدی ہیں، دوسری والے پہلی صف والوں کے اور اسی طرح آخری صفوف تک۔ لیکن جمہور کا مسلک یہ نہیں ہے، ان کے نزدیک سارے مقتدی بلاتوسط کے امام ہی کی اقتدا کرتے ہیں۔ ثمرۂ خلاف جب ظاہر ہوگا کہ کوئی شخص جماعت کو پہنچا اور امام اور مقتدی رکوع سے سر اٹھا چکے تھے، البتہ آخری صفوں میں کوئی ابھی رکوع میں تھا کہ اس شخص نے اسی کی اقتدا کرلی اور اس کے رکوع میں شریک ہوگیا تو اس کو شعبی وغیرہ کے نزدیک رکعت مل گئی، مگر جمہور کے نزدیک نہیں ملی۔

(۱) قولہ ان رسول اللہ ﷺ رکب فرسا حدیث ص ۶۵۳: فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا یہ واقعہ گھوڑے سے گرنے کا حسب تحقیق ابن حبان پانچویں سال ہجرت کا ہے اور حافظ نے غلطی سے اس کو نویں سال کا بتلایا ہے۔ مغالطہ بعض راویوں کی تعبیری مسامحت سے ہوا ہے کہ انھوں نے اس قصہ کو اور ایلاء کے قصہ کو ایک ہی سیاق میں ذکر کیا ہے، کیونکہ دونوں وقت حضور علیہ السلام نے مشربہ (بالاخانہ) میں قیام فرمایا تھا، علامہ زیلعی حنفی نے اس پر تنبیہ کی ہے مگر حافظ سے تعجب ہے کہ وہ اس اشتراک کے سبب سے غلطی میں پڑ گئے، حالانکہ راوی یہ بھی بتلاتے ہیں کہ قصہ جحوش مذکورہ میں تو حضور علیہ السلام تکلیف کی وجہ سے نیچے اتر ہی نہیں سکتے تھے، برخلاف اس کے قصہ ایلا میں کوئی جسمانی معذوری نہ تھی۔

(۲) قوله فصلینا وراءہ قعودا: حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک واقعہ تو سقوط نبوی والا ہے اور اس کے بارے میں جو حدیث وارد ہے، وہ الگ ہے، اور دوسرا واقعہ بہت بعد کا ہے اور اس کی حدیث بھی دوسری ہے، جس میں خاص طور سے اقتدا کے احکام بتلائے گئے ہیں، اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، بعض حضرات نے دونوں حدیث کو ایک قرار دے کر چاہا کہ دوسری حدیث کے اس حکم کو زائد بتلا کر اولی بالحذف قرار دیدیں، حالانکہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں جو ۵ھ کے بہت بعد کو اسلام لائے ہیں، لہٰذا اس حدیث کے زائد الفاظ مذکورہ کی صحت میں صرف ان ہی لوگوں نے شک کیا ہے جو قراءۃ خلف الامام کے قائل ہیں اور ان کی فقہ حدیث پر غالب آ گئی ہے، حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ حدیث کو متبوع بنا کر فقہ کو اس کے تابع کیا جائے۔ اس کی مزید تفصیل و بحث مسئلہ قراءت خلف الامام میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرتؒ نے اس کو اپنے رسالہ قراءت خلف الامام میں بھی کئی جگہ لیا ہے۔

(۳) قوله انما یؤخذ بالآخر فالآخر: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے بھی بعد والی حدیث نبوی کو ناسخ قرار دے کر امام ابوحنیفہ امام شافعی، امام ثوری و جمہور سلف کا مسلک اختیار کیا ہے کہ امام کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو بے عذر کے مقتدیوں کو بیٹھ کر نہیں بلکہ کھڑے ہو کر اقتدا کرنی چاہئے امام احمد و اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ مقتدیوں کو عذر نہ ہو تب بھی وہ امام قاعد معذور کے پیچھے بیٹھ کر ہی پڑھیں گے۔ ابن حزم نے اہل ظاہر کی تائید میں بہت کچھ مبالغہ آرائی کی ہیں جو خلاف واقعہ ہیں۔ کیونکہ خطابی نے معالم میں اور قاضی عیاض نے اکثر فقہاء سے اس کے خلاف نقل کیا ہے، علامہ ابن دقیق العید و علامہ نووی نے بھی جمہور سلف سے، ابن حزم کے خلاف نقول پیش کی ہیں اور ان کے دعوائے اجماع وغیرہ کا پورا رد کر دیا ہے۔ امام بخاری سے بھی اس مسئلہ میں امام احمد و اہل ظاہر کا رد ثابت ہوا۔ اس مسئلہ کو فتح الملہم ص۵۳/۲ میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ مع دلائل ذکر کیا گیا ہے۔

باب متے یسجد من خلف الامام وقال انس عن النبی صلے اللہ علیه وسلم فاذا سجد فاسجدوا

(جو لوگ امام کے پیچھے ہیں، وہ کب سجدہ کریں، اور حضرت انسؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو)

۶۵۴: حدثنا مسدد قال حدثنا یحیی بن سعید عن سفیان قال حدثنی ابو اسحاق قال حدثنی عبداللہ بن یزید قال حدثنی البراء وھو غیر کذوب قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ لم یحن احدنا ظھرہ حتیٰ یقع النبی صلے اللہ علیه وسلم ساجداً ثم نقع سجوداً بعدہ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن یزید روایت کرتے ہیں، کہ مجھ سے براء بن عازبؓ نے بیان کیا، (اور وہ سچے تھے) کہ جب نبی کریم ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ اس وقت تک نہ جھکاتا جب تک کہ نبی کریم ﷺ سجدے میں نہ چلے جاتے، آپ کے بعد ہم لوگ سجدے میں جاتے۔

تشریح: حدیث کے اندر حکم ہوا کہ جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اس سے امام احمد و امام شافعیؒ نے سمجھا کہ امام کے سجدے کے بعد مقتدی کو سجدہ کرنا چاہئے کہ فا تعقیب کے لئے ہے اور ایسے ہی تمام افعال نماز کو مقتدی امام سے مؤخر کرے۔ امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ نے فرمایا کہ امام و مقتدی تمام افعال نماز میں ساتھ ہوں، اور امام ابو یوسف و امام محمدؒ تحریمہ و تسلیم کے علاوہ سب افعال میں مقارنت کے قائل ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شرح التسہیل میں ہے کہ فا جزائیہ میں دونوں قول ہیں تعقیب بھی اور مقارنت بھی۔ لہٰذا فا ہمارے مذہب پر

بھی درست ہے، پھر یہ کہ تعقیب ذاتی بھی ہوتی ہے اور بعدیہ ذاتیہ مقارنت زمانیہ کے منافی نہیں ہے، پس میں اس فا کو تعقیب ذاتی و مقارنت زمانی پر اتارتا ہوں اور امام و مقتدی کے افعال میں تقدم و تاخر ذاتی ہی ہونا چاہیئے، امام اعظمؒ کا منشا بھی مقارنت سے یہ ہے کہ امام جب کسی رکن میں داخل ہو تو مقتدی بھی اسی وقت اس میں داخل ہو جائے، یہ انتظار نہ کرے کہ امام اس رکن کو پورا کر لے تب وہ اس رکن میں داخل ہو۔ پس مقتدی امام کے رکوع کے ساتھ ہی رکوع کر لے گا، یہ انتظار نہ کرے گا کہ امام رکوع پورا کر لے، تب یہ رکوع میں جائے۔ گویا امام کا رکوع علت کے طور پر ہوگا مقتدی کے رکوع کے لئے، اور جس طرح علت و معلول ساتھ ہوتے ہیں، ان دونوں کے افعال بھی ساتھ ہوں گے۔ یہی میرے نزدیک جماعت کا منشا بھی ہے، کہ سب کی حرکت ایک ہو اور سب کی نماز ایک ہو اور سب کی قراءت بھی ایک ہو۔

مقصد شارع امام سے پہلے کسی رکن کو ادا کرنے کی ممانعت ہے، پھر وہ ساتھ ہو یا بعد میں۔ امام صاحب نے ساتھ کرنے کو ترجیح دی ہے، اور امام سے پہلے کرنے کو سب نے بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے، اگرچہ نماز درست ہو جائے گی، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ صحت کراہت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، اس کو سب نے مانا ہے، بجز علامہ ابن تیمیہ کے، وہ اس کے مخالف و منکر ہیں۔

باقی حدیث میں یہ جو صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب رکوع سے اٹھ کر **سمع الله لمن حمده** کہتے تھے، تو ہم اس وقت تک سجدہ کے لئے نہ جھکتے تھے جب تک حضور علیہ السلام سجدہ میں نہ پہنچ جاتے تھے اور حافظؒ نے اس پر لکھا کہ اس سے مقارنت کی نفی واضح طور سے نکل رہی ہے، تو اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ ابوداؤد[1]، ابن ماجہ، و مسند احمد کی حدیث نے واضح کر دیا ہے کہ یہ حکم حضور علیہ السلام نے اس وقت دیا تھا، جب آپ کا بدن مبارک بھاری ہو گیا تھا، اور اس وقت یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں صحابہ کرام حضور علیہ السلام سے مقدم نہ ہو جائیں۔ لہٰذا یہ حکم مبادرت سے بچانے کے لئے تھا۔ مقارنت کے خلاف نہ تھا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیشہ عادت صحابہ کرام کی مقارنت کی تھی، اور اسی لئے حضور علیہ السلام نے جب آپ کا بدن بھاری ہو گیا تو صحابہ کو ہدایت فرمانے کی ضرورت محسوس کی کہ کہیں مقارنت اور حضور کے اتباع کامل کے اشتیاق میں حسب عادت جاری رہنے میں مسابقت و مبادرت کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (زیادہ تفصیل معارف السنن ص۵۴/۳ میں دیکھیں)

حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی افادہ کیا کہ "**فاذا رکع فارکعوا**" میں اگر فا کو تعقیب کے لئے بھی مان لیں تب بھی بعدیت ذاتیہ کہیں گے نہ زمانیہ، کیونکہ جزاء شرط ہے۔ پس مقارنت حنفیہ اس معنی پر بھی ثابت ہے، پھر فرمایا کہ میں چہرہ اور آئینہ معاً دیکھ لیتا ہوں، جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر چہرہ دیکھے گا تو آئینہ نہیں دیکھے گا۔ وبالعکس۔ متکلمین و فلاسفہ کا زمانہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ بعدیت ذاتیہ ہے یا زمانیہ؟ یہاں لامع اور حاشیہ سے یہ تفصیل بھی قابل ذکر ہے کہ تحریمہ، تسلیم اور بقیہ ارکان صلوٰۃ کے احکام الگ ہیں،

(۱) ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تحریمہ میں امام سے تقدم ہوا تو نماز باطل ہوگی، البتہ اس میں امام شافعی کا ایک قول مخالف ہے جس کو ان کے اصحاب نے پسند نہیں کیا، (اور پہلے ہم حضرت شاہ صاحبؒ سے نقل کر چکے ہیں کہ امام بخاری بھی تقدم کو جائز رکھتے ہیں، واللہ اعلم

(۲) امام سے قبل اگر مقتدی سلام پھیر دے تو مالکیہ کے نزدیک تو مقارنت بھی مفسد ہے، لہٰذا تقدم بدرجہ اولیٰ مفسد ہوگا، امام شافعی و امام احمد کے نزدیک بھی تقدم مفسد ہے، لیکن مقارنت مکروہ ہے مع صحت صلوٰۃ کے۔ حنفیہ کے نزدیک سلام میں تقدم مکروہ غیر مفسد ہے۔ لہٰذا مقارنت بھی صرف مکروہ ہوگی، (معارف السنن ص۶۰/۳ میں امام صاحب سے دو روایت نقل کی ہیں)

(۳) باقی ارکان صلوٰۃ کے بارے میں جمہور کا مسلک جن میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں جو از **صلوٰۃ مع کراھۃ التحریم** ہے، امام احمد سے ایک روایت میں تقدم مبطل صلوٰۃ ہے، اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے (الابواب للبخاری ص۲۶۸/۲)

---

[1] فیض الباری ص۲۱۶/۲ میں مسلم کا حوالہ درست نہیں معلوم ہوتا واللہ اعلم (مؤلف)

فائدہ: فتح الملہم ص۲/۵۳ میں حدیث **انما جعل الامام لیؤتم به** کے تحت لکھا:۔اقتدا واتباع امام کی پوری شان یہ ہے کہ نہ اس کے افعال سے سبقت ومبادرت کرے، نہ اس کے برابر یا آگے کھڑا ہو، اور اس کے تمام احوال پر نظر کر کے اسی جیسے افعال ادا کرے۔اور اس کی کسی فعل میں مخالفت بھی نہ کرے۔قالہ الحافظ۔علامہ ابیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام مالک وجمہور کے لئے حجت ہے، جن میں امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ وابستہ ومرتبط ہونی چاہئے، خاص طور سے جبکہ حدیث میں یہ تاکید بھی وارد ہے کہ **فلا تختلفوا علیه،** یعنی امام کی کسی حال میں مخالفت نہ کرو اور اس سے امام شافعی اور دوسرے محدثین کا رد ہوتا ہے۔کیونکہ ان کے نزدیک نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتدا درست ہے، اور عصر پڑھنے والے امام کے پیچھے ظہر والے کی اقتدا صحیح ہے، انھوں نے اختلاف کی ممانعت نبویہ کو صرف ظاہری افعال پر محمول کیا ہے جبکہ امام مالک وغیرہ نے اس کو عام رکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ نیتوں کے اختلاف سے بڑا اور کون سا اختلاف ہوسکتا ہے، پھر بھی امام شافعی اور دوسرے ان کے ہمنوا محدثین دو فرض نمازوں یا ایک فرض دوسری نفل نمازوں کے اختلاف کو بھی ممانعت نبویہ کے تحت لانا نہیں چاہتے؟!

باب اثم من رفع راسه' قبل الامام

(اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے امام سے پہلے سر اٹھایا)

۶۵۵: حدثنا حجاج بن منهال قال حدثنا شعبة عن محمد بن زیاد قال سمعت اباهریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اما یخشیٰ احدکم اوالایخشیٰ احدکم اذا رفع راسه' قبل الامام ان یجعل الله راسه' راس حمار اویجعل الله صورته' صورة حمار

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا:۔کیا تم میں سے کوئی شخص جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھا لیتا ہے، اس بات کا خوف نہیں کرتا، کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا (سا) سر بنادے، یا اللہ اس کی صورت گدھے کی (سی) بنادے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں گدھے کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ یہ فعل بڑی حماقت کا ہے، کیونکہ اپنے مقام اور امام کے منصب کو بھی نہ سمجھا، پھر حدیث میں صرف خشیت کا لفظ ہے کہ اس کا ڈر ہے، اللہ ایسا نہ کردے، تاہم ملا علی قاریؒ نے واقعہ لکھا ہے کہ کسی نے عمداً امام سے پہلے سجدہ سے سر اٹھایا تھا کہ دیکھے قول نبوی درست ہے؟ تو اس کا چہرہ گدھے کا ہوگیا تھا، پھر عمر بھر نقاب ڈالتا رہا۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث کا مضمون آخرت سے متعلق ہو، کہ وہاں مسخ ہوجائے گا، والعیاذ باللہ۔معلوم ہوا کہ امام کی مخالفت ظاہری و باطنی ہر طرح نادرست ہے، اور اس امر کا لحاظ سب سے زیادہ حنفیہ نے کیا ہے، علامہ عینی نے یہاں اچھی تحقیق ذکر کی ہے اور مسخ کے بارے میں لکھا کہ یہ امت مسخ صورت سے محفوظ کردی گئی ہے، اس لئے ظاہری مسخ مراد نہیں ہوسکتا، البتہ آخر زمانہ میں ہوبھی سکے گا جیسا کہ بعض احادیث اشراط ساعت میں آتا ہے، پھر یہ بھی لکھا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حق تعالے ایسے لوگوں کے لئے کسی دوسرے وقت کے لئے عذاب کو مؤخر کردیں، جیسا کہ بعض ثقات کی نقل سے معلوم ہوا کہ بعض شیعی حضرات جو سب صحابہ کرتے تھے، ان کی صورتیں مرنے کے وقت خنزیر اور گدھے کی ہوگئیں، اور ایسے ہی والدین کی نافرمانی کرنے والی اولاد کے بارے میں نقل ہوا ہے، جنھوں نے اپنے والدین کو گدھا، خنزیر یا کتا کہا تھا۔(عمدہ ص۳/۷۵۶)

باب امامة العبدو المولیٰ و کانت عائشة یؤمها عبدها ذکوان من المصحف وولدالبغی والاعرابی والغلام الذی لم یحتلم لقول النبی صلے الله علیه وسلم یؤمهم اقرء هم لکتاب الله ولایمنع العبد من الجماعة بغیر علة

(غلام اور آزاد کردہ غلام کی امامت کا بیان، حضرت عائشہؓ کی امامت ان کا غلام ذکوان مصحف سے (دیکھ دیکھ کر) کیا کرتا تھا اور ولدالزنا اور گنوار کی اور اس لڑکے کی امامت جو بالغ نہ ہوا ہو (درست ہے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جوان سب میں کتاب اللہ کی زیادہ قراءت والا ہو اور بے وجہ غلام کو جماعت سے نہ روکا جائے)

۶۵۶: حدثنا ابراهیم بن المنذر قال حدثنا انس بن عیاض عن عبیدالله عن نافع عن عبدالله بن عمر قال لما قدم المهاجرون الاولون العصبة موضعاً بقبآء قبل مقدم رسول الله صلے الله علیه وسلم کان یؤمهم سالم مولیٰ ابی حذیفة وکان اکثرهم قراناً

۶۵۷: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا شعبة قال حدثنی ابوالتیاح عن انس بن مالک عن النبی صلے الله علیه وسلم قال اسمعوا واطیعوا وان استعمل حبشی کان راسه زبیبة

ترجمہ ۶۵۶: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے جب مہاجرین اولین محلہ قبا کے مقام عصبہ میں مقیم تھے، تو ان کی امامت ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ قرآن کا حفظ سب سے زیادہ رکھتے تھے۔

ترجمہ ۶۵۷: حضرت انس بن مالکؓ، رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا، کہ اگر کوئی حبشی (تم پر) حاکم بنادیا جائے، اور وہ ایسا بدرو ہو کہ گویا اس کا سر انگور ہے۔ تب بھی اس کی سنو، اور اطاعت کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ غلام کی امامت میں صرف کراہت تنزیہی ہے۔ حافظ نے لکھا کہ غلام کی امامت جمہور کے نزدیک درست ہے، صرف امام مالک نے مخالفت کی اور کہا کہ غلام، احرار کے امام نہ بنیں البتہ اگر وہ قاری و عالم ہوں اور مقتدی ایسے نہ ہوں تو حرج نہیں، بجز جمعہ کے کیونکہ وہ غلام پر فرض نہیں ہے، علامہ اشہب مالکی نے کہا کہ وہ بھی درست ہے، اس لئے کہ جب وہ شریک جمعہ ہوگا تو اس سے فرض ہی تو ادا ہوگا۔ (فتح ص ۲/۱۲۷)

اعرابی (دیہاتی) کی امامت بھی جمہور کے نزدیک درست ہے، امام مالک نے فرمایا کہ اکثر جاہل ہوتے ہیں، اور تارک جماعت وغیرہ، اس لئے کراہت ہے، لہٰذا ایسا نہ ہو تو وہ بھی مکروہ نہ کہیں گے۔

ولد البغی، یعنی مجہول النسب کی امامت بھی اگر وہ صالح ہو تو درست ہے، اس میں بھی امام مالک کا اختلاف ہے۔

نابالغ کی امامت شافعیہ کے نزدیک درست ہے، حنفیہ فرض نماز کی نابالغ کی امامت نادرست کہتے ہیں، امام مالک و ثوری بھی مکروہ کہتے ہیں۔ امام احمد و امام ابوحنیفہؒ سے نوافل کی امامت کے جواز کا قول ہے۔

امام بخاری نے بظاہر شافعیہ کی موافقت کی۔ امام احمد و اسحٰق کے نزدیک بھی امام ابوحنیفہ کی طرح فرض نماز کی امامت نابالغ کے لئے جائز نہیں۔ علامہ موفق نے نقل کیا کہ نابالغ کی امامت فرض میں صحیح نہیں، اور یہی قول امام مالک کا ہے۔ (الابواب ص ۲/۲۶۹)

قوله وان استعمل حبشی: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ وقت یا سلطان وقت نے اپنے ماتحت کسی حبشی وغیرہ کو عامل (گورنر وغیرہ) بنادیا (جیسا کہ بعض طرق روایات میں اس امر کی صراحت بھی ہے) تو وہ صحیح ہے، باقی امام اکبر (خلیفہ

وقت یا سلطان اعظم) کے لئے شرعا یہی بات ہے کہ وہ قریشی ہو (الائمۃ من قریش) اور طرابلسی نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ قریشی ہونا شرط نہیں ہے، جبکہ مسئلہ یہی لکھا ہوا ہے کہ قریشی ہونا شرط ہے۔ اور طرابلسی کے علاوہ کسی کی نقل نہیں ملی، پھر فرمایا کہ درحقیقت یہ مسئلہ علم فقہ کا تھا، کہ کون امام اکبر ہو کون نہ ہو، مگر اس کو علم کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، اور وہیں اس کے احکام ذکر کرنے لگے ہیں۔

حافظ نے لکھا یہاں حبشی کی امارت کا ذکر کر کے یہ بتلایا کہ جب وہ قابل اطاعت ہے تو اس کی امامت میں نماز بھی درست ہوگی۔ (قالہ ابن بطال)

اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ سلاطین اسلام اگر ظلم بھی کریں تو ان کی مخالفت کا جھنڈا نہ اٹھانا چاہیئے، کیونکہ مخالفت کے نتیجہ میں اس سے بھی بدتر حالات پیش آسکتے ہیں، وجہ استدلال یہ ہے کہ جب عبد حبشی کی اطاعت ضروری ہے جبکہ ظاہر ہے وہ قہر وغلبہ ہی کے ذریعہ حاکم ووالی بنا ہوگا۔ کیونکہ اصل استحقاق امامت عظمیٰ تو قریش کے لئے ہے، تو اس کی اقتدا بھی درست ہونی چاہیئے، مگر ابن الجوزی نے اس کو رد کیا ہے اور کہا کہ یہاں مراد امام اعظم نہیں، بلکہ وہ ہے جو اس کے ماتحت کسی عہدہ پر مسلط ہو گیا ہو۔ اور بعض لوگوں نے جو اس سے جواز امامت غیر قریشی کے لئے استدلال کیا وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ مجبوری کے جواز اور حقیقی جواز میں تلازم نہیں ہے، اور اس کے مفصل بحث اپنی جگہ کتاب الاحکام میں آئے گی (فتح ص ۲/۱۲۸)

علامہ عینیؒ نے بھی ایسی ہی تشریح کی ہے، اور آخر میں لکھا کہ ایسے متغلب کی اطاعت اسی وقت تک ہے کہ وہ جمعہ، جماعات، عید وجہاد کو قائم رکھے۔ (عمدہ ص ۲/۶۰۷)

باب اذا لم یتم الامام و اتم من خلفه

(اگر امام اپنی نماز کو پورا نہ کرے، اور مقتدی پورا کرلیں)

۶۵۸: حدثنا الفضل بن سهل قال حدثنا الحسن بن موسیٰ الاشیب قال حدثنا عبدالرحمٰن بن عبدالله بن دینار عن زید بن اسلم عن عطآء بن یسار عن ابی هریرة ان رسول الله صلے الله علیه وسلم قال یصلون لکم فان اصابوا فلکم و ان اخطأوا فلکم و علیهم

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو تمہیں نماز پڑھاتے ہیں اگر ٹھیک پڑھائیں گے، تو تمہارے لئے (ثواب) ہے اور اگر وہ غلطی کریں گے، تو تمہارے لئے (ثواب تو) ہے ہی اور ان پر (گناہ) ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے مسائل اقتداء امام کی طرف اشارہ کیا ہے جو شافعیہ کے یہاں بہت ضعیف ہیں، اور امام بخاری کے نزدیک ان سے بھی زیادہ کمزور و بے حیثیت ہیں، گویا ان کے یہاں اقتدا کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بظاہر ایک جگہ میں امام ومقتدی جمع ہو گئے اور مقتدیوں نے امام کی صرف ظاہری وحسی اتباع کر لی، پھر اگر امام بخاری حدیث الباب سے تعدیل ارکان جیسے افعال کے لئے استدلال کر لیتے، تب بھی کوئی حرج نہ تھا، لیکن جس طرح وہ اہم اعظم ارکان صلوٰۃ کے لئے بھی استدلال کرنا چاہتے ہیں وہ صحیح نہیں، کیونکہ حدیث الباب کا شان ورود تو ائمہ جور کے اعمال خارجی سے تھا، مثلاً وقت مکروہ میں نماز پڑھنا وغیرہ نہ کہ داخلی اعمال واجبات و ارکان صلوٰۃ سے جو اجزاء نماز ہیں، جیسا کہ محقق قاضی عیاض مالکیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے اور بہت سی احادیث میں بھی اس کی تصریح موجود ہے، لہٰذا نماز کے داخلی امور وارکان سے اس کو متعلق کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا۔ حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ قولہ علیہ السلام **فان اصابوا فلکم** الخ کے عموم سے امام بخاری کا استدلال نہایت ضعیف ہے، کیونکہ وہ امر مبہم ہے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے مصداق کون سے امور ہیں اور کون سے نہیں، پھر ہمیں کیا حق ہے کہ ان کو ارکان واجزاء نماز پر جاری کر دیں۔ شافعیہ نے اس عموم سے یہاں تک فائدہ اٹھایا کہ اگر امام نے بلاوضو یا حالت جنابت میں نماز پڑھا دی، تب بھی مقتدیوں کی نماز درست بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ صرف امام اپنی لوٹا لے گا۔ مقتدیوں کو اگر

درمیان میں معلوم ہوگیا تو پہلی تو صحیح ہوگئی، باقی کو بغیر نیت اقتدا کے اپنی سمجھ کر پوری کرلیں گے، اور اگر بعد کو معلوم ہوا تو اعادہ کی ضرورت نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ باطل محض ہے، کیونکہ اس امام نے تو ایسی نماز پڑھائی، جس کو نماز کہہ بھی نہیں سکتے، کہ بنص حدیث نماز بغیر طہارت کے ہوتی ہی نہیں، لہٰذا الکم اور علیہم کا مصداق کم سے کم ایسی نماز پر تو ہونا چاہئے جس کو شرعی نماز کہہ سکیں، اس نماز کو تو نماز نہیں کہہ سکتے جو بلا طہارت والے امام کے پیچھے پڑھی ہے۔ باقی اگر مقتدیوں کو یہ علم ہی نہ ہو کہ امام نے بلا طہارت نماز پڑھادی ہے تو وہ ضرور عذر ہے اور ایسی حالت میں حنفیہ بھی یہی کہیں گے کہ نماز کا اعادہ نہیں کہ وہ بلا علم کے مکلف نہیں ہوسکتے۔ پھر حدیث صحیح میں یہ بھی ہے کہ ائمہ جور کی اطاعت اس وقت تک ہے کہ وہ نماز قائم کریں، جمعہ، جماعات وجہاد پر عامل ہوں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اطاعت واقتدار اس وقت تک کریں گے کہ ان کی نمازیں تو صحیح ہوں، اور ان پر نماز کا اطلاق درست ہوسکے۔ ابوداؤد میں بھی حدیث ہے باب **جماع الامامۃ و فضلھا** میں کہ جو نماز پڑھائے تو اگر وقت پر پڑھائے تو اس کو اور مقتدیوں کو ثواب ملے گا، اور جو اس میں کوتاہی کرے تو امام پر گناہ ہوگا مقتدیوں پر نہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ کوتاہیاں برداشت ہیں نہ یہ کہ سرے سے نماز ہی صحیح نہ ہو جیسے بالا طہارت کے امام کی نماز سرے سے ہوگی ہی نہیں غرض حدیث الباب وغیرہ سے صرف مقتدیوں کو تسلی دینا ہے کہ ائمہ جور کے ظلم سے بچنے کے لئے اگر نمازوں میں کوتاہی ہو تو وہ قابل مواخذہ نہ ہوگی، اور سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ وقت پر اپنی کامل نمازیں گھروں میں پڑھ کر جاتے تھے، اور پھر ائمہ جور کے ساتھ بھی رفع فتنہ کے خیال سے اقتداء کرلیتے تھے، چنانچہ اگلے باب میں حدیث بخاری بھی لائے ہیں کہ ہمیں امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے، جس سے ہم دل تنگ ہوتے ہیں۔ یہ سب خارجی معاملات نماز کے مکروہ اوقات میں پڑھنے یا ائمہ جور وفساق کے پیچھے نماز مجبوراً پڑھنے کے تھے، یہ غرض نہ تھی کہ وہ بلا طہارت کے نماز پڑھاتے تھے، یا بلا تعدیل ارکان کے، یا نقص ارکان وغیرہ داخلی نقائص کے ساتھ نماز پڑھاتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ جب حدیث الباب **فان اصابوا فلکم** کا دوسرے شواہد کے ذریعہ وقت سے متعلق ہونا ثابت ہے تو یہاں امام بخاری کو عام مسائل قدوہ کے ذیل میں لانا ہی سمجھ میں نہیں آتا، اور اگر یہ حدیث ارکان کے بارے میں ہوتی تو حدیث یہ بھی تو بتاتی کہ امام اگر نقص ارکان کرلے تو مقتدی ایسی صورت میں کس طرح کریں،

علامہ عینی نے لکھا کہ حدیث الباب کو جس طرح امام بخاری لائے ہیں، وہ اس میں متفرد ہیں کیونکہ ابن حبان و دارقطنی وابوداؤد نے اسی حدیث الباب کو اور اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ سے دوسری صورت میں روایت کیا ہے۔ جس میں ائمہ جور کی بے وقت نماز پڑھانے کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح مبہم طور سے روایت نہیں ہے جیسی امام بخاری کی ہے۔ (عمدہ ص ۲/۷۱)

غرض امام بخاری نے حدیث الباب کو اپنے مقصد سے ذکر کیا اور حافظ نے شرح میں اس سے شافعی نقطہ نظر کو قوت پہنچانے کی سعی کی ہے، اور یہ ہے فقہ سے حدیث کی طرف چلنا اور اس کو اپنی فقہ سے مطابق کرنے کی سعی کرنا، حالانکہ صحیح صورت اس کے برعکس ہے کہ پہلے حدیث کے مفہوم ومصداق کو خالی الذہن ہو کر متعین کرلیا جائے، پھر اسی کے تحت فقہی مسئلہ نکالا جائے۔ واللہ الموفق۔

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ لفظ تمام سے اشارہ امور زائدہ سنن ومستحبات کی طرف ہوسکتا ہے نہ کہ ارکان وشرائط صلوٰۃ کی طرف کہ ان میں خلل وکمی سے تو نہ امام کی نماز ہوگی، نہ مقتدیوں کی۔ مگر شاید امام بخاری بھی شافعیہ کے مسلک کے قائل ہیں کہ امام کی نماز کے فساد سے مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوتی، (لامع ص ۲/۲۶۷)

ایک اہم غلطی کا ازالہ: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حاشیہ لامع میں لکھا۔ قسطلانی نے کہا کہ "اگر امام نماز کو ناقص کرے اور مقتدی کامل کرلیں تو ان کی نماز میں خلل نہ آئے گا، یہ مذہب شافعیہ کا ہے مثل مالکیہ کے اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے" حالانکہ مالکیہ وامام احمد کا یہ مسلک نہیں ہے، نہ وہ شافعیہ (اور امام بخاری) کے عام اور پورے مسلک سے متفق ہیں البتہ صرف حدیث کے مسئلہ میں ان کے ساتھ

ہیں، یعنی امام اگر بھول کر بلا طہارت کے نماز پڑھادے، اور نماز کے بعد بتلائے تو مقتدیوں کو نماز لوٹانا ضروری نہ ہوگا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سب کو لوٹانی پڑے گی۔ حضرت شیخ الحدیث نے ص ۲۶۷ میں اختلاف کی پوری تفصیل علامہ عینی حنفی اور علامہ موفق حنبلی سے نقل فرما کر واضح کر دیا کہ علاوہ ایک مسئلہ حدیث کے مالکیہ وحنابلہ باقی تمام مسائل میں حنفی کے ساتھ ہیں۔ شافعیہ کے ساتھ نہیں ہیں جزا ھم اللہ خیر الجزاء.

باب امامة المنفتون والمبتدع وقال الحسن صل وعليه بدعته' وقال لنا محمد بن يوسف حدثنا الاوزاعی قال حدثنا الزهری عن حميد ابن عبدالرحمٰن عن عبيدالله بن عدی بن الخيار انه' دخل علیٰ عثمان بن عفان و هو محصور فقال انک امام عآمة و نزل بک ماتریٰ و يصلی لنآ امام فتنة و نتحرج فقال الصلوٰة احسن مايعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذااسآء وافاجتنب اسآء تهم وقال الزبيدی قال الزهری لاتریٰ ان يصلیٰ خلف المخنث الامن ضرورة لابدمنها

(مبتلائے فتنہ اور بدعتی کی امامت کا بیان حسن کا قول ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز) پڑھ لو' اس کی بدعت (کا گناہ) اس پر ہے' ہم سے محمد بن یوسف نے بواسطہ اوزاعی' زہری' حمید بن عبدالرحمٰن' عبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت کی ہے' کہ وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس اس حالت میں گئے' (جب وہ اپنے گھر میں محصور تھے (باغیوں نے ہر طرف سے محاصرہ کرلیا تھا) ان سے کہا' کہ آپ امام کل ہیں' اور آپ کی یہ کیفیت ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں' ہمیں امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے' جس سے ہم تنگ دل ہوتے ہیں' تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نماز آدمی کے تمام اعمال میں سب سے عمدہ چیز ہے' جب لوگ عمدہ کام کریں' تو تم بھی ان کے ہمراہ عمدہ کام کرو اور جب وہ برا کام کریں' تو تم ان کی برائی سے علیحدہ رہو' اور زبیدی کہتے ہیں کہ زہری کا قول ہے کہ ہم مخنث کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جانتے لیکن جب کہ لاچاری و مجبوری ہو)

۶۵۹ : حدثنا محمد بن ابان قال حدثنا غندر عن شعبة عن ابی التياح انه' سمع انس بن مالک قال قال النبی صلے الله عليه وسلم لابی ذراسمع واطع ولولحبشی كان راسه' زبيبة

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ اگر ایک حبشی (کی اطاعت کے لئے تم سے کہا جائے) جس کا سر انگور کی مثل ہو، جب بھی، اس کی سنو اور اطاعت کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مفتون سے مراد وہ ہے جو دین کے بارے میں احتیاط اور شرعی آداب وعقائد کا پوری طرح لحاظ نہ کرتا ہو، وہ نہیں کہ جو اچھی طرح نماز نہ پڑھاتا ہو یا اس میں کمی کرتا ہو، لہٰذا امام بخاری کا استدلال صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں ائمہ جور کے خارجی حالات کے سبب لوگوں کی تشویش وفکر کا حال بیان ہوا ہے نہ کہ ارکان صلوٰۃ میں کمی کی بات تھی۔ حضرتؒ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کے صحیح حالات پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ اگرچہ انھوں نے اپنے اقارب واعزہ عمال کی شکایات پر ان کو معزول نہیں کیا، مگر ان کی حمایت بھی نہیں کی، نہ ان کے غلط افعال کی تصویب کی، وہ فتنہ، فساد وخوں ریزی سے بچنا چاہتے تھے۔

حضرت علی، حضرت زبیر وحضرت طلحہؓ نے جب حالات زیادہ بگڑتے دیکھے تو اپنی اولاد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیجا اور ان کا خیال یہی تھا کہ باغیوں کی شورش دب جائے گی، مگر پھر اچانک ہی حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ان کو مل گئی، تو بڑا رنج ہوا، اور حضرت علیؓ بھاگ کر موقع پر گئے، حضرت حسینؓ کو سخت تنبیہ کی کہ تمہارے ہوتے ہوئے یہ حادثہ کیسے ہوگیا؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں اس کا بالکل علم نہیں ہوا، کیونکہ باغیوں نے دیوار پر سے گھر میں اتر کر حملہ کیا ہے، دروازہ سے داخل نہیں ہوئے، ہم یہاں پہرہ دے رہے تھے، یہ بھی تاریخ سے ثابت

ہے کہ جولوگ قریب تھے اورانھوں نے مدافعت کرنی چاہی تو ان کو بھی حضرت عثمانؓ نے روک دیا، اور فرمایا کہ مجھے پسند نہیں کہ کسی مسلمان کا خون میری وجہ سے بہایا جائے۔خود آپ کے غلاموں کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی اور انھوں مقابلہ کی اجازت چاہی تو ان کو بھی منع کر دیا جبکہ فرمایا کہ تم میں سے جو بھی اپنی تلوار میان میں رہنے دے گا وہ میری طرف سے آزاد ہوگا۔اس لئے سب وہاں سے چلے گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے تو زمانہ کی ساری تاریخ میں یہی دیکھا کہ جو شخص خود اپنی مدد دوسروں سے نہ لینا چاہے اور اس کے وسائل واسباب اختیار نہ کرے، اس کی کوئی مدد نہیں کرتا، اور لوگ اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ غالباً اس میں حضرتؒ کا اشارہ اپنی طرف بھی تھا، کیونکہ آپ کے ساتھ بھی ایسے ہی حالات پیش آئے تھے جن کی تفصیلات راقم سے زیادہ شاید ہی کسی کے علم میں ہوں۔اور ان کو یاد کر کے دل روتا ہے کسی شاعر نے بالکل صحیح کہا ۔ **ومن لا یکرم نفسه لایکرم.** اور حضرتؒ سے بارہا سنا کہ میں اپنے آپ کو کتے سے زیادہ ذلیل سمجھتا ہوں، تو ایسا ولی کامل کسی سے اپنا دکھ درد کیا کہتا اور کس طرح اپنے اعوان وانصار کو جمع کر کے مظالم کی مدافعت کرتا؟ تاہم اپنے دلی صدمات کی طرف اشارہ اپنے چند عرب اشعار میں فرمایا تھا، جن کو اہل علم جانتے ہیں۔**واللہ غالب علی امرہ. ولاراد لقضاۂ.**

مبتدع: اگر علانیہ بدعت کا ارتکاب کرتا ہو کہ لوگ جانیں اور ان کو ترغیب ہو تو اس کے پیچھے بھی مکروہ ہوگی، بلکہ امام احمدؒ کے نزدیک قابل اعادہ ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک اہل بدعت کی امامت میں نماز پڑھنا مباح ہے۔ایسے ہی کسی تارک رکن کے پیچھے خواہ وہ کسی عذر سے ہی ایسا کرتا ہو جیسے لیٹ کر نماز پڑھائے، یا رکوع وسجود سے عاجز نماز پڑھائے تو نماز جائز نہ ہوگی۔یہی قول امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ کا بھی ہے(حاشیہ لامع ص ۱/۲۶۷)

بحر میں ہے کہ امام اگر مبتدع ہو لیکن اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچے تو اس کی اقتدا درست ہے اور تنہا نماز پڑھنے سے اس کے پیچھے نماز افضل ہے۔

مخنث: جو عورتوں کے اطوار اپنائے، اس کی اقتداء بھی درست نہیں۔کیونکہ امامت فضل وکمال کو چاہتی ہے اور یہ رکیک حرکات کرتا ہے۔

باب یقوم عن یمین الامام بحذآئه سوآءً اذا کانا اثنین

(جب دو نمازی ہوں' تو مقتدی امام کے دائیں طرف اس کے برابر کھڑا ہو)

۶۶۰: حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن الحکم قال سمعت سعید ابن جبیر عن ابن عباسؓ قال بت فی بیت خالتی میمونة فصلی رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم العشآء ثم جآء فصلی اربع رکعات ثم نام ثم قام بجئت فقمت عن یسارہ فجعلنی عن یمینه فصلی خمس رکعات ثم صلے رکعتین ثم نام حتیٰ سمعت غطیطهٗ اوقال خطیطه' ثم خرج الیٰ الصلوٰۃ

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی خالہ میمونہؓ کے گھر میں ایک شب رہا (تو میں نے دیکھا کہ) رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز (مسجد سے) پڑھ کر تشریف لائے اور چار رکعتیں آپ نے پڑھیں پھر سو رہے، اس کے بعد اٹھے (اور نماز پڑھنے) کھڑے ہوئے تو میں آیا اور آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔آپ نے مجھے اپنے داہنی جانب کر لیا، پھر آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد سو رہے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹے کی آواز سنی، اس کے بعد آپ نماز (فجر) کے لئے باہر تشریف لے گئے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے یہاں بھی مسئلہ اسی طرح ہے جیسے حدیث الباب میں بیان ہوا، البتہ اگر دو مقتدی ہوں تو ان کا امام کے پیچھے ہونا بہتر ہے۔

نیز فرمایا کہ میں نے حدیث کے اس مضمون سے کہ حضور علیہ السلام نے ابن عباسؓ کو نماز میں ہی بائیں سے داہنے کر لیا، یہ استنباط کیا کہ اگر نماز کے اندر کوئی کراہت آ جائے تو اس کو نماز کے اندر ہی رفع کر دینا چاہیئے۔ یہ مسئلہ فقہ والوں نے نہیں لیا۔

باب اذاقام الرجل عن یسار الامام فحوله' الامام الیٰ یمینه لم تفسد صلوتهما

(اگر کوئی شخص امام کے بائیں جانب کھڑا ہوا اور امام اس کو اپنے دائیں طرف پھیر دے تو کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی)

۶۶۱: حدثنا احمد قال حدثنا ابن وهب قال حدثنا عمرو عن عبد ربه بن سعید عن مخرمة بن سلیمان عن کریب مولی ابن عباس عن ابن عباس قال نمت عند میمونة والنبی صلے الله علیه وسلم عندها تلک اللیلة فتوضأ ثم قام یصلی فقمت عن یساره فاخذنی فجعلنی عن یمینه' فصلیٰ ثلث عشرة رکعةً ثم نام حتیٰ نفخ وکان اذانام نفخ ثم اتاه المؤذن فخرج فصلیٰ ولم یتوضا قال عمر و فحدثت به بکیرًا فقال حدثنی کریب بذٰلک

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت میمونہؓ کے ہاں سویا، اور رسول اللہ ﷺ اس شب ان ہی کے یہاں تھے، تو (میں نے دیکھا کہ) آپ نے وضو فرمایا، اس کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے، میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ نے مجھے پکڑ کے اپنے داہنی جانب کر لیا، اور (کل) تیرہ رکعت نماز آپ نے پڑھی پھر سو رہے، یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی، اور جب کبھی آپ سوتے تھے سانس کی آواز (ضرور) آنے لگتی تھی، اس کے بعد مؤذن آپ کے پاس آیا اور آپ باہر تشریف لے گئے اور نماز فجر پڑھی۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ امام احمد کے نزدیک مقتدی کے امام کی بائیں جانب کھڑے ہونے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، جمہور کے نزدیک باطل نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں امام بخاری نے امام احمد کا رد کیا ہے۔

قوله فصلے ثلاث عشرة رکعة: حضرتؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے اس رات میں ۱۳ رکعات ہی پڑھی تھیں، راوی نے سابق روایت میں پانچ رکعت ذکر کی تھیں، اور اختصار کر کے باقی کا ذکر چھوڑ دیا تھا۔

پھر فرمایا کہ اس روایت کی سند میں مخرمہ ہیں اور طحاوی میں اس کی جگہ قیس ہیں، مگر مخرمہ ہی صحیح ہے جو یہاں ہے اور ان مخرمہ سے یہ روایت بھی ہے کہ آخری پانچ رکعات میں سے دو رکعات تہجد کی اور تین وتر کی تھیں۔ اور اس واقعہ میں لیٹنا حضور علیہ السلام کا تہجد کے بعد اور سنن فجر سے قبل کا ہے۔

باب اذالم ینو الامام ان یؤم ثم جآء قوم فامهم

اگر امام نے امامت کی نیت نہ کی ہو، پھر کچھ لوگ آ جائیں اور وہ ان کی امامت کرے

۶۶۲: حدثنا مسدد قال حدثنا اسمٰعیل بن ابراهیم عن ایوب عن عبدالله ابن سعید ابن جبیر عن ابیه عن ابن عباس قال بت عند خالتی میمونة فقام النبی صلے الله علیه وسلم یصلی من اللیل فقمت اصلی معه' فقمت عن یساره فاخذبراسی واقامنی عن یمینه

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شب اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں سویا تو (میں نے دیکھا کہ) نبی کریم ﷺ نماز شب پڑھنے کھڑے ہوئے، میں بھی آپ کے ساتھ بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپ نے میرا سر پکڑا، اور مجھے اپنی داہنی جانب کھڑا کر دیا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام کا امامت کی نیت کرنا حنفیہ کے نزدیک بھی شرط نہیں ہے، البتہ محاذاۃ کی صورت میں چونکہ حنفیہ کے نزدیک عورت کے برابر والے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس لئے وہ عورتوں کی اقتدا کے لئے نیت امامت کی شرط کرتے ہیں۔ اگر امام نے

عورتوں کی امامت کی نیت نہ کی ہوگی اور کوئی عورت جماعت میں مرد کے پاس آ کر نماز جماعت کی شرکت کرے گی تو مرد کی نماز باطل نہ ہوگی۔ امام مالک وشافعی کے نزدیک کسی کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔ امام احمد فرض نماز کے لئے شرط کہتے ہیں نوافل کے لئے نہیں، مردوں عورتوں کی تفریق ان کے یہاں بھی نہیں ہے۔ (الابواب ص ۲/۲۷۰ و فتح الباری ص ۲/۱۳۲)

علامہ عینی نے لکھا کہ حدیث الباب میں صراحت تو نہیں ہے نفی یا اثبات نیت کی، لیکن حضور علیہ السلام کے فعل سے اثبات نکلتا ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنے داہنی طرف کرلیا۔ ہمارا (حنفیہ کا) مذہب یہ ہے کہ مردوں کے حق میں نیت امامت شرط نہیں ہے۔ عورتوں کے حق میں ہے کیونکہ عورت کی محاذاۃ سے مرد کی نماز فاسد ہونے کا احتمال ہے امام زفر، اور امام مالک وشافعی کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔ امام ثوری اور ایک روایت امام احمدؒ سے یہ کہ اگر امام نے نیت نہ کی ہو تو مقتدی کو نماز لوٹانی پڑے گی، دوسری روایت یہ ہے کہ فرضوں کے لئے شرط ہے نوافل کیلئے نہیں۔ ابن القاسم سے بھی امام ابوحنیفہؒ کی موافقت منقول ہے (عمدہ ص ۲/۷۶۸)

آگے باب اذا کان بین الامام و القوم حائط (بخاری ص ۱۰۱) کی حدیث پر علامہ عینی نے لکھا کہ مہلب نے اس سے امام کی نیت کے بغیر بھی اقتدا کو جائز ثابت کیا ہے، کیونکہ لوگوں نے حضور علیہ السلام کے پیچھے اقتدا کی اور حضور کو خبر بھی نہ تھی تو امامت کی نیت بھی ظاہر ہے کہ نہ کی ہوگی، اور یہی قول امام مالک وشافعی کا ہے، امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے، البتہ ہمارے اصحاب نے عورتوں کے حق میں نیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ بجز امام زفر کے۔ (عمدہ ص ۲/۸۰۰).

بحث ونظر: امامت کی نیت مقتدی مردوں یا عورتوں کے لئے کس درجہ میں اہم ہے، اس کی طرف شارحین حدیث نے کم توجہ کی ہے اور فقہاء میں سے بھی حنفیہ نے زیادہ توجہ کی ہے، وجہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدیث '' خیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا'' کی وجہ سے محاذاۃ عورت کی صورت میں مرد کی نماز صرف مکروہ ہوتی ہے، جبکہ حنفیہ (علاوہ زفر) کے نزدیک فاسد ہو جاتی ہے۔ حدیث مذکور کی روایت بجز امام بخاری کے دوسرے سب اصحاب صحاح نے کی ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ محاذاۃ کا مسئلہ بھی حنفیہ کے نزدیک اتنا عام نہیں ہے جتنا علامہ عینی نے اوپر بتلایا ہے، کیونکہ اکثر فقہاء حنفیہ کے نزدیک جمعہ وعیدین میں امامت نسواں کی شرط نہیں ہے۔ اور بعض حنفیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ اگر محاذاۃ کی صورت پیش نہ آئے تو دوسری نمازوں میں بھی شرط نہیں ہے (ردالمختار ص ۱/۶۰۲) لہٰذا اس کی شرطیت مطلقاً نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شرطیت کا سبب مرد وعورت کا اپنے مقام متعین شرعی کو ترک کرنا ہے، اور تعیین مقام کے دلائل شرعیہ یہ ہیں (۱) و للرجال علیھن درجة اس سے معلوم ہوا کہ مردوں اور عورتوں کو اپنے اپنے درجات واقامت کی رعایت رکھنا ہر معاملہ میں ضروری ہے اور خاص طور سے نماز جماعت میں بھی۔ (۲) و لا تبطلوا اعمالکم لہٰذا نماز کو فساد یا کراہت سے بھی بچانا ضروری ہوا (۳) محدث رزین کی روایت ہے "اخروھن من حیث اخرھن اللہ" اس سے بھی علاوہ دیگر امور کے نماز کے اندر عورتوں کو مردوں سے پیچھے رہنا ضروری ہوا خصوصاً جبکہ اس سے نماز کی کراہت پر تو سب ہی متفق ہیں۔ (۴) امام اعظمؒ نے بحوالہ ہیثم وعکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے جماعت پڑھائی، جس میں ایک مرد تھا جو آپ کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک عورت تھی وہ مرد کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ (۵) نسائی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور حضرت عائشہؓ نے ہمارے پیچھے نماز پڑھی امام صاحب نے ان دونوں سے استدلال کیا کہ محاذاۃ (یعنی عورت کے مرد کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے) سے مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، ورنہ حضرت عائشہ سب کے پیچھے الگ اور تنہا کھڑی نہ ہوتیں کیونکہ جماعت کی نماز میں الگ اور تنہا کھڑا ہونا سب کے نزدیک مکروہ ہے امام احمد کے نزدیک تو مفسد صلوٰۃ ہے۔ (عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ ص ۱/۷۵) (۶) بخاری

ومسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضور علیہ السلام کی اقتدا کی تو آپ نے ان کو داہنی طرف کھڑا کر لیا۔(۷) مشہور حدیث لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھی سے بھی مؤکد ہوا کہ جماعت کی نماز میں مردوں کو امام کے قریب اور بچوں وعورتوں کو دور ہونا چاہیئے۔اور چونکہ یہ حکم اولا مردوں کے لئے اور ثانیا عورتوں کے لئے ہے، اس رعایت سے حنفیہ کے نزدیک عورت کی محاذاۃ سے مرد کی نماز فاسد ہوتی ہے، عورت کی نہیں اگر چہ گنہگار وہ بھی ہوگی۔لیکن اسی کے ساتھ فقہاء حنفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر عورت مرد کے پاس جماعت میں آ کر کھڑی ہوئی۔یا سامنے آ گئی اور مرد نے اس کو پیچھے کر دیا یا خود آگے بڑھ گیا تو پھر اس مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر عورت پھر بھی پیچھے نہ ہوئی تو خود اس کی نماز فاسد ہوگی، مرد کی نہ ہوگی۔

فقہاء حنفیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک عورت کے نماز جماعت میں غلط مقام میں کھڑے ہونے سے تین مردوں کی نمازیں فاسد ہوں گی۔ ایک دائیں طرف برابر والے کی، دوسرے بائیں جانب والے کی اور تیسرے اس کی جو ٹھیک اس کے پیچھے ہو، اور وہ اس کے آگے ہو۔اس کے علاوہ دوسری شروط بھی فساد صلوٰۃ کی ہیں مثلاً (۱) وہ عورت مشتہاۃ ہو خواہ اس مرد کی اپنی بیوی ہی ہو۔(۲) امام نے اس کی نیت کی ہو (۳) دونوں کی نماز ایک ہو (۴) دونوں اول رکعت سے جماعت میں شریک ہوں مسبوق ہونے کی صورت میں حکم فساد نہ ہوگا (۵) دونوں ایک مکان میں ہوں (۶) دونوں ایک جہت کی طرف نماز پڑھ رہی ہوں یعنی اگر بیت اللہ کے اندر الگ الگ جہت میں پڑھ رہے ہوں تو نماز فاسد نہ ہوگی (۷) دونوں میں کوئی حائل نہ ہو (۸) دونوں میں کچھ فاصلہ نہ ہو۔(قوانین التشریع علی طریقۃ ابی حنیفۃ واصحابہ ص۲/۱۱۵)

ہم نے کتاب مذکور سے کچھ تفصیل مذہب کی نقل کر دی ہے، جو بہت اہم ونافع ہے، اس کے ساتھ مؤلف نے ص۲/۱۱۷ میں شروط صحت اقتداء بھی درج کی ہیں، وہ بھی دیکھ لی جائیں، پہلی اہم شرط حنفیہ کے نزدیک عدم تقدم المقتدی علی الامام لکھی ہے۔اور یہی قول امام احمد وشافعی کا بھی ہے۔امام مالک واسحٰق کے نزدیک تقدم کی صورت میں نماز درست ہو جاتی ہے، اور یہ مسلک ان کا بہت عجیب ہے، اور مدینہ طیبہ میں ایام حج میں دیکھا گیا جب نمازیوں کی کثرت ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ مسجد نبوی کی دیوار قبلہ سے بھی آگے دور تک صفیں بنا کر امام کی اقتدا کرتے ہیں، شاید وہ اسی خیال سے جائز سمجھتے ہوں گے۔لیکن ظاہر ہے کہ امام احمد امام شافعی وامام ابوحنیفہ تینوں اماموں کے مسلک کے متبعین کی نمازیں جماعت کے ساتھ اس طرح درست نہیں ہوتیں، اور چونکہ اقتدا صحیح نہ ہوتی، جس پر نماز کی بنا کی تھی، لہٰذا نماز ہی سرے سے صحیح نہ ہوگی۔لہٰذا مالکیہ کے سوا کسی بھی دوسرے مسلک والے کو اس طرح نماز پڑھنی چاہیئے۔اور ضروری ہے کہ حکومت کی طرف سے بھی ایسے موقع پر اس مسئلہ کا اعلان کر دیا جایا کرے تا کہ عام لوگوں اور ناواقفوں کی نمازیں خراب نہ ہوں، معلوم نہیں سلفی حضرات (غیر مقلدین) کا اجتہاد اس بارے میں کیا ہے؟۔

اہمیت تراجم ابواب البخاری

امام بخاری نے یہاں حدیث الباب سے قبل ترجمۃ الباب میں نیت امام کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ کے فعل سے ثابت ہوئی اور غالباً اسی لئے آگے ص۱۰۱ میں "باب اذا کان بین الامام و بین القوم حائط" کے تحت جو حدیث لائے ہیں اس سے عدم نیت ثابت نہیں کی، نہ اس پر نیت کا عنوان قائم کیا، لیکن عجیب بات ہے کہ صاحب اعلاء السنن نے ص۴/۳۱۷ میں اسی حدیث پر عدم نیت کا عنوان قائم کیا ہے۔اور امام بخاری کی حدیث الباب کا بھی ذکر نہیں کیا۔چونکہ حضور علیہ السلام سے قولی صراحت نیت وعدم نیت کسی کی نہیں ہے اور جو کچھ استنباط کیا گیا ہے وہ آپ کی جماعت نوافل سے کیا گیا ہے شاید اسی لئے امام احمدؒ نے اس کو نوافل تک محدود رکھا اور فرائض میں نیت امام کو مردوں کے لئے بھی ضروری قرار دے دیا دوسرے ائمہ نے فرض ونفل کا کوئی فرق نہیں کیا، اور حنفیہ نے خاص صورتوں میں بوجوہ و دلائل مذکور بالا عورتوں کے حق میں نیت امامت کو ضروری قرار دیا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب اذاطول الامام وكان للرجل حاجةً فخرج وصلى

اگرامام (نماز کو) طول دے، اور کوئی شخص اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے (نماز توڑ کر) نکل جائے، اور اپنی نماز پڑھ لے

۶۶۳: حدثنا مسلم قال حدثنا شعبة عن عمرو عن جابر بن عبدالله ان معاذ بن جبل كان يصلى مع النبی صلی الله علیه وسلم ثم يرجع فيوم قومه ح وحدثنی محمد بن بشار قال ثنا غندرقال ثناشعبة عن عمروقال سمعت جابر ابن عبدالله قال كان معاذ بن جبل يصلى مع النبی صلی الله علیه وسلم ثم يرجع فيؤم قومه فصلى العشآء فقرابالبقرة فانصرف الرجل فكان معاذ ينال منه فبلغ النبی صلی الله علیه وسلم فقال فتان فتان فتان ثلٰث مراراوقال فاتنًا فاتنًا فاتنًا وامرة بسورتين من اوسط المفصل قال عمرو لااحفظهما

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ معاذ بن جبل نبی کریم ﷺ کے ساتھ (عشا) کی نماز پڑھتے اس کے بعد (گھر) واپس جاتے، تو اپنی قوم کی امامت کرتے (ایک مرتبہ) انھوں نے عشاء کی نماز پڑھائی تو سورہ بقرہ شروع کردی، ایک شخص چل دیا اس سبب سے معاذؓ کو اس سے رنج رہنے لگا۔ یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی، تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا، کہ فتان، فتان، فتان یا فرمایا کہ فاتن، فاتن، فاتن اور آپ نے ان کو وسط مفصل کی دوسورتوں (کے پڑھنے) کا حکم دیا، عمرو (راوی حدیث) کہتے ہیں، کہ میں ان کو بھول گیا ہوں۔

تشریح: فتان کے معنی لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا اور فاتن کے معنی بھی یہی ہیں (فرق صرف یہ ہے کہ فتان میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس باب اور حدیث کا تعلق بھی مسائل قدوہ سے ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک درست ہے کہ مقتدی حالت نماز میں ہی اقتدا کی نیت کرلے یا چاہے تو اقتدا ترک کر کے منفرد بن جائے، اور حدیث الباب کے واقعہ کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں کہ مقتدی نے حالت نماز میں ہی انفرادا ختیار کر لیا تھا۔ حالانکہ مسلم کی حدیث میں صراحت ہے کہ اس نے سلام پھیر کر نماز ختم اور پھر اپنی الگ ایک گوشہ میں جا کر پڑھی۔ جس کی علامہ نووی نے تاویل کردی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف نیت سے نماز ختم نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے کوئی عمل مفسد صلوٰۃ کرنا ہوگا اور اس کو چاہیئے کہ سلام پھیر کر نماز ختم کردے، پھر دوسری نماز کی نیت کر کے شروع کرے۔

علامہ عینی نے لکھا:۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ امام کے ساتھ کچھ نماز پڑھ کر اس کو ترک کرسکتا ہے یا نہیں شافعیہ کے نزدیک اس اقتدا کو منقطع کر کے الگ اپنی نماز پوری کرسکتا ہے۔ امام بخاری بھی اسی طرف مائل ہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، امام احمدؒ سے دوروایتیں ہیں۔ (عمدہ ص۲/۷۴۷) علامہ عینی نے اور حضرتؒ نے بھی اس موقع پر دوسرے افادات کئے ہیں جو طویل ہیں لہٰذا عمدہ اور فیض الباری میں دیکھ لئے جائیں۔

باب تخفيف الامام فى القيام واتمام الركوع والسجود

(قیام میں امام کے تخفیف کرنے، اور رکوع وسجود کے پورا کرنے کا بیان)

۶۶۴: حدثنا احمد بن یونس قال ثنازهير قال ثنا اسمٰعيل قال سمعت قيساً قال اخبرنی ابومسعود ان رجلاً قال والله يارسول الله انی لاتاخرعن صلوٰة الغداة من اجل فلان مما يطيل بنا فمارايت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی موعظة اشد غضباً منه يومئذ ثم قال ان منكم منفرين فايكم ماصلىٰ بالناس فليتجوز فان فيهم الضعيف والكبير وذاالحاجة

ترجمہ: حضرت ابومسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، یارسول اللہ خدا کی قسم! میں صبح کی نماز سے صرف فلاں شخص کے باعث رہ جاتا ہوں کیونکہ وہ نماز میں طول دیتا ہے، پس میں نے رسول خدا ﷺ کو کبھی نصیحت (کے وقت) اس دن سے زیادہ غضب ناک نہیں دیکھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ (آدمیوں کو عبادت سے) نفرت دلاتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو ہلکی نماز پڑھانا چاہیئے، کیونکہ مقتدیوں میں ضعیف اور بوڑھے اور صاحب حاجت (سب ہی قسم کے لوگ) ہوتے ہیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جو کچھ تخفیف کی جائے وہ قیام میں ہے کہ قراءت مختصر ہو باقی رہا رکوع وسجود کو پوری طرح سے ادا کرنا چاہیے، ان میں قدر مستحب ومسنون سے کم نہ کرے۔ نہ تعدیل ارکان میں کمی کرے۔ فقہ کی کتاب بحر میں تردد کیا ہے کہ جو شخص کھڑے ہوکر مختصر نماز بلا جماعت کے پڑھ سکے اور جماعت کے ساتھ بیٹھ کر تو کون سی افضل ہے، میرے نزدیک دوسری افضل ہے کیونکہ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ بیماروں کو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مساجد کی نماز کے لئے لایا جاتا تھا۔

باب اذا صلے نفسه فليطول ماشاء

(جب کوئی شخص (تنہا) نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طول دے)

٦٦٥ : حدثنا عبدالله بن يوسف قال انا مالك عن ابى الزناد عن الاعرج عن ابى هريرة ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال اذا صلے احدكم للناس فليخفف فان فيهم الضعيف والسقيم والكبير واذا صلے احدكم لنفسه فليطول ماشآء

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے تخفیف کرنا چاہیئے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور اور بیمار اور بوڑھے (سب ہی) ہوتے ہیں۔ اور جب تم میں سے کوئی اپنی نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طول دے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی الگ نماز فرض یا نفل کو جتنا چاہے طول دے سکتا ہے، لیکن جب امام ہوکر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کی رعایت کرے، کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے اور بیمار ضرورت مند سب ہی ہوتے ہیں۔ اسی لئے چاہیئے کہ امام قراءت کو بھی طویل نہ کرے اور رکوع وسجدہ میں تسبیحات بھی مسنون تین بار سے زیادہ نہ کہے، اور یہی وجہ ہے کہ نماز تراویح میں تین رات سے کم میں قرآن مجید ختم کرنے کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے کہ مقتدیوں پر شاق ہوگا۔

اور جتنا قرآن مجید ایک رات میں پڑھنا ہو اس کو بھی بیس رکعات پر مساوی تقسیم کردے ایسا نہ کرے کہ مثلاً دس پارے پڑھنے ہیں تو پہلی رکعت میں ۸۔۹ پارے مثلاً پڑھ دے کہ یہ بھی ضعیف مقتدیوں پر گراں ہوگا۔

عام طور سے حفاظ ان امور کی رعایت نہیں کرتے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے نماز جماعت میں ایسی رعایتوں کی خاص طور سے ہدایت فرمائی ہے جیسا کہ اگلی احادیث سے بھی واضح ہوگا۔

باب من شکیٰ امامہ اذا طول وقال ابو اسید طولت بنایا بنی

جو شخص اپنے امام کی جب وہ نماز میں طوالت کرتا ہو،اور ابواسید نے (اپنے بیٹے سے ایک مرتبہ) کہا کہ بیٹے تو نے ہماری نماز کو طویل کر دیا

۶۶۶: حدثنا محمد بن یوسف قال ثنا سفیٰن عن اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن ابی مسعود قال قال رجل یارسول الله انی لاتاخر عن الصلوٰة فی الفجر مما یطیل بنافلان فیها فغضب رسول الله صلی الله علیه وسلم مارایته غضب فی مواعظة کان اشد غضباً منه یومئذ ثم قال یٰایهاالناس ان منکم منفرین فمن ام منکم الناس فلیتجوز فان خلفه الضعیف والکبیر وذاالحاجة

۶۶۷: حدثنا ادم بن ابی ایاس قال ثنا شعبة قال ثنا محارب بن دثار قال سمعت جابر بن عبدالله الانصاری قال اقبل رجل بنا ضحین وقد جنح اللیل فوافق معاذاً یصلی فبرک ناضحیه واقبل الیٰ معاذ فقرأ سورة البقرة اوالنساء فانطلق الرجل وبلغه' ان معاذاً نال منه فاتی النبی صلے الله علیه وسلم فشکاالیه معاذاً فقال النبی صلے الله علیه وسلم یامعاذ افتان انت اوقال افاتن انت ثلاث مرات فلولا صلیت بسبح اسم ربک الاعلیٰ والشمس وضحٰها واللیل اذا یغشیٰ فانه' یصلی ورآءک الکبیر والضعیف وذوالحاجة احسب هذا فی الحدیث وتابعه' سعید بن مسروق و مسعروالشیبانی وقال عمرو وعبیدالله بن مقسم وابوالزبیر عن جابر قرأ معاذ فی العشآء بالبقرة وتابعه الاعمش عن محارب

ترجمہ ۶۶۶: حضرت ابومسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک شخص نے (آکر کہا، کہ یارسول اللہ علیہ ﷺ) میں نماز فجر سے رہ جاتا ہوں، کیونکہ نماز میں فلاں شخص طول دیتا ہے پس رسول خدا ﷺ غضب ناک ہوئے کہ میں نے آپ کو اس دن سے زیادہ غصہ آتے ہوئے کسی نصیحت کے وقت نہیں دیکھا، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! تم میں سے کچھ لوگ (آدمیوں کو) عبادت سے متنفر کرتے ہیں۔ تو جو شخص لوگوں کا امام بنے، اس کو تخفیف کرنا چاہئے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور اور بوڑھے اور صاحبِ حاجت (سب ہی) ہوتے ہیں۔

ترجمہ ۶۶۷: حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص پانی سنچائی والے دو اونٹ لا رہا تھا رات کا اول وقت تھا، اس نے جو معاذ کو نماز پڑھتے پایا تو اپنے دونوں اونٹوں کو بٹھلا دیا اور معاذ کی طرف متوجہ ہوا، معاذ نے سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھنا شروع کی، تو وہ شخص (نیت توڑ کر) چلا گیا پھر اس کو یہ خبر پہنچی کہ معاذ اس سے رنجیدہ ہیں، لہٰذا وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، اور آپ سے معاذ کی شکایت کی، تو نبی ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا، کہ اے معاذ! کیا تو فتنہ (برپا) کرنے والا ہے (اگر ایسا نہیں ہے) تو تو نے **سبح اسم ربک الاعلی** اور **و الشمس وضحٰها** اور **و اللیل اذا یغشی** کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھائی، کیونکہ تیرے پیچھے بوڑھے اور کمزور، اور صاحب حاجت (سب ہی طرح کے لوگ) نماز پڑھتے ہیں، اور عمرو اور عبیداللہ بن مقسم اور ابوالزبیر نے جابر۔ سے روایت کی ہے کہ معاذ نے عشاء میں سورۂ بقرہ پڑھی تھی اور اعمش نے محارب سے اس کی متابعت کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ احادیث الباب سے ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت کسی خالص امر خیر کے بارے میں بھی شکایت و شکوہ کرنا جائز ہے، جس طرح یہاں کہ نماز اور اس کے تمام ہی ارکان خیر محض ہیں اور ان میں جتنی بھی زیادتی ہو سکے وہ خیر ہی ہونی چاہئے، مگر جب لوگوں پر وہ زیادتی شاق ہونے لگے تو اس کے لئے بھی گلا و شکوہ کرنے کی اجازت دی گئی۔

پھر فرمایا کہ امام بخاریؒ کی یہ خاص منقبت دقیقہ رسی کی ہے کہ شکوے کا باب قائم کر کے متنبہ فرمادیا، ورنہ عام طور سے یہ خلجان ہی رہتا کہ نماز ایسی عظیم وجلیل عبادت کے کسی رکن کی زیادتی وطوالت کسی مومن مخلص کے لئے وجہ گرانی وشکایت کیوں ہو، اب شارع علیہ السلام کی اجازت ملنے پر وہ خلجان باقی نہ رہا اور امام بخاری کی تنبیہ مذکور کی بڑی اہمیت ظاہر ہوئی۔

امام موصوف نے اسی طرح دوسری جگہ بھی تنبیہ فرمائی ہیں، جہاں دوسرے سے قرآن مجید سننے کی فضیلت آئے گی اور وہاں تلاوت کرنے والے کو تلاوت سے روک دینے کا جواز واضح ہوگا۔ چنانچہ

(۱) تفسیر سورۂ نساء میں امام بخاریؒ "**باب قوله فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد و جئنا بك على هؤلاء شهيدا**" میں آئے گا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ارشاد کیا کہ کچھ قرآن مجید سناؤ، انھوں نے سورۂ نساء سنائی اور جب وہ آیت مذکورہ پر پہنچے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب رک جاؤ اور دیکھا گیا کہ حضور علیہ السلام اس وقت زار وقطار رو رہے تھے اور شاید یہ فرط گریہ ہی روکنے کا سبب بنا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (بخاری ص ۶۵۹)

(۲) **باب من احب ان يسمع القرآن من غيره** میں بھی حدیث لائے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرو، عرض کیا، کیا میں حضور کے سامنے قراءت کروں جبکہ وہ آپ ہی پر نازل ہوا ہے؟ فرمایا ہاں! میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں، تب انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور آیت مذکورہ پر پہنچے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا بس اب بس کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں، میں نے حضور علیہ السلام کی طرف دیکھا تو آپ رو رہے تھے (بخاری ص ۷۵۵) (۳) **باب البكاء عند قراءة القرآن** قائم کر کے امام بخاری اسی حدیث مذکور کو پھر سے لائے ہیں۔ (بخاری ص ۷۵۶) اس تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ کوئی امر کیسا ہی بڑا خیر کا ہو اور اس کو روکنے میں کتنی ہی نفس پر گرانی ہو۔ مگر کسی صحیح ضرورت وسبب کے تحت اس کو بھی روک سکتے ہیں۔

افادۂ انور: حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ حدیث الباب کے رجال روایت میں حضرت قیس بن ابی حازم بھی ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ قیس بن ابی حازم اور ابوعثمان مہدی سے زیادہ افضل تابعی میرے علم میں نہیں ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ تابعین میں سے قیس کے سوا کسی نے عشرہ مبشرہ کی زیارت نہیں کی۔ صرف وہی ایک سب سے بڑے خوش قسمت تابعی تھے اور یہی قیس ترک رفع یدین کی روایت کرتے تھے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ تو اگر ترک رفع معدوم محض ہوتا یا زاویہ خمول میں ہوتا جیسا کہ قائلین رفع یدین دعوے کرتے ہیں تو اس کو ایسی عظیم وجلیل شخصیت کیسے اختیار کر سکتی تھی، جس نے اجلہ صحابہ اور ان کے عمل کو دیکھا ہو۔ لہٰذا میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ ترک رفع کی نفی محض قیامت تک بھی ثابت نہیں کی جاسکتی اگرچہ وہ لوگ کتنی بھی طاقت وقوت صرف کر لیں کیونکہ وہ بھی نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، ہماری طرف سے ان لوگوں کی طرح یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ رفع یدین سنت نہیں ہے، یا وہ زاویہ خمول میں ہے، کیونکہ ہم تو دونوں کو سنت نبویہ مانتے ہیں اور اختلاف صرف افضلیت کا ہے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مخالفین حنفیہ کا یہ جذبہ اور خواہش صحیح نہیں کہ ان کے سوا دوسروں کو جنت میں جگہ نہ ملے۔

حضرتؒ کا اشارہ امام بخاری وغیرہ کی طرف ہے، جنھوں نے اختلافی مسائل میں حنفیہ کے خلاف نہایت سخت اور غیر موزوں رویہ اختیار کیا ہے۔ ہم نے مقدمہ انوار الباری جلد دوم ہی میں تالیفات حضرت امام بخاریؒ کے ذکر میں امام بخاریؒ کے رسالہ ''جزء رفع الیدین'' کا بھی تعارف کرایا تھا، اس میں امام بخاریؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں جیسے نامناسب کلمات استعمال کئے ہیں، ان کا اعادہ یہاں غیر ضروری ہے۔ خاص طور سے جبکہ امام اعظمؒ ان کے بالواسطہ استاذ بھی ہیں۔ یہاں چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مصنف ابن ابی شیبہ کا

حوالہ دیا ہے اس لئے اس امر کا ذکر مناسب ہوگا کہ صاحب مصنف مذکور بھی امام بخاریؒ کے کبار اساتذۂ حدیث میں سے ہیں۔ اور انھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ اپنی تالیف مذکور میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ صحابہ و تابعین کے آثار بھی ذکر کرتے ہیں، اور اگر کسی مسئلہ میں دو قسم کی روایات ہوں تو ابواب بھی دو قسم کے باندھتے ہیں۔ مثلاً اس موقع پر "**باب من كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة**" قائم کیا تو پھر دوسرا باب لائے "**من كان يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود**" اور مرفوع حدیث کے بعد، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت اسود، حضرت علقمہ، حضرت ابن عباس اور افضل التابعین حضرت قیس بن ابی حازم (جن کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اوپر دیا ہے) سب سے عدم رفع نقل کیا ہے۔ نیز حضرت علی و حضرت ابن مسعود کے اصحاب کا بھی یہی عمل نقل کیا کہ وہ صرف تکبیر اولی پر رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد رکوع وغیرہ کے وقت نہ کرتے تھے۔

راقم الحروف کا خیال یہ بھی ہے کہ حضرت ابن ابی شیبہؒ چونکہ دونوں جانب کی احادیث و آثار صحابہ و تابعین پیش کرتے ہیں اور ان پر ترجمۃ الباب بھی قائم کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی محدث عبدالرزاقؒ نے بھی اپنے مصنف میں کیا ہے، اسی لئے امام بخاریؒ ان دونوں کے اس طریقہ سے خوش نہیں معلوم ہوتے، کیونکہ وہ تو صرف اپنے ہی طریقہ کو زیادہ پسند کرتے ہوں گے کہ صرف ایک جانب کو لیں اور دوسری جانب کو بالکلیہ حذف کر دیں۔ اور شاید حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے رسالہ "شرح تراجم ابواب صحیح البخاری" کے مقدمہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: بسا اوقات امام بخاری کسی امر ظاہر قلیل النفع کے لئے عنوان و ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں، لیکن تامل کے بعد اس کا نفع معلوم ہوتا ہے، مثلاً **باب قول الرجل ما صلينا** لائے، جو بظاہر کوئی خاص و نفع بخش بات نہیں ہے، مگر وہ اس طرف اشارہ کر گئے، کہ ایک جماعت **جو ماصلينا** (ہم نے نماز نہیں پڑھی) کہنے کو برا جانتی ہے اس کے خیال کی اصلاح مدنظر ہے لہٰذا ان کا رد کیا گیا، اور امام بخاری کے اکثر تراجم ابواب میں مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کے تراجم ابواب پر رد و قدح بھی ہے، کیونکہ ان کے تراجم ابواب میں آثار و شواہد سے استدلال کیا گیا ہے۔ ان کو امام بخاری نے رد کیا ہے۔ اس امر کو وہی سمجھ سکے گا، جو بخاری کے ساتھ ان دونوں حضرات کے مصنفوں کا بھی مطالعہ کرے گا۔

لمحہ فکریہ: امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ رفع یدین میں دو جگہ یہ دعوٰے کیا کہ اصحاب نبی اکرم ﷺ میں سے کسی ایک سے بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا۔ اور ان کے برخلاف محدث ابن ابی شیبہ نے مستقل باب عدم رفع یدین کا قائم کر کے نہ صرف متعدد اصحاب نبی اکرم ﷺ سے ان کے عدم رفع کا ثبوت پیش کر دیا، بلکہ مرفوع حدیث بھی عدم رفع کی پیش کر دی، خدا کا شکر ہے امت مسلمہ اور خاص طور سے حنفیہ کی یہ تمنا پوری ہوئی کہ مصنف عبدالرزاق منصۂ شہود پر آ گئی مجلس علمی ڈابھیل و کراچی نے اس کو مکمل شائع کر دیا ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ بھی حیدرآباد میں چھپ رہی ہے۔ سردست پانچ جلدیں اس کی شائع شدہ ہیں، ان دونوں کو سامنے رکھ کر تراجم ابواب بخاری کا تراجم مصنفین مذکورین سے مقابلہ کریں اور امام بخاری کی مجرد صحیح کے ساتھ احادیث مصنفین کا مطالعہ مع شواہد و آثار صحابہ و تابعین کریں گے تو فقہ البخاری اور فقہ حنفی دونوں اپنے صحیح خدوخال میں رونما ہو جائیں گے۔ مطبوعہ مصنف ابن ابی شیبہ میں **باب من كان يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود** جلد اول کے ص ۲۲۶ و ص ۲۳۷ پر ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت رفع یدین بھی محدث ابن ابی شیبہؒ نے نقل کی لیکن پھر خود ان کا ہی اپنا معمول عدم رفع کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ان کی روایت کے مرجوح ہونے پر دال ہے۔ رفع یدین کی بحث اپنے موقع پر مفصل آئے گی۔ ان شاء اللہ

فقہ بخاری یا اجتہاد: امام بخاریؒ بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ بھی، اور اگرچہ وہ حضرت سفیان ثوری یا امام اوزاعی کی طرح صاحب مذہب مجتہد نہ تھے، اور اسی لئے ان کا مذہب مدون نہ ہوا بلکہ ان کے تلمیذ خاص امام ترمذی وغیرہ کسی نے بھی ان کے اقوال کو بطور صاحب مذہب کے نقل نہیں کیا، اسی طرح وہ مجتہد مطلق بھی نہ تھے۔ اسی لئے جلیل القدر محتاط اکابر امت میں سے کسی نے بھی ان کو مجتہد مطلق نہیں کہا۔ ہمارے

حضرت شاہ صاحبؒ بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری مجتہد مطلق نہ تھے، البتہ ایک درجہ کا تفقہ و اجتہاد ان کو حاصل تھا، جس کی وجہ سے وہ تقلید کے محتاج نہ تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے استنباط و اجتہاد میں بہت توسع کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے بھی کیا کم کیا ہے کہ نصوص کے اشارات و عموم تک سے بھی مسائل نکالے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری میں ضمن حالات امام بخاریؒ ان کے مجتہد ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا، صرف حدیث و فقہ میں مثل امام مالک نقل کیا ہے۔

ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہندؒ سے یہ مقولہ بھی نقل ہوا ہے کہ امام بخاری مجتہد تھے۔ مگر ان کے اجتہاد میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ مجتہد مطلق مثل ائمہ مجتہدین (امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہ) نہ تھے، علامہ شیرازیؒ نے تو ان کو ''طبقات الفقہاء'' میں بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ بظاہر ان کے رتبہ سے کم معلوم ہوتی ہے۔ محترم مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی عم فیضہم نے حاشیۂ دراسات اللبیب ص ۳۰۱/۳۰۷ میں امام بخاریؒ کے تفقہ پر تاریخی اعتبار سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ بھی دیکھی جائے۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں کسی مناسبت سے ظاہر یہ اور اصحاب ظواہر کا تذکرہ کیا تھا۔ وہاں بھی امام بخاریؒ کا ذکر ہوا ہے پھر دیکھا کہ شیخ معین سندی نے بھی دراسات اللبیب ص ۳۰۰ میں امام بخاریؒ کو اصحاب الظواہر میں شمار کیا ہے۔ اور ہم نے حافظ ابن تیمیہؒ کو بھی اصحاب الظواہر میں لکھا تھا پھر دیکھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی تذییل ایضاح الادلہ ص ۷ میں داؤد ظاہری و علامہ شوکانی وغیرہ کے ساتھ علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم وغیرہ کا ''عاملین علی الظاہر'' کے زمرہ میں گنایا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے بھی علامہ ابن تیمیہ کو اہل الظاہر میں سے قرار دیا ہے۔

(حاشیہ موطاء امام محمد ص ۱۲۷/۱۲۹) واللہ تعالیٰ اعلم

مدارج اجتہاد: ہمارے نزدیک علوم نبوت کے بکل معنی الکلمہ صحیح حامل و محافظ ہر نبی و رسول کے جانشین وہ صحابہ رہے ہیں جو درجہ اجتہاد پر فائز تھے اور آخر میں خاتم النبیین علیہ السلام کے علوم و کمالات کے حامل و محافظ بھی آپ کے ایسے ہی فقہاء و مجتہدین صحابہ تھے اور ان کے بعد ان کے جانشین اکابر مجتہدین امت محمدیہ نے اس منصب کو سنبھالا ہے، اور ان ہی کی جلیل القدر علمی خدمات کے صدقہ میں اس دین کا کامل تحفظ قیام قیامت تک باقی رہے گا۔ دور رسالت و صحابہ کے بعد سب سے بڑے مجتہد مطلق و کامل ہمارے سامنے امام اعظم ابوحنیفہؒ آتے ہیں، جن کے اجتہادی کمالات و تفوق کی شہادت خود ان کے ہم عصر مجتہد و امام حدیث مالکؒ نے دی اور برسوں ان کے علوم سے استفادہ فرمایا، ان کے بعد تیسرے مجتہد اعظم امام شافعیؒ نے بھی ان کی اعلیٰ اجتہادی شان کا بھرپور اعتراف کیا، اور ان کے تلمیذ امام محمدؒ سے استفادات کئے، پھر چوتھے درجہ کے مجتہد معظم امام احمدؒ نے بھی ان کے تلمیذ امام ابویوسفؒ سے استفادہ فرما کر اجتہادی بصیرت میں کمال حاصل کیا۔ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول فقہ اور علم اصول و عقائد کی جو کچھ خدمات اب تک کی گئیں اور آئندہ ہوں گی وہ سب ان ہی چاروں اکابر مجتہدین کے فیضان علمی کا کرشمہ ہیں۔ اور ہمارا یقین ہے کہ مجموعی اعتبار سے ان حضرات کے جادۂ اعتدال سے جو بھی جتنا ہٹ گیا وہ اتنا ہی محرومی کا شکار ہوا۔

یہ بھی ایک دنیاوی فتنہ ہے کہ بڑے لوگوں پر حسد کرنے والے بھی بڑے ہو جاتے ہیں، امام اعظم کے حاسدین و معاندین بھی کم نہ تھے، چنانچہ اسی دور کے امام حدیث و فقہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (جن کو امام بخاری نے بھی اعلم اہل زمانہ کہا اور سب ہی موافق و مخالف ان کی جلالت قدر کے معترف تھے) لوگوں کے اعتراضات سے تنگ آ کر فرما دیا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے مت کہو، کیونکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی تو حدیث نبوی کا منشاء و مقصد ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے بڑا اعتراض جو امام صاحب پر تھا وہ ان کے صاحب قیاس و رائے ہونے کا تھا، اور اس کی بڑی وجہ آپ کے مدارک اجتہاد سے ناواقفی اور آپ کے دقیق استنباطات تک نارسائی تھی۔ پھر اس کے ساتھ کچھ لوگوں کا غلط پروپیگنڈہ بھی تھا،